مکمل و مدلل

مسائل رفعت قاسمی جدید

قرآن وحدیث کی روشنی میں
حضراتِ مُفتیانِ کرام دارالعلوم دیوبند
کی تصدیق وتائید کے ساتھ

مسائل مساجد

مسائل
شرک وبدعت

مسائل
آداب وملاقات

مؤلف
مولانا محمد رفعت قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

حامد کتب خانہ کراچی
0333-9596150



مکمل ومدلل

مسائل وآداب ملاقات

قرآن وسنت کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

تالیف

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

ناشر

وحیدی کتب خانہ

میونسپل کابلی پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

☆ کتابت کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں ☆

نام کتاب: مکمل ومدلل مسائل وآداب ملاقات

تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی ومدرس دار العلوم دیوبند

کمپوزنگ: دار الترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیر نگرانی ابو بلال برہان الدین صدیقی)

تصحیح ونظر ثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب

سٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دار العلوم کراچی ووفاق المدارس ملتان وخرتج مرکزی دار القراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور، ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔

منجانب: عبدالوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی
: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی
راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان
پشاور: حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور
: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور
: المیزان اردو بازار لاہور
صوابی: تاج کتب خانہ صوابی
اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر
سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات
تیمر گرہ: اسلامی کتب خانہ تیمر گرہ
باجوڑ: مکتبۃ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین







فہرست اضافہ شدہ مسائل



رائے عالی

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب زید مجدہم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام

علیٰ سیدالمرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، جو ہر منزل پر انسانوں کے لئے اپنے اندر ہدایات رکھتا ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی مرحلہ نہیں ہے، جہاں اس نظامِ حیات میں رہنمائی نہ ملتی ہو، کتاب وسنت اور ان دونوں سے مستنبط احکام ومسائل فقہ میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

دنیاوی زندگی میں بڑے ہوں یا چھوٹے، سبھوں کیلئے سرورِ کونین ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اسوہ موجود ہے، ملنے ملانے، گھروں میں آنے جانے اور دوسروں سے ملاقات کرانے تک کے قوانین حیرت انگیز طور پر مرتب ہیں، آدمی اسکی تفصیل پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اسلام نے ان معمولی چیزوں تک کو نہیں چھوڑا ہے۔

سچ پوچھئے تو تربیت یہیں سے شروع ہوتی ہے، بچوں کو جب تک ابتدا ہی سے ان قوانین پر عمل نہیں کرایا جائے، وہ صحیح معنوں میں مہذب ومتمدن نہیں بن سکتے ہیں، آج چھوٹوں میں جو آزادی ہے اور عام طور پر جس سے ادب واحترام کا جذبہ ختم ہوتا جارہا ہے، یہ دراصل والدین، اور گھروں کے بے توجہی اور اسلامی آداب سے بے اعتنائی کا نتیجہ ہے۔

عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ آدابِ معاشرت کا وہ حصہ مرتب ہوکر سامنے آئے، جس سے گھر کے بچوں کی تربیت کرنے والے رہنمائی حاصل کرسکیں۔ اور بے تکلف وہ کتاب تمام والدین اور مربیوں کے ہاتھوں میں دی جاسکے یہ بات ہمارے دلی مسرت کا باعث ہے، کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک استاد جو بچوں ہی کے حفظ قرآن کی تعلیم پر مامور ہیں۔ ان کی توجہ اس طرف ہوئی، اور انہوں نے پوری محنت اور جانفشانی سے ایک

عمدہ کتاب اس موضوع پر مرتب کردی، یہ ہیں محترم مولانا رفعت صاحب قاسمی، پوری امت کی طرف سے اپنی اس خدمت پر لائق تبریک تہنیت ہیں۔

خاکسار کا تمام مسلمانوں کومشورہ ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں، اپنے نوجوانوں کو پڑھنے کو دیں۔ بلکہ پڑھ کر گھر کے تمام افراد کو سنائیں، جو کچھ پڑھیں یا سنیں۔ اس موضوع پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل کی تاکید کریں۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس گرانقدر خدمت کو قبول فرمائے۔

(آمین یارب العالمین)۔

طالب دعا

ظفیر الدین غفرلہٗ

مفتی دارالعلوم دیوبند

۳ جمادی الآخر ۱۴۰۶ھ۔

ارشادِ گرامی

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ العالی پالنپوری

محدث کبیر دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان مدنی الطبع ہے، باہمی میل جول اس کی فطرت ہے، اسلام نے اس فطری صیغہ میں بھی انسان کی راہ نمائی کی ہے اور ملاقات کے آداب بیان کئے ہیں، اسکی اہمیت کے پیش نظر ہی قرآن کریم میں استیذان (اجازت) کا حکم مفصل نازل فرمایا گیا ہے، مگر لوگ سہل نگاری کی وجہ سے یا تعلیمات اسلامی سے ناواقفیت کی وجہ سے اسلامی آداب پر عمل پیرا نہیں ہوتے اور اسے کچھ زیادہ بُرا بھی نہیں سمجھتے، مکرم ومحترم مولانا رفعت قاسمی صاحب زید فضلہ نے اس طرف توجہ مبذول کی ہے اور اس سلسلہ کے جملہ احکام وآداب مرتب کئے ہیں، مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کیلئے بہت مفید ثابت ہوگی۔

اسلامی احکام خواہ وہ کسی مرتبہ کے ہوں ان پر عمل پیرا ہونا خیر ہی خیر ہے اور معاشرہ کیلئے برکات وخیرات کا ذریعہ ہیں۔ مسلمانوں سے امید ہے کہ وہ اس کتاب کی قدر کریں گے، اور اس سے استفادہ کریں گے، کیونکہ یہ ایک ایسا باب جسکے مسائل عام طور پر لوگوں کے سامنے نہیں آتے فاضل مؤلف نے ان کو بہت دیدہ ریزی سے سلیقہ کے ساتھ جمع کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مسلمانوں کے حق میں مفید بنائیں اور مصنف کے حق میں دارین کی برکات کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین)

سعید احمد غفرلہٗ پالنپوری
خادم دار العلوم دیوبند
۲۲/شعبان ۱۴۰۶ھ۔

تقریظ

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری مدظلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

اسلامی معاشرہ کی اولین درسگاہ اور پہلی تربیت گاہ گھر کی چہار دیواری ہے، اسی میں افراد بنتے ہیں اور بنائے جاتے ہیں اگر ماں کی گود اور گھر کے صحن میں اچھی تعلیم و تربیت ہوگئی تو یہ افراد بہترین معاشرہ کا باعث ہونگے، اسی لئے اسلام میں شخصیت سازی کے لئے سب سے پہلے اسی پر توجہ دی گئی ہے اور اندرون خانہ سے متعلق طرح طرح کے احکام قرآن کریم اور احادیث میں آئے ہیں جن میں اجازت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

ایک مکان اور کنبہ میں مختلف حیثیات و درجات کے لوگ رہتے ہیں۔ان کے حقوق و آداب کی رعایت ضروری ہے، چھوٹوں پر بھی اور بڑوں پر بھی، تاکہ خانگی زندگی میں حسن و خوبی باقی رہے اور کسی فرد کو کسی سے اذیت و شکایت نہ ہو،اس کی بنیادی صورت اجازت ہے۔

اجازت کی شکل کیا ہے،اور اسکی کس قدر اہمیت و ضرورت اور افادیت ہے؟ اسکے بارے میں کتابوں میں تفصیلات ہیں، زیرنظر کتاب میں نہایت جامع طور پر ان کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے، ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں اس قسم کی تعلیمات عام کی جائیں اور بچوں کو ابتداء ہی سے ان پر عمل کرنے کی تاکید کی جائے۔

مولانا حافظ رفعت قاسمی صاحب نے نہایت سلیقہ مندی اور ذمہ داری سے یہ کتاب مرتب کی ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔

قاضی اطہر مبارکپوری شیخ الہند

اکیڈمی دار العلوم دیوبند صفر ۱۴۰۶ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

والدہ ماجدہ قدس سرہا کے نام

میں اپنی اس پہلی تصنیف کو اپنی مادر مہربان کے نام منسوب کرتا ہوں، جنکی دلی خواہش اور کاوشوں کی بدولت مجھے کتاب وسنت کی دولت حاصل ہوئی، اور اس خدمت کے لائق ہوا آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا، اور والد مرحوم سے عرض کیا سب اولاد کو دنیاوی تعلیم میں لگا دیا، اور اگر مرنے کے بعد سوال ہو گیا کہ ”دین کی تعلیم کیلئے کیا کیا؟“ پھر ہمارا جواب کیا ہوگا؟ چنانچہ والدہؒ ماجدہ نے مجھے ”دارالعلوم دیوبند“ کے سپرد کر کے اللہ کے حضور میں دست بدعا ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نوازا۔

پیاری اماں! گو آپ ہم میں موجود نہیں ہیں، لیکن میرے دل اور میری نگاہوں میں وہ منظر سمایا ہوا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں، اور میرے علم وعمل کیلئے دعا کر رہی ہیں، اور میری بھی دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ دونوں کے درجات بلند فرمائے، اور جنت الفردوس میں کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔ (آمین)۔

آپ کا (فرزند) محمد رفعت قاسمی۔

عرض مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، امابعد!

احقر زمانۂ طالب علمی میں دیکھتا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز استاد محترم حضرت مولانا وحید الزمان صاحب مدظلہٗ نے اپنے یہاں یہ قانون بنا رکھا تھا کہ جو شخص ملنے آئے، اولاً دروازہ پر سلام کر کے اجازت طلب کرے اور اپنا نام بتائے، اجازت مل جائے تو کمرہ میں داخل ہو، ورنہ بلا اجازت داخل ہونے کی جرأت نہ کرے، کبھی کوئی قسمت کا مارا بغیر اجازت طلب کئے کمرہ میں داخل ہو جاتا تو اس کی خیر نہ رہتی، خفا ہوتے، پھر سمجھاتے کہ سنت طریقہ اس طرح ہے، اگر طالب علم ہوتا تو اس سے فرماتے واپس جایئے، باہر سے سلام کیجئے اور اجازت لے کر اندر آیئے۔

جب میرا عقد حضرت موصوف کی صاحبزادی سے ہوا، تو میں نے یہ خیال کیا کہ شاید گھر میں یہ اصول نہ ہوگا، چنانچہ ایک روز حضرت کے کمرہ میں اجازت کے بغیر داخل ہو گیا، حضرت کو اس طرح سے بے اجازت آنا ناگوار گذرا، آئندہ کیلئے ہدایت فرمائی کہ ٹھیک ہے کہ یہ تمہارا گھر ہو گیا ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اپنے گھر میں بھی اجازت کے بغیر آنا شریعت کے طریقہ کے خلاف ہے، اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اتنے اہم حکم کو عوام تو درکنار بعض خواص تک پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں اور یہ زرّین اصول بین المسلمین متروک العمل ہو کر رہ گیا ہے۔

میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ قرآن کریم کی معتبر تفاسیر اور احادیث صحیحہ سے گھر میں داخل ہونے اور ملاقات کرنے کے اصول یکجا کر دینے چاہئیں۔ بہت ممکن ہے کہ کسی کی ہدایت کا ذریعہ بن کر میرے لئے زادِ آخرت بن جائے۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر میں نے کام شروع کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل فرمائے۔ (آمین)

محمد رفعت قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند: یکم محرم الحرام ۱۴۰۶ھ۔

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٥ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَداً فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ٥ لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ٥﴾ (پارہ نمبر ۱۸)

ترجمہ:۔اے ایمان والوتم اپنے گھروں کے سوادوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک اجازت حاصل نہ کرلواوران کے رہنے والوں کوسلام نہ کرلو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھوپھراگران گھروں میں تم کوکوئی معلوم نہ ہوتوان گھروں میں نہ جاؤ، جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے،اوراگرتم سے کہہ دیاجائے کہ لوٹ جاؤتوتم لوٹ جایاکرو،یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے،اللہ تمہارے اعمال کی خبررکھتاہے،تم کوایسے مکانات میں جانے کاگناہ نہ ہوگاجن میں کوئی رہتانہ ہوان میں تمہاری کچھ برت ہواورتم جو کچھ اعلانیہ کرتے ہواورجوکچھ پوشیدہ طورپرکرتے ہواللہ تعالیٰ سب جانتاہے۔

ترجمہ:حضرت تھانویؒ۔

تعلیماتِ اسلام کی جامعیت

کسی خرابی اور برائی کے انسداد کی تکمیل اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے تمام اسباب وذرائع ووسائل اورموجبات کی بیخ کنی کردی جائے، اسلام چونکہ ایک حکیمانہ اورمصلحانہ مذہب ہے،اوراس نے انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کے لئے قوانین بنا رکھے ہیں،زندگی کاکوئی گوشہ ایسانہیں جواسکی نگاہ سے اوجھل ہو،اس کے یہاں اخلاقی، معاشرتی،اجتماعی اورسماجی،تمام اصلاحات کےمکمل اورجامع قوانین مرتب ومزین ہیں،اس نے ہرایک برائی کی روک تھام کی ہے،مثلاً زنامیں مبتلاہونے کے جتنے اسباب ہوسکتے ہیں

اس نے سب ہی کی روک تھام کی ہے۔ اور اس کے جو اسباب ہو سکتے ہیں سب پر پہرہ بٹھا دیا ہے، اور شہوانی جذبات کی تسکین کے لئے ایک فطری راستہ کھول رکھا ہے، زنا کا پہلا اور بنیادی راستہ نظر بازی ہے، لوگوں نے محبت کی تعریف کی ہے کہ ایک نادیدہ شئی ہے، جو آنکھوں کے راستہ دل میں اترتی ہے، اسلام نے ہدایت کی ہے کہ نگاہ پست رکھی جائے، اور اجنبی عورت پر بلاوجہ نگاہ نہ ڈالی جائے، پردہ کی اہمیت سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر مواصلات وتعلقات کے ذرائع منقطع ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ زنا کے کیس کا کوئی واقعہ پیش آجائے۔ عموماً زنا کے کیس وہیں پر ہوتے ہیں، جہاں عورت ومرد میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو، دور ونزدیک کا رشتہ یا پاس پڑوس کا تعلق ہو، ایک دوسرے کے مکان میں بغیر اجازت آمد ورفت ہو، کسی قسم کا تکلف نہ ہو، خلوت وجلوت میں کوئی خاص احتیاط نہ ہو، کسی عورت کے شوہر سے کسی کی دوستی ہو اور وہ گھر میں بے تکلف چلا آئے۔ یہ یا اور اسی قسم کے اسباب ہی زنا کے مواقع فراہم کرتے ہیں، اور خفیہ دبی ہوئی چنگاری کو بھڑکاتے ہیں، مرد وعورت کا صنفی تعلق ایک دوسرے کی طرف کشش فطری ہے۔ جب موانع نہ ہوں اور موقع میسر آجائیں تو شہوانی قوتوں کی کارفرمائی ظہور میں آجاتی ہے۔

اسی لئے اسلام نے اس سلسلہ میں ضروری ہدایت دی ہیں، چنانچہ اس کی یہ تعلیم ہے کہ کوئی شخص ایک دوسرے کے مکان میں بے دھڑک نہ جائے۔ ویسے بھی بے دھڑک جانا وحشیانہ اور جاہلانہ فعل ہے، شائستہ اور مہذب انسان اس کو قطعاً پسند نہیں کرتے، حد یہ ہے کہ اسلام نے باپ ہو یا بیٹا یا کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار کسی کو بھی بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی ہے، اس کو جاہلی کا طریقہ اور بدتہذیبی کا مظاہرہ قرار دیا ہے، کیونکہ رشتہ اگر قوی نہیں ہے، یا بالکل اجنبی تھے تو اس وقت بغیر اجازت کے داخل ہونا، بڑے بڑے قبائح اور فتنوں کا باعث ہوسکتا ہے، مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں سلام کا دستور نہ تھا ایک دوسرے سے ملتے تھے، لیکن سلام نہ کرتے تھے کسی کے گھر جاتے تو اجازت نہیں لیتے تھے بلکہ یونہی گھس جاتے اور پھر کہتے کہ میں آگیا ہوں تو بسا اوقات یہ گھر والوں پر گراں گزرتا تھا، ایسا بھی ہوتا کہ صاحب خانہ کبھی ایسی حالت میں ہوتا کہ اس کا آنا بہت ہی برا لگتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی دستور و قواعد کو اچھے آداب کیساتھ بدل دیا، اسی لئے فرمایا ہے: ((ذالکم خیر الکم)) یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، مکان والے اور آنے والے کو اس میں راحت اور آرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں اس کے لیے مفصل احکام نازل ہوئے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے اس کے لئے جتنی تاکید فرمائی ہے اتنا ہی آج کل مسلمان اس سے غافل ہو گئے ہیں بعض پڑھے لکھے نیک لوگ بھی نہ اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرنے کی فکر کرتے ہیں، دنیا کی دوسری مہذّب قوموں نے اس کو اختیار کر کے اپنے معاشرہ کو درست کرلیا ہے مسلمان جس کو عمل میں سب سے آگے ہونا چاہئے سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔

اسلامی احکام میں سب سے پہلے سُستی اسی احکام میں شروع ہوئی بہرحال استیذان (اجازت طلب کرنے کا) مسئلہ قرآن کا اہم واجب التعمیل حکم ہے، اس میں ذراسی سستی اور تبدیلی کو بھی حضرت ابن عباسؓ انکار آیت قرآن جیسے شدید الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

طلب اجازت کی وجوہات

(۱) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کے رہنے کی جگہ عطا فرمائی ہے خواہ مالکانہ ہو یا کرایہ پر اور یا عاریۃ ہو، جب تک بھی وہ اس مکان میں رہے رہنے والے کا ہی کہلائے گا، اس مکان میں کسی دوسرے حتیٰ کہ اصل مالک مکان کو بھی بغیر اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

انسان کا گھر اس کا مسکن ہے اور مسکن کی اصل غرض و غایت سکون و راحت حاصل کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں جہاں اپنی اس نعمت گرانمایہ کا ذکر فرمایا ہے اس میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَناً﴾ (النحل)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں میں تمہارے سکون و راحت کا سامان دیا اور یہ سکون و راحت جب ہی باقی رہ سکتی ہے کہ انسان دوسرے کسی شخص کی مداخلت کے بغیر اپنے گھر میں اپنی ضرورت کے مطابق آزادی سے کام انجام دے اور آرام کر سکے، اس کی آزادی میں خلل ڈالنا گھر کی اصل مصلحت کو فوت کرنا ہے اور ایذاء دینا اور تکلیف پہنچانا ہے، اسلام نے کسی کو بھی ناحق تکلیف دینا حرام قرار دیا ہے، اجازت کے احکام میں ایک بڑی مصلحت

لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالنے اوران کی ایذارسانی سے بچنا ہے۔ جو ہر شریف آدمی کا عقلی فریضہ ہے۔

(۲) دوسری مصلحت خوداس شخص کی ہے جو کسی سے بھی ملاقات کے لئے گیا ہو جب وہ اجازت لے کر شائستہ انسان کی طرح ملے گا تو مخاطب بھی اس کی بات قدر ومنزلت سے سنے گا۔ اوراگراس کی کوئی ضرورت ہے تو اس کو پورا کرنے کا داعیہ اس کے دل میں پیدا ہوگا، اس کے خلاف اچانک پہنچنے سے صاحب خانہ اس کو بلائے ناگہانی سمجھ کر دفع الوقتی سے کام لے گا اگر خیر خواہی کا داعیہ ہوا بھی تو وہ مضمحل ہو جائے گا، اور آنے والے کو ایذائے مسلم کا گناہ الگ ہوگا۔

(۳) تیسری مصلحت فواحش وبے حیائی کا انسداد ہے بغیر اجازت کسی کے مکان میں داخل ہو جانے سے یہ بھی احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے۔ اور شیطان دل میں غلط وسوسہ پیدا کردے۔ اسی مصلحت سے احکام استیذان کو قرآن میں حدزنا، حدقذف وغیرہ کے احکام کے متصل ہی ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۴) ذراغور کیا جائے تو بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلا اجازت اوراچانک کسی کے گھر میں نہیں پہنچنا چاہئے، کیونکہ بعض اوقات انسان اپنے گھر کی، تنہائی میں کسی ایسے کام میں مشغول ہوتا ہے جس سے دوسروں کو مطلع کرنا مناسب نہیں سمجھتا تو ایسے وقت میں کوئی شخص وہاں پراچانک آپہنچے تو گھر والے کو اس سے بڑی کلفت اوراذیت ہوتی ہے۔ اور طبیعت میں ایک قسم کا انقباض پیدا ہوتا ہے، اسی طرح دوسروں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرنا چاہئے کہ خدا معلوم وہ اس وقت کسی ایسے ضروری کام میں مشغول ہوں جس کی کسی کو خبر کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوں، تو ہمارا اس کے پاس یکا یک پہونچنا اتنا ہی شاق گذرے گا جیسا کہ ایسے موقع پر ہم کو ناگوار گذرتا ہے، انسان جن چیزوں کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا دوسروں کے اچانک پہنچنے سے وہ راز پوشیدہ نہیں رہے گا، اور یہ ظاہر ہے کہ زبردستی کسی کا راز معلوم کرنا گناہ ہے، جو دوسروں کے لئے موجب ایذاء رسانی ہے، اور ایذائے مسلم گناہ ہے۔

(۵) بعض مرتبہ ایسی حالت میں بلا اطلاع داخل ہو جانے والے پر غصہ بھی آجاتا ہے، اور زبان سے سخت وسست جملے بھی نکل جاتے ہیں اور کبھی بے خبری میں گھس آنے والے کے

لئے زبان سے بددعا بھی نکل جاتی ہے۔

آنے والے نے ناحق اس کے ناقابل اظہار امور میں مداخلت کی جو اس کیلئے ناگواری اور اذیت کا سبب ہوا کیونکہ صاحب خانہ اس حالت میں مظلوم کی حیثیت رکھتا ہے اور مظلوم کی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ بخاری کی حدیث ہے:

((اتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب))

ترجمہ:۔ مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

(۶) بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی جب کسی جگہ تنہا ہوتا ہے تو لباس کی درستگی اور بدن چھپانے میں چنداں احتیاط نہیں کیا کرتا تو ایسے وقت بے خبری میں کوئی آجائے تو اس شخص کو بڑی ندامت اٹھانی پڑتی ہے، اور آنے والے کو بھی نہایت شرمندگی لاحق ہوتی ہے۔

(۷) انسان کی طبیعت کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ جب وہ تنہائی میں بیٹھا ہو تو کسی خیال میں محو ہوتا ہے، اگر ایسی حالت میں اچانک کوئی اس کے پاس پہنچ جائے تو وہ چونک پڑتا ہے، اس پر ایک قسم کا توحش طاری ہو جاتا ہے، جس سے اس کے دل و دماغ کو دفعۃً صدمہ پہنچتا ہے، اور مومن اللہ کی درگاہ میں بڑا عزت دار ہے، اس کی اذیت دہی اور تکلیف رسانی بڑا گناہ ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ اس کو پہلے باہر سے اس طرح اطلاع دی جائے کہ جو محبت و تعلق کا پہلو لئے ہوئے ہو، اور اس قدر محبت آمیز ہو جس سے توحش دور ہو جائے اور وہ محبت و انس کے ساتھ اجازت دیدے اور اچانک آنا ناگوار خاطر نہ ہو۔ الغرض یہ تھوڑے سے وہ اصول ہیں جن کے اوپر ہم عمل پیرا ہو کر اپنے معاشرہ کو ایک مثالی معاشرہ بنا سکتے ہیں، جس میں صرف راحت و آرام اور چین و سکون ہی ہوگا، ان کے بغیر ہم معاشرہ میں سکون پیدا نہیں کر سکتے اور پریشانیوں کے انبار میں گھرے رہیں گے جو ہمیں کسی بھی وقت چین سے نہیں رہنے دیں گی۔

انس حاصل کرنے کے فائدے

آیت قرآنی میں جو بتلایا گیا ہے وہ: ﴿حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى أَهْلِهَا﴾ (الآیۃ) یعنی کسی کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک دو کام نہ کرلو۔ اول استیناس (اجازت) دوسرے سلام، استیناس کے لفظی معنی انس کے ہیں، جمہور مفسرین کے

نزدیک اس سے مراد استیذان یعنی اجازت حاصل کرنا ہے، درحقیقت دونوں لفظوں میں ایک لطیف فرق ہے جس کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ﴿حَتّٰی تَسْتَاْذِنُوا﴾ فرمایا جاتا تو آیتِ مبارکہ کے معنی یہ ہوتے کہ لوگوں کے گھروں میں نہ داخل ہو جب تک تم اجازت نہ لے لو، اس طرزِ تعبیر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے ﴿تَسْتَاْنِسُوا﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

اجازت کو عربی زبان میں ((اذن)) کہتے ہیں جس سے اجازت لینے کے معنی ہیں: ''استیذان'' بنتا ہے اور ''استیذان'' (اجازت طلب کرنا) جس سے ﴿تَسْتَاْنِسُوا﴾ جس کا مادہ انس ہے۔ کو کہ اردو زبان میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿تَسْتَاْنِسُوا﴾ اگرچہ اجازت لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مگر یہ معنی اس کے حقیقی اور خاص اسی لفظ کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی تو انس چاہنا، انس معلوم کرنا، یا اپنے سے مانوس کرنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے استیذان کی جگہ استیناس استعمال فرمایا ہے اور بجائے ﴿تَسْتَاْذِنُوا﴾ کے ﴿تَسْتَاْنِسُوا﴾ کے لفظ کو اختیار فرمایا ہے حالانکہ اس معنی کے لئے بظاہر پہلا لفظ زیادہ موزوں تھا، مگر ایسا اس لئے کیا گیا کہ ''استیناس'' زیادہ فوائد پر مشتمل ہے۔

استیناس ''انس'' سے مشتق ہے جس کا مقصد انس حاصل کرنا ہے، اور وحشت دور کرنا۔

طالب اجازت عام طور پر اجازت سے قبل وحشت میں مبتلا ہوتا ہے کہ اجازت ملتی ہے یا نہیں حصول اجازت اس کی وحشت کے ازالہ کا موجب ہے اس لئے یہ لفظ ﴿تَسْتَاْنِسُوا﴾ استعمال کیا گیا ہے۔

ہماری زبان میں وحشی ان جانوروں کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو انسان سے مانوس نہیں ہوتے، اور آدمیوں سے گھبراتے ہیں، جو جانور لوگوں سے گھبراتے نہیں ہیں بلکہ مانوس ہوتے ہیں، انہیں پالتو کہتے ہیں۔ تو یہ لفظ مہلت، اجازت، آرام، محبت وغیرہ طلب کرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے، چونکہ تعلق آرام کا سبب ہے، اس لئے تعلق کا طلب کرنا بعینہٖ آرام کا طلب کرنا بھی ہوسکتا ہے، ایسے ہی مہلت و اجازت کیلئے بھی تعلق ضروری ہے اور بغیر تعلق کے یہ غیر ممکن ہے نیز اس لفظ کے اختیار کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقصود توحش کا دفع کرنا ہے اور اپنی آمد کی اطلاع دینا ہے، جس طرح بھی حاصل ہو جائے۔

(المنجد، القاموس الجدید، جلالین)

دستک کا شرعی حکم

جولوگ اس زمانہ میں اجازت حاصل کرنے میں سنت پر عمل کرنا چاہیں تو مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھر کے دروازے پر پہنچ کر باہر سے سلام کرے، پھر اپنا نام بتلا کر اجازت طلب کرے، آج کل اس زمانہ میں اجازت طلب کرنے میں کبھی بعض دشواریاں پیش آتی ہیں، کیونکہ جس سے اجازت حاصل کرنا ہو وہ دروازہ سے دور ہوتا ہے، وہاں تک سلام کی آواز اور اجازت کے الفاظ پہنچنا مشکل ہوتے ہیں۔

اجازت لینے کے طریقے ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں مختلف ہوسکتے ہیں، زبان ہی کی خصوصیت نہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینا ہے، روایات واحادیث سے ثابت ہے لیکن دستک ہو تو اتنی زور سے نہ ہو کہ مخاطب گھبرا اٹھے اور اس پر وحشت طاری ہو جائے، متوسط انداز سے دستک دی جائے، جس سے اندر آواز تو پہنچ جائے، مگر کسی ہنگامی حالت کا اظہار نہ ہو۔

چنانچہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے:

((عن انس مالک ان ابواب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقرع بالاظافیر)) (الحدیث)

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹائے جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اجازت کیلئے زبان سے کہنا شرط نہیں ہے بلکہ اور طرح بھی ہوسکتی ہے، دوسرے یہ کہ اجازت سے وحشت وتکلیف کا سد باب مقصود ہے، جو طلب اجازت کا خاص سبب ہے۔

مفتی شفیعؒ صاحب کی تحقیق

مندرجہ بالا مسئلہ کے بارے میں مفتی صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی کے یہاں گھنٹی کے ذریعہ اطلاع کرنے کا طریقہ رائج ہو، تو آنے والے پر اس کا بجانا ہی واجب ہے اور یہ استیذ ان کی ادائیگی کے لئے کافی ہو جائے گی۔ مگر سنت جب ہی ہوگا کہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی ایسی آواز سے ظاہر کردے جس کو مخاطب سن لے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ جو کسی جگہ رائج ہو اس کو اختیار کرنا بھی جائز ہے مثلاً آج کل شناختی کارڈ جو اہل یورپ سے

چلا ہے یہ رسم اگر چہ اہل یورپ نے جاری کی ہے۔ مگر مقصد اس سے بھی اجازت طلب کرنا اور اپنا نام بتانا ہوتا ہے کوئی شبہ نہیں کہ اس سے بھی طلب اجازت کا کام پورا ہو جاتا ہے، اجازت دینے والے کو اجازت چاہنے والے کا پورا نام اور پتہ اپنی جگہ پر بیٹھے بٹھائے بغیر کسی تکلیف و تکلف کے معلوم ہو جاتا ہے اس لئے اس کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

آیتِ مذکورہ میں ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا﴾ سے خطاب کیا گیا ہے جو مردوں کیلئے استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں اکثر احکام مردوں کو مخاطب کر کے نازل ہوئے ہیں، یا مردوں کے حق میں ان کا نزول ہوا ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسا کہ عام احکام قرآن کا انداز یہی ہے مگر عام طور پر ان تمام میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ بجز مخصوص مسائل کے جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اسی طرح مذکورہ آیت میں عورتیں بھی ضمناً داخل ہیں۔

صحابیاتؓ کا دستور

عام طور سے جاہل تو جاہل لکھی پڑھی عورتیں بھی سمجھتی ہیں کہ عورتوں سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں بغیر کسی اجازت کے گھر میں بلا روک ٹوک چلی آتی ہیں، کوئی گناہ یا کوئی برائی نہیں سمجھتیں، حالانکہ اس کی وجہ سے بعض مرتبہ کسی بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، عہد صحابہؓ میں ان کی عورتوں کا تعامل یہ تھا کہ جب وہ کسی کے گھر جاتی تھیں تو پہلے اجازت چاہتی پھر داخل ہوتی تھیں۔

روایت:۔ حضرت ام ایاسؓ فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے اجازت طلب کرتی تھیں جب آپ اجازت دے دیتیں تو ہم اندر داخل ہوتیں۔

روایت:۔ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس چار عورتیں گئیں اور اجازت طلب کی کہ کیا ہم آسکتی ہیں؟ آپؓ نے فرمایا نہیں تم میں سے جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو کہہ دو کہ وہ اجازت طلب کرے، ایک عورت نے پہلے سلام کیا پھر اجازت چاہی حضرت صدیقہؓ نے اجازت دیدی، پھر حضرت عائشہؓ نے آیت پڑھ کر سنائی: ﴿لَا تَدْخُلُوا بُیُوتاً غَیْرَ بُیُوتِکُمْ﴾ (الآیۃ)

آیت کا عموم

تو آیت کے عموم اور صحابیاتؓ کے عمل سے معلوم ہوا کہ کسی کے گھر جانے پہلے استیذان کا حکم عام ہے، مرد وعورت، محرم وغیر محرم سب کو شامل ہے، مثلاً عورت کسی کے گھر جائے، یا مرد کسی کے مکان میں جائے سب کو اجازت طلب کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر مرد اپنی ماں، بہن یا کسی دوسری محرم عورت کے یہاں جائے، تو بھی اجازت حاصل کر کے جانا چاہئے۔

ایک شبہ کا ازالہ

آیت مذکورہ میں۔۔۔﴿ بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ ﴾ ہے تو اپنا گھر کون سا ہے، اور اپنے گھر سے کیا مراد ہے۔ اور دوسروں کا گھر کون کہلائے گا؟

اس کو پہلے سمجھ لینا چاہئے کہ آدمی کے جس قدر رشتہ دار ہوتے ہیں جن کے گھروں کیلئے اپنا گھر ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد اپنے گھر ہونے کا تعین ہوگا۔

آدمی کے رشتہ دار یا تو اس کے اصل سے تعلق رکھتے ہیں یعنی جن سے یہ پیدا ہوا ہے جیسے ماں باپ، دادا، دادی، چنانچہ ان میں سے زیادہ قریب اس کے حقیقی ماں باپ ہیں، دوسرا رشتہ فروع کا ہے، یعنی جو اس سے پیدا ہوئے ہیں، جیسے اولاد اور اولاد کی اولاد، ان میں سب سے زیادہ قریب صلبی اولاد ہوتی ہے یا برابر کے رشتہ دار ہیں جن میں سب سے زیادہ قریب حقیقی بہن بھائی ہیں، یا سسرالی رشتہ دار ہیں ان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ بیوی کا ہے۔

ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حکم

اب ہر ایک کیلئے احکام سن لئے جائیں اور اپنے اور غیر کے گھر اندازہ کر لیا جائے۔

((یستاذن الرجل علیٰ ابیه و اخیه و اختہ)) (الادب المفرد) آدمی کو اپنے باپ، بھائی اور بہن سے اجازت لینا چاہئے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بھائی و بہن اور والدہ کا مکان اس طرح اپنا مکان نہیں سمجھا جاتا کہ وہاں اجازت کی ضرورت نہ ہو۔

خاص لوگوں کیلئے طلب اجازت

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ایک شخص کو اپنے باپ، بھائی اور بہن کے گھر میں آنے کیلئے اجازت لینے کی ضرورت ہے، اسی طرح جب لوگ اپنی اولاد اور چھوٹوں کے یہاں آئیں تو ان کو بھی ان کے گھروں میں آنے کیلئے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مقصد دونوں جگہ خبر دینا اور پھر حاضر ہونا ہے۔

جس بنیاد پر باپ سے بیٹے کو اجازت لینا پڑتی ہے اسی طرح باپ کو بھی اپنے چھوٹوں سے اجازت حاصل کرنا چاہئے۔

اب رشتہ داروں کی فہرست میں سے اولاد، باپ، بھائی، بہن، نکال دینے کے بعد صرف ماں اور بیوی باقی رہ گئیں ہیں جن کا تذکرہ تفصیل سے احادیث میں آیا ہے۔

بار بار سوال کرنا

موطا امام مالکؒ میں مرسلاً روایت ہے: ((**عن عطاء بن يسار أن رجلاً سال رسول الله ﷺ فقال استأذن علىٰ امى، فقال: نعم فقال الرجل انى معها في البيت فقال رسول الله ﷺ استأذن عليها، فقال الرجل انى خادمها، فقال رسول الله، استأذن اتحب ان تراها عريانية قال لا. قال فاستأذن عليها**))۔ (الحدیث)

عطاءؒ بن یسار سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کیا مجھ کو اپنی ماں سے بھی اجازت لینی چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک! پھر اس نے سوال کیا کہ میں تو انکے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں، ارشاد فرمایا: اجازت ان سے بھی لیا کرو، اس شخص نے مزید کہا کہ میں تو ان کا خادم ہوں، (بار بار اس لئے سوال کیا تھا کہ شاید کوئی چھٹکارے کا پہلو مل جائے) آپ ﷺ نے فرمایا اجازت لیا کرو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھو، اس نے کہا نہیں ارشاد فرمایا، اسلئے تو اجازت لے کر ان کے پاس جایا کرو (آدمی تنہائی میں مخلّی بالطبع ہوتا ہے)۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اپنی ماؤں اور بہنوں کے پاس جانے کے لئے

بھی اجازت لینا ضروری ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا، میری بہن میرے زیر پرورش ایک ہی مکان میں میرے ساتھ مقیم ہیں۔ کیا ایسی صورت میں بھی مجھے گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت لینی ضروری ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جی ہاں، حضرت عطاءؒ نے دوبارہ سوال کیا مگر پھر بھی وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ سوال پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: کیا تم ان کو برہنہ دیکھنا پسند کرتے ہو۔ حضرت عطاءؒ نے انکار کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اسی لئے اجازت لینا ضروری ہے (کہ پتہ نہیں کہ کسی حالت میں ہو)۔

حضرت حذیفہؓ سے دریافت کیا گیا، کیا ماں کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے بھی اجازت طلب کرنا ضروری ہے، فرمایا: ہاں، اگر اجازت نہ مانگے گا تو ہوسکتا ہے کہ ان کو ایسے حال میں دیکھے جو ماں کو ناگوار ہو، اور یہ ماں کو تکلیف پہنچانا ہے اور یہ مسلم ہے کہ کسی مسلمان کو اذیت دینا درست نہیں۔

مندرجہ بالا احادیث وروایت سے معلوم ہوا کہ جس مکان میں ماں اور بہن ساتھ مقیم ہوں تو وہ مکان بھی اسی حکم میں آتا ہے، اسلئے وہاں بھی اجازت لینا ضروری ہوگا۔

اپنے گھر کی تعریف

اب تمام اعزاء کی فہرست میں سے صرف بیوی کا حکم باقی رہ جاتا ہے اس کے پاس بلا اجازت جانا جائز ہے اور وہ گھر جسمیں صرف بیوی کے ساتھ رہتا ہو وہ گھر اپنا گھر کہلائے گا۔ اس کے علاوہ اور گھروں کیلئے اجازت لینا ضروری ہے اگر بیوی والے گھر میں کوئی اور بھی مقیم ہو یا کوئی مہمان آیا ہوا ہو تو مکان اس کی طرف منسوب ہو جائے گا چاہے وہ مکان اسی کا کیوں نہ ہو، تو اپنا گھر بھی اس وقت اجازت سے بری نہ ہوگا۔ وہاں پر بھی بغیر اجازت داخل ہونا ممنوع ہوگا۔ تو اپنے مکان سے وہ مکان مراد ہے جس میں آدمی تنہا خود ہو، یا صرف بیوی کے ساتھ رہتا ہو خواہ وہ مکان اپنی ملک میں ہو یا کرایہ کا ہو یا یوں ہی عاریۃً ہو۔ اگر کرایہ کا یا مانگے کا مکان ہے تب بھی وہ مکان رہنے والے کا ہی کہلائے گا اصل مالک کو بغیر اجازت کے داخل ہونا جائز ہے نہیں۔

اپنے گھر میں آنے کا مسنون طریقہ

جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو، اس میں داخل ہونے کیلئے اگرچہ اجازت واجب نہیں ہے مگر مستحب اور درست طریقہ یہ ہے کہ وہاں پر بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے قبل اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھکار سے یا کسی اور طریقہ سے پہلے باخبر کردے پھر داخل ہو۔

حضرت عطاءؒ سے معلوم کیا گیا بیوی کے پاس بھی بغیر اجازت نہ جایا جائے؟ فرمایا کہ وہاں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ابنِ کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا اس سے مراد یہی ہے کہ اجازت واجب نہیں لیکن مستحب اور اولیٰ وہاں پر بھی ہے۔

اپنے گھر میں بیوی سے اجازت چاہنے کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن اطلاع ضرور ہونی چاہئے۔ ممکن ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ وہ نہیں چاہتی کہ خاوند اس کو اس حالت میں دیکھے، مثلاً بعض باتیں عورتوں کو نہانے دھونے میں خاوند کے روبرو کرنے میں بری معلوم ہوتی ہیں اور خاوند کیلئے بھی ایسی حالت میں نگاہ پڑنے پر باعث نفرت ہونے کا اندیشہ ہے۔

ان احادیث وروایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ اجازت کے اسباب جہاں پر اور ہیں وہاں پر ایک احتمال برہنگی کا بھی ہے ہوسکتا ہے وہ شخص جس کے پاس یہ جارہا ہے اس وقت برہنہ ہو۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس کا ستر دیکھنا جائز نہیں وہاں پر اجازت کی ضرورت ہے اور جس کا ستر دیکھنا جائز ہے وہاں پر اجازت کی ضرورت نہیں اور وہ مکان جس میں صرف بیوی رہتی ہو اور غیر کے آنے کا امکان نہ ہو تو اس کو اجازت کی ضرورت نہیں۔

یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ بیوی کا ستر دیکھنا جائز تو ہے لیکن نامناسب ہے حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ہم نے زندگی بھر ایک دوسرے کا ستر نہیں دیکھا۔

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہؓ بن مسعود جب میرے پاس گھر میں آتے تھے تو کھنکار کے آتے تھے، اور کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تھے۔ تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے۔

امام احمدؒ نے اسی لئے صراحت کی ہے کہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کھنکارنا یا

پاؤں کی آواز پیدا کرنا مستحب ہے۔ (ابن جریر، وابن کثیر)

حضرت مجاہد نے عام مفسرین کے برخلاف ((تستأنس)) کے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ کھنکارنا تہذیب کے ساتھ تھوکنا، دروازہ کی کنڈی ہلکے سے بجانا، اور نرمی کے ساتھ بات کرنا، پاؤں کی آہٹ پیدا کرنا، یا کوئی ایسا مناسب ذریعہ استعمال کرنا جس سے صاحب خانہ کو اطلاع ہو جائے یہ سب استیناس کے ذیل میں آتے ہیں۔

حضرت مجاہد کی دلیل مندرجہ ذیل ہے:

((اخرج ابن خاتم عن ابی سورة ابن اخی ابی ایوب قال قلت یارسول الله. هذا سلام فما الاستیناس. قال یتکلم الرجل بتسبیحة، وتکبیرة، ویتنحنح فیؤذن اهل البیت الحدیث))۔ (تفسیر ابن کثیر)

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا طریقہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ((سبحان الله، یا الحمدلله یا الله اکبر)) بلند آواز سے کہہ دینا، یا کھنکارنا کہ جس سے گھر والے سمجھ جائیں کہ کوئی اندر آرہا ہے۔

اجازت کیلئے کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ

اور جس مکان پر حصول اجازت کیلئے جائیں تو اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ دروازہ کے اندر کا سامنا نہ ہو، تاکہ اجازت کا مقصد بھی حاصل ہو جائے، اور بے پردگی کی خرابیوں سے حفاظت بھی ہو جائے۔

حضرت عبداللہؓ بن بشر کی روایت ہے: ((اذا اتیٰ بابا یرید ان یستأذن لم یستقبله جاء یمیناً وشمالاً فان أذن...... والا انصرف...)) (ادب المفرد)

ترجمہ:۔ جب آدمی کسی کے دروازے پر اجازت لینے کیلئے آئے تو دروازہ کے آمنے سامنے سے نہ آئے بلکہ داہنی جانب یا بائیں جانب سے آئے اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ لوٹ جائے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ جب کسی کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے تو اس کے دروازے کے بالکل سامنے نہ کھڑے ہوتے تھے بلکہ ایک جانب کھڑے ہو کر زور سے سلام کرتے۔

عین دروازے پر کھڑے ہونے سے اس لئے بھی اجتناب فرماتے تھے، کہ اول تو اس زمانہ میں دروازوں پر پردوں کا رواج نہیں تھا اگر پردہ بھی ہوتا تو بھی اس کے کھل جانے کا احتمال باقی رہتا تھا۔

دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو آپ نے اس یہ تعلیم دی کہ اس طرح دروازہ پر کھڑے ہونا چاہئے کہ اندر نگاہ نہ جانے پائے، کیونکہ اجازت کا مقصد یہی ہے کہ اچانک کسی پر نظر نہ پڑے۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ رات میں گشت فرمارہے تھے، ایک شخص کی آواز سنی کہ وہ گا رہا ہے آپ کو شک گزرا دیوار پر چڑھ گئے دیکھا وہاں پر شراب بھی موجود ہے اور عورت بھی ہے آپ نے پکار کر کہا، اے دشمنِ خدا کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہیں کرے گا اس نے جواب دیا اے امیر المؤمنین جلدی نہ کیجئے گا اگر میں نے ایک گناہ کیا تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں:

نمبر۱:۔ اللہ نے تجسس کو منع فرمایا ہے۔ ولا تجسسوا ۔

نمبر۲:۔ گھر میں دروازہ سے آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ((واتوا البیوت من ابوابھا))

نمبر۳:۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اجازت کے بغیر مت جاؤ۔ ﴿ لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ ﴾ آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں آئے ہیں یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ بھلائی کے راہ اختیار کرے گا۔

گھر میں جھانکنے کی ممانعت

اجازت کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ دوسرا آدمی جو چیز آپ پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا ہے، آپ اس پر کسی طرح باخبر نہ ہوں، اگر پہلے ہی گھر میں جھانک لیا تو یہ مصلحت ختم ہوجائے گی احادیث شریفہ میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

حضرت انسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے حجرہ مبارک میں باہر سے جھانکا حضور ﷺ اس وقت ایک تیر ہاتھ میں لئے ہوئے تھے آپ اس کی طرف بڑھے کہ گویا کہ اس کے پیٹ میں بھونک دیں گے۔

حدیث شریف میں ہے: ((لایحل لا مراء مسلم ینظر الیٰ جوف بیت حتیٰ یستأذن فان فعل فقد دخل))۔ (رواہ البخاری والمسلم)

کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں جھانکے اگر اس نے ایسا کیا تو گویا وہ داخل ہی ہو گیا۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ شریعت مطہرہ میں جھانکنے کی سخت ممانعت ہے۔

فاروق اعظمؓ کا فتویٰ

((عن عمرؓ بن الخطاب من ملاء عینہ من قاعہ بیت قبل ان یؤذن لہ فقدفسق))

عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ جس نے اجازت سے پہلے صحن مکان کو نظر بھر کر دیکھا تو اس نے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔

معلوم ہوا کہ بغیر اجازت کسی گھر میں جھانکنا بھی درست نہیں بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر دروازہ کھلا ہوا ہو یا گھر کے اندر کا سامنا ہو رہا ہو تو اس کے سامنے نہ کھڑا ہو، اگر ایسا کیا گیا تو حضرت فاروق اعظمؓ کے فتویٰ کے مطابق وہ فاسق قرار پائے گا۔

((عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذادخل البصر فلااذن لہ))

ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کے گھر میں نظر پہنچ جائے تو اس کو اجازت کا استحقاق نہ رہا۔

گویا اس نے اسلامی قاعدہ کی خلاف ورزی کی اور اپنے کو گنہگار بنایا۔

آنکھ پھوڑنے کا مسئلہ

کسی کے گھر میں جھانکنے والے کیلئے سخت وعید فرمائی گئی ہے: ((لوان امرأ اطلع علیک بغیر اذن فخذ فتہ بحصاۃ ففقات عینہ ما کان علیک من جناح))۔ (الحدیث)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی تیرے گھر میں تیرے اجازت کے بغیر جھانکنے لگے، اور تو اس کو اس کی حرکت پر کنکر مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھ کو کوئی گناہ نہیں ہے، گناہ غالباً اس لئے نہیں ہوگا کہ اس نے بغیر اجازت واطلاع جھانکنے کی ابتداء کی، اور اس طرح گھر کی عورتوں کو دیکھنے کا ارادہ کیا تھا جو کسی بڑے فتنہ کا سبب بھی ہوسکتا ہے۔

اگر وہ اپنی آنکھ پھوٹ جانے کا مقدمہ قاضی کے پاس لے جائے تو قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہ دے گا، اور نہ کنکری مارنے والے پر کوئی آنکھ کی دیت عائد کرے گا۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے شخص کی آنکھ پھوڑ دینا جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حکم محض نگاہ ڈالنے کی صورت میں نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہے کہ جب کوئی شخص گھر میں بلا اجازت گھس آئے اور گھر والوں کے روکنے سے باز نہ آئے اور گھر والے اس کی مزاحمت کریں، اس کشمکش اور مزاحمت میں اس کی آنکھ پھوٹ جائے یا کسی حصہ کو نقصان پہنچ جائے تو گھر والوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ (احکام القرآن، حصاص)

اندھے کی نگاہ کا حکم

فقہاء نے نگاہ کے ہی حکم میں سماعت کو بھی داخل کیا ہے، مثلاً کوئی نابینا گھر میں بلا اجازت چلا آئے تو اس کی نگاہ تو نہیں پڑے گی مگر گھر میں جو پردہ والی عورتیں ہیں تو ان کی نگاہ تو اندھے پر لازماً پڑے گی اور پھر اس کے کان گھر والوں کی باتیں بلا اجازت سنیں گے، یہ چیزیں بھی نظر کی طرح تخلیہ کے حق میں بے جا مداخلت کے حکم میں ہیں۔ اسی طرح اگر اس گھر میں نامحرم ہیں تو یہ ان کو تو نہیں دیکھ سکے گا مگر وہ اس کو دیکھیں گی یہ بھی اسی طرح گناہ ہے جیسے یہ انکو دیکھتا۔

حضور ﷺ نے اس حق کو گھر میں داخل ہونے کی سوال تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کو ایک عام حق قرار دیا ہے جس کے رو سے دوسرے کے گھر میں جھانکنا، یا باہر سے نگاہ دوڑانا یہاں تک کہ ایک دوسرے کے خطوط یا ذاتی کاغذات پڑھنا بھی ممنوع قرار دیا ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((من نظر فی کتاب اخیه بغیر اذنه فأنما ینظر فی النار))۔(الحدیث)

جس نے اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے خط کو دیکھا تو گویا اس نے آگ کو دیکھا۔

آج ہمارا اس پر بالکل عمل نہیں رہا اگر ڈاکیہ کسی کو کسی کا خط دیتا ہے تو وہ اس کو پڑھ لیتا ہے اسی طرح اگر کسی کے ہاتھ آپ کہیں پرچہ بھیج رہے ہیں تو وہ پڑھ لیا جاتا ہے۔ اور یہ عادت ہمارے معاشرے میں اسقدر عام ہوگئی ہے کہ ہم کو اس کا احساس تک باقی نہیں رہا کہ ہم کوئی بُرا کام کر رہے ہیں حالانکہ یہ سب چیزیں اس وعید کے اندر داخل ہیں۔

حدیث کا اصل مقصد اور ہمارے لئے خاص سبق یہ ہے کہ نفسانی خواہشات جو بظاہر بڑی لذیذ اور مرغوب معلوم ہوتی ہیں ہم جان لیں کہ اس کا انجام دوزخ کا دردناک عذاب ہے، جس کا ایک لمحہ زندگی بھر کے عیش و آرام کو بھلا دیگا اور احکام الٰہی کی پابندی والی زندگی جس میں ہمارے لئے گرانی اور سختی محسوس ہوتی ہے اس کا منتہیٰ جنت ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے لذت و راحت کا سامان ہے جن کی دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہیں لگی ہوگی۔

طلب اجازت کیساتھ سلام کرنا

آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں، طلب اجازت، اور سلام۔ سلام تو اسلئے کہ وہ محبت پیدا کرتا ہے اور وحشت کو دور کرتا ہے۔

((عن النبی ﷺ لاتدخلوا الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا. الا ادلکم علی ماتحابون به قالوا بلٰی یارسول اللہ ﷺ قال افشوا السلام بینکم))

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک مومن نہ ہو جاؤ گے۔ اور مومن نہیں ہو سکتے جبکہ آپس میں محبت نہ رکھو گے۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کے سبب تم میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ ﷺ۔ ارشاد فرمایا: آپس میں سلام کرنے کا رواج دو۔

گھر والوں کو بھی سلام کا حکم فرمایا گیا ہے، اس وقت اس گھر میں جو بھی موجود ہوں، ان پر سلام کی ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ آنے والے نے اس کے مکان سے فائدہ

اٹھایا ہے۔اور((**هل جزاء لاحسان الاالاحسان**))احسان کا بدلہ احسان ہے تو نفع رسانی کا ایک ایسا اُصول مقرر کردیا جس پر نادار کم حیثیت شخص ایک رئیس کے مقابلہ میں استعمال کر سکے تو مختصر اور بہتر نفع رسانی جو ہر ایک کے لئے میسر اور کارآمد ہوسکے یہ ایک دعا کی تعلیم فرمائی گئی ہے وہ بھی نہایت جامع مختصر، وہ ہے:((**السلام عليكم ورحمة الله**)) کہ تم پر خدا کی رحمت اور سلامتی ہو۔((**الله اكبر**)) کسی قدر جامع دعا ہے اللہ تعالیٰ تم کو تمام بری چیزوں، آفتوں، بلاؤں مصیبتوں اور تکلیفوں سے محفوظ وسلامت رکھے۔نیز اس لئے بھی سلام ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سننے والا آواز وغیرہ کو کوئی خوفناک چیز نہ سمجھے، اس کی وحشت وگھبراہٹ میں اضافہ نہ ہوجائے۔جب اپنے لئے دعا رحمت وسلامتی سُنے گا تو اطمینان ہوجائے گا۔پھر اگر کسی ناقابل اظہار کام میں لگا ہوا ہوگا تو اس کا انتظام کر کے، اجازت دیدیگا۔یا اگر ملنا منظور نہ ہوگا تو انکار کردے گا۔پھر یہ کہ آنے والا بھی دعاء سلامتی سے محروم نہ رہے گا۔وہ اپنی دعاء سلامتی کے جواب میں دوسری طرف سے وعلیکم سنے گا۔

سلام پہلے یا اجازت

حصول اجازت کیلئے دو عمل ضروری قرار دیئے ہیں تو ان دونوں میں سے کس کو مقدم اور کس کو مؤخر کیا جائے۔((**عن ابی هريرة فيمن يستأذن قبل ان يسلم قال لايؤذن له حتى يبدأبالسلام**))۔(الحدیث)

ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اجازت نہ دی جائے جو پہلے سلام نہ کرے۔

((**عن كلدة بن حنبل.قال دخلت علي النبي ﷺ ولم اسلم واستأذنت فقال النبي ﷺ ارجع فقل السلام عليكم أادخل**))۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت کلدۃؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پاس گیا اور میں نے سلام نہیں کیا اور اجازت طلب کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ واپس جاؤ، اور آکر پہلے السلام علیکم کہو، پھر داخل ہو۔

آنحضرت ﷺ نے ادب کی تعلیم کیلئے حضرت کلدہؓ کو اجازت کا طریقہ صرف زبانی بتادینے کیساتھ ساتھ ان سے اس پر عمل کروایا اور ظاہر ہے جو سبق اس طرح دیا جائے تو آدمی اس کو کبھی بھی بھلا نہیں سکتا۔

ترمذی میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ قضاء حاجت سے فارغ ہوکر آرہے تھے، لیکن دھوپ کی تاب نہ لاسکے تو قریش کی ایک جھونپڑی کے پاس پہنچ کر فرمایا((**السلام علیکم**)) کیا میں اندر آسکتا ہوں، سلامتی سے آجاؤ صاحب خانہ نے کہا آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر وہی جواب دیا۔آپ کے پاؤں جل رہے تھے، کبھی اس قدم پر سہارا لیتے تو کبھی اس قدم پر آپ نے فرمایا کہ یوں کہو کہ آجایئے، پھر آپ اندر تشریف لے گئے۔

مفسرین کرام نے ان روایات سے استدلال کیا ہے کہ قرآن شریف میں جو سلام کرنے کا حکم ہے، یہ سلام استیذان ہے جو اجازت حاصل کرنے کے لئے باہر سے کیا جاتا ہے تاکہ اندر جو شخص ہے وہ متوجہ ہوجائے اور جو الفاظ اجازت طلب کرنے کے لئے کہے گا۔ وہ صاحب خانہ سن لے اور گھر میں داخل ہونے کیلئے حسب معمول دوبارہ سلام کرے۔

تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ؓ کا عمل

تعلیم سنت اور تعامل صحابہ کی روشنی میں علماء کرام نے اس کی تفصیل کی ہے، مکان اگر بڑا ہو اور سلام کی آواز نہ پہنچے تو پہلے اطلاع کرنا اور اجازت طلب کرنا ضروری ہے اور پھر ملاقات کی وقت سلام کرنا چاہیے۔

اگر مکان چھوٹا ہو، تو اجازت طلب کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہئے، اور گھر والوں کو سلام کرنے کا مفہوم بعض مفسرین نے یہ بھی لیا ہے کہ پہلے اجازت حاصل کرو اور جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو۔ استیذان واجب ہے اور تقدیم سلام سنت۔

استیذان (اجازت) کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی گھر والا سامنے مل جائے تو پہلے سلام کرلے۔ پھر اجازت طلب کرے۔

عام روایات سے جو طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے سلام کرے((**السلام علیکم**))اس کے بعد اپنا نام لے کر بتلائے کہ فلاں شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

اگر صاحبِ خانہ کو طلب اجازت اور سلام سے معلوم نہ ہوسکے کہ کون صاحب ہیں اور صاحب خانہ معلوم کرے کہ کون صاحب ہیں۔تو جواب میں پورا نام مع عرفی نام ظاہر کردے، جس سے وہ متعارف ہو، چونکہ بعض حضرات کا نام عرفی زیادہ مشہور ہوتا ہے یہی

طریقہ بہتر معلوم ہوتا ہے، اپنا پورا نام و پتہ پورے طریقہ سے ظاہر کردے، تاکہ گھر والوں کو پہنچاننے میں پریشانی اور تکلیف نہ ہو جیسا کہ فاروق اعظمؓ کا عمل تھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر یہ الفاظ فرمائے تھے۔ ((**السلام علیکم (علیٰ رسول اللہ ﷺ) ایدخل عمر**)) ابن کثیر، یعنی آپ نے سلام کے بعد کہا کہ کیا عمرؓ داخل ہوسکتا ہے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمر کے پاس ملاقات کیلئے گئے۔ اور اجازت حاصل کرنے کے لئے یہ جملہ فرمایا: ((**السلام علیکم هذا ابو موسیٰ: السلام علیکم هذا الاشعری**)) سلام کے بعد اس میں پہلے اپنا نام بتایا پھر مزید وضاحت کیلئے اشعری جو خاندانی نسبت تھی ذکر فرمایا، اور یہ اس لئے کہ جب تک صاحب خانہ اجازت لینے والے کو پہچانتا نہیں ہے اجازت دینے میں اسے تردد ہوتا ہے اس تردد وتشویش سے بچانے کیلئے ضروری ہے اجازت طلب کرنے والے کو کہ اپنا پورا نام و تخلص ظاہر کردے، تاکہ مخاطب کو پریشانی اور ایذاء نہ ہو اور وہ پہچاننے کے بعد بخوشی اجازت دیدے۔

کئی منزلہ عمارت میں طلبِ اجازت

اگر ایک گھر میں کئی فیملیاں رہتی ہوں یا کئی منزلہ مکان ہو اور ہر ایک منزل میں کوئی رہتا ہو۔ تو ہر ایک الگ مستقل گھر کے حکم میں ہے خواہ دروازہ ایک ہی کیوں نہ ہو، ان میں سے ہر ایک میں جانے کے لئے اجازت لینا ضروری ہے ان گھروں میں اجنبی کو صریح اجازت لے کر داخل ہونا چاہئے، اجازت لینے میں ہرگز اپنے لئے ناگواری کا احساس نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ بہت سے مفاسد کی جڑیں کاٹ دینے کا ذریعہ ہے اور ہر طرح سے دونوں کیلئے مفید ہے، پھر ان احکامات خداوندی کو نہ حقیر جاننا چاہئے اور نہ غیر مفید، یہ احکام جو بظاہر محض ادنیٰ جزئیات معلوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قانون میں حد درجہ اہمیت رکھتے ہیں اور حد درجہ اہتمام کے مستحق ہیں۔

میں، میں کرنے کی ممانعت

اجازت طلب کرنے کے اندر سب سے بُرا طریقہ یہ ہے جس کے بعض حضرات

عادی ہوتے ہیں باہر سے اندر جانے کیلئے اجازت طلب کی یا کنڈی بجائی مخاطب اندر سے معلوم کرتا ہے کہ کون صاحب ہیں تو اپنا پورا نام ظاہر کرنے کے بجائے جواب میں ''میں ہوں'' یا خاموش کھڑے رہتے ہیں کوئی جواب نہیں دیتے۔ صاحب خانہ جس نے اصل آواز نہیں پہچانی وہ بھلا لفظ ''میں'' سے کیا خاک پہچانے گا بلکہ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے کا ایک طریقہ ہے اس سے اجازت کی مصلحتیں فوت ہوجاتی ہیں حدیث شریف میں بھی اس لفظ ''میں، میں'' کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔

خطیبؒ بغدادی نے اپنی تاریخ میں علی بن عاصم کی واسطہ سے نقل کیا ہے کہ وہ بصریٰ شہر گئے، تو حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے، اور دروازہ پر دستک دی حضرت مغیرہؓ نے اندر سے معلوم کیا کون صاحب ہیں، جواب دیا ((أنـــا)) (میں ہوں) تو حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں سے تو کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کا نام ((أنـــا)) (میں) ہو۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور ان کو ایک حدیث سنائی کہ ایک مرتبہ حضرت جابر بن عبداللہؓ اپنے والد مرحوم کے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ کی فکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت لینے کے لئے دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے معلوم کیا کون صاحب ہیں۔ تو حضرت جابرؓ نے بھی ''أنا'' سے جواب دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور زجر وتنبیہ کے فرمایا ''أنا، أنا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کہنے کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ میں کہنے سے یہ تو معلوم نہیں ہوسکتا کہ کون ہے جب تک اپنا پورا نام یا عرفیت نہ بتائی جائے۔

طلب اجازت میں سنجیدہ جملے

ہمارے شفیق معلم صلی اللہ علیہ وسلم نے استیذان کا طریقہ اور اس کے الفاظ کی بھی تعلیم فرمائی ہے، ابوداؤد کی حدیث میں ہے:

((جاء رجل من بنی عامر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال أألج فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للجاریة اخرجی فقولی له قل السلام علیکم أأدخل فانه لم یحسن الا استیذان قال فسمعتها قبل ان تخرج الی الجاریة فقلت السلام علیکم أأدخل فقال وعلیک ادخل فدخلت)) ۔ (الحدیث)

بنی عامر کا ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا ((أألــج)) کیا میں اندر آؤں؟ آپ ﷺ نے ایک باندی سے فرمایا یہ شخص اجازت کا طریقہ نہیں جانتا ہے باہر جا کر اس کو طریقہ سکھا دو۔ اور اس سے کہہ دو کہ کہے اس طرح سے کہ ((**السلام علیکم، أأدخــل**)) کیا میں آسکتا ہوں۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اس باندی کے آنے سے پہلے آپ ﷺ کے کلمات سن لئے تھے، چنانچہ دوبارہ اسی طرح عرض کیا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تو آپ ﷺ جواب میں ((**وعــلــیــک. أدخــل**)) آپ ﷺ نے آنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ میں داخل ہو گیا۔ تو معلوم ہوا کہ اُمت محمدیہ کیلئے صاحب امت کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے۔ ((**السـلام عـلیـکـم أأدخـل**))۔ ((أأدخل)) کے الفاظ طلب اجازت میں استعمال کئے جائیں یعنی کیا میں آسکتا ہوں، یا حاضر ہو سکتا ہوں۔

((أألــج)) کی تحقیق: ۔ اس شخص نے ادخل کے بجائے لفظ أألج استعمال کیا تھا یہ نامناسب تھا کیونکہ أألج ۔ ولوج ۔ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ کسی تنگ جگہ میں گھسنے کے ہیں۔ اور یہ لفظ تہذیب کے خلاف تھا۔ جس طرح لفظ گھسنا اُردو کے اندر داخل ہونے کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جو مہذب معاشرہ میں ایک طرح کی بدتہذیبی شمار ہوتی ہے، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے ہر پہلو کا لحاظ رکھا ہے کہ بات کرتے ہوئے کیسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں تا کہ مخاطب دماغی بوجھ محسوس نہ کرے۔ ایسے الفاظ کے استعمال کرنے کا اندازہ وہاں پتہ چل سکتا ہے جو حضرات بہت ہی نازک طبع ہوتے ہیں۔

جواب نہ ملنے پر سنت طریقہ

اگر کسی کے دروازہ پر جا کر اجازت طلب کی جائے اور اندر سے کوئی جواب نہ آئے۔ تو سنت طریقہ یہ ہے کہ دوبارہ اجازت طلب کرے۔ اگر پھر بھی آواز نہ آئے تو تیسری مرتبہ اجازت طلب کرے۔ اگر اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ ملے تو واپس لوٹ جانا چاہئے۔ (جواب کے انتظار میں کھڑا نہیں رہنا چاہئے۔ اور اگر اجازت طلب کئے بغیر صاحب خانہ کا انتظار کرے تو وہ اس کے حکم میں داخل نہیں ہے)۔

تین مرتبہ کہنے سے یہ تو یقین ہو جاتا ہے کہ آواز تو سن لی ہوگی مگر یا تو وہ ایسی حالت

میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا۔ مثلاً نماز پڑھ رہا ہے، یا بیت الخلاء میں ہے، یا غسل کر رہا ہے، یا سو رہا ہے یا کسی اسی طرح کے کام میں مشغول ہے، یا اس کو ملنا منظور نہیں ہے، اور نہ کوئی ایسا فرد ہے کہ جس کے ذریعہ وہ منع کرادے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں تشریف لے گئے تین مرتبہ اجازت طلب کی جب کوئی جواب نہ آیا تو واپس لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ نے کہا کہ عبداللہ ابن قیس آنا چاہتے ہیں ان کو بلالو۔ باہر جا کر دیکھا تو وہ واپس ہو چکے تھے، واپس جا کر حضرت عمرؓ کو ان کے جانے کی خبر دی اس کے بعد جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے معلوم کیا کہ آپ کیوں واپس چلے گئے تھے۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

((اذا استأذن احدکم ثلاثاً فلم یؤذن له فلیرجع))

کہ تین مرتبہ اجازت چاہنے کے بعد اگر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ۔ میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی۔ جب جواب نہ آیا تو میں اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے واپس لوٹ گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کی صحیح ہونے کی ثبوت کے لئے اپنے خاص انداز میں کہا کہ کسی گواہ کو پیش کرو۔ ورنہ میں تم کو سزادوں گا حضرت ابوموسیٰ ابواشعریؓ وہاں سے اُٹھ کر ایک انصار کے مجمع میں پہنچے، اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی نے حضورؐ کا یہ حکم سنا ہو تو میرے ساتھ چل کر عمرؓ سے تصدیق کردے۔ انصارؓ نے کہا کہ یہ حکم تو عام ہے، بے شک آپ ﷺ نے فرمایا ہے اور ہم سب نے سنا ہے ہم اپنے سب سے کم عمر لڑکے کو آپ کے ساتھ گواہ کے طور پر ساتھ کردیتے ہیں۔ چنانچہ ابوسعید خدریؓ گئے اور حضرت عمر سے کہا میں نے بھی یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہے حضرت عمر اس وقت افسوس کرنے لگے کہ بازاروں کے لین دین نے مجھے اس مسئلہ سے غافل رکھا۔

ملنے پر مجبور نہ کرنا

سلام یا دستک وغیرہ کے ذریعہ سے اجازت حاصل کرنے کی کوشش تین مرتبہ کرنے کے بعد اگر کوئی جواب نہ آئے تو وہاں پر جم کر بیٹھنا صاحب خانہ کیلئے موجب ایذاء

ہے اسلام نے اس کو پسند نہیں کیا ہے کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ ملاقات کیلئے دوسرے کو مجبور کرے یا اس کے دروازہ پر ٹھہر کر اسے تنگ کرنے کی کوشش کرے۔ اور نہ ہی یہ پسند ہے کہ دروازہ پر جا کر بدتہذیبی کے ساتھ پکارا جائے۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کی صحبت میں رہ کر اسلامی ادب وتہذیب کی تربیت پائی تھی۔ وہ آپ ﷺ کے اوقات کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے۔ ان حضرات کو پورا پورا احساس اور خیال تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے دین کے کام میں کس قدر مصروف زندگی بسر فرماتے ہیں اور ان تکھا دینے والی مصروفیتوں کے دوران میں لازماً کچھ وقت آپ ﷺ کے آرام کیلئے اور کچھ وقت آپ ﷺ کی اہم مشغولیتوں کیلئے، اور کچھ وقت اپنی عائلی زندگی کیلئے ضروری ہے چونکہ یہ حضرات بخوبی جانتے تھے کہ آپ ﷺ کے گھریلو معاملات بھی دین میں ایک اہم باب کی حیثیت رکھتے ہیں اسلئے وہ حضرات آپ ﷺ سے ملاقات کیلئے اسی وقت حاضر ہوتے تھے جب آپ ﷺ باہر تشریف فرما ہوتے، اور کبھی آپ ﷺ کو مجلس میں موجود نہ پاتے تو تہذیب کے ساتھ بیٹھ کر آپ ﷺ کے آنے کا انتظار کرتے تھے، کسی شدید ضرورت کے بغیر آپ ﷺ کو باہر تشریف لانے کی زحمت نہ دیتے تھے، لیکن عرب کے اس ماحول میں جہاں عام طور پر لوگوں کو کسی شائستگی کی تربیت نہ ملی تھی، بارہا اس قسم کے لوگ بھی آپ ﷺ سے ملاقات کیلئے حاضر ہو جاتے تھے۔ جن کا تصور یہ تھا کہ دعوت الی اللہ، اور اصلاح خلق کا کام کرنے والے کو کسی وقت بھی آرام کا حق نہیں ہے۔ اپنے آپ کو سمجھتے تھے کہ ہمارا حق ہے کہ رات دن میں جب دل چاہے آپ ﷺ کے پاس بلا روک ٹوک چلے آئیں اور جب بھی وہ آ جائیں اور کام کیلئے درخواست کریں۔ آپ ﷺ ارشاد فرمائیں۔ بعض حضرات ایسے بھی تھے جو بالکل اسلامی تعلیم سے نابلد اور ناآشنا ہوتے تھے۔ وہ حجرۂ مبارک کے پاس آپ کو زور زور سے اپنی سادگی کی وجہ سے پکارتے تھے۔ ایسے متعدد واقعات احادیث میں ملیں گے۔

مثلاً:۔ وفد بنی تمیم ملنے کیلئے آیا۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما نہ تھے۔ حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ وہ لوگ باہر ہی سے پکارنے لگے۔ ((یامحمد اخرج الینــــا)) اے محمد ﷺ ہماری طرف نکل آ۔ یہ بدعقلی تھی یا سادگی، وہ تہذیب وتمدن سے آشنا نہیں تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو ان حضرات کی ان حرکات سے بہت سخت تکلیف ہوتی تھی مگر آپ ﷺ اپنی طبع حلمی کی وجہ سے اس کو برداشت فرماتے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس ناشائستگی کے عمل پر ملامت کرتے ہوئے لوگوں کو یہ ہدایت دی: ((**ولو انهم صبروا حتیٰ تخرج الیهم**))۔ (الآیہ، الحجرات) کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر میں تشریف فرما ہوں تو ان کو آواز دے کر پکارنا ادب کے خلاف ہے، بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ انتظار کریں اور جس وقت آپ ﷺ اپنی ضرورت کے مطابق باہر تشریف لائیں تو اس وقت ملاقات کریں۔

آپ ﷺ کی ذات منبع البرکات تھی، مسلمانوں کے تمام دینی و دنیاوی امور کا مرکز و ملجاء تھی۔ کسی معمولی سے معمولی ذمہ دار آدمی کیلئے بھی کام کرنا سخت دشوار و مشکل ہو جاتا ہے اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔

صحابہؓ کا طرز عمل

رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور آپ ﷺ سے ملاقات کرنے والوں کو جو آداب سکھائے گئے تھے، ان کا منشاء یہ تھے، ان کا منشاء یہ کہ آپ ﷺ سے ملاقات اور بات چیت میں انتہائی ادب ملحوظ رکھیں، کسی شخص کی آواز آنحضرت ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ آپ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے لوگ یہ نہ بھول جائیں کہ وہ عام آدمی یا اپنے برابر سے ملاقات نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اللہ کے رسول پاک ﷺ سے مخاطب ہیں، اس حکم کے نازل ہونے پر صحابہ کرامؓ کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قسم ہے خدائے پاک کی اب میں مرتے دم تک آپ ﷺ سے اس طرح گفتگو کرونگا، جیسے کوئی سرگوشی کرتا ہو۔

حضرت عمرؓ اس قدر آہستہ بولنے لگے تھے۔ کہ بعض اوقات آنحضرت ﷺ کو دوبارہ معلوم کرنا پڑتا تھا۔ اور ثابتؓ ابنِ قیس کی خلقۃً آواز بلند تھی مگر اس آیت کو سن کر ڈر سے بہت روئے اور نہایت تکلف کر کے اپنی آواز کو پست کر دیا تھا۔ ان واقعات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے بزرگ اشخاص کے ساتھ ملاقات اور گفتگو میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے۔

بڑوں سے ملاقات کے آداب

علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات علم میں یا عمر میں بڑے ہوں، اسی طرح مشائخ واساتذہ کیساتھ بھی ملاقات کے وقت یہ ادب ملحوظ رہنا چاہئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی انصاری صحابی کے دروازہ پر پوری دو پہر انتظار کرتا تھا کہ جب وہ باہر تشریف لائیں تو ان سے کسی حدیث کی تحقیق کروں اگر میں ان سے ملنے کیلئے اجازت طلب کرتا تو وہ ضرور مجھ کو اجازت مرحمت فرمادیتے، مگر اس کو خلاف ادب سمجھتا تھا اس لئے انتظار کی مشقت کو گوارا کرتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب میں بعض لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے جاتا اور معلوم کرتا کہ وہ سو رہے ہیں تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار کیلئے بیٹھ جاتا۔ لو کے جھونکے چلتے رہتے جس کی وجہ سے میرے منہ اور بدن پر مٹی پڑتی رہتی تھی۔ مگر میں وہیں پر پڑا رہتا تھا۔ جب وہ اٹھتے اور اپنی ضروریات سے باہر نکلتے تو اس وقت جس حدیث کو معلوم کرنا ہوتا تھا اسے دریافت کرتا تھا، وہ حضرات کہتے تھے، کہ تم نے اچھا نہیں کیا مجھے اطلاع کرادیتے، میں عرض کرتا کہ میرا دل نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آجائیں یہ دلیل ہے کہ صحابہؓ وتابعین نے بھی اپنے علماء ومشائخ کیساتھ اسی آداب کو ملحوظ رکھا ہے، کیونکہ وہ وارثین انبیاء تھے۔ اور دلیل ان کی یہ ہے حضرت ابو درداؓ کو ایک دن رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آگے چل رہے ہیں فرمایا کہ کیا تم ایک ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو تم سے دنیا وآخرت میں بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابو بکر سے بہتر اور افضل ہو۔ (روح البیان)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اللہ نے نبی کی شان میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے۔

حضرت ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کے دروازہ پر جا کر دستک نہیں دی بلکہ اس کا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لائیں گے تو اس وقت ان سے ملاقات کروں گا۔ (روح المعانی)

مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوا کہ ادب یہ بھی ہے کہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کا بغیر انکو اطلاع کئے ہوئے باہر ہی انتظار میں بیٹھا رہے، جب وہ اپنی فرصت کے مطابق باہر تشریف لائیں تو ملاقات کرلیں قرآن کریم میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔

طالب علموں کو ان واقعات سے سبق لینا چاہئے کہ صحابہؓ کرام ایک حدیث حاصل کرنے کیلئے دروازہ پر بیٹھ جاتے تھے اور آج ہمارا کیا حال ہے کہ کسی بھی وقت استاذ کا دروازہ جا کر کھٹکھٹا دیتے ہیں۔

ادب واحترام کا ثمرہ

یہ ادب ہی تو تھا جس نے حضرت ابن عباسؓ کو بحر العلوم کا لقب دلوایا آپ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہونے کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ قریب بھی رہتے تھے۔ یہ سب اس جانفشانی کا ہی ثمرہ تھا۔ ورنہ اگر یہ بھی کسی خوش فہمی یا بڑائی میں مبتلا ہو جاتے تو یہ مراتب جنہوں نے ان کو عزت کے بام عروج تک پہنچا دیا کیسے حاصل ہوتے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس سے علم حاصل کرو اس سے تواضع کیساتھ پیش آؤ۔ بخاری میں حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جس شخص سے میں نے ایک لفظ بھی پڑھا میں اس کا غلام ہوں خواہ آزاد کرے یا بیچ دے۔

ان ارشادات اور حضرت ابن عباسؓ کے عمل کی روشنی میں ذرا اپنے معاشرہ کے اوپر بھی نظر ڈالنی چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ معاشرہ کی کیا حالت ہے آج ہمارے معاشرہ میں صاحب زادہ ہونے کا روگ ایک کینسر کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ کتنے صاحبزادے ہیں جو اپنے نیک سیرت و نیک دل والدین کے علوم کے وارث ہیں؟ کیا آج ہمارے درمیان صاحبزادہ گیت ہونا کم علم ہونے اور محنت نہ کرنے کی سند نہیں بن گیا ہے؟

قابل غور بات ہے کہ کیا صاحبزادے پیدائشی ایسے ہوتے ہیں یا پھر بعد میں حالات ایسا کر دیتے ہیں اور اس منزل تک پہنچا دیتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں سب سے زیادہ ہاتھ جاہل مریدوں اور معتقدین کا ہے کہ جنہوں نے صاحبزادوں کو صنم خانہ کے صنم کا درجہ دے رکھا ہے ایک وہ شخص جو کسی سے ملاقات کرنے میں منہ بناتا ہے مگر وہ صاحب

زادوں کے سامنے دوزانو بیٹھ جاتا ہے۔اسلام شخصیت پرستی کا شدت سے مخالف ہے چونکہ شخصیت پرستی ہی بت پرستی کا وسیلہ ہے۔ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہم کیا شخصیت پرستی کو ہوا نہیں دے رہے ہیں حالانکہ اسلام میں بزرگی کا دارومدار تقویٰ پر ہے،اس طرح نہ صرف ہم ایک غیر اسلامی طریقہ کی تائید کررہے ہیں بلکہ ان صاحبزادوں کا مستقبل بھی خراب کررہے ہیں جو غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک فطری چیز ہے جب ہم کسی شخص کو اس کی حیثیت سے زیادہ بڑھائیں گے تو یقیناً وہ اپنے بارے میں غلط رائے قائم کرلے گا۔اور جو کچھ اسے اپنے آباؤ اجداد کی وراثت کی حفاظت کیلئے کرنا چاہئے تھا وہ اس کو کما حقہ ادا نہیں کرسکے گا لہٰذا اس کو جو منطقی اور لازمی نتیجہ نکلنا چاہئے آج وہ ہمارے سامنے بھیانک شکل اختیار کئے ہوئے ہے، اسلئے آج سب سے زیادہ ضرورت یہ ہے کہ وہ لوگ جو غلبہ عقیدت میں مبتلا ہیں ان سے کہا جائے کہ للہ۔تم اپنے لئے نہیں تو ان صاحبزادوں کے مستقبل کی حفاظت کیلئے شخصیت پرستی کو چھوڑو، جو آج نہیں تو کل۔کل نہیں تو بہت جلد ایک بھیانک شکل اختیار کرنے والا ہے، پھر شاید کوئی اصلاح کی بھی طاقت نہ رکھ سکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت سعدؓ کے گھر سے واپسی

مسند احمد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔سنت کے مطابق اجازت چاہنے کیلئے سلام کیا۔حضرت سعد بن عبادہؓ نے جواب تو دیا مگر اتنا آہستہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سن سکیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر سلام کیا پھر سہ بارہ سلام کیا حضرت سعدؓ نے دیکھا کہ آواز نہیں آرہی ہے تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور عذر پیش کیا کہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا مگر آہستہ جواب دیا تا کہ آپ کی زبان مبارک سے سلامتی کی دعا میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ نکلے۔جو میرے لئے موجب برکت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ سنت بتلایا کہ تین مرتبہ جواب نہ آنے پر واپس ہوجانا چاہئے۔اس کے بعد حضرت سعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر لے گئے۔ انہوں نے میزبانی کی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرلیا۔اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کے اور بہت سے واقعات پیش آئے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن زید بن عبدربہ باغ یا کھیت میں پانی دے رہے تھے بیٹے نے پیغمبر اسلام کے وصال کی اطلاع دی تو فوراً آنکھیں بند کرلیں اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ اے خدا! میں نے جن آنکھوں سے پیغمبر علیہ السلام کا جمال دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں ان آنکھوں سے کسی دوسری چیز کو دیکھنا نہیں چاہتا! مجھ سے میری آنکھوں کی بصارت لے لے، ان کی دُعاء قبول ہوگئی۔

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو اذیت بھی پہنچی اور شہید بھی بہت سے ہوئے، مدینہ طیبہ میں جب یہ خبر پہنچی تو عورتیں تحقیق حال کیلئے گھروں سے نکل پڑیں۔ ایک انصاری عورت نے مجمع کو دیکھ کر بیتابانہ انداز میں معلوم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ اس مجمع میں سے کسی نے کہا تمہارے والد شہید ہوگئے ہیں، اس اللہ کی بندی نے ((انا للہ)) پڑھی اور بے تابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کی۔ اتنے میں کسی نے خاوند کے شہادت کی خبر سنائی، کسی نے بیٹے کی اور کسی نے بھائی کے شہید ہونے کی خبر سنائی مگر انصاری عورت نے معلوم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخیر ہیں اور تشریف لا رہے ہیں، اس سے وہ مطمئن نہ ہوئی اور معلوم کیا کہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے ایک مجمع کی طرف اشارہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہیں، یہ دوڑ کر وہاں پہنچی، اور اپنی آنکھوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ٹھنڈا کر کے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوجانے کے بعد میرے لئے ہر مصیبت ہلکی اور معمولی ہے۔

حضرت سعدؓ کا عمل

صحابہ کرامؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ محبت کے بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں اور سچ پوچھئے تو محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان حضرات کی زندگی کا سرمایہ تھی۔ جس کی وجہ سے جان، مال، اور اولاد سب اسلام پر نچھاور کرنے کیلئے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے، اس راستہ میں کسی خوف وخشیت کا ان پر کبھی غلبہ نہیں ہوتا تھا، خوف وموت کا ڈر ان کے دلوں سے نکل چکا تھا، وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر نثار ہونے کو اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتے تھے۔

حضرت سعدؓ کا عمل مذکورہ غلبۂ عشق ومحبت کا عمل تھا کہ اس وقت ذہن اس طرف

نہ گیا کہ غریب خانہ پر سردار دو عالم ﷺ تشریف فرما ہیں۔ مجھ کو فوراً جا کے قدم بوسی کر لینی چاہئے بلکہ ذہن اس طرف متوجہ ہو گیا کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے السلام علیکم جتنی مرتبہ بھی زیادہ نکلے سلامتی کی یہی دعا میرے لئے باعثِ نجات ہوگی اور دنیا و آخرت میں فلاح وصلاح کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

حضرات صحابہ کرامؓ کو جو آپ ﷺ سے تعلق تھا وہ محبت طبعی کے درجہ میں تھا بلکہ اس سے بھی آگے کوئی درجہ ہو تو وہ حاصل تھا۔ اور جب محبت طبعی ترقی کر کے درجہ عشق میں پہنچ جاتی ہے تو محبوب کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے، حضرت سعدؓ کا تعلق بھی اسی درجہ کا تھا۔ نیز آنحضرت ﷺ کی مزاج شناسی کی بناء پر حضرت سعد بن عبادہؓ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ میرے اس عمل سے ناراض نہیں ہونگے کیونکہ ان کی نیت اور جذبہ بہت ہی مبارک تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آنحضرت ﷺ نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اس جذبہ کی قدر فرمائی جیسا کہ آپ ﷺ کی دعا سے ظاہر ہوتا ہے۔

((اللھم اجعل صلوتک ورحمتک علیٰ ال سعد))

ترجمہ:۔ اے میرے اللہ! اپنی خاص نوازش اور رحمتیں نازل فرما سعد کے گھر والوں پر۔

صاحب خانہ کا اختیار

﴿فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَداً فَلا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (الایہ۔ النور پارہ ۱۸)

آیت مذکورہ میں فرمایا جارہا ہے کہ جب تک اجازت نہ دی جائے داخل نہ ہو۔ اور اگر اندر کوئی نہ ہو، یا ہو مگر اجازت نہ دے اور ملنے سے انکار کر دے یا صاحب خانہ خود ہی منع کر دے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی، تشریف لے جاؤ یا گھر کے اندر سے کوئی جواب ہی نہ آئے، تو ان تمام صورتوں میں چونکہ اجازت نہ ہوئی، داخل ہونا جائز نہ ہوگا۔

یہ انکار ہم کو ناگوار نہ گزرنا چاہئے، اور نہ بُرا ماننا چاہئے بلکہ یہ طریقہ تو بہت ہی مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ہر شخص کے حالات ہر وقت یکساں نہیں رہتے، بعض اوقات انسان مجبور ہوتا ہے، باہر بھی نہیں آسکتا ہے، نہ کوئی ایسا آدمی ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے اطلاع

کرادے۔ کہ اس وقت صورتِ حال یہ ہے، معاف رکھا جائے، بہت سے ایسے مواقع ہم سب کو ہی پیش آتے رہتے ہیں۔ اپنے پر قیاس کرکے اس کے عذر کو قبول کر لینا چاہئے۔ ہمارے لئے حسبِ ارشاد خداوندی ﴿اِرْجِعُوا﴾ یعنی واپس ہو جاؤ واپس آجانا ہی بہتر ہے، ورنہ بہت سی خرابیوں کا باعث ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا خود ارشاد ہے کہ وہ ہمارے کرتوتوں اور دل کے بھیدوں سے خوب واقف ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ آنے والے کا کیا جذبہ تھا، اور ملاقات نہ کرنا، جواب دیدینا کسی مجبوری کے تحت تھا یا نہیں، ہم جانتے ہیں کہ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے، اگر صاحب خانہ نے بربناء تکبر وتحقیر ملنے کی اجازت نہیں دی، تو بھی ہم جانتے ہیں اور اگر کوئی واقعی عذر تھا اس سے بھی ہم واقف ہیں اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اگر خلاف حکم کرو گے تو سزا کے مستحق ہو گے، اللہ تعالیٰ دونوں کی نیت اور دل کی بھیدوں سے خوب واقف ہے۔

حضرات مہاجرینؓ سے منقول ہے! وہ افسوس کیا کرتے تھے کہ میں عمر بھر اس تمنا وخواہش میں رہا کہ کسی کے مکان پر جا کر اجازت لینے کی نوبت آئے، اور وہ مجھ کو یہ جواب دے کہ واپس ہو جاؤ، تاکہ میں اس آیت خداوندی کے حکم کی تعمیل کا ثواب حاصل کر سکوں، جو مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا ہے مگر عجیب اتفاق ہے کہ مجھ کو کبھی یہ نعمت نصیب نہ ہوئی، اور اس پر عمل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

ملاقات میں جانبین کی رعایت

شریعت اسلام نے حسن معاشرت کے آداب سکھانے اور سب کا ایذا وتکلیف سے بچانے کا دوطرفہ معتدل نظام قائم کیا ہے، اس آیت میں جس طرح آنے والے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر اجازت چاہنے پر آپ کو جواب نہ ملنے یا یہ کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی تو کہنے والے کو معذور سمجھو اور خوش دلی سے لوٹ جاؤ۔ ناگواری اور برا نہ مانو، کبیدگی اور کشیدگی کی کوئی ضرورت نہیں بلا تکدر بغیر ناراضگی کے واپس ہو جانا چاہئے۔ لڑنے جھگڑنے یا ٹھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ملاقات کا دوسرا رخ اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ان لزورک علیک حقا)) آپ سے ملاقات کرنے والے

کا بھی آپ پر حق ہے، وہ یہ ہے کہ اس کو اپنے پاس بلاؤ، یا باہر آکر اس سے ملاقات کرو، اس کا اکرام کرو کہ وہ آپ کا مہمان ہے، جو حقوق ہے وہ یہ ہے کہ اس کو اپنے پاس بلاؤ، یا باہر آکر اس سے ملاقات کرو، آپ کا مہمان ہے، جو حقوق شریعت نے مہمان کے رکھے ہیں۔ اس پر عمل کرو، اگر اس کی کوئی ضرورت آپ سے وابستہ ہے اور آپ اس کو پورا کر سکتے ہیں تو آپ اس کو پورا کرنے کی سعی کریں، ورنہ تو خوش اسلوبی سے سمجھادیں کہ یہ کام یا یہ ضرورت مجھ سے پوری نہیں ہوسکتی ہے، اس وقت ذہن میں یہ رہنا چاہئے کہ اللہ دلوں کے بھید جانتے ہیں، اور اس پر تو آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے آپ کو عزت یا رتبہ، یا عہدۂ ومنصب عطا کرر کھا ہے، جس کی وجہ سے عوام الناس اور خواص آپ کے پاس آتے ہیں۔ قرب وجوار سے بھی، اور دور دراز سے بھی یہ سب باری تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ کوئی کسی کے پاس بلاضرورت نہیں جاتا ہے بلا کسی شدید مجبوری اور معقول عذر کے ملاقات سے انکار نہ کرنا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دونوں کا حال بالکل کھلا ہوا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ عذر معقول ہے یا غیر معقول۔

دوسری طرف عوام کو بھی چاہئے کہ مشائخ یا اساتذہ کرام یا حکام نے اپنے ملنے کیلئے جو اوقات مقرر کرر کھے ہیں، اسی وقت جا کر ملیں، بے وقت بلا کسی ضرورتِ شدیدہ کے وہاں نہ پہنچا جائے، کیونکہ کسی بھی کام کو کرنے کیلئے نظام الاوقات کا ہونا ضروری ہے۔

رات میں طلبِ اجازت کا سنت طریقہ

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ اگر کسی کے یہاں ملاقات کرنے کیلئے رات میں تشریف لے جاتے تو ایسی آواز سے سلام کرتے کہ جاگنے والا سن لیتا اور سونے والا نہیں جاگتا۔ اگر کوئی شدید ضرورت ہو تو وہ الگ ہے۔

صدیق اکبرؓ کا سوال

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتاً
غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُم﴾۔ (الآیہ)

شان نزول:۔ روایت ہے کہ جب استیذان کی آیت نازل ہوئی جن میں

بغیر اجازت کے کسی کے مکان میں داخل ہونے کی ممانعت ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے، کیونکہ وہ مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے رہتے ہیں، اور راستہ میں جا بجا مسافر خانے بنے ہوتے ہیں۔ جن میں دورانِ سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں، انمیں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا، اس صورت میں کس سے اجازت حاصل کریں گے اور کس کو سلام کریں گے۔ اس وقت یہ آیت بالا نازل ہوئی۔

متاع کی تحقیق

آیتِ مذکورہ میں لفظ متاع استعمال کیا گیا ہے، لفظ متاع کے لغوی معنی کسی چیز کے برتنے استعمال کرنے، اس سے فائدہ اٹھانے، اور منفعت حاصل کرنے کے ہیں۔ اور جس چیز سے فائدہ حاصل کیا جائے اسے متاع کہتے ہیں، اس آیت میں متاع کے لغوی معنیٰ ہی مراد ہیں، جس کا ترجمہ لفظ برت سے کیا گیا ہے، یعنی برتنے، اور استعمال کرنے کا استحقاق ہے یعنی جس مکان میں اہل خانہ رہتے سہتے نہ ہوں، بلکہ وہ سامان وغیرہ رکھنے کیلئے مخصوص ہو۔ اگر ایسے مکان میں داخل ہونے کی ضرورت ہو، خواہ سردی و گرمی، خواہ برسات وغیرہ اور تم کو وہاں ٹھہرنا ہو، یا تجارتی لین دین کی جگہ ہو، یا مقامات تفریحات وغیرہ ہوں، تو بلا اجازت داخل ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہاں پر کوئی مقیم نہ ہو۔ جابر بن زیدؒ کا بھی یہی قول ہے داخلہ نیک نیتی اور جذبۂ صدق کے ساتھ ہو دل و دماغ چوری، زنا، مردم آزادی اور اس طرح کے دوسرے خیالات سے پاک ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، کہ وہ ان تمام چیزوں کو جانتے ہیں۔ جن چیزوں کو ہم چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ دلوں کے بھیدوں سے بھی پورے طور پر واقف ہے۔

غیر مسکونہ کا ماحصل

آیت میں جو غیر مسکونہ کا جملہ آیا ہے، اس کے سلسلے میں ابن زید اور شعبی کا قول ہے کہ غیر مسکونہ سے مراد تاجروں کی دکانیں ان کے گودام اور سرائے مسافر خانے اور ہوٹل وغیرہ ہیں، یعنی جب تاجروں نے دوکان کھول کر داخلہ کی عمومی اجازت دیدی اور فروخت

کرنے کیلئے سامان لگایا تو پھر مزید اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، یہی حال ہوٹل اور سرائے کا ہے، اس سے مراد وہ مکانات ومقامات بھی ہو سکتے ہیں جو کسی فرد یا قوم کیلئے خصوصی طور پر رہائش گاہ نہ ہو بلکہ افراد قوم کو عام اجازت ہو، البتہ جس طبقہ کو وہاں پر جانے کی یا قیام کی اجازت نہ ہو۔ ان کو ان مقامات پر جانا جائز نہ ہوگا، غیر مسکونہ کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں، مگر سب کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ وہ رفاہ عام کی جگہ ہے اس میں مسجدیں، خانقاہیں، اور دینی مدارس ومکاتب بھی آتے ہیں، اسی طرح ہسپتال، ڈاکخانہ، ریلوے اسٹیشن بس اسٹینڈ ائیر پورٹ، قومی تفریحات کے مقامات اور بکنگ کی جگہیں بھی داخل ہیں، غرض رفاہ عام کے سب مقامات اس غیر مسکونہ کے حکم میں آجاتے ہیں۔

یہ ساری جگہیں وہ ہیں جہاں ہر شخص بلا اجازت آجا سکتا ہے، نیز علماء اور مشائخ کے مواعظ کے لئے جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں، وہاں بھی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور وہ مردانہ بیٹھکیں بھی اجازت طلبی سے مستثنیٰ ہیں، جو اسی مقصد سے بنانے والے بناتے ہیں کہ جس کا جی چاہے آکر بیٹھے، جیسے دیہات میں چوپال ہوتے ہیں۔

اجازت ایک تو صراحۃً ہوتی ہیں، دوسرے ضمنی، مثلاً مشائخ کیلئے اجازت صراحۃً ہوتی ہے اور انکے خادموں کیلئے اور امراء کیساتھ ملازموں کیلئے اجازت ضمناً ہوتی ہے اور کبھی اجازت حکمی ہوتی ہے، جیسے کسی حاکم کا اعلان کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک ضرورتمند آکر ملاقات کر سکتے ہیں یا مشائخ اپنے ملنے والوں کے لئے اوقات مقرر کر کے تختی لگا دیا کرتے ہیں۔ ان اوقات میں انکے یہاں اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، یا صاحب خانہ نے کسی سے کہہ رکھا ہو کہ میں موجود رہوں یا نہ رہوں آپ میرے کمرہ میں قیام کر سکتے ہیں تو یہ بھی اجازت ہی ہے یا صاحبِ خانہ دوسرے مقام پر دور ہے آپ کے آنے کی اطلاع ملنے پر وہ کہلوادیں کہ تشریف رکھیں میں ابھی آتا ہوں تو یہ اجازت مالک مکان ہی کی مانی جائے گی۔

☆☆

غیر مسکونہ مقامات پر مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں

رفاہِ عام کے ان تمام مقامات کیلئے جن کا تذکرہ گزرا، اگر اس کے ذمہ داروں متولیوں، اور حکومت کی طرف سے وہاں داخلہ کیلئے کچھ شرائط یا پابندیاں ہوں تو اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے، مثلاً پارک یا دوسرے مقامات پر اوقات مقرر ہوں اور وہاں پھول وغیرہ توڑنے کی ممانعت ہو یا اسی طرح دیگر ممنوع چیزوں کے استعمال سے روکا گیا ہو، یا ریلوے اسٹیشن کیلئے بغیر پلیٹ فارم ٹکٹ کے جانے کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے، ایرڈروم یا ائیرپورٹ کے جس حصہ میں حکومت کی طرف سے جانے پر پابندی ہو وہاں بغیر اجازت جانا شرعاً جائز نہیں ہوگا۔ ریلوے اسٹیشن ائیرپورٹ اور ہسپتالوں کے وہ دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریض یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں وہ غیر مسکونہ کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں۔ ان میں بغیر اجازت جانا جائز نہ ہوگا، اسی طرح مساجد مدارس مکاتب، خانقاہوں، ڈاکخانوں وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین کے یا دوسرے لوگوں کی رہائش کیلئے مخصوص ہوں، مثلاً مساجد میں امام، مؤذن کی رہائش گاہیں یا خانقاہوں میں منتظمین اور خادموں کے کمرے، اسی طرح مدارس میں مدرسین کے کمرے، یہ سب غیر مسکونہ میں داخل نہیں ہیں، ان کے کمروں میں بغیر اجازت کے داخلہ جائز نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان مقامات میں سلام کریں یا نہ کریں، اور کریں تو کس کو کریں اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ پیش نظر رکھنا مناسب ہوگا۔ آپ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا تھا، اجازت کے سلسلہ میں فرمایا کہ ان مقامت میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے، باقی سلام کی بھی ضرورت ہے یا نہیں؟ بظاہر تو نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ آیت میں ((تسلموا علیٰ اھلھا))۔ (الایہ)، فرمایا گیا ہے کہ گھر والوں کو سلام کرو، جب ان گھروں میں یا ان جگہوں میں کوئی نہ رہا تو سلام کیسا اور کس کو؟

لیکن یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے:

((عن نافع ا ن عبداللہ بن عمرؓ قال اذاادخل البیت غیر المسکون فلیقل السلام علیناوعلیٰ عباداللہ الصالحین))

حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب کوئی مکان میں داخل ہوتو وہ کہے۔ ((السلام علینا و علیٰ عباداللہ الصالحین))

یہ دعا سلامتی اپنے لئے اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کے لئے ہوگی۔ اگر کوئی قاصد کے ذریعہ بلایا گیا ہے تو اس کو مزید اجازت کی ضرورت نہیں حدیث ہے:

((اذادعی احدکم فجاء مع الرسول فان ذالک اذن))

یعنی یعنی جس شخص کو بلایا جائے اور قاصد کے ساتھ ہی آجائے یہی اس کے لئے اجازت ہے اگر خدانخواستہ اچانک کہیں کوئی حادثہ پیش آجائے مثلاً آگ لگ جائے یا مکان گر جائے، یا چور، ڈاکو چڑھ آئیں، یا اژدھا، سانپ نکل آئے، یا اس قسم کے اور کوئی واقعہ پیش آجائے تو ایسے وقت میں اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہو سکتے ہیں، چونکہ اس کے اندر حفاظت نفس ہے اور جس طرح ہر انسان کے لئے اپنی جان کی حفاظت فرض ہے اسی طرح بوقت ضرورت دوسرے کی جان بچانا بھی فرض ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس پر قادر ہو، یہ ایک سماجی فریضہ ہے جو ہر انسان پر عائد ہوتا ہے۔

ٹیلیفون کرنے کا اسلامی طریقہ

مفتی شفیع صاحب دیوبندیؒ مفتی اعظم پاکستان وسابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے استیذان سے متعلق چند دوسرے مسائل کا بھی ذکر فرمایا ہے وہ تحریر کرتے ہیں کہ استیذان کے احکام شرعیہ کا اصل مقصد لوگوں کو ایذاء رسانی سے بچانا اور حسن معاشرت کے آداب سکھانا ہے، تو اس طرح کی علت سے ذیل کے احکام بھی سمجھ میں آتے ہیں۔

(۱) کسی شخص کو ایسے وقت پر ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادتاً اس کے سونے یا دوسری ضروریات یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہے بلا ضرورت شدیدہ کے جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں بھی ایذاء رسانی ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

(۲) جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوگی، جو وقت وہ بتائے اس کی پابندی مناسب ہے۔

(۳) ٹیلیفون پر اگر طویل بات کرنی ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو فرصت ہو تو اپنی بات میں عرض کروں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ خود معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور وہ کسی بھی حال میں ہو، اپنے ضروری کام میں ہو تو اسے چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے کوئی بے رحم آدمی اس وقت اگر طویل گفتگو شروع کردے تو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس لئے اگر وہ اس وقت منع کردے کہ مجھے اس وقت فرصت نہیں ہے تو گفتگو نہ کرے اور نہ ہی برا مانے کیونکہ: ﴿وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا﴾ کے تحت آتا ہے یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو واپس ہو جانا چاہئے۔

(۴) بعض لوگ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے اور وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی اس بات کی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ معلوم کریں کہ کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ((ان لزورك عليك حق)) یعنی جو شخص آپ سے ملاقات کرنے آئے اس کا تم پر حق ہے، اس سے بات کرو اور بلا ضرورتِ شدیدہ ملاقات سے انکار نہ کرو، اسی طرح جو آدمی آپ سے ٹیلی فون پر بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں، چاہے اس سے طویل گفتگو نہ کریں، اپنا عذر بیان کردیں اور اس کو یہ قبول کرلینا چاہئے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ تمام مسائل وطریقہ استحبابی اور آدابی ہیں مگر جمہور علماء کے نزدیک وجوبی ہیں۔ خطیبؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور امام قرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے اور یہی اکثر علماء کا قول ہے، مقصد صرف اتنا ہے کہ جاہلانہ روش کی بندش ہو جائے، جاہلوں کی طرح لوگوں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونا، یا لوگوں کے دروازوں پر جا کر چیخنا، یا زور زور سے کواڑوں کو پیٹنا اور بار بار کنڈی بجانا یا گھنٹی دبانا، یا دروازوں پر اینٹ پتھر مارنا یہ تمام امور بد تہذیبی اور ناشائستگی پر دلالت کرتے ہیں، اور ان امور سے صاحب خانہ کو تکلیف پہنچتی ہے، ہر انسان کو اس طرح کی حرکتوں سے بچنا ضروری ہے، زمانۂ جاہلیت میں بلا اجازت و بے تکلف ایک دوسرے کے گھر میں گھس جاتے تھے۔ اور بسا اوقات گھر والوں پر یا ان کی عورتوں پر نادیدنی حالت میں نگاہیں پڑ جاتی تھیں، اللہ

تعالیٰ نے ان کی اصلاح کیلئے یہ اصول مقرر کر دیئے کہ ہر شخص کو اپنے رہنے کی جگہ تخلیہ کا حق حاصل ہے، اور کسی دوسرے شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس کے تخلیہ میں اس کی مرضی کے بغیر خلل انداز ہو۔

آیت قرآنی مع ترجمہ

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لِیَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِینَ مَلَكَتْ أَیْمَانُكُمْ وَالَّذِینَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِینَ تَضَعُونَ ثِیَابَكُم مِّنَ الظَّهِیرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَیْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ كَذَٰلِكَ یُبَیِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآیَاتِ وَاللَّهُ عَلِیمٌ حَكِیمٌ﴾۔ (پارہ نمبر ۱۸، النور)

ترجمہ:۔اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور جو تم میں حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے، نماز صبح سے پہلے اور جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں، ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر کچھ الزام ہے۔ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جس وقت تم میں وہ لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہئے جیسا کہ اُن سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتے ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (ترجمہ: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورﷺ نے کسی انصاری لڑکے کو حضرت عمرؓ کے پاس انکو بلانے کیلئے دوپہر کے وقت بھیجا۔ حضرت عمرؓ سو رہے تھے، لڑکا گھر میں گھس گیا۔ اور اس نے جا کر حضرت عمرؓ کو بیدار کیا۔ حضرت عمرؓ کا کپڑا کچھ کھسک گیا تھا۔ تو آپؓ کے دل میں یہ خیال آیا کہ کاش ان کے آنے جانے کیلئے بھی کوئی حکم نازل ہو جاتا، اس کے بعد آپ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضورﷺ نے آیت مذکورہ سنائی یہ روایت اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں آئی ہے۔

تخلیہ اوراس کی ضرورت

انسان بہر حال انسان ہے، جیسے وہ اپنے ہم جنسوں میں بیٹھ کر آرام محسوس کرتا ہے اسی طرح کبھی تنہائی چاہتا ہے کہ وہ آرام کرے، چنانچہ دن رات کے کچھ اوقات میں روزانہ ہی ایسا ہوتا ہے، اوپر کی آیت میں قرآن نے ان اوقات کے سلسلہ میں ہدایات دی ہیں کہ ان کالحاظ ضروری ہے، اور یہ انسانی فطرت کے مطابق ہے۔

باپ ہو یا ماں، بیٹا ہو، یا بیٹی، بھائی یا بہن، خادم ہو یا خادمہ غرض کوئی بھی رشتہ دار ہو، وہ کسی کی مداخلت کو اس تنہائی کے وقت میں پسند نہیں کرتا ہے کوئی مہذب آدمی اپنے اعزاء واقارب اور خدام کے سامنے مقاربت صنفی کی ہمت نہیں کرتا ہے، اور نہ حیاء وشرم اس کو اس کی اجازت دیتی ہے پھر سوتے وقت عام طور پر تھوڑا بے تکلف ہو جاتا ہے، بہت سارے کپڑے اتار کر لیٹتا اور سوتا ہے خواہ گرمی ہو، خواہ سردی ہو، خاص طور سے گرم ممالک میں گرمی کے موسم میں غیر ضروری کپڑا اتار دینا ضروری ہوتا ہے بعض اوقات نیند میں کپڑے ستر سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسلئے ان اوقات مخصوصہ میں آنے جانے والوں کیلئے عقلاً بھی احتیاط ضروری ہے۔ عام آنے جانے والوں عاقل وبالغ اور آزادوں کے واسطے حکم پہلے گزر چکا ہے کہ جب گھر میں آئیں اجازت لے کر داخل ہوں، گھر زنانہ ہو یا مردانہ ہو۔ آنے والا مرد ہو یا عورت سب کیلئے حکم عام ہے اجازت کو واجب اور سلام کو سنت قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہ احکام اجازت غیروں کے لئے تھے، مگر اس آیت مذکورہ میں ایک دوسرے سے اجازت کے احکام کا بیان ہے جن کا تعلق ان اقارب ومحارم سے ہے جو عادتاً ایک ہی گھر میں رہتے سہتے ہیں۔ اور ہر وقت آتے جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک چلے آنا اور آپس میں خلط ملط ہونا انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے کبھی ضروری بھی ہوتا ہے، اس کی بندش نہیں کی گئی تھی، اور ان حضرات سے عورتوں کا پردہ بھی ایسا گہرا نہیں ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے اگر چہ گھر میں داخل ہونے کے وقت اس کا حکم ہے، کہ اطلاع کر کے یا کم از کم قدموں کی آہٹ کو ذرا تیز کر کے، یا کھانس کھنکھار کر گھر میں داخل ہوں، یہ اجازت ایسے اقارب کیلئے واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے جس کو ترک کرنا مکروہ

تنزیہی ہے لیکن ایک گھر کے رہنے والے بھی چونکہ بعض اوقات تنہائی کو پسند کرتے ہیں۔ اس لئے باہم ایک دوسرے کی مداخلت بغیر اجازت کے آپس میں ناگواری کا باعث ہوتی ہے، اس مداخلتِ بیجا سے روکنے کے لیے یہ احکامات بیان کئے گئے ہیں۔

گھر میں اندرونی راحت کا اہتمام

وہ بچے جو حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے اور جن سے عادتاً پردہ بھی نہیں کیا جاتا۔ اور وہ بلاضرورت گھر میں چکر لگاتے رہتے ہیں، خواہ وہ بچے اپنے گھر کے ہوں یا بیگانے کے، یہاں تک کہ اپنی اولاد ہوں یا بھائی بہن کی یا غیروں کی اولاد ہو۔

باندی، غلام، نوکر یا خادم سے بھی کوئی خاص احتیاط نہیں کی جاتی ہے، کہ یہ پیش خدمت ہوتے ہیں ہر وقت اپنے مالک کے پاس آتے رہتے ہیں یہ حرکت خوانگی تہذیب کے خلاف ہے۔ کسی کا بھی دل نہیں چاہتا کہ سوتے وقت کوئی ہوشیار بچہ یا بچی بے روک ٹوک بغیر اجازت کے اندر چلا آئے کیونکہ بسا اوقات ایسی حالت میں ہوتا ہے، جس کے ظاہر ہونے سے شرماتا ہے کم از کم اسکی بے تکلفی اور آرام میں خلل پڑنا لازمی ہے۔ اس لئے یہ آیات خصوصی استیذان کے احکام میں آئی ہیں کہ ان تین اوقات میں کوئی کسی کے پاس بغیر اجازت نہ جایا کریں، یہ حکم ان گھروں کا ہے کہ مکان تو ایک ہے مگر گھر میں کئی فیملیاں الگ الگ کمروں میں رہتی ہوں، گھر کا دروازہ اور صحن ایک ہی ہو، اللہ، اللہ، مسلمانوں کے گھر کے اندرونی راحت کا اہتمام کس درجہ شریعت کو پیش نظر ہے۔ کتنے کتنے جزئیات کے احکام اسی غرض کیلئے صادر فرمائے جا رہے ہیں۔ وہ تین اوقات یہ ہیں:

(۱) صبح کی نماز سے پہلے۔ (۲) دوپہر کو آرام کے وقت۔ (۳) اور عشاء کے بعد کے اوقات جب آدمی کاموں سے فارغ ہو کر سونے چلتا ہے۔

عادتاً عام طور پر یہ تین ہی اوقات تخلیہ اور استراحت کے ہیں، اور ان اوقات میں ہر انسان آزاد اور بے تکلف رہنا چاہتا ہے، بے فکری سے نہ معلوم اپنے گھر میں کس حالت میں ہو اور کبھی آدمی ان اوقات میں اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلف اختلاط میں مشغول ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے ایمان

والو! تم اقارب کو یہاں تک کہ سمجھدار سیانا، باشعور نابالغ بچوں، اور خادموں کو بھی سمجھادو کہ ان تین اوقات میں بغیر اطلاع کے چپ چاپ نہ آیا کریں۔ جیسا کہ بچوں کی عادت ہوا کرتی ہے وہ اجازت کو جانتے بھی نہیں کہ وہ کیا چیز ہے۔ اسلئے تم ان کو سکھاؤ ان تین وقتوں میں غیر تو غیر اپنے گھر میں بھی دوسرے کمروں میں اگر وہاں پر کوئی رہتا ہو تو بغیر اجازت نہ گھس جایا کریں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت مذکورہ میں بالغ مرد وعورت کو استئذان کا حکم دینا اور اس کا پابند بنانا تو سمجھ میں آتا ہے کہ یقیناً ایسا ہی ہونا چاہئے۔ مگر نابالغ بچے جو شرعاً کسی حکم کے مکلّف نہیں ہیں ان کا اجازت کا پابند کرنا بظاہر اصولِ فقہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب سمجھنے سے پہلے چند باتیں سمجھنے کی ہیں۔ اولاد انسان کے پاس ایک امانت ہے اس سلسلے میں اس پر بہت سی شرعی، اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اسلام چاہتا ہے کہ انسان کے اندر شروع ہی سے ان ذمہ داریوں کا احساس اور شعور تازہ رہے اور وہ ان سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے، جہاں اسلام نے والدین کے حقوق، اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد تاکید کے ساتھ ذکر فرمائے ہیں، اسی طرح والدین پر بھی شریعت نے کچھ حقوق رکھے ہیں جو ذیل کے واقعہ اور احادیث سے معلوم ہونگے۔

ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ یہ میرا بیٹا نافرمان ہے، حضرت عمرؓ نے اس لڑکے سے فرمایا کہ کیا تجھ کو اپنے باپ کی نافرمانی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر نہیں لگتا ہے؟ اور اس کے بعد باپ کے حقوق پر آپ نے روشنی ڈالی، لڑکے نے کہا یا امیر المؤمنین کیا لڑکے کا بھی باپ پر کوئی حق ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، ضرور ہے، باپ پر پہلا حق یہ ہے کہ اس کی ماں کا جس سے وہ شادی کر رہا ہے، اچھا انتخاب کرے۔ یعنی وہ عورت جس سے وہ شادی کر رہا ہے سیرت وصورت اور اخلاق وکردار میں بہتر ہو، کسی مخدوش عورت سے شادی نہ کرے، تاکہ اولاد کو اپنی ماں کی وجہ سے ذلت ورسوائی سے دوچار نہ ہونا پڑے، پھر جب اولاد اللہ تعالیٰ دے تو اس کا اچھا نام

رکھے، جب وہ پڑھنے کے لائق ہوتو کتاب اللہ کی تعلیم دے۔ اس لڑکے نے یہ سن کر کہا اللہ کی قسم نہ تو انہوں نے میری ماں کا اچھا انتخاب کا اور نہ ہی میرا اچھا نام تجویز کیا، کیونکہ میرا نام گندگی کا کیڑا، پھر نہ مجھے کتاب اللہ کی تعلیم دی، حضرت عمرؓ نے اس کے باپ کو خطاب کر کے فرمایا تو کہتا ہے کہ میرا بیٹا نافرمانی کرتا ہے اس سے پہلے وہ تیری نافرمانی کرے، تو نے اس کی حق تلفی کی ہے، میرے پاس سے ہٹو۔

پھر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی سے تعلق کے وقت انسان کے اندر محض اپنی خواہش نفس کی تکمیل ہی کا جذبہ کارفرما نہ ہو، کیونکہ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ بیوی سے تعلق کے وقت انسان کے اندر جس قسم کے جذبات ہوں گے اولاد پر لازماً ان کا اثر پڑے گا۔ بلکہ تسکین نفس کے ساتھ صالح اور نیک اولاد کی خواہش بھی ہونی چاہئے۔ اور اس کے لیے دل میں ایک تڑپ بھی ہونا ضروری ہے، جنسی جذبات کی شدت کے وقت خدا کو یاد رکھنا اور اس سے دعا کرنا مشکل نہیں ہے اس کا تعلق نیت اور ارادہ سے ہے مسلمان وہ ہے جو اس حال میں بھی خدا کو نہ بھولے اور شروع سے اپنے لئے اپنی اولاد کیلئے دعا کرتا ہے رہے تو اس پر شیطان کا اس طرح تسلط اور غلبہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ اسے راہِ راست سے بالکل پھیر دے۔ بلکہ اس کو اور اس کی اولاد کو خدا کی حفاظت حاصل رہے گی۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے: ((لم یضره الشیطان ولم یسلطه)) یعنی جو شخص شروع ہی سے دعا کرتا رہے گا، اس کی اولاد کو شیطان نقصان نہیں پہنچائے گا اور اس پر اس کا تسلط نہ ہوگا۔ بچہ صلاح وتقویٰ کا جوہر لے کر پیدا ہوگا، وہ دیدہ ودانستہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر اصرار نہیں کرے گا بلکہ جب کبھی شیطان کے زیر اثر، یا نفسِ امارہ کے تقاضہ سے کوئی لغزش ہوگی وہ فوراً خدا کی طرف رجوع کر کے اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہے گا۔ اسی طرح اولاد کی تربیت کے بارے میں بھی کچھ احادیث آئی ہیں۔

۱ ترمذیؒ نے حضرت ایوب بن موسیٰؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باپ کی طرف سے سب سے بہتر عطیہ حسنِ ادب ہے، ترمذی کی دوسری حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان اپنے بیٹے کو ادب سکھائے یہ اس کے لئے بدرجہا بہتر ہے اس سے کہ وہ ایک صاع خیرات کرے۔

ان احادیث وواقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام نے والدین پر بچوں کی تعلیم وتربیت اور اس کے حسنِ ادب پر زیادہ دھیان دیا ہے اسلام چاہتا ہے کہ انسان کے اندر شروع سے دینی اور دنیوی ذمہ داریوں کا شعور واحساس تازہ رہے اور والدین اپنے بچوں کی تربیت اسلام کی روشنی میں کریں۔ مذکورہ سوال کا جواب یہی ہے کہ اس کے مخاطب دراصل لغین مرد وعورت ہی ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم میں اکثر جگہ مخاطب مرد ہی ہیں۔ بجز مخصوص مسائل کے عورتیں بھی ان مسائل میں ضمناً شامل ہوجاتی ہیں۔ یہاں پر بالغن ہی مخاطب ہیں کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ رکھیں۔ مذکورہ تین اوقات میں بغیر اجازت بالغ مرد وعورت کے کمرہ میں نہ جائیں۔ واقعات وتجربات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے۔ کہ بچوں کی تعلیم وتربیت کا بہترین زمانہ ان کی کم سنی اور لاشعوری کے ایام ہیں۔ کچی عمر میں جو بات بچوں کے ذہن میں جم جاتی ہے شعور اور عقل کے پختہ ہونے پر بھی کسی صورت سے ان کے ذہنوں سے جاتی نہیں ہیں۔

لفظِ جُناح

مذکورہ آیت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ان تین اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بلا اجازت آنے جانے کے لئے تم پر جناح (گناہ) نہیں ہے اگر چہ لفظ جناح آیا ہے جو عموماً گناہ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے مگر کبھی مطلقاً حرج اور مذائقہ کے معنیٰ میں آتا ہے یہاں پر لا جناح کے معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے لئے کوئی مذائقہ اور تنگی نہیں ہے۔ اس سے بچوں کے مکلّف اور گناہ گار ہونے کا شبہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔

بچوں کو ڈانٹنے کی شرعی حیثیت

ان تین اوقات کے علاوہ (فجر سے پہلے، دوپہر کے بعد اور عشاء کے بعد) دوسرے اوقات میں نابالغ بچے اور گھر کے خادم عورتوں اور مردوں کے کمرہ میں یا ان کے تخلیہ کی جگہوں میں بلا اجازت آجاسکتے ہیں۔ اگر اس صورت میں تم کسی نامناسب حالت میں ہو، ستر غلیظ کھلی ہوئی ہو، یا باہم مباشرت کی صورت میں مبتلا ہو اور وہ بلا اجازت کے آجائیں تو تم کو ڈانٹنے یا سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ تمہاری اپنی حماقت اور بدتہذیبی ہوگی کہ کام

کاج کے اوقات میں اپنے آپ کو ایسی نامناسب حالت میں رکھو، اور چونکہ یہ اوقات عموماً پردہ کے نہیں ہوتے ہیں اس لئے ان میں اعضاء مستورہ کو چھپائے رکھنا، تمہارا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے البتہ اگر وہ تخلیہ کے مذکورہ تین اوقات میں تمہارے تربیت و تعلیم کے باوجود بلا اجازت آجائیں تو وہ قصوروار ہیں ان کو سزا دی جاسکتی ہے، اگر تم نے اپنے بچوں اور خادموں کو یہ تہذیب نہیں سکھائی تو تم گنہگار رہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی لونڈی کو بھی اس کا پابند کر رکھا ہے کہ ان تین اوقات میں بغیر اجازت میرے پاس نہ آیا کریں۔

لفظ عورت کی تحقیق

آیت میں جو ((ثلٰث عورت لکم)) مذکور ہے کہ تین اوقات تمہارے لئے عورات ہیں، عورت اُردو میں تو صنف نازک کیلئے بولا جاتا ہے مگر عربی میں اس کے معنیٰ پردہ اور خطرہ کی جگہ کے ہیں اور یہ لفظ اس چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے جس کا کھل جانا آدمی کیلئے باعث شرم وحیاء ہو، یا جس کا ظاہر ہونا اس کو ناگوار ہو۔ یہ سب معنیٰ باہم مناسبت رکھتے ہیں اور آیت کے مفہوم میں کسی حد تک شامل ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں لوگ تنہا یا اپنی بیویوں کے ساتھ ایسی حالتوں میں عام طور پر ہوتے ہیں جن میں گھر کے بچوں اور خادموں کا اچانک تمہارے پاس آجانا نامناسب ہے، لہٰذا ان کی تربیت کرو کہ ان تین اوقات میں جب وہ تمہارے خلوتوں میں آنے لگیں تو پہلے اجازت طلب کرلیا کریں چپ چاپ خاموشی کیساتھ نہ گھس جایا کریں۔ ہوسکتا ہے کہ تم پردہ کی حالت میں نہ ہو اور یہ آنا دونوں کیلئے شرم کی بات ثابت ہو، اور ناگوار خاطر بھی۔

ان چیزوں میں جو بکثرت پیش آتی ہیں اور جس سے بچنا اور محفوظ رہنا مشکل ہو تو شریعت اس میں سہولت کے کچھ پہلو نکال دیتی ہے، مثلاً بلی کثرت سے گھروں میں آتی ہے بلکہ اس کو پالتے بھی ہیں اور کبھی وہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں منہ ڈال دیتی ہے اگر شریعت اس کے منہ ڈالی ہوئی چیزوں کو نجس یا حرام کردیتی، تو یقیناً لوگوں کو اس سے بہت پریشانی پیش آتی۔ اس لئے شریعت نے کچھ صورتیں سہولت کی نکال دی ہیں، اسی طرح

یہاں پر بچوں اور خادموں کا مسئلہ ہے کہ بار بار کی اجازت طلبی سے بہت دشواری اور پریشانی پیش آسکتی ہے۔

نوٹ:۔لیکن یہ سہولت کو پہلوؤں کے نکالنے کا کام صرف علماء مجتہدین کا ہے، ہر شخص کو اس باب میں اجتہاد کی اجازت نہیں ہے، مثلاً کوئی یہ دلیل پیش کرے کہ کتا بھی پالا جاتا ہے، وہ بھی گھر میں رہتا ہے چیزوں میں منہ ڈالتا ہے لہٰذا اسکی جھوٹا ممنوع نہیں ہونی چاہئے تو ایسا قیاس قطعاً غلط ہوگا کیونکہ شریعت نے کتا پالنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

تین اوقات ہی کی تخصیص نہیں

اس باب میں فقہاءؒ نے صراحت کردی ہے کہ ان ہی تین اوقات کی تخصیص نہیں ہے نزول قرآن کے وقت عامہ ان ہی تین اوقات میں آرام کی تھی۔ باقی اگر کسی دوسرے ملک میں خلوت کے اوقات دوسرے ہوں، تب ان ہی اوقات کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اس کے موافق بچوں اور خادموں کو تربیت دی جائے گی۔ اور یہاں اوقات نیند اور تخلیہ کو متعین نہیں کیا گیا ہے بلکہ نص میں عرف عام کی رعایت رکھی گئی ہے اور اس عرف عام کا فائدہ ان ممالک کو پہنچے گا جہاں چوبیس گھنٹہ یا اس سے زیادہ کا دن یا رات ہوتی ہے۔ مثلاً گرین لینڈ (Green Land) یا آئس لینڈ (Ice Land) ان ممالک میں تین ماہ کا دن ہوتا ہے اور تین ماہ کی رات ہوتی ہے، ان میں ہر کام کیلئے اوقات مقرر ہیں۔ اسی طرح نماز روزہ کی بھی گھنٹوں سے تعین کرلی جاتی ہے لہٰذا یہاں پر جو اوقات نیند کے مقرر ہیں اسی حساب سے بچوں اور خادموں کو اجازت وغیرہ کی تربیت دی جائے گی۔

مسائلِ مذکورہ میں گھر والوں کیلئے خصوصی رعایت ہے مثلاً کسی شخص نے اندرون کمرہ پردہ یا چک اٹھا رکھی ہے اور خود سامنے ہی بیٹھ گیا، یا کھلے دالان میں بغیر کسی حجاب کے بیٹھا یا لیٹا ہوا ہے تو گھر والوں کو اب کسی مزید اجازت کی ضرورت نہیں ہے، ہاں، اگر اس نے پردہ ڈال لیا ہے، یا دروازہ بند کرلیا تو پھر اجازت لینا گھر والوں کیلئے بھی ضروری ہوگئی مگر جس کو اس نے خصوصی طور پر اجازت دے دی ہو کہ تم میرے پاس بلا روک ٹوک آسکتے ہو وہ اس سے مستثنیٰ رہے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت تفسیر ابن کثیر نے بسند ابن ابی حاتم نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ تین آیات ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل چھوڑ دیا ہے۔ایک تو آیتِ استیذان ہے،دوسری آیت ((ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم)) جس میں بتلایا کہ سب سے زیادہ مکرم ومعزز وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔مگر آج کل معزز ومکرم وہ سمجھا جاتا ہے جس کے پچھ زرِدنیا ہے،چاہے وہ اوصاف حقیقیہ سے بالکل بے بہرہ ہو۔تیسری آیت: ((واذاحضرالقسمۃ اولوالقربیٰ))۔(الآیہ) جس میں تقسیم میراث کے وقت وارثوں کو اس کی ہدایت کی ہے اگر مالِ وراثت کی تقسیم کے وقت کچھ ایسے رشتہ دار بھی موجود ہوں جن کا ضابطہ میراث سے کوئی حصہ نہیں بیٹھتا ان کو بھی کچھ دیدیا کرو تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔

خلاصۂ کتاب

(۱) اگر آپ کسی کے یہاں جائیں تو اس کے کمرے یا مکان میں بلا اجازت نہ گھس جائیں بلکہ ضرورت ہے کہ پہلے اجازت لے لیں۔

(۲) اگر دستک دینی ہو تو اسلامی طریقے کے مطابق۔

(۳) اجازت لینے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ دروازے کے قریب کھڑے ہو کر آپ کہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کیا حاضر ہو سکتا ہوں؟

(۴) اگر جواب نہ آئے تو دوسری،تیسری مرتبہ آپ اسی طرح سلام کیجئے گا۔پھر آپ سمجھ لیجئے کہ اس وقت ملاقات کا موقعہ نہیں ہے،کوئی عذر ہے لہٰذا واپس ہو جائے اور برا ہرگز نہ مانے۔

(۵) اجازت لیتے وقت آپ آڑ میں کھڑے ہوں،ایسی جگہ نہ کھڑے ہوں کہ اندر سے سامنا ہو البتہ صاحبِ مکان جن سے اجازت لینی ہے وہ سامنے ہوں تو آپ سلام کریں اور حاضر ہونے کی اجازت لے لیں۔

(۶) اندر جھانکنا معیوب ہے آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

(۷) ملنے پر صاحب خانہ کو مجبور نہیں کرنا چاہئے۔

(۸) خود اپنے مکان میں بھی سلام کر کے اور پکار کے جاؤ، گھر میں پہنچ کر گھر کے آدمیوں کو سلام کرو۔

(۹) اگر اندر سے پوچھا جائے کون ہے؟ تو اپنا پورا نام بتائیں یہ نا کہیں ''میں'' اندر والا کیا جانے گا ''میں'' کون ہے۔

(۱۰) آنحضرت ﷺ نے ایک صحابیؓ کو ہدایت فرمائی ناغہ کر کے ملنے جایا کرو۔ اس سے محبت بڑھے گی۔

(۱۱) کھانے یا ناشتہ کے وقت کسی کے پاس نہ جائیں اگر کسی ضرورت سے ایسے وقت جانا پڑے تو فارغ ہو کر جایئے اگر فراغت کا موقع نہ ملا ہو تو آپ جھوٹ نہ بولئے کہ میں فارغ ہو چکا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ اور بھوک مت جمع کرو۔ البتہ کسی اور صورت سے معذرت کردو۔

(۱۲) اگر کسی دوسرے شہر میں کسی کے یہاں جانا ہو تو پہلے سے اطلاع کر دیجئے آنحضرت ﷺ نے رات کو کسی کے یہاں پہنچنے سے سختی سے ممانعت فرمائی ہے، یہاں تک کہ بلا اطلاع رات کو اپنے گھر میں پہنچنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔

(۱۳) جب آپ اندر داخل ہوں تو سلام کریں، مصافحہ یا معانقہ کیلئے آگے بڑھنا صاحب مکان کا کام ہے۔ اگر وہ آگے نہیں بڑھتا یا کسی کام میں مصروف ہے تو آپ اس کی مصروفیت میں خلل نہ ڈالیں۔

(۱۴) مجلس درس یا مجلسِ وعظ میں داخل ہوں یا مسجد میں جائیں جہاں لوگ نوافل تسبیح وظیفے وغیرہ میں مشغول ہوں تو آپ سلام نہ کریں، اگر کسی کو مخاطب دیکھیں تو بے شک آہستہ سے سلام کر لیجئے۔

(۱۵) اندر داخل ہو کر سب سے بڑھیا جگہ نا بیٹھے، صاحبِ مکان کی نشست پر بھی نہ بیٹھے، معمولی جگہ پر بیٹھ جایئے یہ کام مالک مکان کا ہے کہ آپ کو خود اپنی جگہ بٹھائے یا آپ کے بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ تجویز کرے۔

(۱۶) اگر آپ کو کھانے کی کوئی چیز پیش کی جائے تو کسی کے آگے نا بڑھائے۔

(۱۷) قرآن پاک میں مردوں عورتوں کو ہدایت ہے کہ نظر نیچے رکھیں اس حکم پر ہر جگہ عمل

کیجئے کسی کے یہاں پہنچ کر ہر طرف نظر نہ دوڑائیے۔

(۱۸) آنحضرت ﷺ نے ہر موقع پر متانت سنجیدگی کی ہدایت فرمائی ہے، کسی کے یہاں جائیں تو گفتگو میں نرمی ہونی چاہیئے، انداز میں سنجیدگی ہو۔ بلا اجازت کسی چیز کو مت چھیڑیئے، للچائی نگاہوں سے نادیکھئے۔

(۱۹) زیادہ دیر نہ بیٹھئے بات بھی لمبی نہ کیجئے، جب کام ہو جائے تو فوراً اجازت لے لیجئے ہاں اگر مالک مکان اصرار کرے تو جتنی دیر آپ کو گنجائش ہو بیٹھ جایئے۔

(۲۰) بچوں کی تربیت اسلامی طریقے پر ہونی چاہیئے تا کہ شروع سے ہی ان باتوں کی عادت، پڑھ جائے۔

(۲۱) کسی کے پاس جائے تو سلام سے یا روبرو بیٹھنے سے غرض کسی طرح سے اس کو اپنے آنے کی خبر کردیں، اور بغیر اطلاع کے آڑ میں ایسی جگہ مت بیٹھئے کہ اس کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو کیونکہ شاید وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہے جس پر تم کو مطلع نہ کرنا چاہتا ہو، بغیر اس کی رضا کے اس کے راز پر مطلع ہونا جائز نہیں، بلکہ اگر کسی بات کے وقت یہ احتمال ہو کہ بے خبری کے گمان میں وہ بات ہو رہی ہے تو فوراً وہاں سے جدا ہو جانا چاہیئے یا اگر تم کو سوتا ہوا سمجھ کر ایسی بات کرنے لگے تو فوراً اپنا بیدار ہونا ظاہر کردیجئے۔

(۲۲) جب کسی کے پاس ملنے یا کچھ کہنے جائیں اس کو کسی وجہ سے فرصت نہ ہو۔ مثلاً قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے یا وظیفہ پڑھ رہا ہے یا قصداً خلوت گاہ میں کچھ لکھ رہا ہے یا سونے کے لئے آمادہ ہے یا قرائن سے اور کوئی ایسی حالت معلوم ہو جن سے غالباً اس کی طرف متوجہ ہونے سے خلل واقع ہوگا یا اس کو گرانی و پریشانی ہوگی، ایسے وقت میں اس سے سلام کلام مت کیجئے، بلکہ یا تو چلے جایئے اور اگر بہت ہی ضروری بات ہو تو مخاطب سے پہلے پوچھ لیا جائے کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، یا فرصت کا انتظار کیا جائے۔

(۲۳) جب کسی کے انتظار میں بیٹھنا ہو تو ایسے موقع پر اور اس طور سے نہ بیٹھئے کہ اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس کا انتظار کر رہے ہو، بلکہ اس سے دور اور نگاہ سے پوشیدہ ہو کر بیٹھئے۔

(۲۴) جو شخص کھانا کھانے یا دعوت میں جا رہا ہو، یا بلایا گیا ہو، اس کے ساتھ اس مقام تک نہ جایئے کیونکہ صاحب خانہ شرما کر کھانے کی تواضع کرتا ہے اور دل اندر سے نہیں چاہتا۔

(۲۵) پرانے شناسا یا نئے آدمی سے سلام کے بعد فوراً اپنے نام کے ساتھ متعارف کرادیجئے کیونکہ بعض مرتبہ آپ بے تکلف ہو کر ملتے ہیں اور مخاطب پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور وہ نام بھی معلوم کرتے ہوئے شرماتا ہے کیونکہ اس نے آپ کو نہیں پہچانا۔

(۲٦) جو شخص تیزی کے ساتھ جا رہا ہو راستہ میں اس کو مصافحہ کے لئے مت روکئے۔ شاید اس کا کوئی حرج ہو، اسی طرح اس کو ایسے وقت میں کھڑا کر کے بات میں نہ لگایئے۔

(۲۷) بعض افراد مجلس میں پہنچ کر سب سے الگ الگ مصافحہ کرتے ہیں، اگرچہ سب سے تعارف نہ ہو، اس میں بہت وقت صرف ہوتا ہے فراغت تک تمام مجلس مشغول و پریشان ہوتی ہے، مناسب یہی ہے کہ جس کے پاس ملنے کے لئے آئے ہیں۔ صرف اس سے ہی مصافحہ کیا جائے، البتہ اگر دوسری سے بھی تعارف ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(۲۸) جب کسی سے ملنے جائیں اور تم کو کھانا کھانا منظور نہ ہو، تو فوراً جاتے ہی میزبان کو اطلاع کردیجئے۔

(۲۹) جس سے زیادہ بے تکلفی نہ ہو اس سے ملاقات کے وقت اس کے گھر کے حالات مت معلوم کیجئے۔

(۳۰) رات میں اگر اپنے ہی گھر میں دیر سے آنا ہو تو سونے والوں کا خیال رکھئے۔ مشکوٰۃ کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ کے یہاں مہمان مقیم ہوتے، عشاء کے بعد اگر آپ ﷺ دیر سے تشریف لاتے چونکہ مہمان کے جاگنے اور سونے کا احتمال ہوتا اس لئے آپ ﷺ سلام تو کرتے مگر اتنی آہستہ کے اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھل جائے۔

شب برأت کو رسول اللہ ﷺ بستر پر سے اُٹھے اس خیال سے کہ حضرت عائشہؓ سو رہی ہوں گی۔ بے چین نہ ہوں، آہستہ سے جوتے مبارک پہنے اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور آہستہ باہر قبرستان تشریف لے گئے اور آہستہ سے ہی کواڑ بند کئے، کس قدر رعایت ہے کہ ایسی آواز یا کھڑکا بھی نہ کیا جائے جس سے سونے والے اچانک گھبرا کر جاگ اُٹھے اور پریشان ہو۔

(۳۱) ایسے دو شخصوں کے درمیان میں جو قصداً پاس پاس بیٹھے ہوں ان کے بیچ میں

جا کر بیٹھنا بغیر اجازت کے جائز نہیں ہے۔

(۳۲) مجلس درس یا مجلس وعظ وغیرہ میں جہاں پر بھی جگہ مل جائے بیٹھ جایئے لوگوں کو چیر پھاڑ کر آگے نہ بڑھئے کیونکہ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ''ہم جب نبی کریم ﷺ کے پاس آتے تو جو شخص جس جگہ پہنچ جاتا وہاں ہی بیٹھ جاتا۔''

(۳۳) عیادت میں مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھئے کہ مریض کی گرانی کا سبب نہ ہو جائے کیونکہ بعض اوقات کسی کے بیٹھنے سے مریض کو کروٹ بدلنے یا پاؤں پھیلانے میں یا بات چیت کرنے میں ایک گونہ تکلیف ہوتا ہے، البتہ جس کے بیٹھنے سے مریض کو راحت وسکون ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۳۴) بیمار کے سامنے یا اس کے گھر والوں کے سامنے ایسی باتیں نہ کرے جس سے زندگی کی امیدی پائی جائے، ناحق دل ٹوٹے گا بلکہ سنت کا طریقہ یہ ہی ہے کہ تسلی کی باتیں کی جائیں کہ انشاءاللہ سب دکھ وتکلیف جاتی رہے گی۔

(۳۵) جو سفر کی تیاری میں مشغول ہو اس کے پاس بے وقت مت جائے یا اس سے اتنی دیر باتیں نہ کرے کہ وہ تنگ ہو جائے یا اس سے کسی کام میں حرج واقع ہونے لگے، جس سے مسافر کو مدد ملے یا اجازت دے دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۳۶) کسی کے پاس بیٹھنا ہو تو اس قدر مل کر نہ بیٹھئے گا کہ اس کا دل گھبرا جائے اور نہ اس قدر فاصلے سے بیٹھئے گا کہ بات چیت وغیرہ کرنے میں تکلف ہو۔ مشغول آدمی کے پاس بیٹھ کر اس کو مت تکئے گا کہ اس سے دل بٹتا ہے اور دل پر عجیب قسم کا بوجھ سا معلوم ہوتا ہے، بلکہ خود اس کی طرف متوجہ ہو کر بھی نہ بیٹھئے گا۔

(۳۷) جب کسی کے گھر مہمان جائیں تو اس سے کسی چیز کی فرمائش مت کریئے، کیونکہ بعض دفعہ چیز تو ہوتی بے حقیقت، مگر وقت کی بات ہے موقع نہیں کہ گھر والا اسکو پوری کر سکے ناحق میزبان کو شرمندگی ہوگی۔

(۳۸) جب تم سے کوئی کسی کام کے لئے کہے تو اس کو سن کر ہاں یا نہیں ضرور زبان سے کچھ کہہ دینا چاہئے کہ کہنے والے کا دل ایک طرف ہو جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہنے والا تو سمجھے کہ اس نے سن لیا اور تم نے سنا نہ ہو، یا وہ سمجھے کہ تم یہ کام کردو گے اور تم کو کرنا منظور نہ ہو ناحق

دوسرا ابھر و سہ میں رہا۔

(۳۹) جب تم سے کوئی بات کرے تو بے توجہی سے نہ سنو، کہ بات کرنے والے کا دل اس سے افسردہ ہو جاتا ہے خصوصاً جو تمہاری ہی مصلحت کے لئے ہی کوئی بات کہہ رہا ہو یا تمہارے سوال کا جواب دیتا ہو۔

(۴۰) جس سے تم خود اپنی دنیوی یا دینی کوئی ضرورت پیش کرو اور وہ اس کے متعلق تم سے کسی بات کی تحقیق کرے تو گول مول مبہم جواب مت دیجئے صاف صاف اپنی غرض و مطلب پیش کر دیجئے تکلف کے کنایات و اشارات کا استعمال ادب اور مناسب نہیں ہے۔

(۴۱) بات ہمیشہ صاف اور بے تکلف کہہ دینی چاہئے۔ تکلیف کی تمہید وغیرہ نہ باندھئے۔

(۴۲) بعض آدمی تھوڑی بات پکار کر زور سے کہتے ہیں اور تھوڑی بات بالکل آہستہ کہ بالکل سنائی نہ دے یا ناتمام سنائی دے دونوں صورتوں میں ممکن ہے کہ سامع کو غلط فہمی یا تردد والجھن ہو۔ بات کے ہر جز کو بہت ہی صاف کہہ دینا چاہئے۔

(۴۳) بات کو اچھی طرح توجہ سے سننا چاہئے اور اگر کچھ شبہ رہے تو بے تکلف بات کرنے والے سے فوراً دوبارہ تحقیق کر لینی چاہئے بغیر سمجھے محض اجتہاد سے عمل نہ کرے کیونکہ بعض مرتبہ غلط فہمی کے ساتھ عمل کرنے سے متکلم کو اذیت ہوتی ہے۔

(۴۴) اگر کسی کی پوشیدہ بات کرنی ہو اور وہ بھی اس جگہ موجود ہو تو آنکھ سے یا ہاتھ سے ادھر اشارہ مت کرے گا کہ ناحق اس کو شبہ ہوگا، اور یہ بھی جب ہے کہ اس بات کا کرنا شرع سے بھی درست ہو، اور اگر درست نہ ہو تو ایسی بات کرنا گناہ عظیم ہے۔

(۴۵) اگر کسی مجلس میں کوئی خاص گفتگو ہو رہی ہو تو نئے آنے والے کو چاہئے کہ خواہ مخواہ، سلام کر کے اپنی طرف متوجہ کر کے سلسلۂ گفتگو میں مزاحم نہ ہو بلکہ چپکے سے الگ نظر بچا کر بیٹھ جائے باتوں میں توجہ نہ دے پھر موقعہ سے سلام وغیرہ کر سکتا ہے۔

(۴۶) اگر کوئی ضرورت لے کر کسی کے پاس جائیں تو موقع پا کر فوراً اپنی بات کہہ دینی چاہئے انتظار نہ کرائیے۔ بعضے آدمی پوچھنے پر تو کہہ دیتے ہیں کہ صرف ملنے کی غرض سے آئے ہیں جب وہ میزبان بے فکر ہو گیا اور موقع بھی نہ رہا تو اب کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ عرض کرنا ہے تو اس سے بہت اذیت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب بات کرنا ہو، سامنے بیٹھ کر بات کرنی

چاہئے پشت کے پیچھے سے بات کرنے میں الجھن معلوم ہوتی ہے۔

(۴۷) جب کسی شخص سے کوئی ضرورت پیش کرنا ہو جس کو پہلے بھی ذکر کر چکا ہو تو دوبارہ پیش کرنے کے وقت بھی پوری بات کہہ دینا چاہئے قرآئن پر یا پہلی بات کے بھروسہ پر ناتمام بات نہ کہئے، ممکن ہے مخاطب کو پہلی بات یاد نہ رہی ہو، اور غلط سمجھ جائے یا نہ سمجھنے سے پریشان ہو۔

(۴۸) بعض آدمی پیچھے بیٹھ کر کھنکارتے ہیں تاکہ کھنکار کی آواز سن کر یہ شخص ہم کو دیکھے اور پھر ہم سے بات کرے، اس حرکت سے سخت اذیت ہوتی ہے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ سامنے آکر بیٹھ جائے، اور جو کچھ کہنا ہو کہہ ڈالے، اور مشغول آدمی کے ساتھ یہ بھی جب کرے کہ سخت ضرورت ہو، ورنہ بہتر یہی ہے کہ اس کے فارغ ہونے تک ایسی جگہ بیٹھ جائے کہ اسکو آنے کی اطلاع بھی نہ ہو۔ ورنہ اس سے بھی میزبان کبھی کبھی پریشان ہو جاتا ہے۔

(۴۹) کسی کا خط جس کو تم مکتوب الیہ (تمہارا تعلق) نہ ہومت دیکھئے، نہ حاضرانہ جیسے بعض آدمی لکھتے جاتے ہیں اور قریب میں بیٹھنے والا نظر بچا کر کنکھیوں سے دیکھتا جاتا ہے اور نہ غائبانہ۔

(۵۰) اسی طرح کسی کے سامنے کاغذات یا کچھ اور رکھا ہو، ان کو اٹھا کر مت دیکھئے گا۔ شاید وہ شخص کسی کاغذ کو تم سے پوشیدہ کرنا چاہتا ہو، گو وہ چھپا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔

(۵۱) لوگوں کی اذیت و تکلیف کے اسباب کا انسداد نہایت ضروری ہے، شریعت نے حد درجہ اس کا خاص طور سے اہتمام کیا کہ کسی شخص کی کوئی حرکت، کوئی حالت دوسرے شخص کے لئے ادنیٰ درجہ میں بھی کسی قسم کی تکلیف واذیت یا ثقل وگرانی یا ضیق وتنگی یا تکدّر یا انقباض یا کراہت و ناگواری، یا تشویش و پریشانی یا توحش وخلجان کا سبب وموجب نہ ہو جائے اور حضور ﷺ نے اپنے قول اور اپنے فعل ہی سے صرف اس کے اہتمام کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ بعض خدام کی لاپرواہی کے موقع پر ان آداب وملاقات کے عمل کرنے پر بھی مجبور فرمایا اور ان سے کام لے کر بھی بتلا دیا ہے۔

شریعت کا مقصد یہ ہے کہ کسی سے ادنیٰ درجہ بھی کلفت وایذا نہ پہنچنے پائے خواہ وہ تکلیف خدمتِ مالی ہو یا جانی، یا ادب و تعظیم کے لحاظ سے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیے۔ آمین۔

☆☆

پاکیزہ معاشرہ کی تعلیم

تین اوقات میں اجازت لینے کا پابند بنانا، مردوں، عورتوں، لڑکوں اورلڑکیوں، غلام، باندی، سب کیلئے عام ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے، کیونکہ اوقاتِ مخصوصہ میں ہرایک کا داخل ہونا تکلیف دہ اور ناگواری کا باعث ہوتا ہے، خواہ وہ بچی ہو یا بچہ، اپنا ہو یا بے گانہ، اس کے وجوب کے علت یہ ہے کہ ان تین اوقات میں آدمی خلوت وتنہائی چاہتا ہے، کیونکہ بعض اوقات آدمی اپنی بیوی کیساتھ بے تکلفی میں ہوتا ہے بعض مرتبہ اعضاءِ مستورہ کھلے ہوئے بھی ہوتے ہیں۔

اگر لوگ اس کی احتیاط کرلیں کہ ان تین اوقات مذکورہ میں بھی اعضاء مستورہ کو چھپانے کی عادت ڈالیں، اور بیوی سے اختلاط بھی نہ کریں کہ کسی کے آنے کا احتمال ہے، تو اس صورت میں حکم واجب نہیں ہوتا کہ ان اوقات میں اپنے بچوں اور خادموں کو اجازت لینے کا پابند کریں، نہ ان پر اس حکم کا وجوب ثابت ہوگا، البتہ اس کا مستحب اور مستحسن ہونا ہر حال میں ہے مگر عام طور سے اس پر عمل کرنا متروک ہوگیا ہے، حضرت ابنِ عباسؓ نے تین آیات پر عمل نہ کرنے کا اپنے دور میں افسوس کا اظہار فرمایا تھا۔ لیکن اگر دورِ حاضر پر نظر ڈالی جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کتنا پرفتن زمانہ ہے، حضرت ابن عباسؓ تو خیر القرون میں افسوس فرمارہے ہیں جبکہ لوگوں کا مقصد ان کی زندگی کی ابتداء اور انتہا صرف تعلیمات اسلام پر عمل کرنا ہی تھا، لیکن آج شعائرَ اسلام اور اصولِ اسلام سے بعض لوگ انحراف اور بے رخی کا برتاؤ کررہے ہیں، حالانکہ اسلام نے مکمل دستور حیات عطاء کیا ہے جس میں پیدا ہونے سے لے کر موت تک غرض زندگی کے تمام شعبہ جات کی مکمل تعلیم اور رہنمائی موجود ہے پھر زندگی کا وہ گوشہ جس میں لوگوں سے متعلق شرم وحیاء وابستہ ہے بھلا اس کو کیسے تشنۂ تکمیل چھوڑا جاسکتا تھا اس وجہ سے قرآن نے لوگوں کے سونے اور جاگنے کے طریقہ تک پر بحث کی اور اس بات کی طرف خاص توجہ دی کہ آرام کا وہ وقت جب انسان اپنے آپ سے بھی غافل اور بے خبر ہوتا ہے تو ایسی حالت میں بے روک ٹوک اس کے پاس نہیں پہنچنا چاہئے کہ جس کی وجہ سے دونوں کو شرمندہ ہونا پڑے۔ اس لئے شریعت نے ملاقات کے اوقات کی تعین تک کردی ہے

کہ آدمی کو کس وقت اور کس طرح ملنا چاہئے۔

چونکہ قرآن شریف نے پاکیزہ معاشرہ کی تعلیم دی ہے تاکہ کوئی کسی کی آزادی میں خلل انداز نہ ہو، سب آرام وراحت سے زندگی بسر کریں۔

جولوگ اپنے معاشرہ کو اسلامی تہذیب کا پابند نہیں بنائیں گے، وہ خود بھی تکلیف وتکلیف میں مبتلا رہیں گے اور اپنی ضرورت وخواہش کا کام کرنے میں تنگی وپریشانی اٹھائیں گے۔

((ربنا تقبل منا انت السمیع العلیم))

خیر اندیش

محمد رفعت قاسمی

مدرس دارالعلوم دیوبند

۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ۔

مآخذ کتاب

تفسیر حقانی	تفسیر ابن کثیر
تفسیر بیان السبحان	تفسیر مظہری
معارف القرآن	تفسیر جلالین
تفسیر کبیر	احکام القرآن بجصاص
روح المعانی	الادب المفرد
تفسیر ابن جریر	القاموس
المنجد	صحاح ستہ
آداب المعاشرت	تفسیر بیان القرآن

فہرست
اضافہ شدہ مسائل

تمت بالخیر

ضمیمہ مسائلِ آداب وملاقات

سلام اور اِسلام

﴿واذاحییتم بتحیة فحیوا باحسن منها ط﴾ (الخ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلام اور اس کے جواب کے آداب بتلائے ہیں:

تحیہ کی تشریح اور اس کا تاریخی پہلو

تحیة کے لفظی معنی ہیں کہ کسی کو ((حیاک الله)) کہنا، یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے، قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو۔ ((حیاک الله)) یا ((انعم الله بک عیناً)) یا ((انعم صباحاً)) وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے، سلام نے اس طرزِ تحیہ کو بدل کر ((السلام علیکم)) کہنے کا طریقہ جاری کیا، جس کے معنی ہیں ''تم ہر تکلیف اور رنج ومصیب سے سلامت رہو۔''

ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی میں سے ہے، اور ((السلام علیکم)) کے معنی ہیں کہ ((الله رقیب علیکم)) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہے۔''

اسلامی سلام تمام دوسری اقوام کے سلام سے بہتر ہے

دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو کوئی کلمہ آپس میں موانست اور اظہار محبت کیلئے کہیں، لیکن اگر موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا ایسا جامع نہیں، کیوں کہ اس میں صرف اظہار محبت ہی نہیں، بلکہ ساتھ ساتھ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ کو تمام آفات اور آلام سے سلامت رکھیں، پھر دعا بھی عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی نہیں، بلکہ حیاتِ طیبہ کی دعا ہے یعنی تمام آفات اور آلام سے محفوظ رہنے کی، اسی کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہے کہ ہم اور تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، ایک دوسرے کو کوئی نفع بغیر اس

کے اذن کے نہیں پہنچا سکتا، اس معنیٰ کے اعتبار سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے، اور اپنے بھائی مسلمان کو خدا تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی۔

اسی کے ساتھ اگر یہ دیکھا جائے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگ رہا ہے کہ ہمارے ساتھی کو تمام آفات اور تکالیف سے محفوظ فرمادے تو اس کے ضمن میں وہ گویا یہ وعدہ بھی کرر ہا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مامون ہو، تمہاری جان و مال اور آبرو کا میں محافظ ہوں۔

سلام کیا ہے؟

ابنِ عربیؒ نے احکام القرآن میں امام ابن عیینہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((اتدری ماالسلام!یقول انت امن منی))

یعنی تم جانتے ہو کہ سلام کیا چیز ہے؟ سلام کرنے والا یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون رہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تحیہ ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے: (۱) اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے۔ (۲) تذکیر بھی۔ (۳) اپنے بھائی مسلمان سے اظہارِ تعلق ومحبت بھی۔ (۴) اس کے لئے بہترین دعا میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد وارِد ہے:

((المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده))۔ (الحدیث)

یعنی مسلمان تو وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے سب مسلمان محفوظ رہیں، کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

کاش مسلمان اس کلمہ کو عام لوگوں کی رسم کی طرح ادا نہ کرے، بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اختیار کرے۔ تو شاید پوری قوم کی اصلاح کے لیے یہی کافی ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے باہم سلام کو رواج دینے کی بڑی تاکید فرمائی، اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا، اور اس کے فضائل و برکات اور اجر وثواب بیان فرمائے، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک مؤمن نہ ہو، اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز

بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلو تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہو جائے گی، وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی ہر مسلمان کے لیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے افضل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو کھانا کھلا دو، اور سلام کو عام کرو خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔ (صحیحین)

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابوامامہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے، جو سلام کرنے میں ابتداء کرے۔

مسند بزار اور معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اُتارا ہے، اس لیے تم آپس میں سلام کو عام کرو، کیونکہ مسلمان آدمی جب کسی مجلس میں جاتا ہے اور ان کو سلام کرتا ہے تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا ایک بلند مقام حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اس نے سب کو سلام، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد دلائی، اگر مجلس والوں نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا تو ایسے لوگ اس کو جواب دیں گے جو اس مجلس والوں سے بہتر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بڑا بخیل وہ آدمی ہے جو سلام میں بخل کرے۔ (طبرانی، معجم عن ابی ہریرہؓ)

رسولِ کریم ﷺ کے ان ارشادات کا صحابہ کرامؓ پر جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر بازار میں صرف اس لیے جایا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے اس کو سلام کر کے عبادت کا ثواب حاصل کریں، کچھ خریدنا یا فروخت کرنا مقصود نہ ہوتا تھا، یہ روایت مؤطاء امام مالک میں طفیل بن ابی بن کعبؓ نے نقل کی ہے۔

سلام کا جواب اور آپ ﷺ کا عمل

قرآن مجید کی جو آیت اوپر ذکر کی گئی ہے اس میں ارشاد یہ ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس کا جواب اس سے بہتر الفاظ میں دو، یا کم از کم ویسے ہی الفاظ کہہ دو، اس کی

تشریح رسولِ کریم ﷺ نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا((السلام علیک یارسول الله)) آپ ﷺ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا((وعلیکم السلام ورحمة الله))۔ پھر ایک صاحب آئے اورانہوں نے سلام میں یہ الفاظ کہے،((السلام علیک یارسول الله ورحمة الله)) آپ نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا:((وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته)) پھر ایک صاحب آئے انہوں نے اپنے سلام ہی میں تینوں کلمے بڑھا کر کہا ((السلام علیک یارسول الله ورحمة الله وبرکاته)) آپ ﷺ نے جواب میں صرف ایک کلمہ((وعلیک)) ارشاد فرمایا،ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی،اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان، پہلے جو حضرات آئے آپ نے ان کے جواب میں کئی کلمات دعا کے ارشاد فرمائے اور میں نے ان سب الفاظ سے سلام کیا تو آپ نے((وعلیک)) پر اکتفا فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے لیے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اضافہ کرتے۔تم نے سارے کلمات اپنے سلام ہی میں جمع کر دیئے، اسلئے ہم نے قرآنی تعلیم کے مطابق تمہارے سلام کا جواب بالمثل دینے پر اکتفا کرلیا اس روایت کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مختلف اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حدیث مذکور سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب اس سے اچھے الفاظ میں دینے کا جو حکم آیتِ مذکورہ میں آیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سلام کرنے والے کے الفاظ سے بڑھا کر جواب دیا جائے،مثلاً اس نے کہا((السلام علیکم)) تو آپ جواب دیں((وعلیکم السلام ورحمة الله))۔اوراس نے کہا:((السلام علیکم ورحمة الله))۔تو آپ جواب میں کہیں:((وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته))۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ کلمات کی زیادتی صرف تین کلمات تک مسنون ہے اس سے زیادہ کرنا مسنون نہیں۔اور حکمت اس کی ظاہر ہے کہ سلام کا موقع مختصر کلام کرنے کا مقتضی ہے،اس میں اتنی زیادتی مناسب نہیں ہے، جو کسی کام میں مخل یا سننے والے پر بھاری ہو جائے،اسی لیے جب ایک صاحب نے اپنے ابتدائی سلام ہی میں تینوں کلمے جمع کر دیئے تو رسول اللہ ﷺ نے آگے اور زیادتی سے احتراز فرمایا،اس کی مزید توضیح حضرت عبداللہ بن

عباسؓ نے اس طرح فرمائی کہ مذکورہ تینوں کلموں سے زیادہ کرنے والے کو یہ کہہ کر روک دیا کہ:((ان السلام قد انتهىٰ الى البر كته))۔ (مظہری عن البغوی) یعنی سلام لفظ برکت پر ختم ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ کرنا مسنون نہیں ہے۔ (ومشکٰوۃ عن ابن کثیر)

تیسری بات حدیث مذکورہ سے یہ معلوم ہوئی کہ سلام میں تین کلمے کہنے والے کے جواب میں اگر صرف ایک کلمہ ہی کہہ دیا جائے تو وہ بھی اداء بالمثل کے حکم میں حکمِ قرآنی ((اوردوها)) کی تعمیل کے لیے کافی ہے، جیسا کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صرف ایک کلمہ پر اکتفاء فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

خلاصہ

مضمونِ آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب کسی مسلمان کو سلام کیا جائے تو اس کے ذمہ جواب دینا تو واجب ہے، اگر بغیر کسی عذرِ شرعی کے جواب نہ دیا تو گنہگار ہوگا، البتہ جواب دینے میں دو باتوں کا اختیار ہے، ایک یہ کہ جن الفاظ سے سلام کیا گیا ہے ان سے بہتر الفاظ میں جواب دیا جائے، دوسرے یہ کہ بعینہٖ انہی الفاظ سے جواب دیدیا جائے۔

اس آیت میں سلام کا جواب دینے کو تو لازم واجب صراحۃً بتلا دیا گیا ہے، لیکن ابتداء سلام کرنے کا کیا درجہ ہے، اس کا بیان صراحۃً نہیں ہے مگر ((اذا حييتم)) میں اس کے حکم کی طرف بھی اشارہ موجود ہے، کیونکہ اس لفظ کو بصیغۂ مجہول بغیر تعیین فاعل ذکر کرنے میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ سلام ایسی چیز ہے جو عادۃً سب ہی مسلمان کرتے ہیں۔

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب وہ شخص ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔

اور سلام کی تاکید اور فضائل آنحضرت ﷺ کے ارشادات سے ابھی آپ سُن چکے ہیں، ان سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءِ سلام کرنا بھی سنتِ مؤکدہ سے کم نہیں۔

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ ابتدائی سلام تو اکثر علماء کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے، اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ((السلام تطوع الرد فريضة)) یعنی ابتداء سلام کرنے میں تو اختیار ہے، لیکن سلام کا جواب دینا فرض ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے اس حکم قرآنی کی مزید تشریح کے طور پر سلام اور جوابِ سلام کے متعلق اور بھی کچھ تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ بھی مختصر طور پر سن لیجئے، صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص سواری پر ہو اس کو چاہئے کہ پیادہ چلنے والے کو خود سلام کرے، اور جو چل رہا ہو وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، اور جو لوگ تعداد میں قلیل ہوں وہ کسی بڑی جماعت پر گزریں تو ان کو چاہئے کہ سلام کی ابتداء کریں۔

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی اپنے گھر میں جائے تو اپنے گھر والوں کو سلام کرنا چاہئے کہ اس سے اس کے لئے بھی برکت ہوگی، اور اس کے گھر والوں کیلئے بھی۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان سے بار بار ملاقات ہو تو ہر مرتبہ سلام کرنا چاہئے، اور جس طرح اول ملاقات کے وقت سلام کرنا مسنون ہے اسی طرح رخصت کے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور ثواب ہے۔

اختتامِ مضمون پر فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں۔ جن میں انسان اور اسلامی حقوق مثل سلام اور جواب سلام کے سب اُمور داخل ہیں، ان کا بھی اللہ تعالیٰ حساب لیں گے۔

(معارف القرآن ص ۵۰۱ تا ص ۵۰۶، ج ۲)

سلام میں پہل کرنے کی فضیلت

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک تر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔'' (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح:۔ اس فضیلت کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو راستہ میں ایک دوسرے سے ملیں۔ کیونکہ اس صورت میں سلام کرنے کے حق کے سلسلے میں وہ برابر کی حیثیت رکھیں گے لہٰذا ان میں سے جو شخص پہلے سلام کرے گا وہ مذکورہ فضیلت کا مستحق ہوگا اس کے برخلاف اگر یہ صورت ہو کہ ایک شخص تو کہیں بیٹھا ہوا ہو، اور دوسرا شخص اس کے پاس آئے تو سلام کرنے کا حق اس دوسرے شخص پر ہوگا جو آیا ہے لہٰذا اگر وہ آنے والا سلام کرنے میں پہل کرے تو وہ فضیلت کا مخاطب نہیں ہوگا کیونکہ اس نے سلام کرنے میں پہل کر کے درحقیقت

اس حق کو ادا کر دیا ہے جو اس کے ذمہ تھا، ہاں اگر سلام کرنے میں وہ شخص پہل کرے جو بیٹھا ہوا تھا تو اس فضیلت کا وہ مستحق ہوگا۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو اختیار کرنے سے مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کیلئے اخلاص و محبت کو فروغ دیتا ہے۔ ایک تو ملاقات کے وقت سلام کرنے میں پہل کرنا۔ دوسرے کسی مسلمان کو اس کے نام کے ذریعہ مخاطب کرنا اور پکارنا جس کو وہ پسند کرتا ہے، تیسرے یہ کہ جب وہ مجلس میں آئے تو اس کو (عزت واحترام کے ساتھ) جگہ دینا۔

مسئلہ:۔ جب کہیں آتے جاتے دو شخص آپس میں ملیں، اور دونوں کی حیثیت یکساں نوعیت کی ہو، جیسے دونوں پیدل ہوں، یا دونوں سواری پر ہوں تو ان میں سے جو شخص پہلے سلام کرے گا وہ گویا یہ ظاہر کرے گا کہ خدا نے اس کو تکبر و غرور سے پاک رکھا ہے۔

مسئلہ:۔ سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص مجلس میں آئے اور وہاں سلام کرے تو مجلس والوں پر اس کے سلام کا جواب دینا فرض ہوگا۔

اور اگر وہ شخص اسی مجلس میں دوبارہ آئے اور پھر سلام کرے تو اب اس کے سلام کا جواب دینا ان پر فرض نہیں ہوگا بلکہ مستحب ہوگا۔

مسئلہ:۔ سلام اور اس کا جواب، دونوں کے الفاظ بصیغۂ جمع ہونے چاہئیں۔ اگر چہ مخاطب فردِ واحد ہو، تا کہ فرشتے جو ہر شخص کے ساتھ ہوتے ہیں، سلام میں مخاطب کے ساتھ وہ بھی شریک ہوں۔ (مظاہر حق ص ۳۵۹، جلد ۵)

مسئلہ:۔ جو شخص سلام کرتے وقت کسی نامشروع امر کا مرتکب ہو وہ سلام کے جواب کا مستحق نہ ہوگا۔ (مظاہر حق ص ۳۵۹، جلد ۵)

کون کِس کو سلام کرے؟

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص سواری پر ہو، وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے آدمی

زیادہ تعداد والے آدمیوں کو سلام کریں۔'' (بخاری و مسلم)

مسئلہ:۔ جو شخص سواری پر ہو (الخ) یہ حکم اصل میں تواضع وانکساری کی طرف راغب کرنے کے لیے ہے کیونکہ جو شخص سواری پر ہے اس کو گویا اللہ تعالیٰ نے پیدل چلنے والے پر برتری وفوقیت عطا فرمائی ہے، لہٰذا اس کو فروتنی ہی اختیار کرنی چاہیے، اسی طرح جو لوگ کم تعداد میں ہوں اور وہ ایسے لوگوں سے ملیں جو تعداد میں ان سے زیادہ ہوں تو ان کو بھی چاہیے کہ تواضع وانکساری کی بناء پر اور ''اکثریت'' کے احترام کے پیشِ نظر سلام کرنے میں ابتداء کریں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں، اگر کوئی شخص کچھ لوگوں سے ملے اور یہ چاہے ان سب کو سلام کرنے کی بجائے ان میں سے چند کو سلام کرے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ سلام کا اصل مقصد آپس میں موانست واُلفت کو فروغ دینا ہے، جبکہ بعض دوسرے لوگوں کو سلام کرنا گویا باقی لوگوں کو وحشت واجنبیت میں مبتلا کرنا ہے اور یہ چیزیں اکثر اوقات تنفر وعداوت کا سبب بھی بن جاتی ہیں۔

مسئلہ:۔ بازار اور شارع عام کا حکم اس سے الگ ہے کہ اگر بازار میں یا شارع عام پر بہت سے لوگ آرہے ہوں تو وہاں بعض لوگوں کو سلام کر لینا کافی ہوگا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بازار میں یا شارع عام پر ملنے والے ہر شخص کو سلام کرنے لگے تو وہ اسی کام کا ہو کر رہ جائے گا اور اپنے امور کی انجام دہی سے باز رہے گا۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''چھوٹا بڑے کو، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو، اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والے کو سلام کریں۔'' (بخاری)

تشریح:۔ علماء نے یہ لکھا ہے کہ مذکورہ بالا حکم سرِراہ ملاقات کے وقت کا ہے، مثلاً ایک شخص ادھر سے آرہا ہے، دوسرا ادھر سے جا رہا ہے اور دونوں آپس میں ملیں تو اس صورت کے لیے یہ حکم ہے کہ ان دونوں میں جو شخص چھوٹا ہو وہ بڑے کو سلام کرے، لیکن وارد ہونے یعنی کسی کے پاس یا مجلس میں جانے کی صورت میں سلام کی ابتداء وارد کو کرنی چاہیے، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور خواہ کم تعداد والے لوگ ہوں یا زیادہ تعداد والے لوگ۔

(مظاہر حق جدید، ص ۳۳۹، ج ۵)

☆☆

سلام کس وقت کیا جائے؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص جب اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے تو چاہئے کہ (پہلے) اس کو سلام کرے اور اس کے بعد اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا (بڑا) پتھر حائل ہو اور پھر اس سے ملاقات ہو تو اس کو (دوبارہ) سلام کرے۔'' (ابوداؤد)

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ اتنے معمولی وقفہ کی جدائی و مفارقت کے بعد بھی سلام کرنا مستحب ہے، چہ جائیکہ زیادہ عرصہ کے بعد ملاقات ہو، گویا یہ حدیث سلام کے استحباب اور ہر موقع پر اس ادب کو ملحوظ رکھنے کو مبالغہ کے طور پر بیان کرتی ہے، واضح رہے کہ سلام کی اہمیت کے باوجود بعض صورتیں ایسی ہیں جو سلام کرنے سے مستثنیٰ (الگ) ہیں۔ اس شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے جو پیشاب کر رہا ہے، پاخانہ (فلش و باتھ روم) میں ہو، یا جماع میں مصروف ہو یا اسی طرح کی کوئی اور حالت ہو تو اس وقت اس شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور جواب دینا اس پر واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سو رہا ہو یا اونگھ رہا ہو، یا نماز پڑھ رہا ہو، یا اذان دے رہا ہو، یا حمام (غسل خانہ) میں ہو، یا کھانا کھا رہا ہو اور نوالہ اس کے منہ میں ہو، ان صورتوں میں اس کو اگر کوئی سلام کرے تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔ نیز خطبہ کے وقت نہ تو سلام کرنا چاہئے اور نہ سلام دینا چاہئے، اور جو شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہو، اس کو بھی سلام نہ کیا جائے، اگر کوئی سلام کرے تو تلاوت کرنے والے کو چاہئے کہ تلاوت روک کر سلام کا جواب دے اور پھر ''اعوذ باللہ'' پڑھ کر تلاوت شروع کر دے (مظاہر حق، ص ۳۴۸، جلد ۵)

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ غیر مسلم اور فاسق اور بدعتی کے سلام کا جواب واجب نہیں ہے۔ تفسیر سراج میں لکھا ہے کہ کافر کو ابتداء سلام کرنا حرام ہے۔ لیکن بعض مشائخ کا قول ہے کہ اس زمانے میں ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے، مگر اولیٰ یہ ہے کہ دل سے نیت نہ کرے صرف ہاتھ کا اشارہ کرے اور اگر زبان سے بھی کہے تو ملائکہ کی نیت کرے۔ اگرچہ بظاہر غیر مسلم کو سلام کرنا معلوم ہو، مگر باطن میں نیت اور ہو۔ (یا آداب عرض ہے، یا ھداک اللہ وغیرہ کے الفاظ سے سلام و تعلق کا اظہار کرے۔ لیکن آج کل بعض حضرات غیر مذاہب والوں کے الفاظ میں سلام کرتے ہیں یہ غیر مناسب ہے)۔

مسئلہ:۔نماز پڑھنے والے، خطبہ پڑھنے والے اور حج کی لبیک کہنے والے کو سلام کرنا مسنون نہیں اور نہ ان پر جواب دینا لازم ہے۔

مسئلہ:۔قرآن وحدیث پڑھنے والا یا علمی مذاکرہ کرنے والا سلام کا جواب نہ دے۔

مسئلہ:۔مسنون ہے کہ مرد جب اپنے گھر میں جائے تو بیوی کو سلام کرے اور بیوی شوہر کو سلام کرے اور قرابتدار محرم عورت کو سلام کرنا مسنون ہے۔

مسئلہ:۔سوار پیدل کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹا بڑے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔ جو شخص سلام کا جواب نہیں دیتا اس کی روح گندی ہو جاتی ہے۔

مسئلہ:۔جو شخص شطرنج یا جوا وغیرہ کھیل رہا ہو، یا گا رہا ہو، یا کبوتر اڑا رہا ہو، یا ایسا کوئی اور فعل کرتا ہو تو اس کو سلام نہ کرنا چاہئے۔(تفسیر السبحان، ص۴۹۱، جلد۱)

مسئلہ:۔سلام میں پہل کرنا اگر اکیلا شخص ہو تو سنت عینی ہے اور اگر جماعت ہو تو سنت کفایہ ہے یعنی اگر جماعت میں سے ایک نے سلام کر دیا (یا جواب دیدیا) تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔لیکن ثواب اُس کو ملے گا جس نے سلام کیا ہے اور اگر سب سلام کریں گے تو سب کو ثواب ملے۔اور جس شخص کو ایک جماعت نے سلام کیا ہو اس کا ایک جواب سب کو دینا کافی ہے۔سلام کا جواب دینا کل جماعت پر واجب ہے، لیکن اگر ایک نے بھی جواب دے دیا تو اَوروں کی طرف سے یہ وجوب ساقط ہو جائے گا۔

(تفسیر بیان السبحان ص۴۹۱ ج۱۔ ومظاہر حق ص ۳۴۷، ج۵)

مسئلہ:۔اگر گھر میں کوئی فرد نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس طرح کہے:((**السلام علینا وعبادالله الصالحین**)) تاکہ وہاں جو فرشتے ہوں ان کو سلام پہنچے۔(مظاہر حق ص ۳۴۸، ج۵)

مسئلہ:۔سلام کلام سے پہلے یعنی ملاقات سے پہلے سلام کرنا چاہئے اور اس کے بعد بات چیت کرنی چاہئے۔سلام کرنے سے پہلے بات چیت شروع کر دینا اچھا نہیں ہے۔

(مظاہر حق ص ۳۴۹، جلد۵)

مسئلہ:۔جو اذان واقامت کہہ رہا ہے، یا دینی کتابوں کا درس دے رہا ہے یا انسانی ضروریات استنجاء وغیرہ میں مشغول ہے اس کو اس حالت میں سلام کرنا بھی جائز نہیں اور اس کے ذمہ جواب دینا بھی واجب نہیں ہے۔(معارف القرآن ص ۵۰۶، ج۵)

سلام کا ادنیٰ درجہ

مسئلہ :۔سلام کا ادنیٰ درجہ السلام علیکم کہنا ہے اور اگر السلام علیک یا سلام علیک کہا جائے تو بھی کافی ہوگا اور جواب میں ادنیٰ درجہ وعلیک السلام اور وعلیکم السلام ہے، اور اگر واؤ نہ لگایا جائے تو بھی کافی ہوگا۔

مسئلہ :۔علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر جواب میں صرف علیکم کہا جائے تو جواب پورا نہیں ہوگا۔اور اگر جواب میں وعلیکم کہا جائے (یعنی واؤ لگایا جائے) تو اس صورت میں دونوں قول ہیں۔(مظاہر حق ص ۳۴۵، ج ۵)

مسئلہ :۔اگر کوئی شخص السلام علیک کہے تو اس کے جواب میں ((وعلیک السلام ورحمة وبرکاته)) کہا جائے ،اسی طرح اگر کوئی ((السلام علیکم ورحمة الله)) کہے،اسی طرح اگر کوئی ((السلام علیکم ورحمة الله)) کہے تو اس کے جواب میں ((وعلیک السلام ورحمة الله وبرکاتهٗ ومغفرتهٗ))

مسئلہ :۔افضل یہی ہے کہ جواب میں ((وعلیک السلام))یا((وعلیکم السلام))ہی کہا جائے.

مسئلہ :اگر دو شخص ملیں اور دونوں ایک ہی ساتھ السلام علیکم کہیں تو دونوں میں سے ہر ایک پر جواب دینا واجب ہوگا۔(مظاہر حق ص ۳۴۷، ج ۵)

سلام کرتے وقت جُھکنا

حدیث سے واضح ہے کہ سلام کے وقت جُھکنا ،جیسا کہ کچھ لوگوں کا معمول ہے اور بعض جگہوں پر اس کا رواج بھی ہے، یہ خلافِ سنت ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس کو اس بناء پر پسند نہیں فرمایا کہ یہ چیز رکوع کے حکم میں ہے اور رکوع اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

مسئلہ :۔اگر کوئی شخص کسی کے سامنے زمین بوسی کرے یا اس کے آگے پیٹھ کو جھکائے تو اس کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا البتہ گنہگار ہوگا کیونکہ زمین بوسی کرنا یا جھکنا تعظیم کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ عبادت کی نیت سے ،اور اگر عبادت کی نیت سے اس طرح کا فعل کیا جائے گا تو وہ یقیناً کافر ہو جائے گا۔(مظاہرِ حق ص ۳۷۱، ج ۵)

ملاقات کے لیے کھڑے ہونا

آنے والے کی تعظیم کے طور پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا قیام یعنی کھڑے ہو جانا مکروہ نہیں ہے اور یہ کہ قیام بنفسہ مکروہ نہیں ہے بلکہ قیام کی طلب وپسندیدگی مکروہ ہے چنانچہ وہ قیام ہرگز مکروہ نہیں ہوگا۔ جو کسی ایسے شخص کیلئے کیا جائے جو نہ تو اپنے لئے قیام کی طلب رکھتا ہو اور نہ اس کو پسند کرتا ہو۔

مسئلہ:۔ کھڑے ہونے کی ممانعت کا تعلق اس شخص کے حق میں ہے جو بیٹھا ہوا ہو، اور بیٹھے رہنے تک لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص نظر آئے جو علم وفضل اور بزرگی کا حامل ہو تو اس کی تعظیم وتوقیر کے طور پر کھڑے ہو جانا جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ ایسے شخص کے آنے پر کھڑے ہونا جو نہ صرف یہ کہ اس اعزاز کا مستحق نہ ہو بلکہ اپنے آنے پر لوگوں کے کھڑے ہو جانے کی طلب وخواہش بھی رکھتا ہو وہ مکروہ ہے۔ اور اسی طرح بے جا خوشامد وچاپلوسی کے طور پر کھڑے ہونا بھی مکروہ ہے، نیز دنیا داروں کے لیے کھڑے ہونا اور ان کی تعظیم کرنا بھی مکروہ ہے اور اس بارے میں سخت وعید منقول ہے. (مظاہر حق، ص ۳۸۰، ج ۵)

مکروہ وممنوع یہ چیز ہے کہ اپنی تعظیم واحترام کرانے کے اور بڑائی کے اظہار کے لیے اپنے سامنے لوگوں کے کھڑے رہنے کو پسند کیا جائے اور اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر مکروہ وممنوع نہیں ہوگا۔ (مظاہر حق ص ۳۸۳، ج ۵)

اور وعید کا تعلق بھی اس شخص کی ذات سے ہے جو بطریق تکبر ونخوت لوگوں کو یہ حکم دے کہ وہ اس کے سامنے کھڑے رہیں یا وہ لوگوں کیلئے ضروری قرار دے کہ وہ جب بھی اس کے سامنے آئیں کھڑے رہیں۔ (رفعت قاسمی)

اجنبی عورت کو سلام کرنا؟

حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ (احمد)

تشریح:۔ یہ بات آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ کسی فتنہ

وشر میں آنحضرت ﷺ کے مبتلا ہونے کا کوئی خوف وخطرہ نہ تھا اس لیے آپ ﷺ کیلئے عورتوں کو بھی سلام کرنا روا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے مسلمان کیلئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اجنبی عورت کو سلام کرے، ہاں اگر کوئی عورت اتنی عمر رسیدہ ہو کہ اس کی طرف کسی فتنہ وضرر میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف نہ ہو اور نہ اس کو سلام کرنا دوسروں کی نظروں میں کسی بدگمانی کا سبب بن سکتا ہو تو اس کو سلام کرنا جائز ہوگا۔ (مظاہر حق، ص ۳۴۶، جلد ۵)

غائبانہ سلام اور اس کے جواب

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو مسنون یہ ہے کہ سلام پہنچانے والے پر بھی سلام بھیجا جائے اور جس کی طرف سے اس نے سلام پہنچایا ہے اس پر بھی یعنی جب کوئی شخص کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو جواب میں یوں کہا جائے: ((علیک وعلیٰ فلان السلام، یا وعلیک وعلیہ السلام)) چنانچہ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بعینہٖ منقول ہیں۔ (مظاہر حق ص ۳۵۰، جلد ۵)

اشاروں کے ذریعہ سلام کرنا؟

یہودی اور عیسائی سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کیلئے یا دونوں کے لیے محض اشاروں ہی پر اکتفا کر لیتے تھے، سلام کا لفظ نہیں کہتے تھے جو حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت میں سے انبیاء واولیاء کی سنت اور طریقہ ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کو مکاشفہ ہوا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ بے راہ روی کا شکار ہو کر سلام کرنے کا وہ طریقہ اختیار کرینگے جو یہودیوں اور دوسری غیر اقوام کا ہے۔ جیسے انگلیوں یا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا، ہاتھ جوڑ لینا، کمر یا سر کو جھکانا، اور صرف سلام کرنے پر اکتفاء کر لینا وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا آپ ﷺ نے پوری امت کو مخاطب کرتے ہوئے اس بارے میں تنبیہہ بیان فرمائی اور یہ وعید بیان کی کہ جو شخص سلام کے ان رسم ورواج کو اپنائے گا جو اسلامی شریعت اور ہماری سنت کے خلاف ہیں تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا شمار ہماری اُمت کے لوگوں میں نہیں ہوگا۔

(مظاہر حق، ص ۳۴۷، جلد ۵)

غیر مسلم کو سلام کرنا؟

مسئلہ :۔ غیر مسلم کو ((السلام علیکم)) نہ کہو۔ کیونکہ سلام میں پہل کرنا درحقیقت اسلامی تہذیب کا بخشا ہوا ایک اعزاز ہے، جس کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اسلامی تہذیب کے پیرو ہوں اور مسلمان ہوں، اس اعزاز کا استحقاق ان لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتا جو دین کے دشمن اور خدا کے باغی ہیں، اسی طرح ان باغیوں اور دشمنوں کے ساتھ سلام اور اس جیسی دوسری چیزوں کے ذریعہ الفت و محبت کے مراسم کو قائم کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ لوگ سلام میں خود پہل کریں اور ((السلام علیکم)) کہیں تو اس کے جواب میں صرف ((ھداک اللہ)) کہا جائے۔ (مظاہر حق، ص ۳۴۰، جلد ۵)

''ادب'' کے معنیٰ ہیں وہ قول و فعل جس کو اچھا اور قابلِ تعریف کہا جائے۔ یا ادب کا مطلب یہ ہے کہ ہر بات کو درستی اور اچھائی کے ساتھ اچھی موقع پر کہا جائے اور ہر کام کو احتیاط اور دُور اندیشی کے ساتھ انجام دیا جائے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ''ادب'' کا مطلب یہ ہے کہ نیکی و بھلائی کی راہ کو اختیار کیا جائے اور گناہ و بُرائی کے راستہ سے اجتناب کیا جائے (مظاہر حق، ص ۳۳۵، ج ۵)

اس لیے اگر غیر مسلموں کو سلام کی بجائے ''آداب عرض'' کہہ دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مخلوط مجلس میں سلام کرنے کا طریقہ

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی ایسی جماعت کے پاس سے گزرے یا کسی ایسی مجلس میں پہنچے جس میں مسلمان بھی ہوں اور غیر مسلم بھی، اور مسلمان خواہ ایک ہی ہو یا کئی ہوں تو مسنون یہ ہے کہ مسلمانوں یا مسلمان کا قصد کر کے پوری جماعت کو سلام کرے، نیز علماء نے لکھا ہے کہ اس صورت میں چاہے تو ((السلام علیکم)) کہے، اور نیت یہ رکھے کہ اس سلام کے اصل مخاطب مسلمان ہیں۔ اور چاہے یوں کہے:۔

((السلام علیکم علیٰ من اتبع الھُدیٰ))

نیز علماء لکھتے ہیں کہ اگر کسی مشرک و غیر مسلم کو خط لکھا جائے تو مسنون یہ ہے کہ

مکتوب الیہ کوسلام لکھنے کے بجائے وہی الفاظ لکھے جو آنحضرت ﷺ نے ہرقل (روم کے بادشاہ) کو لکھے تھے یعنی: ((سلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ))۔ (مظاہر حق ص ۳۴۳، جلد ۵)

وِداعی سلام اور اس کا جواب

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تم گھروں میں گھسو تو اپنے گھر والوں کوسلام کرو۔

تشریح:۔ حدیث شریف کے الفاظ: ((فاو دعوا اھلہ)) جو وداع سے ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے باہر جاتے وقت اپنے اہل وعیال کوسلام کے ذریعہ وداع کہو۔اس ہی لیے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس رخصتی سلام کا جواب واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ یہ سلام اصل میں دعاء اور وداع ہے۔

اور اس کے یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنے اہل وعیال کے پاس سلام کو ودیعت (امانت) رکھو، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تم نے رخصت ہوتے وقت اپنے اہل وعیال کوسلام کیا تو گویا کہ تم نے خیر و برکت کو اپنے اہل وعیال کے پاس امانت رکھا جس کو تم آخرت میں واپس لو گے۔جیسا کہ کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھتا ہے اور پھر اس کو واپس لے لیتا ہے۔

اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ تم سلام کو اپنے گھر والوں کو ودیعت (امانت وسپردگی) میں دے دو تا کہ تم لوٹ کر ان کے پاس آؤ تو اپنی ودیعت (امانت) کو واپس لے لو، جیسا کہ امانتیں واپس لی جاتی ہیں۔یہ بات گویا اس امر کی نیک فال لینے کے مرادف ہے کہ گھر سے رخصت ہونے والا سلامتی کیساتھ لوٹ کر آئے گا اور اس کو دوبارہ سلام کرنے کا موقع ملے گا۔(انشاءاللہ)۔ (مظاہر حق ص ۳۴۹، ج ۵)

حاجی سے سلام ومصافحہ کرنا؟

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم حاجی سے ملاقات کرو تو اس کوسلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اس سے اپنے لیے بخشش کی دعاء کرنے کو کہو، اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اور یہ اس لیے ہے کہ اس کی بخشش کی جا چکی ہے۔'' (احمد)

تشریح:۔ جو شخص اس کے گھر (بیت اللہ) کی زیارت کے لیے جاتا ہے وہ اللہ کا مہمان ہو جاتا ہے، جس طرح میزبان اپنے مہمان کی ہر جائز خواہش کا احترام کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے مہمانوں کی لاج رکھتا ہے اور وہ جو دعاء مانگتے ہیں قبول فرماتا ہے وہ اگر اپنی مغفرت و بخشش چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت و بخشش کی دولت سے نوازتا ہے۔

حاجی مستجاب الدعوات ہو جاتے ہیں جس وقت کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اور گھر واپس آنے کے چالیس روز بعد تک ایسے ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ زمانہ میں دستور تھا اور اب بھی ہے کہ جب حجاج اپنے گھر واپس آتے تھے تو لوگ ان کے استقبال کے واسطے جایا کرتے تھے اور ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ چونکہ اس شخص کی مغفرت ہو چکی ہے اور یہ گناہوں سے پاک ہو کر آیا ہے، اس سے مل کر مصافحہ کریں پیشتر اس کے کہ وہ دنیا میں ملوث ہو جائے تا کہ ہم کو بھی ان سے کچھ فیض پہنچے۔ (اگرچہ آج کل یہ غرض کم اور نام و نمود کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے)۔

چنانچہ اس حدیث میں بھی حاجی سے سلام و مصافحہ کرنے کے لیے گھر میں داخل ہونے سے پہلے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اس وقت تک دنیا میں ملوث اور اپنے اہل وعیال میں مشغول نہیں ہوتا بلکہ اس وقت تک وہ راہِ خدا ہی میں ہوتا ہے اور گناہوں سے پاک وصاف ہوتا ہے اور اس صورت میں حاجی چونکہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے اس لیے فرمایا گیا کہ اس سے اپنے لیے مغفرت و بخشش کی دعاء کراؤ تا کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے، اور تمہیں مغفرت و بخشش سے نوازے۔

علماء لکھتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا، جہاد کرنے والا اور دینی طالب علم بھی حاجی کے حکم میں ہے۔ یعنی جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے گھر آئیں تو ان سے بھی گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام و مصافحہ کیا جائے اور دعاء بخشش و مغفرت کی درخواست کی جائے کیونکہ یہ لوگ بھی مغفور ہوتے ہیں۔ (مظاہر حق ص ۲۷۹، جلد ۳)

مصافحہ کی فضیلت

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب دو مسلمان ملتے

ہیں اور (آپس میں ایک دوسرے سے) مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جُدا ہونے سے پہلے خدا تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے۔'' (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح:۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جب دو مسلمان ملتے ہیں اور ان میں ایک اپنے دوسرے ساتھی کو سلام کرتا ہے تو ان میں سے وہ مسلمان اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے جو کشادہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ اپنے دوسرے ساتھی سے ملتا ہے، اور پھر جب دونوں مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سو (۱۰۰) رحمتیں نازل کرتا ہے (اور) نوے رحمتیں تو اس پر جس نے پہل کی اور دس رحمتیں اس پر جس سے مصافحہ کیا ہے۔ (مظاہر حق ص ۳۷۰)

مصافحہ ومعانقہ کے احکام

باہمی ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، نیز دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہئے، محض ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا غیر مسنون ہے کسی خاص موقعہ یا کسی خاص تقریب کے وقت مصافحہ کو ضروری سمجھنا غیر شرعی بات ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر جو یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ عصر کی نماز یا جمعہ کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور علماءؒ نے تصریح کی ہے کہ تخصیص وقت کے سبب اس طرح کا مصافحہ مکروہ ہے اور بدعتِ مذمومہ ہے ہاں اگر کوئی شخص (مہمان) مسجد میں ایسے وقت آئے کہ لوگ نماز میں مشغول ہوں یا نماز شروع کرنے والے ہوں اور وہ شخص نماز ہو جانے کے بعد ان لوگوں سے مصافحہ کرے تو یہ مصافحہ بلاشبہ مسنون مصافحہ ہے، بشرطیکہ اس نے مصافحہ سے پہلے سلام بھی کیا ہو، تاہم یہ واضح رہے کہ اگر چہ کسی متعین اور مکروہ وقت میں مصافحہ کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس وقت مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ لینا اور اس طرح بے اعتنائی برتنا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ اس کی وجہ سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھانے والے شخص کو دُکھ پہنچے گا اور کسی مسلمان کو دُکھ نہ پہنچانا آداب کی رعایت سے زیادہ اہم ہے۔

مسئلہ:۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ دینا سنت ہے لیکن مصافحہ کا یہ طریقہ ملحوظ رہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھے۔ محض انگلیوں کے سروں کو پکڑنے پر اکتفاء نہ کرے۔ کیونکہ محض انگلیوں کے سروں کو پکڑنا مصافحہ کا ایسا طریقہ ہے جس کو بدعت کہا گیا ہے۔

مسئلہ :۔ معانقہ یعنی ایک دوسرے کو سینے سے لگانا مشروع ہے خاص طور سے اس وقت جب کہ کوئی شخص سفر سے آیا ہو، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جب کہ اس کی وجہ سے کسی برائی میں مبتلا ہو جانے یا کسی شک وشبہ کے پیدا ہو جانے کا خوف نہ ہو۔

مسئلہ :۔ جو معانقہ برے خیال اور جنسی جذبات کے تحت ہو وہ مکروہ ہے اور جس معانقہ کا تعلق محبت واکرام کے جذبہ سے ہو وہ بلا شک وشبہ جائز ہے۔ (مظاہر حق ص ۳۶۸، جلد ۵)

مسئلہ :۔ تقبیل یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا بھی (جب کہ فتنہ وشک وشبہ کا خوف نہ ہو، جائز ہے، بلکہ بزرگان دین اور متبعین سنت علماء کے ہاتھ پر بوسہ دینے کو بعض حضرات نے مستحب کہا ہے لیکن مصافحہ کے بعد خود اپنا ہاتھ چومنا کچھ اصل نہیں رکھتا، بلکہ یہ جاہلوں کا طریقہ ہے اور مکروہ ہے۔ (مظاہر حق ص ۳۶۸، ج ۵)

مردوں کا عورتوں سے مصافحہ کرنا

مسئلہ :۔ جوان مردوں کو جوان عورتوں سے مصافحہ کرنا حرام ہے اور اس بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جس کی طرف جنسی جذبات مائل نہ ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ :۔ بوڑھا مرد جو جنسی جذبات کی فتنہ خیزیوں سے بے خوف ہو چکا ہو اس کو جوان عورت سے مصافحہ کرنا جائز ہے۔

مسئلہ :۔ عورت کی طرح خوش شکل مرد (بے ریش لڑکے) سے بھی مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ واضح رہے کہ جس کو دیکھنا حرام ہے اس کو چھونا بھی حرام ہے بلکہ چھونے کی حرمت، دیکھنے کی حرمت سے زیادہ سخت ہے۔ (مظاہر حق ص ۳۶۷، ج ۵)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ

سوال :۔ عیدین میں مصافحہ ومعانقہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہیئت اور کیفیت معین فرمادی ہے اس میں تغیر وتبدیل جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لیے عبادات میں سے حسب قاعدۂ مذکورہ اس میں ہیئت وکیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف پہلی ملاقات کے وقت بالاجماع یا رخصت کے وقت بھی علی الاختلاف

منقول ہے بس اب اس کیلئے ان دووقتوں کے سوااور کوئی موقع ومحل تجویز کرنا تغیر عبادت ہے جوممنوع ہے، لہٰذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نمازِ پنجگانہ مکروہ وبدعت ہے۔
(امداد الفتاویٰ ص ۷۰۸ بحوالہ شامی)

مصافحہ اور معانقہ کی حقیقت

دین کی جس قدر بھی ضروری باتیں تھیں ان پر حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ وتبع تابعینؒ اوراس کے بعد اسلافؒ اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں اس لیے کہ ان کو ثواب حاصل کرنے اور دین کا کام اور چھوٹی سی سنت ادا کرنے کا ہم سے زیادہ شوق وجذبہ تھا جس چیز کوانہوں نے دین سمجھا، اہتمام کے ساتھ اس پر عمل کیا۔

اور جن چیزوں کو قدرت ہونے کے باوجود نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دین میں سے نہیں ہیں یا ضروری نہیں ہیں۔

مصافحہ وگلے ملنا (معانقہ) گواپنے طریقہ سے مسنون ہیں۔ سلام ومصافحہ اور گلے ملنا داخل عبادت ہیں اور عبادت کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہی ادا کیا جائے تو جب ہی عبادت میں شمار ہوگی اور ثواب کے حقدار ہونگے، ورنہ بدعت ہوجائے گی اور ثواب کے بجائے گناہ اور عذاب ملے گا۔

حدیث شریف میں عیدین اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ اور گلے ملنے کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا ہے اور صحابہ کرامؓ جن کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نظیر عشق تھا۔ ان کے یہاں، یا ان کے بعد اسلافِ کرامؒ کے عمل سے بھی عید کے موقع پر اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ شریعتِ مطہرہ سے مصافحہ ومعانقہ وغیرہ ملاقات کرتے وقت تو ہے نہ کہ نمازوں کے بعد۔ شریعت نے جوعبادت کا موقع ومحل مقرر کردیا ہے اس کواسی کے مطابق ادا کیا جائے گا تو ثواب ہوگا۔

شارح مشکوٰۃ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ بے شک شرعی مصافحہ کا وقت شروع ملاقات کا وقت ہے لوگ بلا مصافحہ ومعانقہ کے ملتے ہیں اور آپس میں خیر وعافیت معلوم کرتے ہیں اور پھر جب نماز سے فارغ ہوجاتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، یہ کہاں کی سنت ہے؟

البتہ اگر کسی شخص سے عید کے روز اسی وقت ملاقات ہورہی ہے تو مصافحہ اور گلے ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن خواص کو اس مصافحہ اور گلے ملنے سے بھی بچنا چاہئے تا کہ عوام الناس اس کو دین کا جز یا سنت نہ سمجھیں، مگر ایسا طور طریقہ اختیار کیا جائے جس سے لوگوں میں غم وغصہ اور نفرت وبیزاری نہ پائی جائے۔

ایسے موقع پر ملا علی قاریؒ کی ہدایت پر عمل کیا جائے تو مناسب رہے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بے موقع مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچ کر اس کا دل نہ دکھائے اور بدگمانی کا سبب نہ بنے بلکہ آہستگی اور نرمی سے اس کو سمجھا کر مسئلہ کی حقیقت سے آگاہ کر دے یعنی عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ اور گلے ملنا سنت نہیں ہے اور نہ دوسری نمازوں کے بعد۔

اللہ تعالیٰ اس پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

محمد رفعت قاسمی

مدرس دار العلوم دیو بند (انڈیا)

یکم شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۳/ مارچ ۱۹۹۴ء بروز پیر (یوم عید)۔

سلام کی اغلاط

مسئلہ:۔ بعض لوگ السلام علیکم کے بجائے خط میں سلام مسنون لکھ دیتے ہیں، سو اگر خط میں کوئی یہ لکھے کہ بعد سلام مسنون عرض ہے، تو چونکہ شریعت میں یہ صیغہ سلام کا نہیں بلکہ السلام علیکم ہے اس لیے اس صیغہ سلام مسنون کا جواب دینا واجب نہ ہوگا۔ اگر چہ سلام مسنون لکھنا جائز ہے۔ (الافاضات ص ۱۹۹، ۷)

فائدہ:۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض اکابر کے خطوط میں جو بعد سلام مسنون لکھا ہے وہ اس لیے ہے کہ انہوں نے مخاطب پر جواب کرنے سے احتیاط فرمائی ہے جیسے چھینکنے پر الحمد للہ آہستہ کہنا یا آیتِ سجدہ کو کھلی ہوئی آواز سے نہ پڑھنے کی تعلیم فرمائی ہے تا کہ دوسروں پر واجب نہ ہو۔

مسئلہ:۔ سلام کا صیغہ حدیث شریف میں ہے السلام علیکم یا اس کے قریب قریب الفاظ آئے ہیں "بس اور کوئی لفظ" آداب، بندگی، کورنش، وغیرہ کہنا یہ سب بدعتِ سیئہ ہے: "جس سے

بچنا ضروری ہے''۔ خیر! اگر کوئی سلام کے لفظ سے بہت ہی بُرا مانے تو اس کو حضرت سلامت، یا تسلیمات کہنے تک گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (فروع الایمان ص ۵۷)

مسئلہ:۔ سلام کے وقت جو اکثر لوگوں کی عادت ہاتھ اٹھانے کی ہے یہ عادت میرے نزدیک ضروری الترک ہے کیونکہ سلام کے ادا ہونے میں تو ہاتھ اٹھانے کو کوئی دخل نہیں، بس ہاتھ اٹھانا تعظیم کے لیے ہے۔ ''جو کہ درست نہیں''۔ (مقالات، ص ۳۰۰)

مسئلہ:۔ بعض لوگ سلام کے جواب میں صرف سر ہلا دینا یا صرف ہاتھ اُٹھا دینا کافی سمجھتے ہیں اس کے متعلق جاننا چاہئے کہ: ''قرآن مجید میں ہے کہ جب تم کو کوئی سلام کرے تو اس سے اچھا جواب دو یا ویسا ہی لوٹا دو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں ''صرف'' سر ہلا دینا یا ہاتھ اٹھا دینا کافی نہیں۔'' اس طرح جواب نہیں ہوتا بلکہ زبان سے جواب دینا ذمہ رہ جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ بعض عورتیں سلام شریعت کے قاعدہ کے بالکل خلاف کرتی ہیں۔ بعض تو سلام کو صرف سام کہتی ہیں، چار حروف بھی پورے ان کی زبان سے نہیں نکلتے۔ حالانکہ عورتوں میں بھی السلام علیکم کہنے کا بلکہ مصافحہ کرنے کا رواج ہونا اور ان دونوں باتوں کو پھیلانا چاہئے دونوں باتیں ثواب کی ہیں۔ (بہشتی زیور: ص ۶۰، ۱۰)

مسئلہ:۔ اور اس سے بھی زیادہ تعجب یہ ہے کہ جواب دینے والا سارے کنبہ کا نام گنوا دیتی ہے کہ بھائی جیتا رہے اور بیٹا زندہ رہے اور شوہر خوش رہے ''وغیرہ''، لیکن ایک لفظ وعلیکم السلام نہ کہا جائے گا۔ (حالانکہ وعلیکم السلام کہنا سنت ہے)۔ (تسہیل المواعظ، ص ۴۷۰، ج ۱)

مسئلہ:۔ اکثر جگہ عورتوں میں (پہلے تو سلام کا آپس میں رواج تھا ہی نہیں) اب بھی اس قسم کا رواج ہے کہ بجائے ''زبان سے'' سلام کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا (بس اسی کو کافی سمجھ لیا) اُدھر سے جواب ملا جیتی رہو، بچے جیتے رہیں، ٹھنڈی سہاگن رہو۔ اور جو ذرا لکھی پڑھی ہوئیں تو صرف لفظِ سلام کہہ دیا۔ مگر چند روز سے یہاں بحمد اللہ اس قصبہ (تھان بھون) میں عورتوں میں بھی آپس میں السلام علیکم کا رواج ہو گیا ہے۔

مسئلہ:۔ سلام میں یہ بے احتیاطیاں کی جاتی ہیں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ وقت سلام کا ہے یا نہیں، ذکر، قرآن، خطبہ اذان، وغیرہ سب میں آتے جاتے سلام کرتے ہیں مثل مشہور

ہے۔ "او چھے نے سیکھا سلام صبح دیکھے نہ شام۔" حالانکہ عبادت کے وقت خواہ وہ ذکر ہو یا قرآن یا نماز، ان وقتوں میں سلام کرنا منع ہے۔ دوسرے جو شخص گناہ میں مشغول ہو اس کو سلام نہ کرے کیونکہ گنہگار کی تعظیم جائز نہیں اور سلام کرنا ایک قسم کی تعظیم ہے اس لیے اس کو سلام نہ کرے۔

تیسرے پیشاب، پاخانہ کی حالت میں اور کھانے پینے کی حالت میں بھی سلام نہ کرنا چاہئے۔ (معاشرت کے حقوق ص ۳۷۷)

خلاصہ یہ کہ فقہاء نے تین موقعوں میں سلام کرنا منع کیا ہے۔ (۱) جب کوئی طاعت میں مشغول ہو۔ (۲) اسی طرح جب کوئی معصیت میں مشغول ہو۔ (۳) اور تیسرا موقع یہ کہ حاجتِ بشریہ میں مشغول ہو۔ (الکلام الحسن، ص ۱۱۷)

مسئلہ:۔ بعض لوگ جوان عورتوں کو سلام کرتے یا اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، حالانکہ فقہاء نے نامحرم جوان عورت کو سلام کرنے یا اس کا سلام لینے (یعنی سلام کا جواب دینے) سے منع کیا ہے۔ (اصلاح الرسوم)

مسئلہ:۔ سلام کیلئے بعض جگہ آداب وتسلیمات وغیرہ کہنے کا رواج ہے یہ غلط اور خلافِ شریعت ہے۔

لطیفہ:۔ ایک شخص نے ایسے موقع پر اصلاح کی خاطر طنزِ ملیح کے طور پر یہ لطیفہ کیا کہ ایک مجلس میں جا کر کہا کہ میرا بھی سجدہ قبول ہو، لوگوں نے کہا کہ یہ کیا واہیات ہے؟ کہا کہ حضور ہر آنے والا شخص مختلف الفاظ سے سلام کر رہا ہے، کوئی آداب قبول ہو کہتا ہے کوئی بندگی، کوئی کورنشات، کوئی اور کچھ، حتیٰ کہ سب صیغے (الفاظ) ختم ہو گئے، میں نے سوچا کہ اب میں کیا کہوں، تو میرے لیے سجدہ کے سوا کچھ باقی نہ تھا، اس لیے میں نے اس کو اختیار کیا۔ خلاصہ یہ کہ سلام میں خلافِ شرع الفاظ استعمال نہ کرنا چاہئے۔ (وعظ الارتیاب)

مسئلہ:۔ بعض نے سلام کے بارے میں ایک نہایت سخت غلطی کی کہ ایک طالب علم نے اپنے والد ماجد کو جا کر سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ بیٹا! یہ بے تمیزی ہے، آداب کہا کرو، صاحبو! یاد رکھو کہ سلام کو بے تمیزی کہنا کفر ہے، کیونکہ سلام کو بے تمیزی کہنا حضور ﷺ کی سنت کو بے تمیزی کہنا ہے اور حضور ﷺ کی سنت کو بے تمیزی کہنے والا کافر ہے، اگر توبہ نہ کرے تو حکومتِ اسلامیہ کو اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ (تسہیل المواعظ، ص ۳۲۹، ج ۲)

مُصافحہ کی اَغلاط

مسئلہ :۔لوگ مصافحہ کوضروری سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اتناضروری نہیں ،فقہاء کاقول توحجت ہے انہوں نے تصریح کی ہے کہ فلاں فلاں مواقع پرسلام نہ کیا جائے انہیں مواقع میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی پانی پی رہاہو یا کھانا کھارہاہوتواس وقت سلام نہ کرو،اسی طرح اگرکوئی وظیفہ پڑھتاہو یاقرآن پڑھتاہوتوایسی حالت میں بھی ان کافتویٰ ہے کہ سلام نہ کرو۔اسی طرح اوربھی مواقع ہیں جہاں سلام منع ہے حالانکہ سلام فی نفسہٖ مصافحہ سے زیادہ ضروری ہے۔

حدیث میں آیاہے((ان من تمام تحیاتکم المصافحه))جس کا مطلب یہ ہے کہ مصافحہ متمم سلام ہے اورسلام کے لیے کچھ قواعدمقرر ہیں، جیسا کہ اوپر مذکور ہے، تو مصافحہ کے لیے جواس کا تابع ہے بطریق اولیٰ ہونگے۔مثلاً لکھاہے کہ اذان کے وقت سلام نہ کرو،کھانا کھاتے وقت سلام نہ کرو،اوربھی مواقع ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ مشغولی کے وقت سلام نہیں کرنا چاہئے۔اس سے معلوم ہوکہ مشغولی کے وقت مصافحہ بھی نہیں چاہئے۔

مسئلہ :۔آج کل لوگ غضب ہی کرتے ہیں۔ایک مرتبہ میں گردن جھکائے وظیفہ پڑھتا تھا،ایک شخص آئے اورمصافحہ کے لیے کھڑے رہے،میں نے آنکھیں بندکرلیں تاکہ وہ (مشغولی اورعدیم الفرصتی دیکھ کر) چلے جائیں مگروہ اس پربھی نہ گئے اورپکارکرکہا کہ مصافحہ! میں نے بھی کہہ دیاوظیفہ:اوربعض لوگ کندھا پکڑپکڑکرکھینچتے ہیں کہ مصافحہ کرلیجئے،مصافحہ کیاہوابلائے جان ہوگیا۔(حسن العزیز،ص ۴۳۰،ج ۴)

مسئلہ :۔بہت سے علماء تووِداعی مصافحہ کوبدعت کہتے ہیں مگرخیرہمارے علماء جائز کہتے ہیں چونکہ وداع کے وقت سلام تونصوص سے ثابت ہے اورمصافحہ متمم سلام ہے تومصافحہ بھی درست ہوا۔(حسن العزیز،ص ۴۲۵،ج ۴)

مسئلہ :۔مصافحہ کی ترکیب میں مشہور ہے کہ انگوٹھوں کودبادے،یہ بے اصل ہے اوریہ حدیث کہ انگوٹھوں میں رگ محبت ہے موضوع ہے۔(حسن العزیز،ص ۲۳۶،ج ۴)

مسئلہ :۔بعض لوگ مصافحہ میں ہاتھ پکڑے رہتے ہیں چھوڑتے ہی نہیں،اس سے اُلجھن ہوتی ہے کسی کے ہاتھ کوخواہ مخواہ محبوس کرلینابُراہے۔

مسئلہ:۔اسی طرح ایسے وقت مصافحہ کرنا بھی تکلیف دینا ہے جب ہاتھ خالی نہ ہوں جیسے ایک ہاتھ میں جوتا ہے، دوسرے میں چھتری ہے۔

مسئلہ:۔اسی طرح جو آدمی کام میں مشغول ہو اس سے مصافحہ نہ کرنا چاہئے اس سے تکلیف ہوتی ہے اور حرج بھی ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔اسی طرح جو شخص تیزی سے چلا جارہا ہے اس کو مصافحہ کے لیے روکنا، یہ بھی نہیں چاہئے۔

مسئلہ:۔اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بعد وعظ کے وعظ کہنے والے سے ضرور مصافحہ کرتے ہیں (حالانکہ وعظ سے پہلے بھی واعظ کو دیکھ چکے تھے لیکن باوجود موقعہ اور وقت ملنے کے اس وقت سلام ومصافحہ نہیں کیا تو وعظ کے بعد کرنا گویا وعظ کی خصوصیت قرار دی، حالانکہ شریعت میں مصافحہ کے لیے وعظ کی تعیین اور خصوصیت ثابت نہیں، سو اس لیے اول تو یہ بدعت ہے اور پھر تکلیف بھی ہے۔ (تسہیل المواعظ، ص ۵۸۵، جلد اول)

مسئلہ:۔بعض لوگ مصافحہ کر کے اپنے ہاتھ کو چومتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جہالت کا نتیجہ ہے اور مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ص ۳۰۲، ج ۲ بحوالہ شامی، ص ۳۳۷، ج ۵)

مسئلہ:۔بعض لوگ سلام علیک کرتے وقت ماتھے پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں یا جھک جاتے ہیں اور بعض مصافحہ کر کے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہیں، یہ سب خلافِ شرع اور بے اصل ہے۔

(اغلاط العوام، ص ۲۴۶)

مسئلہ:۔مصافحہ مسلمانوں کی باہم ملاقات کے وقت بعد سلام کے مسنون اور مشروع ہے اور چونکہ مصافحہ تکملۂ سلام ہے تو سلام کے بعد ہونا چاہئے۔

(فتاویٰ رحیمیہ، ص ۳۲۱ جلد ۲ بحوالہ ترمذی شریف ص ۹۷ جلد ۲)

مسئلہ:۔حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں میں تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مسنون ہے، بدعت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ص ۳۰۹، جلد ۲)

مسئلہ:۔ایک دوسرے کو سلام کرتے وقت ((السلام علیکم)) کے لفظ کے ساتھ ساتھ ہاتھ نہ اٹھائے۔ اگر سامع (سلام کا سننے والا) دُور ہو یا اونچا ہو تو اس کو سلام کی آواز پہنچائے اور سننے میں شک ہو تو سلام کے لفظ کے ساتھ ہی ہاتھ سے اشارہ کرے (فتاویٰ رحیمیہ: ص ۳۹۵، جلد ۲)

مسئلہ :۔ مصافحہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہے اور غیر مقلدین جس حدیث کو پیش کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ فرمایا تب ہی تو صحابیؓ کا ہاتھ حضور اکرم ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان ہو گیا اور صحابیؓ نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا ہو، یہ حدیث اس بارے میں قطعی نہیں ہے اس لیے کہ جب دونوں طرف سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ہوگا تو لامحالہ ایک ہاتھ دو ہاتھوں کے درمیان ہوگا اور یہاں صحابی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اپنی سعادت مندی بیان فرمارہے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ حضورِ اکرم ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا، یہ بتلانا مقصود نہیں ہے کہ میں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا اور صحابہؓ سے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حضور ﷺ تو مصافحہ کے لیے دونوں ہاتھ بڑھائیں اور صحابی ایک ہاتھ سے مصافحہ کریں (ایسی بے ادبی و بے تہذیبی تو غیر مقلدین ہی کر سکتے ہیں) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اسی طرح کا ایک اثر حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کا نقل فرمایا ہے اور اس کے بعد اسی اثر سے مصافحہ کے دو ہاتھ سے ہونے پر استدلال فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ حضرت حمادؒ کا عمل بھی پیش کیا ہے کہ انہوں نے محدثِ کبیر امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دو ہاتھ سے مصافحہ فرمایا۔ اگر ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہوتا تو یہ حضرات محدثین ضرور اس پر نکیر فرماتے۔

ملاحظہ ہو امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ((**باب المصافحة،قال ابن مسعودؓ علمني رسول الله ﷺ لتشهدو كفي بين كفيه**)) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے تشہد کی تعلیم فرمائی اس حالت میں کہ میرا ہاتھ حضور ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا (خیال رہے کہ یہ تعلیم کا موقعہ ہے جس طرح بیعت کے وقت ہوتا ہے) اس کے بعد امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے۔ ((**باب الاخذباليدين**)) دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا اور اس کے ثبوت میں ابنِ مسعودؓ کا یہی اثر اور حضرت حمادؒ کا عمل پیش کیا ہے، فرماتے ہیں ((**باب الاخذ باليدين وصافح حمادبن زيدابن المبارك بيديه،حدثنا ابو نعيم قال حدثنا سيف بن سليمان قال سمعت مجاهداً يقول حدثني عبدالله ابن مخبرة ابو معمر قال سمعت ابن مسعو ديقول علمني النبي ﷺ و كفي بين كفيه التشهد كمايعلمني السورة**)) (بخاری شریف، ص۹۲۶، ج۲)

امام بخاریؒ کے اس طرز سے بین طور پر ثابت ہوا کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔ شامی میں ہے: ((والسنة ان تکون بکلتایدیه))۔ (درمختار والشامی، ص۳۳۶، ج۵)

مجالس الابرار میں ہے: مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔ (مجالس الابرار، ص۲۹۸، مجلس ۵۰)

ابوالحسنات علامہ عبدالحئی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں: یعنی تمام فقہاء دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون کہتے ہیں۔

مجالس الابرار میں ہے: ((والسنة ان تکون بکلتایدیه))مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے ہو، انتہیٰ۔ درمختار اور جامع الرموز میں بھی ایسا ہی ہے حضرت امامہ سے روایت ہے: ((قال قال رسول اللهﷺ اذاتصافح المسلمان لم تفرق اکفهماحتی یغفرلهما))یعنی جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے علیحدہ ہونے سے پہلے ان کے گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے انتہیٰ۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہئے اس لیے اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا تو حدیث میں لفظ اکفہما (اُکُف)، کف کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں ''ہاتھوں'' کی جگہ ''کفاہما'' ہوتا اور اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ تعلیق ہے جو''باب الاخذ بالیدین ''میں ہے۔ وہ صافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیہ، حماد بن زید نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں بھی یہی طریقہ مروج تھا۔اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر جو بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں مجھ کو نبی کریمﷺ نے سورتِ قرآن کی تعلیم کی طرح تشہد یعنی التحیات للہ۔الخ۔کی تعلیم دی اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہونے والا مسنون مصافحہ نہ تھا، بلکہ یہ تعلیم کے لیے تھا کیونکہ اکابر کسی خاص چیز کی تعلیم کے اہتمام کے لیے اپنے چھوٹوں کا ایک یا دونوں ہاتھ پکڑ کر تعلیم دیا کرتے ہیں۔اور اگر اس مصافحہ کو ملاقات کا تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ثبوت آنحضرتﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں سے ہو رہا ہے اور ابنِ مسعودؓ کی جانب سے فقط ایک ہاتھ کا ہونا یقینی اور قطعی نہیں ہے بلکہ دونوں ہاتھوں سے ہونے کا امکان ہے کیونکہ لفظ

کف واحد کے لیے نہیں بلکہ جنس کے معنیٰ میں ہے اور اسی طرح لفظ ید کا استعمال محاورات عرب آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ ﷺ میں بمعنیٰ جنس ثابت ہے تو اس صورت میں لفظ یدِ ایک اور دو ہاتھ کو متضمن اور شامل ہوگا۔ اور اکثر مقامات میں دو ید کے موقع پر لفظِ ید آیا ہے اس اعتبار سے جس حدیث میں اخذ بالید وارد ہے اس کی مراد ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نہیں بلکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے کہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے، البتہ اگر کسی جگہ حدیثِ صحیحہ اور صریحہ سے یہ بات معلوم ہو کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہے تو فقہاء کے اقوال کو چھوڑنا پڑے گا اور اس تصریح صریح کے بغیر فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (مجموعہ فتاویٰ مولا عبد الحئیؒ اردو مبوب ص ۱۱۷ مطبوعہ پاکستان)

اس حدیث کے متعلق محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ کا ایک واقعہ ''تذکرۃ الخلیل'' میں ہے: ''ایک بار آپ ٹونک تشریف لے گئے اور بندہ ہمراہ تھا، چند اہلِ حدیث ملنے آئے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، حضرتؒ نے حسبِ عادت دونوں ہاتھ بڑھائے اور مسکرا کر فرمایا کہ مصافحہ اس طرح ہونا چاہئے۔ وہ بولے حدیث میں ہے، صحابیؓ کہتے ہیں: ((وکان یدی فی یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم)) میرا ہاتھ حضور ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں تھا، آپ نے بے ساختہ فرمایا پھر متبع سنتِ (نبوی ﷺ) ہم ہوئے یا تم؟۔ (تذکرۃ الخلیل، ص ۲۰۴)

لہٰذا مصافحہ دو ہاتھ سے ہی مسنون ہے نہ کہ ایک ہاتھ سے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۶)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض حضرات صلح کرانا اس کو سمجھتے ہیں کہ جہاں دو آدمیوں میں جھگڑا ہوا، فوراً دونوں کا مصافحہ کرا دیا خواہ فریقین کے دلوں میں کچھ بھی بھرا ہوا ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ پہلے معاملہ کی اصلاح کرو پھر مصافحہ کرو، ورنہ بغیر اصلاح معاملہ کے مصافحہ بے کار ہے، اس سے فریقین کے دل کا غبار نہیں نکلتا، تو مصافحہ کے بعد پھر مکافحہ یعنی مقاتلہ (لڑائی جھگڑا) شروع ہو جاتا ہے۔ (کمالاتِ اشرفیہ، ص ۱۲۹ جلد اول)

☆ تمت بالخیر بتوفیق اللہ ☆

مکمل و مدلل

مسائلِ مساجد

قرآن وسنت کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

تالیف

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

ناشر

وحیدی کتب خانہ

میونسپل کابلی پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

☆ کتابت کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں ☆

نام کتاب: مکمل ومدلل مسائل مساجد
تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند
کمپوزنگ: دارالترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیرنگرانی ابوبلال برہان الدین صدیقی)
تصحیح ونظر ثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب
سٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی ووفاق المدارس ملتان
وخریج مرکزی دارالقراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور، ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی
اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔
منجانب: عبدالوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی
: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی
راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
کوئٹہ : مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان
پشاور : حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور
: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور
: المیزان اردو بازار لاہور
صوابی: تاج کتب خانہ صوابی
اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر
سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات
تیمرگرہ: اسلامی کتب خانہ تیمرگرہ
باجوڑ: مکتبۃ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

انتساب

راقم الحروف
اپنی اس کاوش
''مسائل مساجد وعیدگاہ''
کو اللہ تعالیٰ کے سب سے
پہلے گھر بیت اللہ شریف سے

انتساب

کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے
جس کی طرف تمام مساجد
کا رُخ ہوتا ہے۔

محمد رفعت قاسمی
خادم التدریس دارالعلوم دیوبند
۵/شوال المکرّم۔
یکم جنوری ۲۰۰۱ء۔

عرض مؤلف

(نحمده و صلی علیٰ رسوله الکریم)

دینی احکام ومسائل پر احقر کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور وہ خواص وعوام میں مقبول بھی ہیں۔ اور اب الحمدللہ راقم الحروف کی سولہویں کتاب ''مسائل مساجد گاہ'' پیش ہے۔ جس میں عیدگاہ ومساجد کے تقریباً تمام احکام ومسائل جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً قبضہ کی ہوئی زمین، قبرستان کی زمین اور منہدم شدہ مساجد کی زمین کے احکامات بھی آگئے ہیں۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مساجد پر ناجائز قبضہ کرنا، ان کو ڈھانا، ان کو نقصان پہنچانا، یا ان کی جگہ پر کچھ اور تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مساجد کے متولی وصدر وممبر کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے شرعی اختیارات کیا ہیں۔ ائمہ مساجد وخطیب حضرات کے حقوق وفرائض کیا ہیں۔ غرض یہ کہ مساجد اور مصالح مساجد وعیدگاہ سے متعلق تقریباً ایک ہزار مسائل کا مجموعہ محض فضل خداوندی اور فیض دارالعلوم اور اساتذہ ومفتیان کرام دامت برکاتہم دارالعلوم دیوبند کی توجہ کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کا سایۂ عاطفت تادیر صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے اور سابقہ کتب کی طرح اس کتاب کو بھی قبول فرما کر زادِ آخرت بنائے اور آئندہ بھی کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

قارئین کے اصرار کے باوجود کتاب کی کتابت وطباعت میں غیر معمولی تاخیر کی وجہ میرے بڑے بھائی محمد اسعد صدیقی کی اچانک موت ہے۔ جو مورخہ ۹/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۳/ جون ۲۰۰۰ء کو دل کے دورہ کے سبب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ ناظرین سے بھائی صاحب مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

طالب دعاء

محمد رفعت قاسمی

خادم التدریس دارالعلوم دیوبند

مؤرخہ ۵/ شوال ۱۴۲۱ھ، یکم جنوری ۲۰۰۱ء۔

تقریظ

فیقہ النفس حضرت مولانا **مفتی سعید احمد** صاحب مدظلہ العالی
پالن پوری محدث کبیر دارالعلوم دیوبند

(نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم)

مساجد، اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں۔ یعنی محترم جگہیں ہیں، کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ کی پابندگی کی جاتی ہے۔ ہدایت کا نوراسی جگہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہاں سے اہل بستی کے دِلوں میں وہ نور منتقل ہوتا ہے۔ سورۂ نور آیات نمبر ۳۵۔۳۸ میں اس کی تفصیل ہے۔

مساجد شعائر اللہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی امتیازی نشانیاں ہیں۔ مساجد سے ملت کی شناخت ہوتی ہے۔ ان کا ادب واحترام ہر مسلمان پر لازم ہے۔ مساجد کے آداب کیا ہیں؟ ان کا احترام کیونکر کیا جائے؟ یہ ایک وسیع موضوع ہے۔ قرآن وحدیث اور کتب فقہ میں مساجد کے بے شمار احکام وارِد ہوئے ہیں اور کتابوں میں مذکور ہیں اور اس موضوع پر عربی اور اردو میں بعض رسائل بھی ہیں۔ مگر ہمارے محترم دوست جناب مولانا قاری محمد رفعت قاسمی صاحب نے فقہ وفتاویٰ اور قرآن واحادیث کی کتابوں کو کھنگال کر اس کتاب میں فضائل ومسائل کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ اور جیسا کہ ان کا طریقہ ہے ہر بات باحوالہ ہوتی ہے۔ اس کتاب میں تمام ضروری مسائل آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائیں اور موصوف کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی نافع بنائیں۔ (آمین)

کتبہٗ سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
خادم دارالعلوم دیوبند۔
یکم محرم الحرام ۱۴۲۲ھ۔

تصدیق

حضرت مولانا **مفتی محمد ظفیر الدین** صاحب دامت برکاتہم

مفتی دار العلوم دیوبند، ومرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ

سيدالمرسلين وعلىٰ الـه وصحبه اجمعين

امابعد۔ مولانا محمد رفعت قاسمی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند زید مجدہٗ دسیوں کتابیں مختلف مسائل کی مرتب کر کے شائع کر چکے ہیں اور وہ ساری کتابیں عوام وخواص میں مقبول ہیں اور دونوں طبقے ان سے مستفید ہورہے ہیں۔ اس وقت مولانا موصوف کی ایک نئی کتاب ''مسائل مساجد'' سامنے ہے۔ دیکھ کر دل خوش ہوگیا، وہ بہت سارے مسائل انہوں نے یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔ اور اس میں یہ بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ قابلِ ذکر وہ سارے فتاویٰ اردو اس کے سامنے ہیں جو قابلِ اعتماد مفتیوں کے چھپے ہوئے ملتے ہیں۔ فتاویٰ کی ان کتابوں میں مساجد سے متعلق، جس قدر مسائل درج ہیں وہ تقریباً سارے ہی آگئے ہیں۔ مطالعہ کرنے والوں کو اس سے بڑی سہولت ہوگی۔

میں نے مختلف جگہوں سے ان مسائل کو دیکھا، ماشاء اللہ بہت خوب محنت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول فرمائے اور زادِ آخرت بنائے۔

امید ہے دیندار مسلمان اس کتاب کو ضرور اپنے پاس رکھیں گے تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔ میں اپنی طرف سے اس عظیم خدمت پر موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خدا کرے یہ سلسلہ آئندہ بھی برابر جاری رہے۔

طالب دعاء

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

مفتی دار العلوم دیوبند۔ ۱۲/۱۲/۱۳ھ۔

ارشادِ گرامی قدر

حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاط عثمانی مفتی دار العلوم دیو بند نبیرہ
حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ مولانا محمد رفعت صاحب استاذ دار العلوم دیو بند کی متعدد موضوعات سے متعلق اب تک پندرہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ہر موضوع سے متعلق مسائل اس طرح یکجا پیش کیے ہیں کہ صاحب احتیاج کو متعدد کتابیں دیکھنے اور زیادہ وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور منٹوں میں مطلوبہ مسئلہ بآسانی دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں مساجد اور عیدگاہ کے بارے میں تقریباً سارے مسائل آ گئے ہیں اور بڑے سلیقہ سے ضروری مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ احقر نے مرتب موصوف کی خواہش پر پوری کتاب کا مسودہ بالاستیعاب دیکھ کر استفادہ کیا۔ اور اب بعد مطالعہ پورے وثوق کے ساتھ احقر کہہ سکتا ہے کہ انشاء اللہ موصوف کی یہ سعی عوام وخواص کے لیے مفید ترین ثابت ہوگی۔ ضمناً مساجد کی عظمت واہمیت کے بارے میں مفید معلومات بھی آ گئی ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتب کو بیش از بیش اجر سے نوازے اور اس تالیف کو بھی دیگر تالیفات کی طرح قبول عام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی

۱۶/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

((انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ و آتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اُولٰئک ان یکونوا من المھتدین))

وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ تعالیٰ کی جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور دیتا رہا زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے امیدوار ہیں وہ لوگ کہ ہوویں ہدایت والوں میں۔

خلاصہ تفسیر:۔ یعنی مسجدوں کو آباد کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگوں کے متعلق توقع ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے۔

مطلب یہ ہے کہ مساجد کی اصلی عمارت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے احکام الٰہی کے پابند ہوں، اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز اور زکوٰۃ کے پابند ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان کا ذکر کیا گیا، رسول ﷺ پر ایمان کے ذکر کرنے کی اس لیے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی کوئی صورت بجز اس کے ہو ہی نہیں سکتی کہ رسول پر ایمان لائے، اور اس کے ذریعے جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں ان کو دل سے قبول کرے، اس لیے ایمان باللہ میں ایمان بالرسول فطری طور پر داخل ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابۂ کرامؓ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کیا چیز ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان یہ ہے کہ آدمی دل سے اس کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس حدیث نے بتلا دیا کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا اللہ پر ایمان لانے میں داخل اور شامل ہے۔ (مظہری بحوالہ صحیحین)

بعض مسائل متعلقہ آیت

اور عمارتِ مسجد جس کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ مشرک، کافر نہیں کر سکتے بلکہ وہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی او منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری در و دیوار وغیرہ کی تعمیر سو اس میں کسی غیر مسلم سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ (تفسیر مراغی)

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے مسجد بنانے کے لیے مسلمان کو چندہ دیدے تو اس کا قبول کر لینا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو۔ (ردالمختار، شامی، مراغی) اور اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ مساجد کی عمارت اور آبادی صرف نیک مسلمان ہی کا کام ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت، صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے، اور جو عبادت اور ذکر اللہ کے لیے یا علمِ دین اور قرآن پڑھنے پڑھانے کے لیے مسجد میں آتا جاتا ہے۔ اس کے یہ اعمال اس کے مومن کامل ہونے کی شہادت ہے۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ سے بروایت ابو سعید خدریؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (**انما یعمر مساجد الله من امن بالله**) اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا ایک درجہ تیار فرمادیتے ہیں۔

اور حضرت سلمان فارسیؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والا مہمان ہے اور میزبان پر حق ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ (مظہری بحوالہ طبرانی، ابن جریر، بیہقی وغیرہ)

مفسرِ قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عمارتِ مسجد میں

یہ بھی داخل ہے کہ مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک کرے جن کے لیے مسجدیں نہیں بنائی گئیں، مثلاً خرید وفروخت، دنیا کی باتیں، کسی گم شدہ چیز کی تلاش، یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال، یا فضول قسم کے اشعار، جھگڑا، لڑائی اور شور وشغب وغیرہ۔ (مظہری)۔

(معارف القرآن ص ۳۳۱ جلد ۴)

مساجد کی اہمیت وعظمت

جو عظیم و وسیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں ان کی تحصیل وتکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو، اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت کو بنایا گیا ہے۔ ذرا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل وتنظیم اور تربیت وحفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترکِ جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں۔ (جیسا کہ ناظرین عنقریب ہی پڑھینگے) اور دوسری طرف آپ نے مساجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبۃ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی ''خدا کا گھر'' اور امت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت ومحبوبیت بیان فرما کر اُمت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا رخ ہر وقت مسجد کی طرف رہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے مساجد کے حقوق اور آداب بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ کے آپ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیئے۔

(عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ احب البلاد الى الله مساجدها وابغض البلاد الى الله اسواقها.) (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہروں اور بستیوں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض اُن کے بازار اور منڈیاں ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح:۔ انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک ملکوتی وروحانی، یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے۔

اور دوسرا مادی و بہیمی جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے۔ ملکوتی و روحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر جیسے مقدس اشغال و اعمال ہیں، انہیں سے اس پہلو کی تربیت و تکمیل ہوتی ہے۔ اور انہیں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و محبت کا مستحق ہوتا ہے۔ اور ان مبارک اشغال و اعمال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں جو ذکر و عبادت سے معمور رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو ''بیت اللہ'' سے ایک خاص نسبت ہے۔ اس لیے انسانی بستیوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں۔ اور بازار اور منڈیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسانوں کے مادی و بہیمی تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جا کر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت اور منکرات و معصیات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ مبغوض حصہ ہیں۔

حدیث کی اصل روح اور اس کا منشاء یہ ہے کہ اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ مسجدوں سے زیادہ سے زیادہ تعلق رکھیں اور ان کو اپنا مرکز بنائیں۔ اور منڈیوں اور بازاروں میں صرف ضرورت سے جائیں اور ان سے دل نہ لگائیں اور وہاں کی آلودگیوں سے مثلاً جھوٹ، فریب اور بد دیانتی سے اپنی حفاظت کریں۔ ان حدود کی پابندی کے ساتھ بازاروں سے تعلق رکھنے کی اجازت دی گئی ہے بلکہ ایسے سوداگروں اور تاجروں کو خود رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت سنائی ہے۔ جو اللہ کے احکام اور اصولِ دیانت و امانت کی پابندی کے ساتھ تجارتی کاروبار کریں، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلاء غلاظت اور گندگی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اصلاً سخت ناپسندیدہ مقام ہے۔ لیکن ضرورت کے بقدر اس سے بھی تعلق رکھا جاتا ہے۔ بلکہ وہاں کے آنے جانے میں اور قضاء حاجت میں اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و سنن کا لحاظ رکھے تو بہت کچھ ثواب بھی کما سکتا ہے۔

(معارف الحدیث ص ۱۷۱ جلد ۳ و حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۰۲ و مظاہر حق جدید ص ۵۹۵ جلد اول)

جہاں مسجد کی ضرورت ہو وہاں بنانے کا اجر

مسجدیں خدا کا گھر اور اسلام کے ایک نہایت عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی کا مرکز

ہیں۔نماز پڑھنے کو تو آدمی جہاں چاہے پڑھ سکتا ہے۔تمام روئے زمین اس امت کے لیے سجدہ گاہ ہے مگر جوخوبی، جو اجروثواب اورمتعدد ومختلف مصالح وحکمتیں مسجد کے اندر باجماعت نماز ادا کرنے میں ہیں وہ کہیں اور نہیں۔اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجدیں تعمیر کرنے کا اجروثواب اوراس کے آداب وشرائط کا بیان تفصیل سے فرمایا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان میں ''جہاں ضرورت ہو'' کا لفظ بڑھا کرایک بہت اہم چیز کی طرف اشارہ کیا ہے۔مسجدیں تعمیر کرنے کا اجروثواب سن کر ہوسکتا ہے (بلکہ بارہا ہو چکا ہے) کہ ایک شخص کو شوق پیدا ہو جائے اوروہ ایک پہلے سے موجود مسجد کے برابر میں دوسری مسجد بنا کر کھڑی کردے تو یہ شوق کا بے محل مصرف ہے، مسجد ایسی جگہ بنائی جائے جہاں ضرورت ہو۔حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب ممالک فتح ہوئے اورمسجدیں بنانے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عمرؓ نے حکم جاری کردیا کہ (**ان لا یبنوا فی مدینة مسجدین یضار احدهما صاحبه**)۔ (تفسیر کشاف جلداول ص ۱۰۸، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اص ۴۵۹)

یعنی ایک شہر میں دو مسجدیں اس طرح نہ بنائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہنچے۔ یعنی دوسری مسجد اگر بنائی جائے تو اتنے فاصلہ سے بنائی جائے کہ پہلی مسجد کی جماعت پر اس سے کوئی اثر نہ پڑے۔

(عن عثمانؓ قال سمعت رسول الله ﷺ من بنى مسجدا يبتغيه وجه الله بنى الله له بيتا في الجنة.) (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی مسجد بنائی اوراس سے وہ (صرف) خدا کی رضا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک عظیم الشان محل تعمیر فرمادیتا ہے۔(علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ''بیتاً'' میں تنوین تکثیر وتعظیم کے لیے ہے۔) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اص ۴۴۹)۔(بخاری ومسلم)

(وعن ابی ذرؓ قال رسول الله ﷺ من بنى لله مسجداً قدر مفحص قطاة بنى الله له بيتا في الجنة. (رواه البزار وللفظ له، والطبرانى فى الصغير ورجاله ثقات وابن حبان فى صحيحه)**)**۔

(الترغیب ومجمع الزوائد جلد۲ ص ۷ وتخرج العراقی علی الاحیاء جلد اص ۱۳۵)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ (کی رضا) کے لیے بٹیر کے گھونسلے کے برابر بھی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں شاندار محل تعمیر کر دے گا۔ (بزار، طبرانی فی الصغیر، ابن حبان)

(وعن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من بنی اللہ مسجدا یذکر فیه بنی اللہ له بیتا فی الجنة۔) (رواہ ابن ماجۃ وابن حبان فی صحیحہ)

حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی جس میں اللہ کا ذکر (اس کی عبادت) ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک عالی شان محل تیار کر دے گا۔ (ابن ماجہ، ابن حبان)

تشریح:۔ جو شخص اللہ کا گھر بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کا گھر بنا دے گا اور ظاہر ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی شان کے مطابق ہی بنائے گا۔ بندہ اپنی بساط کے بقدر بنائے گا اور احکم الحاکمین اپنے شایانِ شان (چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں افضل منہ اور ایک میں اوسع منہ کے الفاظ آئے ہیں۔ (الترغیب وجمع الزوائد جلد۲ص ۷، وص ۸)۔ لہٰذا اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ہر عمل کا ثواب دس گناہ ہوتا ہے تو ایک مسجد کے بدلے دس مکان کیوں نہیں فرمایا گیا۔

اور بٹیر کے گھونسلے کے برابر مسجد کا مطلب عام طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مبالغہ مقصود ہے یعنی چھوٹی سے چھوٹی مسجد بھی بنا دی تب بھی وہ اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ لیکن اس ناچیز کے خیال میں اس کا مصداق وہ مسجدیں ہیں جو بہت سے لوگوں کی شرکت سے بنتی ہیں جن میں کوئی بے چارہ دس بیس ہی پیسوں سے شرکت کرتا ہے جس کے حصے میں صرف ایک دو اینٹ آتی ہے جو یقیناً بٹیر کے گھونسلے کے برابر ہوگی۔ گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ جس نے کم سے کم حصہ بھی لیا وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ چنانچہ ابنِ ماجہ اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں (کمفحص قطاة او اصغر) کے الفاظ ہیں یعنی بٹیر کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی۔

حضرت عمرؓ والی اس روایت کے الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجدیں تلاش کر کے ایسی جگہوں پر بنائی جائیں جہاں واقعی ضرورت ہو اور مسجد آباد رہ سکے۔

(وعن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان ممایلحق المومن من عملہ وحسناتہ بعد موتہ علماعلمہ ونشرہ اوولداً صالحاًترکہ اومصحفاً ورثہ اومسجداًبناہ اوبیتاًلابن السبیل بناہ اونہرااجرہ اوصدقۃ اخرجھامن مالہ فی صحتہ وحیاتہ تلحقہ من بعد موتہ)

(رواہ ابن ماجۃ باسناد حسن واللفظ لہ وابن خزیمہ فی صحیحہ والبیہقی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے، ان میں سے وہ علم ہے جو دوسروں کو سکھایا اور پھیلایا ہو، یا نیک اولاد چھوڑی ہو، یا وہ قرآن مجید جو (اپنے رشتہ داروں یا اور لوگوں کے پڑھنے کے لیے) چھوڑا ہو، یا مسجد تعمیر کی ہو، یا مسافروں کے لیے کوئی مسافر خانہ تعمیر کیا ہو، کوئی نہر کھدوائی ہو، جو خیرات اس نے اپنی زندگی میں زمانۂ صحت میں اپنے مال میں سے نکال دی تھی، ان تمام اعمال کا ثواب اسے مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے گا۔

(ان ماجہ بسند حسن صحیح ابن خزیمہ، بیہقی)

تشریح:۔ رسول اکرم ﷺ نے متعدد احادیث میں ایسے بہت سے اعمال بیان فرمائے ہیں جن کا اجر انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ تمام احادیث کے مجموعے سے ایسے اعمال کی مجموعی تعداد بعض علماء نے دس، بعض نے چودہ اور بعض نے کچھ اور کم وبیش بیان کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے اعمال کی تحدید کرنا مشکل ہے اور نہ احادیث کے الفاظ سے کوئی تحدید معلوم ہوتی ہے خود اس روایت کے الفاظ ''ان ممایلحق'' میں ''من'' تبعیضیہ اسی کو ظاہر کررہا ہے کہ منجملہ اور اعمال کے چند یہ بھی ہیں۔

ایسے اعمال ''صدقہ جاریہ'' کہلاتے ہیں اور ہر وہ عمل اس میں شامل ہے جس کا فائدہ دیرپا ہو اور ایک عرصہ تک لوگ اس سے دینی یا دنیوی فائدے حاصل کرتے رہیں۔

(الترغیب ج۱ص۳۸۴ تا ج۱ص۳۸۷، معارف الحدیث ج۳ص۱۸۱، نسائی شریف ج۱ص۱۱۲ومسلم ج۱ص۲۰۱وابن ماجہ ج۱ص۵۴، مظاہر حق ص۵۹۵جلد اول)

☆☆

مساجد کا قدرتی نظام

جامع مسجد کا مرتبہ ظاہر ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ یہ ایک بڑی تعداد کو اپنے دامن میں لے کر یکجا کر دیتی ہے۔ اور محلّہ کی مسجد دن رات کے پانچ وقتوں میں اپنے محلّہ کے ایمان والوں سے پُر نور رہتی ہے۔ محلّہ کی مسجد میں جماعت کا جو اہتمام رہتا ہے شارع عام کی مسجد کو حاصل نہیں ہوتا۔ غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے اجتماع کے التزام اور اس کے عظیم الشان ہونے میں بھی مرتبہ کی بلندی مضمر ہے۔

انفرادی طور پر نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نفل نمازیں پڑھی جاتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ ہوا کہ فرض نمازوں کو اجتماعی شکل دی جائے اور پراگندہ و منتشر افراد کی شیرزادہ بندی کا مظاہرہ کیا جائے اور قرآن شریف نے تالیفِ قلوب کا جو احسان جتلایا ہے اس کا عملی طور پر بھی رات دن اعلان ہوتا رہے چنانچہ اس کے لیے ایک مستقل نظام قائم کیا۔ جس قدرتی نظام میں سارے مؤمنوں کو حتی الوسع یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم اس نظام کو 'نظام مسجد'' سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی عظمت شان دلوں میں بٹھانے کے لیے ابتدائے آفرینش سے اس سلسلہ کو جاری فرمایا اور نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اس کو خوب مستحکم کر دیا گیا۔ جس کی تفصیل آئندہ آئے گی، آپ ﷺ نے اس نظام کی بنیاد خود اپنے ہاتھوں رکھی اور حکم فرمادیا کہ ہر ہر محلّہ اور آبادی میں اس نظام کو پوری پختگی اور جرأت سے قائم کیا جائے کیونکہ اس میں دینی اور دنیوی، حسی اور معنوی بے شمار فائدے ہیں۔

اس نظام میں، جس کو ہم مسجد کہتے ہیں بہت عمدہ تدریجی ترقی ملحوظ رکھی گئی ہے، ہفتہ بھر ہر محلّہ اور آبادی اپنے محلّہ اور گاؤں کی مسجد میں جمع ہو کر پنج وقتہ نماز ادا کرتی ہے۔ پھر یہ پانچ وقت ہر ایک کیلئے متعین ہیں، کوئی اس کے خلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ تاکہ ایک ہی وقت میں پوری دنیا اپنی اپنی جگہ عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جس طرح دنیا میں کوئی شخص اکیلا نہیں ہوا ہے اور نہ تنہا کوئی کام انجام دے سکتا ہے۔ بلکہ اپنی دنیاوی زندگی میں وہ اپنے بہت سے معین ومددگار اور حامیوں کا محتاج ہے، دوستوں، بھائیوں، بہی خواہوں اور بے شمار ساتھیوں کے تعلقات

کے ساتھ خوشگوار زندگی جکڑی ہوئی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام میں بھی بندہ کو اپنے شرکاء کا، ہاتھ بٹانے والوں اور مدد کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ ایک خدا کے ماننے والے، ایک رسول کے اُمتی، ایک کتاب مقدس کے قانون کے پابند، اور ایک دین کے پیروکار اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ایک پاک جگہ جمع ہوں اور ایک مقصد کی خاطر، عاجزی، تواضع اور ذلت ومسکنت کا اظہار کریں، اور پروردگار عالم سے حصولِ مقصد کے لیے دعاء اور مناجات کریں اور منظّم ہوکر شیطان رجیم کا مقابلہ کریں، کیونکہ اگر ہر ایک نے دوسرے کی پشت پناہی نہ کی، منظّم ہوکر صف بستہ نہ ہوئے تو دشمن کا لشکر منتشر اور پراگندہ افراد کو موقع پاکر شکست دے سکتا ہے۔

پھر یہ تنظیم کھوکھلی نہ ہو، بلکہ ہر پہلو اور ہر اعتبار سے مستحکم اور ٹھوس ہو، ظاہری اجتماع کے ساتھ باطنی اجتماع بھی پختہ تر ہو۔ جسم کی صفوں کی درستی کی صفوں کی درستی بھی ہو اور ظاہری پاکی کیساتھ دل کی صفوں کی درستی بھی ہو اور ظاہری پاکی وصفائی سے بڑھ کر باطن کی پاکی اور صفائی حاصل ہو، ایک ہی اصول کے سب پابند اور ایک ہی امیر یا امام کے سب تحت میں ہوں۔

چنانچہ اسلام نے اس کا ایسا ہی مستحکم نظام قائم کیا ہے۔ مسجد کے نام سے ایک خاص گھر بنا دیا گیا ہے۔ جس میں کسی خاص شخص کی نہ ملکیت ہوتی ہے۔ اور نہ اس کا شخص قبضہ، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر کہلاتا ہے۔ اس میں سارے مسلمان برابر کے شریک ہیں۔ اجتماع کے خاص خاص وقت متعین کردیئے گئے ہیں، تاکہ ایک ہی وقت میں دنیا کے سارے اراکینِ اسلام اپنی اپنی اس قدرتی اسمبلی میں جمع ہوجائیں۔ اور پھر کس طرح؟ کہ سب مل کر ایک امام کے پیچھے ایک ساتھ شانہ سے شانہ ملاکر کھڑے ہوجائیں، اُٹھنے، بیٹھنے، کھڑے ہونے اور تمام حرکت وسکون مین اسی ایک امام کی پیروی کریں، نہ کوئی امام سے پہلے جُھک سکتا ہے۔ نہ اس سے پہلے قیام وقعود کرسکتا ہے۔ اور نہ کوئی ایسی حرکت کرسکتا ہے۔ جو اس کے خلاف ہو، سب کے سب چاہے امیر ہوں چاہے غریب، بادشاہوں یا کہ گدا، اسی کی متابعت کرتے ہیں، اور یکجائی اظہار بندگی کرتے ہیں۔ اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں ورنہ کم سے کم یہ کہ وہ تو ہمیں ضرور دیکھ رہا ہے۔

پورے ہفتہ کے بعد ایک مخصوص دن پہنچا تو ایک قدم اور بڑھایا، محلّہ محلّہ، اور بستی بستی کے مسلمان نہادھو کر حسبِ استطاعت خوشبو لگا کر اپنے اپنے گھروں سے نکلے، مسجد کا راستہ ایک عمدہ منظر پیش کر رہا ہے۔ سب ہر طرف سے آ کر ایک ہی گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔ آج نسبتاً صاف ستھرے ہیں، چہروں پر وجاہت ہے اور چال میں وقار کی نمایاں جھلک، دیکھتے ہی دیکھتے مسجد بھر گئی، محلّہ کے سب مسلمان یکجا ہو گئے، سنتیں پڑھی گئیں، اور لوگ تسبیح وتہلیل اور تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو گئے۔

امام نکلا، مؤذن نے اذانِ ثانی پڑھ لوگوں کی توجہ امام کی طرف پھیر دی، وہ سامنے کھڑا تلقین کر رہا ہے اور سب ہمہ تن متوجہ ہو کر سن رہے ہیں۔ جب اس کی آواز میں تیزی پیدا ہوئی اور آنکھیں سرخ ہو گئیں تو پھر کتنے دل کانپ اُٹھے، کتنے جسموں پر لرزہ پڑ گیا، خشیت الٰہی اور محبت مولیٰ کی ملی جلی کیفیت نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا، خطبہ ختم ہوا، نماز ادا کی گئی مگر کس شان سے؟ کہ آج جب ایک فرد (امام) اللہ اکبر کہتا ہے تو سارے شہر کے مسلمان اللہ اکبر کہتے ہیں، وہ جب رکوع میں جھکا تو سب کے سب بے چون وچرا رکوع کے لیے جھک گئے اور جب وہ سجدے میں گرا تو سب کے سب اکٹھے سجدے میں گر پڑے۔ اور امیر وغریب کی تمیز اُٹھ گئی۔

دوسری طرف خوبی یہ ہے کہ ایک امام کی پیروی اس نظام کی روح ہے، لشکر اور فوج کو کمانڈر اور امیر کی اطاعت کی تعلیم دی جاتی ہے، ایک بگل پر اکٹھا ہونے کی مشق کرائی جاتی ہے، اس شعبہ پر لاکھوں، کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ پورا نظم وضبط باقی رہ سکے گا۔ لیکن نظام مساجد میں امام کی پیروی کا یہ حال ہے کہ اس سے اس کو کوئی مَفر نہیں، دس سال کی عمر سے لے کر موت تک اس کی مشق ہوتی ہے اور کمال یہ ہے کہ کسی دن ناغہ کا نام ہی نہیں، الا ماشاء اللہ۔

اس اجتماعی نظام سے بڑھ کر کوئی اور نظام ممکن بھی ہے؟ دنیا کا کوئی پولیٹیکل نظام اس قدرتی نظام مساجد کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، جو بکھرے ہوئے انسانوں کو بتدریج جمع کر دیتا ہے اور منتشر افراد کی بات بات میں شیرازہ بندی کا کام انجام دیتا رہتا ہے، اس نظام

میں کاہلی پر ہر دن ضرب کاری لگتی رہتی ہے۔ اور ہر پہلو سے یہ عالمی نظام ایک کو دوسرے سے جوڑ دیتا ہے۔

دنیوی اور دینی اصلاح

اس شان وشکوہ سے ہفتہ کی جو عبادت ادا کی گئی، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے ماہرین اور دینی و دنیوی دورِ حیات کے تجربہ کار شریک تھے۔ رؤسأ تجار، غرباء، فقراء، علماء، صوفیاء، اور وہ لوگ بھی جوق در جوق تھے جن کو علم وفضل سے کوئی مَس نہیں۔

ہر ایک نے دوسرے کو عبرت وبصیرت کی آنکھوں سے دیکھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نقشہ کھینچ گیا، تاجروں اور رئیسوں کو مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشی حالت کی طرف توجہ ہوئی، علماء کرام کو علمی اور دینی سُدھار کی فکر ہوئی صوفیاء کی نظر تزکیۂ قلوب کی طرف گئی۔ غریبوں میں محنت کی اُمنگ پیدا ہوئی، فقیروں کی خودداری میں جوش آیا، اَن پڑھ اور جاہلوں کے دلوں میں اشتیاق علوم نے کروٹ لی اور بے عملوں کا جذبہ اُبھرا۔

آپ نے غور کیا، یہ کون سا دن تھا، اور کون سی مسجد؟ جمعہ کا دن تھا اور جامع مسجد، جس کا یہ روح افزاء اور حیات بخش نظر آنکھوں کو ذخیرہ کر رہا تھا۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ (جمعہ۔۲)

یہ قدرتی ہفتہ وار اجتماع ''نظام مساجد'' کے سلسلہ میں ہر ماہ چار مرتبہ ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی مہینہ میں پانچ مرتبہ بھی، اس اجتماع سے قوم وملک کو ہمیشہ فائدے پہنچتے رہے۔

سالانہ تنظیم

اس نظم وضبط کے ساتھ سال کے بارہ مہینے گزرتے ہیں، مگر ان میں دو مخصوص دن ذرا اور امتیازی شان رکھتے ہیں، اور ان دونوں کا قدرتی اجتماع اور زیادہ مفید اور مہتم بالشان ہوتا ہے۔

اب اس کی ضرورت رہ گئی تھی کہ کوئی ایسی مسجد بھی ہوتی، جو ساری دنیا کے خدا

پرستوں کو یکجا کر دیتی، اور یہ نظام مساجد اس طرح عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نظام سے اس کمی کو بھی پورا کر دیا ہے۔ ان دو مخصوص دنوں میں ایک ایسا دن بھی ہر سال آتا ہے جو اس اہم کام کی انجام دہی کر دیتا ہے، یہ ذی الحجہ کا مہینہ اور سنتِ ابراہیمی کی یاد تازہ کرنے کا دن ہے۔

یہ بھی ایک مسجد ہی کا فضل وکرم ہے جس نے ساری دنیائے اسلام کے نمائندوں کو ایک تاریخ، ایک دن اور ایک شہر میں جمع کر دیا، اس مسجد کا نام مسجدِ حرام ہے جس کو بیت اللہ بھی کہتے ہیں۔

''اسلام کا نظامِ مساجد''

از حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مدظلہٗ مفتی دار العلوم دیو بند۔

مساجد کی ایک عظمت شان یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر سے جب واپس ہوتے تو سب سے پہلے مسجد ہی میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے، وہاں لوگوں سے مل جُل کر گھر تشریف لے جاتے۔ آپ کے بعد صحابۂ کرامؓ کا واپسی سفر پر یہی دستور ہو گیا تھا کہ مسجد میں اُترتے، نماز ادا کرتے پھر منزل مقصود کی طرف چلتے، اب بھی مسلمانوں کے لیے یہی طریقہ مسنون ہے۔ (مسلم شریف ص ۲۴۸ جلد اول)

اعتکاف جو ایک سنت طریقہ ہے اور بیش قیمت فوائد پر مشتمل ہے اس کے لیے بھی مسجد شرط ہے۔

مسجد کس کو کہتے ہیں؟

مسئلہ:۔ مسجد ایسی جگہ، ایسی زمین اور ایسے مکان کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت فرض نماز ادا کرنے کے لیے وقف کر دیا ہو۔ (فرضِ عین کی قید اس لیے ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی جگہ اور عیدگاہ اس تعریف میں شامل نہ ہو، کیونکہ دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ (رفعت قاسمی)

اس عمارت کی، تعمیر دَر ودِیوار اور چھت یا چھپر کا ہونا شرط نہیں ہے۔

(طحطاوی ج ۲ ص ۵۳۶ و قاضی خان ص ۱۲۷ جلد ۴)

المسجد والمسجد۔ سجدہ گاہ۔ عبادت گاہ (ج) مساجد۔ المسجد الحرام۔ بیت اللہ شریف۔ المسجد الاقصیٰ۔ مسجد بیت المقدس۔ المسجدان مکہ ومدینہ کی مسجدیں۔ سجد (ن) سجوداً عبادت کے لیے زمین پر پیشانی کو رکھنا۔ السجادۃ۔ بہت سجدہ کرنے والا۔ السجادۃ والمسجدۃ۔ جائے نماز۔ (ص ۳۶۱ مصباح اللغات)

مسئلہ:۔ جگہ زیادہ ہو تو مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک عمارت والا، دوسرا خالی۔ عمارت والی جگہ میں بارش وسردی کے موسم میں نماز پڑھی جاتی ہے۔ جس کو "مسجد شتوی" اور جماعت خانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلا عمارت کی جگہ میں گرمی کے موسم میں نماز پڑھی جاتی ہے جس کو "مسجد صیفی" اور صحن مسجد سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس طرح بارش وسردی کے موسم میں جماعت خانہ (اندرونی) میں نماز باجماعت ہوتی ہے، اسی طرح گرمی کے موسم میں مسجد کے صحن میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے۔ اور یہ دونوں حصے مسجد میں شامل ہیں۔ (شامی ص ۱۷۱ جلد اول پر دونوں حصوں کو مسجد ہی کہا گیا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۰ جلد ۲)

مسئلہ:۔ مسجد کے معنی لغت میں سجدہ گاہ کے ہیں اور اسلام کی اصطلاح میں مسجد اس جگہ کا نام ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لیے وقف کردی جائے۔

(آپ کے مسائل: ص ۱۱۳ جلد ۳ ومرقات شرح مشکوٰۃ ص ۴۴۱ جلد ۱)

مسجد بنانا فرض ہے یا واجب؟

مسئلہ:۔ ہر شہر وقصبہ وگاؤں میں مسجد کے لیے بقدرِ ضرورت زمین وقف کرنا تو وہاں کے مسلمانوں پر واجب علی الکفایہ ہے، باقی عمارت بنوانا فرض نہیں، بلکہ مستحب ہے۔

(امداد الاحکام ص ۴۴۹ جلد او شامی ص ۱۰۳ جلد ۳)

مسجد کا خرچ ذاتی پیسے سے ہو یا چندہ سے؟

مسئلہ:۔ جب بانی مسجد کی اولاد۔ اپنے ذاتی پیسہ سے مسجد کی ضروریات پوری کرتی اور انتظام درست رکھتی ہے اور کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے تو دوسرے لوگوں کو دخل دینے اور انتظام سنبھالنے اور چندہ کرکے تعمیر وغیرہ وہاں بنانے کا حق نہیں، نہ کسی تصرف کا حق ہے،

اگر کوئی انتظامی شکایت ہو تو متولی و منتظم سے کہہ کر اس کا انتظام کرالیں۔ ہاں اگر ان کے پاس پیسہ نہ ہو تو پھر ضروریاتِ مسجد کے لیے چندہ کرلیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۵ ج ۱۵)

نقصان شدہ شے کا ضمان مسجد میں دینا؟

مسئلہ:۔ جس نے جتنا نقصان کیا ہے اس کی قیمت وصول کرنے کا حق ہے، پھر اس قیمت کو اپنے کام میں لائے یا مسجد کیلئے دیدے درست ہے، اور یہ اس وقت ہے کہ اسکی مملوکہ چیز کا نقصان کیا ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۸۹ جلد ۱۲)

مسجد کیلئے حکومت سے امداد لینا؟

سوال:۔ حکومت کے دیئے ہوئے خزانہ سے رقم جو کہ لاٹری بورڈ کے ٹیکس اور ہر قسم کی حلال وحرام اور جائز وناجائز اشیاء کے ٹیکسوں پر مشتمل ہو، مساجد کی تعمیر وتوسیع یا مرمت کیلئے استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سرکار نے جب جائز اور ناجائز آمدنی کو مخلوط کردیا اور اس مخلوط آمدنی سے مسجد کے لیے رقم دی تو اس کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ اس کو لینا اور مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔

چونکہ خلط استہلاک ہے (مل کر ہلاک کے حکم میں ہوگیا) جب حکومت نے جائز و ناجائز کو مخلوط کردیا اور اس پر قبضہ کرلیا تو حکومت اس کی مالک ہوگئی، اور حکومت نے جن سے غلط طریقہ پر لیا ہے ان کو ضمان دینا لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۳ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد کیلئے سرکار سے قرض (لون) لینا جسمیں سود دینا پڑتا ہے، اسکا لینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۷ جلد ۲)

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا؟

مسئلہ:۔ مسجد کی آمدنی کا پیسہ مسجد ہی میں خرچ کرنا لازم ہے، مدرسہ وغیرہ کا تعمیر یا دیگر ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جنہوں نے وہ پیسہ مدرسہ میں خرچ کیا وہ ذمہ دار ہیں۔ مسجد بھی خدا کی ہے اور مدرسہ بھی خدا کا ہے مگر ایک کی آمدنی دوسرے کی آمدنی میں خرچ

کرنا جائز نہیں ہے، جس طرح کہ ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں، ورنہ سب نظام گڑ بڑ ہو جائے گا۔ لیکن اگر مدرسہ اصل ہو اور اس کیلئے ہی مسجد بنائی جائے۔ مسجد کے اخراجات مدرسہ سے پورے کیے جائیں گے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۶۵ جلد۱۲)

مسجد میں شیعوں کا چندہ؟

مسئلہ :۔ اہل سنت والجماعت اور فرقۂ اثنا عشریہ کے عقائد میں بین فرق ہے، لہٰذا خالص دینی اور مذہبی معاملہ میں ان سے چندہ نہ لیا جائے، اگر وہ خود دینا چاہیں تو وہ کسی سُنی مسلمان کو ہبہ کر دے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے دیدے تو لے سکتے ہیں، اگر وہ شخص رقم دے چکا ہے، تو اگر واپس کرنا نامناسب ہو تو بادلِ ناخواستہ بیت الخلاء پیشاب خانہ، غسل خانہ میں استعمال کر لی جائے، یا پھر مسجد کا مکان بنانے مین استعمال کی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۹ جلد ۶)

کفر کی حالت کا روپیہ مسجد میں خرچ کرنا

سوال :۔ ایک نومسلم اسلام میں داخل ہوتے وقت اپنی دولت بھی ساتھ لیتے آئے، تو کیا اُس دولت کو مساجد وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

جواب :۔ بعض پیسے ایسے ہوتے ہیں کہ جو کسی بھی مذہب میں حلال وجائز نہیں ہوتے اور ان پر کسی مذہب میں ملکیتِ صحیحہ قائم نہیں ہوتی جیسے چوری کا پیسہ، ڈاکہ اور غصب کا پیسہ۔ ایسا پیسہ کفر کی حالت میں کمایا ہوا گر کوئی نومسلم اپنے ساتھ لائے تو اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ اس کو اصل مالک کی ملک میں کسی مناسب انداز سے پہنچا دیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو اور مالک ثواب پانے کا اہل ہو، مثلاً ''مسلمان ہو'' تو اس کو ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ کر دیں۔ اور اگر اس کا علم نہ ہو سکے کہ مالک مسلم ہے یا کافر تو ایسی صورت میں اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے صدقہ کر کے جلد سے جلد اپنی ملکیت سے نکال دے۔

بعض پیسے ایسے ہوتے ہیں کہ مسلمان کے لیے شرعاً حلال وجائز نہیں ہوتے اور غیر مسلم کے لیے حلال وجائز ہوتے ہیں اور غیر مسلم اس کا مالک بملک صحیح ہو جاتا ہے جیسے

شراب کے کاروبار کا پیسہ، خنزیر کے کاروبار کا پیسہ، ایسا ان کے لیے جائز وحلال ہوتا ہے۔ اور اس پر مالک بملک صحیح ہو جاتے ہیں۔

اگر کفر کی حالت کا پیسہ لے کر مسلمان ہو جائیں تو اس کے صحیح مالک ہو گئے ہیں اور جس نیک کام میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں، مسجد میں، مدرسہ میں ہر جگہ خرچ کر سکتے ہیں اور یہی حکم ان کے گانے بجانے کے پیسہ کا بھی ہے، اس لیے کہ وہ اس کے صحیح مالک ہو گئے تھے اور وہ ان کے لیے حلال تھا، اور مسلمان ہونے کے بعد بھی قدیم مسلمان بھی وہ پیسہ ان سے لے سکتا ہے اور انہیں نیک کاموں میں خرچ کر سکتا ہے۔

(نظام الفتاویٰ ص ۳۲۳ جلد اول، بحوالہ شامی ص ۲۴۷ جلد اول ص ۳۷ ج ۱)

بلیک کرنے والے کا روپیہ مسجد میں؟

سوال:۔ جو تاجر بلیک مارکیٹنگ کا کام کرتے ہیں وہ اگر مسجد میں چندہ دیں تو ان کے روپے مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ ملکیت تو اس صورت میں بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کو مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے، مگر خود یہ طریقہ ایسا ہے جس میں عزت کا بھی خطرہ ہے مال کا بھی خطرہ ہے۔

مسئلہ:۔ کوئی بدعتی مسجد میں جا کر چندہ دے تو اس کے روپے کو مسجد میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۹ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ سود کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، اگر چہ (سود خور) مرنے والا آ کر کر خواب میں بتلائے، تب بھی جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۷ ج ۱۵)

مسئلہ:۔ ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۳ ج ۱۵)

مسئلہ:۔ مالِ حرام مسجد میں لگانا ناجائز ہے، اگر حرام مال سے خرید کردہ زمین پر مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۸ ج ۱۰)

مسئلہ:۔ اگر حرام مال سے خرید کر بیع فسخ کر کے پھر حلال مال سے خرید کر مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۹ ج ۱۰)

مسئلہ:۔ ساہوکار کا روپیہ رقم اگر سود کی نہیں ہے تو مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۸۲ ج ۱۲)

مسئلہ:۔حرام پیشہ کرنے والا جب مسجد کے لیے روپیہ دے تو اس سے کہہ دیا جائے کہ حلال پیسہ مسجد کے لیے دو، حرام ومشتبہ مت دو، پھر بھی وہ شخص (دینے والا) کہے کہ میں حلال ہی پیسہ دے رہا ہوں، چونکہ وہ مسلمان ہے آخرت سے ڈرتا ہے، قرض لے کر بھی دے سکتا ہے، اس لیے اس کی بات تسلیم کرلیں گے اور جب تک دلیل شرعی سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ واقعی حرام ہی پیسہ دیا ہے، اس کا پیسہ لے سکتے ہیں اور مسجد میں لگا بھی سکتے ہیں۔

(نظام الفتاویٰ ص ۳۰۷ جلد ۱)

مخلوط آمدنی والے کا چندہ مسجد میں؟

سوال:۔ایک شخص جس کی آمدنی جائز نہیں مگر اس کے پاس آمدنی کے ذرائع ایسے بھی ہیں جو بالکل حلال ہیں۔کیا اس کا چندہ مسجد میں لیا جا سکتا ہے جبکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی پاک کمائی میں سے چندہ دے رہا ہوں کیونکہ مجھ کو معلوم ہے کہ حرام آمدنی کارِ خیر میں لگانا بڑا گناہ ہے؟

جواب:۔ایسے شخص کا چندہ لینا درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۹۱ ج ۱)

مسجد ومدرسہ کی رقم بطورِ قرض ایک دوسرے میں صَرف کرنا؟

سوال:۔ضرورت ہو تو مسجد کی رقم مدرسہ میں اور مدرسہ کی رقم مسجد میں بطور قرض لے کر استعمال کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔اگر قرض وصول ہونے پر اعتماد ہو، ضائع ہونے کا احتمال نہ ہو تو منتظمہ کمیٹی کے مشورہ سے درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۹۱ ج ۱)

فقیر کا مانگا ہوا پیسہ مسجد میں؟

مسئلہ:۔بلا ضرورت مانگنا گناہ ہے، لیکن جب فقیر نے پیسہ مانگا اور محلّہ والوں نے بخوشی اس کو دیا تو وہ اب مالک ہو گیا اور اس نے جو کچھ مسجد میں دیا ہے وہ دینا صحیح ہے۔اس مصلے پر (جو اس نے دیا ہے) نماز بلا شبہ جائز ہے، اور اس کو سمجھا دیا جائے کہ بلا ضرورت مانگنا درست نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۹۲ جلد اول)

مسئلہ:۔ مسجد میں بھیک مانگنا ممنوع ہے (یعنی داخلِ مسجد) ایسے لوگوں کو مسجد سے باہر خارجِ مسجد کھڑے ہونا چاہئے، اور مسجد میں مانگنے والوں کو دینا بھی نہیں چاہئے۔ لیکن اگر کسی ضرورت مند کی امداد کے لیے مسجد میں دوسرا آدمی اپیل کرے تو یہ جائز ہے۔

مسئلہ:۔ کسی فقیر کو مسجد میں دینا یوں تو جائز ہے مگر اس سے مسجد میں مانگنے کی عادت پڑے گی، اس لیے مسجد سے باہر (خارج مسجد) دینا چاہئے۔ (آپ کے مسائل:ص ۱۴۲ جلد ۳)

مسجد کا چندہ عمومی کاموں میں خرچ کرنا؟

سوال:۔ چند حضرات نے مسجد کا چندہ جمع کیا تھا لیکن وہ عمومی کاموں میں خرچ کرنا چاہتے ہیں، اگرچہ حساب مع رسیدوں کے موجود ہے؟

جواب:۔ جس طرح چندہ جمع کیا گیا ہے (ان کو جمع کر کے یا گھروں پر جا کر) اس طرح ان سے اجازت لے لی جائے یا ان کا چندہ واپس کر دیا جائے، اور جب رسیدیں بھی موجود ہیں تو اس میں کیا مشکل ہے۔ یا اعلان کر دیا جائے کہ اس چندہ کو فلاں کام میں خرچ کیا جس کو نا منظور ہو وہ اپنا چندہ واپس لے لے۔ اور یہ اعلان اس طرح کیا جائے کہ چندہ دینے والوں تک بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی نہ کسی طرح پہنچ جائے۔ مثلاً ایک اشتہار چھاپ کر تقسیم کر دیا جائے یا محلوں اور مساجد میں کہہ دیا جائے، غرض کہ اپنی وسعت کے مطابق اعلان کر دیں یا واپس کر دیں، اس سے زائد کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۲ جلد ۱۲)

پگڑی کی رقم مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا؟

مسئلہ:۔ پگڑی کی رقم بظاہر کسی شرعی عقد سے حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا اس کا استعمال مسجد میں درست نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ)

مسجد کا روپیہ تجارت کے لیے دینا؟

سوال:۔ مسجد کی رقم جو متولی کے پاس جمع تھی، اس نے ایک شخص کو تجارت کے لیے دے دی، اس شخص نے مسجد کا کوئی حصہ طے نہیں کیا، اس نے مسجد کی رقم واپس کرتے ہوئے مبلغ دو سو پچیس روپے زائد دیدیئے۔ یہ زائد رقم جو دی گئی اسے لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مسجد کی رقم متولی کے پاس امانت ہے کسی کو تجارت کے لیے دینے کا اُس کو حق نہیں، ہرگز کسی کو نہ دی جائے، جو رقم دی تھی وہ بطورِ قرض تھی، قرض میں یہ شرط کرنا کہ واپسی کے وقت اتنی رقم زائد لی جائے گی جائز نہیں، یہ سود ہے لیکن بغیر شرط کے اگر قرض لینے والا یہ کہہ کر قرض واپس کردے کہ اتنی رقم تو قرض تھی یہ واجب الاداء ہے۔ اور اتنی رقم میں بلا کسی التزام کے اپنی طرف سے زائد دیتا ہوں تو یہ شرعاً درست ہے۔ اور حدیثِ پاک سے ثابت ہے اس کا استعمال کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۰۴ جلد ۱۲)

مساجد کا روپیہ حکومت کو دینا؟

مسئلہ :۔ مساجد کا روپیہ وقف کا روپیہ جو کہ امانت ہے، متولی کو مسجد کے علاوہ کسی جگہ بھی خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۸ جلد ۱۸)

مسئلہ :۔ مسجد کے فنڈ (چندہ) کا ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے استعمال کرلیا تو اس کو چاہئے کہ توبہ واستغفار کرے اور جو رقم اس نے استعمال کی ہے اس کا ضمان ادا کرے، محلہ والوں اور نمازیوں کی ذمہ داری ہے کہ اس شخص سے ضمان وصول کریں۔

(آپ کے مسائل ص ۱۴۸ ج ۳)

مسجد کے لیے چندہ کر کے مدرسہ بنانا؟

مسئلہ :۔ مسجد کے لیے جو چندہ کیا جائے اس کو مدرسہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ مدرسہ کے لیے جو چندہ کیا جائے اس کو مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

جو جگہ نماز کے لیے مقرر (وقف) ہوجائے وہاں مدرسہ بنانا اور تعلیمی کام کے لیے اس جگہ کو متعین کردینا جائز نہیں ہے۔ اس جگہ ایسے چھوٹے بچوں کو بھی تعلیم نہ دی جائے جو مسجد کا احترام باقی نہ رکھ سکیں۔

نیز زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمت چرم قربانی کو مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں دینا جائز نہیں ہے، وہ صرف غریبوں کا حق ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۹ جلد ۱۸)

☆☆

مسجد و مدرسہ کے نام سے مشترک چندہ کرنا؟

سوال:۔ایک بستی والے مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جس کا چندہ ایک جگہ کرنا چاہتے ہیں۔اگر چندہ یک جا کرلیا جائے اور چندہ دینے والوں سے کہہ دیا جائے کہ ہم مسجد و مدرسہ دونوں تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور چندہ دینے والا یہ کہہ دے کہ دونوں میں سے کسی میں استعمال کرلوتو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ یا دونوں کا الگ الگ؟

جواب:۔ مسجد و مدرسہ دونوں کے لیے مشترکہ چندہ کرنا درست ہے۔اور جب یہ اعلان کردیا کہ دونوں کی تعمیر ہوگی اور دونوں کے لیے لوگ چندہ دے رہے ہیں تو پھر کیا تردد ہے۔علیحدہ علیحدہ کرنا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے۔پھر جو چندہ جس کے لیے وصول کیا اس کو اسی مصرف میں صرف کرنا چاہیے۔ ایک کا چندہ دوسرے مصرف میں صرف نہ کریں۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۸ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ مسجد کے چندہ سے خارج مسجد آفس (دفتر) بنانا کہ اس میں مسجد کی انتظامیہ کی میٹنگ ہوا کرے۔جائز ہے اگر اہلِ چندہ کی اجازت ہوتو۔(آپ کے مسائل ص ۱۴۰ ج ۳)

غیر مسلم سے مسجد کے لیے چندہ لینا؟

سوال:۔ہمارے یہاں ایک مسجد تیار ہورہی ہے اسمیں غیر مسلم چندہ دینا چاہتے ہیں، کیا غیر مسلموں کا روپیہ مسجد لگانا درست ہے؟

جواب:۔اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل اہلِ اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہلِ اسلام ان کے ممنون ہوکر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے۔اس شرط سے قبول کرلینا جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۶۸۸ جلد ۲ وفتاویٰ محمودیہ ص ۴۷۰ جلد ۱)

مسئلہ:۔ غیر مسلم کے چندہ دینے میں اندیشہ نہ ہو کہ وہ اسکے نتیجہ میں کوئی غلط مقصد حاصل کریگا تو لینا درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۵۶ جلد ۱۷)

مسئلہ:۔ غیر مسلم چندہ دینے والا اپنے اعتقاد کے اعتبار سے اسے قربت سمجھتا ہو تو اس کا

چندہ لیا جاسکتا ہے، لیکن اگر یہ احتمال ہو کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائے گا تو اس وقت بہتر یہ ہے کہ ان کا چندہ نہ لیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۳۲ جلد۱۰ وفتاویٰ محمودیہ ص۱۸۸ ج۶ وص۱۶۸ ج۱۵ وص۲۷۶ ونظام الفتاویٰ ص۳۱۳ ج۱)

مسئلہ:۔ مسجد کی تعمیر کے لیے راستہ کے کنارے کوئی صندوق لٹکا دیا گیا اور راہ گزر اس میں پیسے ڈالتے ہیں تو وہ پیسہ اس تعمیر میں لگانا درست ہے، خواہ ڈالنے والے مسلم ہوں یا غیر مسلم، سب کا پیسہ اس صورت میں لگا سکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۴۷ ج۱۸)

شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ دینا؟

مسئلہ:۔ شراب کی آمدنی سے مسجد کے لیے چندہ قبول نہ کیا جائے، اگر جائز آمدنی سے مثلاً قرض لے کر دے تو درست ہے۔ نیز مخلوط آمدنی والا اگر حلال چیزوں کی آمدنی سے چندہ دیدے تو درست ہے اگر مخلوط آمدنی سے دے اور حلال غالب ہے تب بھی درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۳۵۵ ج۱۷)

مسئلہ:۔ اگر مسجد شراب کی آمدنی سے بنائی گئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جو نمازیں وہاں پڑھی گئیں وہ کراہت کے ساتھ ادا ہونگی۔ آئندہ احتیاط کی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۱۵۲ ج۱۵)

خنزیر کے بالوں کے بُرش بنانے والوں کا پیسہ مسجد میں لگانا؟

مسئلہ:۔ محض خنزیر (سُور) کے بالوں کے بُرش بنانے والوں کا پیسہ مسجد میں لگانا محض بُرش بنانے کی اجرت اس طرح کہ اتنی دیر کام کر و اس کا معاوضہ یہ ہوگا۔ درست ہے حرام نہیں، اس کا پیسہ مسجد میں بھی لگایا جاسکتا ہے، مگر فی نفسہٖ یہ معاملہ نہیں چاہئے اس لیے کہ سُور کے بال سے انتفاع امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۳۴۷ جلد۱۵ وص۵۱۳ جلد اول)

مسجد میں چندہ کرنا؟

مسئلہ:۔ دینی ضرورت کے لیے مسجد میں چندہ کرنا (اور چندہ دینے والوں کو) مرحبا اور سبحان اللہ کہنا درست ہے، مگر نمازیوں کی نماز میں خلل وتشویش نہ ہونے پائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۴ جلد ۱۲)

مسئلہ :۔ مسجد میں دنیا کی باتیں جیسے خرید وفروخت کی باتیں، مقدمات کی باتیں، کھیت اور باغ کی باتیں، یہ سب دنیا کی باتیں ہیں۔ مسجد کی تعمیر یا امام وغیرہ کی تنخواہ کے لیے چندہ کرنا مسجد میں منع نہیں ہے۔ بشرطیکہ شور وشعب نہ ہو، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، غیرت دلاتے ہیں، کم چندہ دینے پر جھگڑتے ہیں، غرض کہ مسجد کا احترام ملحوظ نہیں رکھتے، یہ طریقہ منع ہے۔

ختم کیلئے جو چندہ کیا جاتا ہے وہ اکثر زور دے کر لیا جاتا ہے اور اسمیں زیادہ تر دکھاوا اور مقابلہ مدنظر ہوتا ہے، یہ بھی منع ہے۔ مسجد میں تلاوت قرآن، تسبیح، درود شریف، استغفار میں مشغول رہنا چاہیئے اس طرح کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو، اگر مسجد میں مسائل کی تعلیم دی جائے تو یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۴ جلد ۱)

چندۂ مسجد سے مٹھائی تقسیم کرنا؟

سوال :۔ مسجد کے چندہ سے مٹھائی تقسیم کرنا اور مٹھائی لینے والوں میں چندہ نہ دینے والے بھی شامل ہوتے ہیں؟

جواب :۔ اگر چندہ دینے والوں کی اجازت ہے اور اس چندہ کا مصرف یہ بھی ہے تو یہ مٹھائی تقسیم کرنا شرعاً درست ہے ورنہ نہیں۔ اگر چندہ دینے والوں کی طرف سے نہ چندہ دینے والوں کو بھی اجازت ہے تو ان کو بھی مٹھائی کھانا جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۷ جلد ۶)

مسئلہ :۔ مٹھائی کی بچی ہوئی رقم چندہ دہندگان کی اجازت سے مسجد کے دوسرے مصرف میں خرچ کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۷ جلد ۶)

مالی جُرمانہ لینا اور مسجد میں صرف کرنا؟

سوال :۔ ایک برادری میں چند قوانین مقرر ہیں اور وہ ان کی خلاف ورزی سے سیاستہً بطور جرمانہ کچھ رقم وصول کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ مصارفِ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مذہب معتمد علیہ یہ ہے کہ ایسا جرمانہ ناجائز ہے۔ اگر کچھ رقم بطور جرمانہ وصول کر لی ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص۱۹۳ جلد۶ بحوالہ رد المختار ص۳۷۵ جلد۳)

مسجد کے لیے جبراً چندہ لینا؟

مسئلہ:۔ جبراً چندہ وصول کرنا ناجائز ہے، جو اپنی خوشی سے دے اس سے لے لیا جائے، جو نہ دے اُس پر جبر کرنا گناہ ہے۔ اور ایسے مال کا مسجد میں لگانا بھی ناجائز ہے، جبراً تو لینا جائز ہی نہیں ہے، (جبراً اگر وصول کر لیا تو) جس قدر روپیہ لیا ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۶۰ جلد۶ بحوالہ شامی ص۶۸۸ جلد۱)

مسئلہ:۔ زبردستی چندہ وصول کرنا بھی منع ہے۔ جن لوگوں سے زبردستی چندہ لیا گیا وہ اب معاف کر دیں اور خدا کے نام پر دیئے ہوئے پیسہ کو قبول کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں۔ اس مسجد میں آکر گناہوں سے توبہ کریں، اعمال قبیحہ سے باز آجائیں، نماز اس مسجد میں درست ہوگی۔ غیر مسلم سے تعمیر مسجد کیلئے چندہ مانگنا بڑی بے غیرتی ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص۱۸۱ جلد۱۸)

مسئلہ:۔ مسجد کیلئے چندہ دے کر واپس نہ لیا جائے جبکہ وہ چندہ سب کا مخلوط ہے اور اس کا سامان بھی خرید لیا گیا ہے، تو اب واپس لینے کا حق نہیں رہا اور نہ متولی کو واپس دینے کا حق ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۶۴ جلد۱۰)

سودی قرض پر لیا روپیہ مسجد کے ضمان میں دینا؟

سوال:۔ ایک صاحب کے پاس مسجد کی امانت کا روپیہ جمع تھا، انہوں نے خرچ کر ڈالا، پھر ان امین صاحب نے ایک دوسرے شخص سے سودی قرض لے کے مسجد کی امانت کے روپے کو واپس کر دیا، تو کیا اس روپے کو مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سود پر قرض لیا گیا ہے وہ قرض کا روپیہ حرام نہیں ہے، اس کو مسجد کے روپے کے ضمان میں دینا درست ہے۔ البتہ قرض کیساتھ جو روپیہ سود کا دیا جائے گا اسکا دینا ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۱۹ جلد۱۸)

مسئلہ :۔ زید نے ایک مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بکر سے سو روپے قرض لے کر دیئے۔ بعد میں حرام کمائی سے اپنا قرض ادا کیا تو وہ رقم مسجد کیلئے حلال ہے کیونکہ جو روپیہ قرض لے کر دیا ہے وہ روپیہ تو جُوے یا سٹے یا حرام کمائی کا نہیں تھا، اس میں وہ حرام مؤثر نہیں ہوگا۔ اس کی حرمت مستقل علیحدہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۷ ج ۱۸)

سُود خور کے ترکہ کی رقم سے مسجد میں لگانا؟

مسئلہ :۔ والدین کے ترکہ سے جو حلال روپیہ ملا ہے اگر وہ روپیہ مسجد میں دے تو اس کا مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۹ جلد ۱۸)

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں لگانا؟

سوال :۔ ہمارے یہاں دو مسجدیں ایک غریب، دوسری امیر۔ امیر مسجد میں برسوں سے کوئی ضروری کام تعمیری بھی نہیں، غیر مسجد کا پلاسٹر بھی ہونا باقی ہے اور فرش بھی۔ تو کیا امیر مسجد کا روپیہ غریب مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

جواب :۔ اگر وہ روپیہ چندہ کا ہے تو چندہ دینے والوں کی رائے واجازت سے غریب مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۷ جلد ۱۸)

چوری کی لکڑی اور حرام رقم سے بنائی گئی مسجد کا حکم

مسئلہ :۔ چوری کے مال واسباب اور ناجائز رقوم سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم یہ ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے، لیکن اس کو بے حرمتی سے بچایا جائے، اس میں حیض والی عورت اور ناپاک کا داخل ہونا جائز نہیں ہے، اس کو محفوظ کر دیا جائے، اسے بیچنا بھی درست نہیں، اگر زمین چوری کی اور غصب شدہ نہیں ہے، جائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہے تو ناجائز عمارت دور کر کے مالِ حلال سے دوسری عمارت بنالی جائے تو قابل انتفاع ہو سکتی ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۶ جلد ۱۰ بحوالہ منیۃ المساجد ص ۲۶ وکبیری ص ۵۷۱)

مسئلہ :۔ اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ سیمنٹ چوری کا ہے تو اس کا خریدنا اور مسجد کی تعمیر میں لگانا (خواہ) غسل خانہ وغیرہ میں لگانا ہو، جائز نہیں ہے، چور کی اس پر ملکیت بھی

حاصل نہیں، پھر اس کوخریدنا ہی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر میں پاک مال لگایا جائے وہ پاک ہی کو قبول کرتا ہے، ناپاک (حرام) مال نہ لگایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۸ جلد ۱۵)

پایا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا؟

مسئلہ:۔ پایا ہوا روپیہ لقطہ کے حکم میں ہے، مالک کو تلاش کرکے اس کو دیا جائے، اگر مالک کا پتہ نہ چلے تو مایوس ہونے کے بعد غریب کو صدقہ کردیا جائے، مسجد میں نہ دیا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۷ جلد ۱۵)

قربانی کی کھال کی قیمت تعمیرِ مسجد میں؟

مسئلہ:۔ اگر آپ نے قربانی کی کھالیں متولی مسجد کی ملک کردیں۔ پھر ان کو فروخت کرکے متولی نے مسجد کی تعمیر میں صرف کردیا تو درست ہے۔ اور اگر بغیر تملیک کے ان کو فروخت کرکے قیمت تعمیر میں خرچ کی گئی تو یہ صورت ناجائز ہوئی۔ ایسی صورت میں ان قیمتوں کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (کیونکہ) قربانی کی کھال کو اگر فروخت کردیا جائے تو قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس قیمت کو مسجد میں صرف کرنا درست نہیں ہوتا۔ ہاں اگر صاحب قربانی خود فروخت نہ کرے بلکہ کسی دوسرے کو مالک بنادے تو وہ فروخت کرکے جہاں چاہے قیمت کو صرف کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۳۱ جلد ۴) (تفصیل دیکھیے مسائل قربانی)

مسجد میں زکوٰۃ کی رقم حیلہ کرکے لگانا؟

مسئلہ:۔ مسجد کی تعمیر میں یا امام ومؤذن ومسجد کے خدام کی تنخواہوں میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا درست نہیں ہے، اس لیے مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم ہرگز استعمال نہ کی جائے، حیلہ کرکے بھی نہ لینا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۹۴ جلد ۶)

برآمدہ کے لیے کیے ہوئے چندہ سے کرایہ کی دوکانیں بنانا؟

مسئلہ:۔ جس مقصد کے لیے چندہ لیا گیا اور دینے والوں نے دیا ہے، اسی مقصد میں وہ روپیہ خرچ کیا جائے، دوسرے مقصد میں اس کے خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا اس

روپیہ سے برآمدہ ہی بنوایا جائے، اور دوکان یا کسی اور کام میں یہ روپیہ خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۶۳ جلد۱۲)

مسئلہ:۔ اگر چندہ دینے والوں سے چندہ وضوخانہ کے لیے جمع کیا گیا ہے اور چندہ دینے والوں نے اس ہی مقصد کے لیے چندہ دیا ہے تو ذمہ داران کے لیے اس کا کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، (اگر خرچ کردیا ہے تو) ان کے ذمہ ضمان واجب ہے، اور جو لوگ اپنا چندہ واپس مانگ رہے ہیں ان کو واپس مانگنے کا حق ہے اور ذمہ داران کو واپس کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۶۴ ج۱۲)

سود پر رقم قرض لے کر مسجد میں لگانا؟

مسئلہ:۔ جو رقم سود پر قرض لی گئی ہے وہ رقم حرام نہیں ہے، اس کا مسجد کی تعمیر میں لگانا بھی درست ہے، لیکن سود پر رقم لینا سود دینا گناہ ہے، اس سے باز آنا ضروری ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۲۸۲ ج۱۲)

مسئلہ:۔ کسی مسجد کے منتظمین اگر سودی قرض لے کر مسجد کی تعمیر میں لگائیں تو گنہگار ہونگے اور اس کا سود مسجد کے پیسے سے دینگے تو گنہگار بھی ہونگے اور ان پر ضمان بھی عائد ہوگا۔ اس لیے اہلِ خیر حضرات کو دل کھول کر پاک کمائی سے تعمیر مسجد میں حصہ لینا چاہئے۔

(نظام الفتاویٰ ص۳۲۳ جلد۱)

فِلم ایکٹر کی آمدنی مسجد میں لگانا؟

مسئلہ:۔ ناجائز آمدنی کا پیسہ نہ مسجد کے لیے قبول کیا جائے اور نہ مدرسہ کے لیے، اس کا غرباء پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ جو غریب بالغ لڑکے، یا غریب آدمی کے نابالغ لڑکے مدرسہ میں پڑھتے ہیں وہ اس کا مصرف ہیں۔ نیز ایسے لوگوں کے پاس ارا کینِ مدرسہ چندہ لینے کے لیے بالکل نہ جائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۹۸ جلد۱۲)

مسئلہ:۔ حرام اور مشتبہ مال سے مسجد بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۹۹ جلد۶)

مزار کے چندہ سے مسجد کے امام کی تنخواہ؟

سوال:۔ایک مزار ہے اوراس ہی احاطہ میں مسجد بھی ہے،لوگ آتے جاتے مزار کے سامنے جوصندوق رکھاہے،اس میں روپے ڈالتے ہیں، نیز غیر مسلم حضرات بھی، کس کی کیا نیت ہے معلوم نہیں،تو مسجد کے امام ومؤذن کی تنخواہ اس سے دینا درست ہے؟

جواب:۔ظاہر تو یہ ہے کہ روپیہ مسجد ومزار کے تحفظ اور ضروریات کے لیے اس میں ڈالتے ہیں،پس یہ روپیہ دونوں ہی ضروریات میں صرف کرنا درست ہے، بلکہ اگر وہاں پر ایک مکتب بھی قائم کردیا جائے تو مناسب ہوگا، تا کہ مسجد بھی آباد رہے اور صاحبِ مزار کو بھی ثواب ملتا رہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۳ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ زائرین جو پیسہ خادم مزار کو بسلسلہ خدمت وتعلق صاحبِ مزار دیتے ہیں وہ خدام مزار کا ہے،اس کو جبراً مدرسہ کے واسطے لینے کا کسی کو حق نہیں۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۲ جلد ۱۵)

تحفظ مسجد کے لیے مقدمہ کے مصارف مسجد کی رقم سے؟

مسئلہ:۔مسجد کی وقف شدہ زمین میں زبردستی مدرسہ بنانے کا حق نہیں،اگر چہ دینی مدرسہ بنانا اوردینی تعلیم کو عام کرنا بڑے اجر وثواب کی چیز ہے،مگرناحق طریقہ کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے،اس کے لیے متولی سے لڑنا اور تولیت سے الگ کرنا اور مقدمہ لڑنا بہت مذموم اور گناہ ہے۔

اگر اس مقدمہ کی کامیابی میں مسجد کا تحفظ ہے اور اسکی جائیداد کا تحفظ ہے تو متولی کو اسمیں مسجد کا روپیہ (ضرورت کے مطابق ہی) خرچ کرنا درست ہے کہ یہ درحقیقت مسجد ہی کے لیے ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۵ جلد ۱۸)

مسجد کی رقم سے کسی غریب کی مدد کرنا؟

سوال:۔جن مساجد کے پاس کافی روپیہ جمع ہے، وہ غرباء کو قرض دے کران کی حالت سُدھار سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔اس کی اجازت نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۳ ج ۱۸)

بَیعانہ کی رقم مسجد میں لگانا؟

سوال:۔ایک شخص نے متولی سے مسجد کے مکان کا سودا کیا اور کچھ رقم پیشگی بطور بیعانہ کے متولی کو دے دی، اور اس شخص کے پاس روپیہ کا انتظام نہ ہوسکا اور متولی مسجد نے وہ مکان دوسرے کو فروخت کردیا۔اب متولی اس شخص کے وعدہ خلافی کے باعث وہ پیشگی رقم واپس نہیں کرتا، تو کیا وہ روپیہ مسجد کے مصرف میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔اگر کسی وجہ سے بیع کا معاملہ بائع اور مشتری (بیچنے اور خریدنے والے) پورا نہ کرسکیں تو بیعانہ کا واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس کا رکھ لینا ہرگز جائز نہیں ہے لہٰذا متولی کے ذمہ لازم ہے کہ وہ روپیہ جو پیشگی لیا تھا اس شخص کو واپس کردے، ایسے روپیہ کو مسجد میں صرف کرنا بھی جائز نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص۱۶۶ جلد۶)

مسجد کی آمدنی سے تنخواہ وضع کرنا؟

سوال:۔مسجد کا ملازم اگر وہ مسجد کے کام سے غیر حاضر رہے تو ان غیر حاضر ایام یا اوقات کی تنخواہ مسجد کے سرمایہ سے لینے کا حق اس کو ہے یا نہیں؟ یا منتظمہ کو ایسے غیر حاضر ایام کی تنخواہ دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟

جواب:۔منتظمہ کمیٹی کو لازم ہے کہ اس کے لیے چھٹی کا ضابطہ تجویز کردے کہ مثلاً ایک ماہ میں ایک روز یا دو روز یا سال بھر میں پندرہ روز یا ایک ماہ میں (حالات کے مناسب) تم رخصت لے سکتے ہو۔اس کے علاوہ تم غیر حاضر رہے تو تنخواہ وضع ہوگی، مسجد کا روپیہ بے محل خرچ کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص۱۶۷ جلد۱۵)

مسئلہ:۔اگر شروع ملازمت میں امام (وغیرہ) نے یہ طے کررکھا ہے کہ ایام رخصت کی تنخواہ بھی لوں گا یا کمیٹی مسجد نے طے کررکھا ہے تو بلا تکلف و بلا خدشہ رخصت کے ایام کی تنخواہ لینا دینا جائز رہے گا۔اور اگر یہ سب باتیں نہ ہوں تو عرفِ عام میں جتنے دنوں کی رخصت میں تنخواہ دینے کا دستور ہو تو صرف اتنے دنوں کی تنخواہ دینا درست رہے گا۔اور اس سے زیادہ اراکین مسجد کی صواب دید پر موقوف رہے گا۔(نظام الفتاویٰ ص۳۰۲ ج۱)

ایک وقف کی رقم دوسری جگہ خرچ کرنا؟

سوال:۔ یہاں پر الگ الگ اوقاف ہیں لیکن چند آدمیوں نے مل کر تقریباً دس مسجدوں کے اوقاف اکٹھے ایک جگہ کر کے ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنے لگے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ واقف نے جو جائیداد جس مسجد کے لیے جداگانہ وقف کی ہے اس کی آمدنی اسی مسجد میں صرف کی جائے دوسری مسجد میں صرف نہ کی جائے۔

مسئلہ:۔ جب ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں تو پھر مسجد کی آمدنی اسکول میں خرچ کرنا کیسے جائز ہوگا۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں وہ گنہگار ہیں، ان کے ذمہ ضمان لازم ہے، ایسے لوگوں کو اوقاف کا منتظم بنانا بھی درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۶ جلد ۱۵ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۵ جلد ۲)

مسئلہ:۔ مساجد کی وقف رقم یتیم خانہ میں بطور وقف نہیں دے سکتے۔ ایک وقف کے روپے دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں، ممنوع ہیں۔ درمختار میں ہے کہ دو شخص علیحدہ علیحدہ بنائیں یا ایک ہی شخص نے مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لیے جُدا جُدا (الگ الگ) وقف کیے تو قاضی کو حق نہیں ہے کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کرے۔

(درمختار مع شامی ص ۵۱۵ جلد ۳)

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے ضرورت کے وقت غریب حاجتمند وقفوں میں امداد کریں اور کارِ خیر میں خرچ کریں تو واقف کی شرط کے مطابق وقف نامہ جو تحریر ہے اُس کے مطابق وقف کی امداد کرنا اور کارِ خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۵ جلد ۲)

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں صرف کرنا؟

مسئلہ:۔ ایک مسجد کے لیے مخصوص طور پر جو وقف ہو، اس کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے لیکن مسجد کی آبادی کے لیے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی قائم کرنا شرعاً

درست ہے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں سے ہے، دینوی مصالح مسجد میں سے نہیں، اس میں خرچ کرنا درست نہیں۔ دینی تعلیم خواہ قرآن کریم کی تعلیم ہو خواہ مسائل شرعیہ کی تعلیم ہو، اور پھر چاہے عربی زبان میں ہو چاہے اردو میں چاہے گجراتی زبانی میں ہو سب کا ایک ہی حکم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۶ جلد ۱۰)

سُود کا پیسہ مسجد کی روشنی وغیرہ میں خرچ کرنا؟

مسئلہ :۔ ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست نہیں، اگر بجلی کی فٹنگ اور پنکھے میں ناجائز پیسہ لگایا گیا ہے تو جس نے لگایا ہے وہ پنکھا یہاں سے لے جائے اور حلال کمائی سے لگایا جائے، بجلی کی فٹنگ میں تار، میٹر، بلب جو کچھ بھی وہاں موجود ہے اس کو نکال کر جائز آمدنی سے لگایا جائے اور اگر ایسا کرنے میں فتنہ ہو تو مجبوراً یہ صورت کر لی جائے کہ جتنا پیسہ اس میں خرچ ہوا ہے اور وہ پیسہ سود کا تھا تو اتنا پیسہ اصل مالک کو (جس سے سود لیا تھا) اُسی کو واپس کر دیا جائے، اگر اصل مالک معلوم نہ ہو تو اتنا پیسہ غریبوں کو صدقہ کر دیا جائے، لیکن پہلے اس کی تحقیق بھی کر لی جائے کہ اس میں سودی رقم صرف کی گئی ہے (یا نہیں؟) اور جو نمازیں اس روشنی و ہوا میں پڑھی گئی ہیں وہ درست ہوگئیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۶۶ جلد ۱۲)

لاوارث کا مال مسجد میں لگانا؟

مسئلہ :۔ لاوارث کچھ روپیہ وغیرہ چھوڑ کر مرا اور کوئی اس کا وارث بھی نہیں ہے کہ جس پر تقسیم کیا جائے اور نہ مرنے والے نے اپنے مال سے متعلق کوئی وصیت کی اور نہ اس کا دُور نزدیک کا کوئی وارث ہے تو موجودہ حالت میں اس کے ترکہ کو مدرسہ یا مسجد میں صرف کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۷۱ جلد ۱۲ بحوالہ درمختار ص ۴۸۸ جلد ۵ وشامی ص ۸۹ جلد ۲)

مسئلہ :۔ لاوارث شخص مر گیا، اس کے کفن دفن کے لیے چندہ کیا گیا، بعد کفن دفن جو کچھ چندہ بچ گیا اس کو مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں چندہ دینے والوں کی اجازت سے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۷۹ جلد ۱۲)

پٹے پر لی ہوئی زمین پر مسجد بنانا؟

مسئلہ :۔ جب کہ ننانوے سال کے پٹے کی زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ حکومت سے خریدی نہیں ہے، نہ حکومت نے مسلمانوں کو دی ہے کہ اسے وقف کر کے مسجد شرعی بنالیتے، اور حکومت کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے واپس لے لے۔ تو یہ شرعی مسجد نہیں ہے، (بلکہ) عبادت خانہ ہے، جماعت کا ثواب ملے گا، البتہ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۷ جلد ۶ درمختار ص ۵۰۴ جلد ۳)

(لیکن چونکہ مجبوری ہے بغیر پٹے کے زمین ملتی نہیں تو اس لیے ثواب کی امید رکھنی چاہئے)۔

مسئلہ :۔ شرعی مسجد کے تحقق کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جگہ ہمیشہ کے لیے مسجد پر وقف ہو، اگر وہ جگہ کچھ مدت کے لیے پٹہ پر لی (یا کرایہ پر لی) گئی ہے (یا مالک کی اجازت کے بغیر زمین پر غاصبانہ قبضہ کر کے مسجد بنالی ہے) تو وہ شرعی مسجد نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۸ جلد ۶ بحوالہ عالمگیری ص ۲۳۸ جلد ۳ وہدایہ اولین ص ۶۲۴ کتاب الوقف وکفایت المفتی ص ۴۳ جلد ۷)

غیر آباد میدان میں مسجد کا صرف سنگِ بنیاد رکھا؟

مسئلہ :۔ غیر آباد میدان اور جنگل وبیابان میں مسلم آبادی قائم کرنے اور مسلمان کو وہاں بسانے کی غرض سے وسیع قطعۂ زمین خریدا گیا اور مسجد ومدرسہ قائم کرنے کی غرض سے جگہ بھی متعین کردی گئی اور مکانات ورہائش گاہوں کی تعمیرات کا کام بھی شروع ہونے والا تھا اس لیے تبرکاً مسجد کے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی، اور اس کو دس سال کا عرصہ گزر جاتا ہے مگر رہائش گاہیں بنانے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے میں کامیاب نہ ہوسکے اور نہ اس کی توقع ہے ان حالات میں صرف سنگِ بنیاد رکھنے پر جبکہ وہاں نہ اذان ہوئی اور نہ نماز پڑھی گئی اور نہ مسجد بننے اور اس کے آباد ہونے کے آثار وقرائن پائے جاتے ہیں، نہ قرب وجوار میں چھوٹی بڑی کوئی مسلم آبادی ہے، نہ اس کی مسلمانوں کو حاجت ہے، للہذا شرعی مسجد کے احکام (اس سنگ بنیاد پر) جاری نہ ہونگے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۷ جلد ۶ بحوالہ عالمگیری ص ۲۱۴ ج ۶ کتاب الکراہیہ)

مشترکہ زمین میں مسجد بنانا؟

مسئلہ:۔ اگر مشترکہ زمین میں سب مالکوں کی اجازت سے مسجد بنائی گئی تو نماز جائز ہے۔ اور یہ کوشش کرنا کہ کسی ایک مسجد میں نماز نہ ہو، گناہ ہے، اور اگر نئی مسجد سب مالکوں کی اجازت کے بغیر بنی ہے تو جب تک سب مالک اجازت نہ دیں، اس میں نماز نہ پڑھی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۶ جلد ۶)

مسجد کی زمین پر قبضہ کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر وہ مسجد کے لیے وقف ہے تو اس پر مالکانہ قبضہ اور غصب حرام ہے، اس قبضہ کو ہٹا کر مسجد کے قبضہ میں دینا ضروری ہے، پھر اس کی چہار دیواری بنا کر حسب مصالح مسجد کے کام میں لائیں تاکہ آئندہ ایسی نوبت نہ آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۸۲ جلد ۱۲)

مسجد کی زمین میں کرایہ دار کے لیے دوکان بنانا؟

سوال:۔ ایک جگہ مسجد کی ہے اس میں کوئی دوسرا شخص دوکان بنالے اور مسجد کو سالانہ کچھ رقم مقرر کردے بعد وصولی رقم دوکان مسجد کی ہوجائے گی، کیا یہ درست ہے؟

جواب:۔ اس کی صورت اس طرح کرلی جائے کہ مسجد کی زمین اس شخص کو کرایہ پر دیدی جائے اور کرایہ پیشگی لے کر اس سے دوکان بنوادی جائے اور جب دوکان مکمل ہوجائے تو وہ کرایہ دار کے حوالہ کردی جائے، اس طرح وہ دوکان مسجد کی ہوجائے گی اور کرایہ دار کو اتنی مدت استعمال کا حق ہوگا جس کا وہ کرایہ پیشگی ادا کرچکا ہے۔ (کرایہ دار مناسب ہو تو دکان کی توسیع بھی کرسکتے ہیں)۔

یہ بھی درست ہے کہ خالی زمین دے دی جائے جس کا کرایہ مسجد کو وہ ادا کرتا ہے اور کرایہ دار خود اس میں تعمیر کرلے، پھر جب مدت کرایہ داری ختم ہوجائے تو اپنی تعمیر ہٹالے، زمین مسجد کو دے دے، یا بعینہٖ تعمیر ہی مسجد کو دے دے۔ (جو خرچہ تعمیر میں ہوا وہ مسجد سے وصول کرلے)۔ خالی زمین کرایہ پر دیتے وقت یہ شرط نہ کی جائے کہ اس زمین کا کرایہ یہ ہے کہ اس پر دوکان تعمیر کرے اتنی مدت بعد وہ تعمیر مسجد کو دیدے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۸۴ جلد ۱۲)

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد کے لیے قرض دینا؟

سوال:۔ ہمارے گاؤں کے مساجد کے ٹرسٹ الگ الگ ہیں۔ ایک مسجد میں بالکل پیسہ نہیں ہے تو کیا دوسری مسجد کے وقف سے اس کا خرچ چلا سکتے ہیں یا قرض لے سکتے ہیں؟

جواب:۔ متولی باہمی مشورہ سے ایک وقف سے دوسرے وقف کو بطورِ قرض حسبِ ضرورت رقم دے سکتے ہیں، پھر اس کی واپسی ضروری ہے، اور یہ اس وقت ہے جبکہ متولی مشترک ہو، یا کوئی منتظمہ کمیٹی مشترک ہو، وہ سب اوقاف کا انتظام کرتی ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۳ جلد ۱۸ بحوالہ ردالمختار ص ۵۷ جلد ۲)

زمین کے کچھ حصہ پر مسجد کی نیت کرنا؟

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی زمین کے کچھ حصہ پر مسجد کی نیت کی اور عبادت خانہ کی صورت میں احاطہ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی، مگر اسکا دروازہ اپنی طرف ہی رکھا ابھی کوئی راستہ الگ نہیں کیا تو شرعاً مسجد ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر وہاں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور اذان و جماعت ہونے لگی اور آنے جانے کا ایسا راستہ موجود ہے کہ رکاوٹ نہیں تو وہ شرعاً مسجد بن گئی ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۴ جلد ۱۸ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۲ جلد......)

مسئلہ :۔ وقفِ تام ہو جانے کے بعد اس کو منسوخ کرنے کا حق نہیں، نہ اس میں کسی قسم کے مالکانہ تصرف کا حق رہا، یعنی واقف نہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ اس کو ہبہ کر سکتا ہے اور نہ اس کی وصیت کر سکتا ہے، نہ اس کو رہن رکھ سکتا ہے۔

(یعنی وقف لِوجہ اللہ کرنے کے بعد واقف اس چیز کا مالک نہیں رہا، اس لیے اس کے اختیارات ختم ہو گئے ہیں۔ (رفعت قاسمی غفرلہٗ)

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرانا؟

سوال:۔ ایک غیر مسلم کارخانہ دار نے کارخانہ میں مسجد تعمیر کروائی، مسلمان چھ سات سال تک اس میں نماز ادا کرتے رہے، پھر غیر مسلم مالک نے کارخانہ کو مسلمان کے

ہاتھ فروخت کر دیا، اس کے بعد بھی ساتھ آٹھ سال تک اس میں نماز باجماعت ادا کی جاتی رہی، لیکن اب مسلمان کارخانہ دار کہتا ہے کہ میں مسجد یہاں سے ہٹا کر دوسرے کنارے پر بناؤں گا اور یہاں پر ذاتی عمارت بنانا چاہتا ہوں، کیا اس کا یہ اقدام درست ہے؟

جواب:۔ غیر مسلم اگر ثواب کا کام سمجھ کر وقف کرے تو اس کا وقف صحیح ہے، یہاں پر بھی ظاہر یہی ہے کہ اس نے نیکی سمجھ کر ہی یہ مسجد تعمیر کروائی ہے، لہٰذا مسجد شرعی بن گئی، اب مسلمان کارخانہ دار کو اسے ہٹانا جائز نہیں ہے۔ اگر غیر مسلم کا وقف صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو بھی مسلمان کارخانہ دار کے سامنے سات آٹھ ماہ مسلسل اس جگہ نماز باجماعت ہوتی رہی اور وہ خاموش رہا، یہ خاموشی بھی دلیل رضا ہے، لہٰذا خود اس کی رضاء سے بھی یہ شرعی مسجد قرار پائی، اب اس کو ہٹانا جائز نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۵۲ جلد ۶)

(اگر کارخانہ میں نماز کے لیے ویسے ہی کوئی جگہ الگ کر دی جیسا کہ گھروں میں عام طور پر نماز کے لیے الگ کوئی جگہ چبوترہ وغیرہ بنالیا کرتے ہیں، باقاعدہ مسجد کی نیت نہیں ہوتی، پھر تو مالک کو حق ملکیت پہنچتی ہے، اس کو اختیار ہے کہ وہ جگہ نماز کے لیے باقی رکھے یا ختم کر دے یا دوسری کوئی جگہ الگ بنائے۔ (رفعت)

مسئلہ:۔ اگر کافر ثواب کی نیت سے مسجد تعمیر کرائے تو جائز ہے، البتہ اگر اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار کا افتخار و اظہار کا اندیشہ ہو تو ان کے اس عمل کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا۔

(احسن الفتاویٰ ص ۴۴۰ جلد ۶)

غیر مسلم کا مسجد کے لیے زمین وقف کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر غیر مسلم کے نزدیک مسجد بنانا نیک کام ہے اس لیے اس نے چندہ دیا یا زمین وقف کی ہے تو درست ہے، وہاں مسجد بنالی جائے اور وہ پیسہ بھی مسجد میں لگا دیا جائے، شامی میں وقف غیر مسلم کی بحث موجود ہے جس کا حاصل وہی ہے جو یہاں پر لکھا گیا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹۵ ج ۱۲)

مقبوضہ سرکاری زمین پر مسجد؟

سوال:۔عرصہ دراز سے ایک سرکاری زمین پر ایک خاندان قابض ہے، مگر سالانہ کرایہ سرکار کو ادا کرتے ہیں، کچھ عرصہ پہلے اس خاندان نے اسی زمین کا کچھ حصہ برائے مکتب ومسجد وقف کردیا ہے، حکومت نے اعتراض کیا مگر جب مسجد کا نام سنا تو اجازت دیدی اور زمین کی ایک حد مقرر کردی۔ اب مسجد بن گئی اور چھ سال سے نماز ہوری ہے، تو کیا یہ مسجد شرعی ہے؟

جواب:۔یہ سب زمین مِلک سرکار تھی، جن لوگوں کے تصرف میں تھی، ان کی مملوک نہیں تھی، وہ اس کا کرایہ ادا کرتے تھے، ان کو وقف کرنے اور مسجد ومکتب بنانے کا حق نہیں تھا، لیکن جب سرکار کی طرف سے مکتب ومسجد بنانے کی اجازت ہے، پھر سرکار اس کو خالی نہ کرائے گی اور نہ کرایہ وصول کرے گی، تو اس اجازت کے بعد حسبِ صوابدید مصلحتِ مسجد ومکتب کے لیے جگہ متعین کر کے تعمیر درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۴ ج ۱۸)

مسجد کے پلاٹ کا تبادلہ کرنا؟

سوال:۔ایک شخص نے مسجد سے دور ایک مکان کی جگہ (پلاٹ) وقف کی ہے اور وقف کرنے والا صاحب خیر وفات پا گیا، اس وقف شدہ پلاٹ کو جو مسجد سے دور ہے اس کے بدلہ میں مسجد کے قریب کوئی مکان مل جائے تو اس طرح مکان کا بدلنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب:۔واقف نے اگر استبدال کی اجازت دی ہو تب تو بدلنا بلا تکلف جائز ہے، اور اگر واقف نے استبدال کے متعلق کوئی وضاحت نہ کی ہو تو متولیان مسجد کا استبدال سے کیا مقصد ہے؟ اگر موجودہ جگہ سے مسجد کے لیے آمدنی ہوتی ہو اور متولیانِ مسجد زائد آمدنی کے لیے جگہ بدلنا چاہتے ہوں تب تو بدلنا جائز نہیں ہے، اور اگر اس خالی پلاٹ سے فی الحال کوئی آمدنی نہ ہو اور استبدال صرف مسجد کے مفاد کے لیے ہو مثلاً مسجد کے قریب جگہ ہوگی تو وسیع مسجد بنا سکیں گے، یا وہ جگہ محفوظ رکھیں گے اور آئندہ توسیع کے کام آسکے گی یا اس جگہ سے متعلق وضو خانہ، پیشاب خانہ یا امام صاحب کا کمرہ بنانا مقصود ہو تو استبدال کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۴ ج ۱۰ و فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۲ جلد ۱۸)

مسجد کے وقف مکان کو بیچنا؟

مسئلہ :۔ جو مکان مسجد کے لیے وقف ہو، اس کو فروخت کرنے کے لیے سنی سینٹرل بورڈ کی اجازت کافی نہیں۔ وقف شدہ مکان کی بیچنے کا حق نہیں ہے۔ (اگر متولی نے وقف بورڈ سے اجازت لے کر بیچ دیا تو متولی صاحب سے مطالبہ کیا جائے کہ اس کو کیوں فروخت کیا، یہ تو فروخت کے قابل نہیں ہے اور بیع کو فسخ کر کے حسبِ سابق مکان کو وقف کر دیا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۲ جلد ۱۵)

مغصوبہ زمین پر مسجد بنانا؟

مسئلہ :۔ دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت مالک کے مسجد بنانا جائز نہیں ہے اور اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ نیز دوسرے کی زمین پر مسجد کے لیے دوکان بنانا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں خرچ کرنا بھی ناجائز ہے، خواہ مسلم کی زمین ہو یا غیر مسلم کی، بلکہ غیر مسلم کی زمین میں بغیر اجازت تصرف کرنا اور بھی زیادہ گناہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۸ جلد ۶)

بلاضرورت مسجد کو منہدم کرنا؟

مسئلہ :۔ جو مسجد کہ شرعاً مسجد بن چکی ہو اسکو بلاضرورت شدیدہ مثلاً جگہ کی تنگی و کہنگی کی وجہ سے توڑ کر از سرِ نو تعمیر کرنا جائز ہے، لیکن ویران کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔

اگر متولی نے واقعی اغراضِ دنیویہ کی وجہ سے دوسری مسجد بنوائی ہے اور پہلی مسجد کو ویران کرنا مقصود تھا اور للّٰہیت مقصود نہ تھی تو یہ مسجد ضرار کے ساتھ لاحق ہے البتہ اگر وہ مسجد حلال مال سے بنائی گئی ہے اور شرعی طور پر وقف ہو چکی ہے تو نماز پڑھنا اس میں درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۶ جلد ۶ و ص ۲۸۰ جلد ۱۲)

مسئلہ :۔ دوسری مسجد جبکہ ضرورت کی وجہ سے بنائی گئی ہے اور مالکِ زمین نے بخوشی وہ جگہ مسجد کے لیے دے دی اور اس پر باقاعدہ نماز و جماعت ہونے لگی اور مالکِ اصلی کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں رہا تو وہ شرعی مسجد بن گئی وہ مسجد ضرار کے حکم میں داخل نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۸ جلد ۶)

مسجد کی زمین کو امام نے اپنے نام کرالیا تو؟

مسئلہ :۔ اگر وہ زمین وقف ہے تو اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ جائز نہیں، بلکہ غصب ہے، امام کے ذمہ ضروری ہے کہ فوراً یہ مالکانہ قبضہ اُٹھالیں اور زمین مسجد کے نام کردیں، ورنہ آخرت میں بازپُرس ہوگی اور (ایسے) امام صاحب کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی اور وہ امامت سے الگ کیے جانے کے قابل ہونگے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۱ جلد ۱۵)

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین میں اسکول یا قبرستان بنانا؟

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی زمین مسجد کے نام ہبہ کردی، اس کی زندگی میں جامع مسجد بنادی گئی، باقی حصہ اسی وقت سے بطور صحن کے استعمال ہوتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کے انتقال کے بعد اس صحن کو اسکول یا قبرستان کے لیے وارثین بانی مسجد یا متولی یا نمازیوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ ناجائز ہے، جس کام کے لیے واقف نے وہ قطعہ زمین وقف کیا ہے اس کے خلاف استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور اس کو اور دیگر نمازیان وغیرہ کسی کو بھی شرعاً یہ حق نہیں ہے کہ واقف کی غرض کے خلاف کسی دوسرے کام میں اس وقف کو صرف کریں یا منتقل کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۰ جلد ۶)

طوائف کا زمین کا مسجد کے لیے وقف کرنا؟

مسئلہ :۔ اگر وہ زمین حرام آمدنی کی اور فعل حرام کے عوض کی نہیں ہے تو اس کا وقف کرنا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۲ ج ۱۵، کفایت المفتی ص ۸۷ ج ۷)

جو جگہ مدرسہ کی نیت سے خریدی اس کو مسجد کے لیے وقف کرنا؟

مسئلہ :۔ مدرسہ یا انجمن کی نیت سے خریدنے کے بعد بھی وہ جگہ خریدار کی ملک میں ہے،

محض نیت سے مدرسہ یا انجمن پر وقف نہیں ہوئی۔اب اگر اس (خریدار مالک) کے نزدیک مسجد کے لیے وقف کرنا زیادہ مفید ہو تو مسجد کے لیے وقف کردینے کا اس کو حق ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۳۵ جلد ۱۵)

مدرسہ کی عمارت پر مسجد بنانا؟

سوال:۔ ایک شخص نے مدرسہ کی عمارت میں اوپر کی منزل پر مسجد بنوائی ہے کہ محلّہ کی مسجد میں لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ طلباء شور و پکار کرتے ہیں، کیا یہ شرعاً مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ شرعی مسجد نہیں ہے جبکہ تحتانی (نیچے کی) منزل مدرسہ کی ہے۔ یہاں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ہوگا۔مگر نماز ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۸۹ جلد ۱۵)

مسجد کے باہر افتادہ زمین پر دوکانیں بنانا؟

مسئلہ:۔ مسجد کے قریب کچھ جگہ عامۃً مصالح مسجد کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے، ایسا ہی حال اس جگہ کا معلوم ہوتا ہے (کہ مسجد کے باہر کنواں وغیرہ تھا) خاص کر جب کوئی اس کی ملکیت کا مدعی بھی نہیں، تو ایسی حالت میں اس جگہ پر مصالح مسجد کے لیے متفقہ رائے سے دوکانیں وغیرہ بنا دینا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۸ جلد ۱۷)

مسئلہ:۔ مسجد کی زمین امام یا مؤذن کی تنخواہ میں بونے کے لیے دینا، اس معاملہ پر امام یا مؤذن رضامند ہو جائیں اور مسجد کو نقصان نہ ہو تو یہ بھی درست ہے (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۰ ج ۱۷)

مصالح مسجد کے لیے دی گئی زمین کو فروخت کرنا؟

مسئلہ:۔ جو زمین (مسجد کے لیے) وقف کر دی گئی ہے، اس کو فروخت کرنے کا حق نہیں، نہ متولی کو نہ واقف کو، نہ واقف کے ورثاء کو، جو زمین مصالح مسجد کے لیے دی گئی اس کو تعمیرِ مسجد کے لیے متولی واقف، (واقف نہ ہو تو اس کے ورثاء) اور اہلِ محلّہ سب باہمی مشورہ سے فروخت کرنا چاہیں تو اس کی اجازت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۰ جلد ۱۸ بحوالہ درمختار ص ۳۶۷ جلد ۳)

مسجد کے نام وقف زمین کوتبدیل کرنا؟

سوال:۔ایک زمین مسجد کے نام وقف ہے جومسجد سے الگ کچھ فاصلہ پر ہے، مسجد کواس سے فائدہ کی کوئی صورت نہیں ہے، ایک صاحب کومکان بنانے کے لیے اس زمین کی ضرورت ہے اوروہ صاحب، زراعت والی زمین اس کے بدلہ میں دوگنی مسجد کودے رہے ہیں، اس سے مسجد کی آمدنی بڑھ جائے گی تو یہ تبدیلی شرعاً جائز ہے یانہیں؟ نیز زائدزمین لیناسُود تونہیں؟

جواب:۔اگراس زمین سے مسجدکونفع حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں تو تبدیل کرنااورنفع والی زمین مسجد کیلئے حاصل کرنادرست ہے، اس زمین کے زائد ہونے کی وجہ سے سُود نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص۳۴۶ جلد ۱۸)

سرکاری زمین پربغیراجازت مسجد بنانا؟

سوال:۔ ہمارامکان لبِ سڑک ہے، اس کے سامنے ہماراصحن ہے جوکہ گورنمنٹ کی زمین کہی جاتی ہے اورنشاندہی کی وجہ سے حکومت کی زمین کہی جاتی ہے، اس زمین ہم نے مسجد کی بنیادڈال دی ہے جوابھی تک چبوترہ کی شکل میں ہے جس میں پانچوں وقت نماز باجماعت ہورہی ہے، تواس زمین کومسجد بنانا کیسا ہے؟

جواب:۔جبکہ وہ زمین حکومت کی ملک ہے اوراسکی حدود میں ہے تو مسجد بنانے کے لیے گورنمنٹ سے باقاعدہ اجازت حاصل کرلی جائے۔ بلااجازت مسجد بنانے میں خطرہ واندیشہ ہے شرعاً بھی، قانوناً بھی۔(فتاویٰ محمودیہ ص۱۹۷ جلد ۱۰)

مسئلہ:۔ بحالت موجودہ (سرکاری زمین پربغیراجازت کے مسجد بنائی گئی تواجازت حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ) اس عبادت گاہ کااحترام مسجد ہی کی طرح کیاجائے گااوراس میں کوئی کام خلاف احترام مسجد نہ کیاجائے۔ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں نمازپڑھنے کا ثواب بھی مسجد ہی کاملے گا۔(فتاویٰ محمودیہ ص۱۹۹ جلد ۱۰)

مسئلہ:۔غصب شدہ جگہ پرمسجد تونہیں بن سکتی ہے، جب تک مالک سے اس کی اجازت نہ

لے لی جائے، نیز حکومت کے کسی دفتر یا ادارہ پر قبضہ کرکے اس کو مسجد میں شامل کرنا بھی (یعنی مسجد بنادینا) غصب ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۱۳۴ ج ۳)

مسئلہ:۔ بلا اجازت غیر مسلم کی جگہ پر مسجد و مدرسہ بنانا صحیح نہیں، اگر بنالیا تو اس غیر مسلم (مالک) کو حق ہے کہ اپنی زمین سے مسجد اور مدرسہ اٹھادے، اگر مسلمان مسجد و مدرسہ کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو غیر مسلم کو اس کی قیمت دے کر رضامندی سے خریدلیں۔

(آپ کے مسائل ص ۱۳۴ جلد ۳ و نظام الفتاویٰ س ۳۱۱ جلد ۱)

افتادہ زمین پر مسجد بنانا؟

سوال:۔ ایک تالاب دھوبیوں کو الاٹ کیا گیا، تالاب کے پاس کچھ افتادہ زمین ہے ہم نے اس پر چھت ڈال رکھی ہے اور پانچویں وقت کی نماز اس میں پڑھتے ہیں۔ حکومت کے کاغذات میں بھی یہ جگہ مسجد ہی لکھی ہے، کچھ لوگ اس کو ناجائز بتلاتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ اگر وہ زمین کسی خاص شخص کی ملک نہیں بلکہ افتادہ ملک سرکار ہے۔ اور سب کی اجازت اور رضامندی سے وہاں پر اذان و جماعت ہورہی ہے اور سرکار نے اس کو مسجد تسلیم کرلیا ہے تو اس زمین کو غصب کہنا درست نہیں۔ جو شخص اس کے مسجد ہونے میں رکاوٹ ڈالتا ہے وہ غلطی پر ہے، اس کو ایسا کرنا نہیں چاہئے مسلمان وہاں باقاعدہ مسجد بنالیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۱ جلد ۱۸)

مدرسہ کے لیے مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا؟

سوال:۔ کیا مسجد کی زمین پر مسجد کے روپے سے تعمیر کرکے بلا کسی معاوضہ کے مدرسہ کے تصرف میں لینا جائز ہے؟

جواب:۔ مسجد کی زمین پر مسجد کے روپے سے عمارت تعمیر کرکے بلا کسی معاوضہ کے مدرسہ کے تصرف میں لانا جائز نہیں، مدرسہ کے فنڈ سے جداگانہ تعمیر کی جائے، مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا ہو تو مشورہ کے بعد اس کا کرایہ مقرر کرکے تعمیر کریں۔ زمین مسجد کی رہے اور تعمیر مدرسہ کی رہے، اور زمین کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے مسجد کو دیا جائے۔ یا تعمیر بھی مسجد کے

روپے سے ہوتو پھر وہ تعمیر بھی مسجد ہی کی ہوگی اور مدرسہ کرایہ دیتا رہے گا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۷ جلد ۴)

گھر کو مسجد بنادینا؟

سوال:۔زید نے اپنے ذاتی مکان کے بارے میں عام مسلمانوں کے روبرو عدالت میں اقرارنامہ بنواکر دیا ہے کہ اس وقت سے ہمیشہ کے لیے عام طور پر میرے مکان کے اندر باجماعت نماز پنج وقتہ پڑھنے کا حق ہے اور میری بیوی جب تک زندہ ہے مکان کے اس کونہ میں رہے گی، بقیہ تمام مکان پر کل مسلمانوں کا حق رہے گا۔ چنانچہ عام مسلمان پنج وقتہ نماز اس مکان میں جاکر ادا کرتے رہے۔ زید کے انتقال کے بعد اس کی بیوی اور اس کے بعض اعزاء نماز پڑھنے میں حائل ہیں اور اس کو اپنا مکان بنا کر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ کیا حکم ہے؟

جواب:۔زید نے بحالتِ صحت وتندرستی اس مکان کو مسجد بنادیا اور اس کا راستہ بھی الگ کرکے اس سے اپنا قبضہ ہٹالیا اور عام مسلمانوں کو اجازت دے دی، اور انہوں نے باقاعدہ اس میں اذان وجماعت شروع کردی تو شرعاً وہ مسجد بن گئی۔ اب زید کی بیوی یا کسی اور کا اس پر حق نہیں رہا، جو دعویٰ کرے وہ لغو اور باطل ہے، اگر مرض الموت کی حالت میں اس مکان کو مسجد بنالیا تو وہ وصیت کے حکم میں ہے اور ایک تہائی میں وصیت جاری ہوگی اور دو تہائی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۴ جلد ۶ بحوالہ عالمگیری ص ۴۲۸ جلد ۴)

مسئلہ:۔مسجد کسی کی مِلک نہیں ہوتی (جو محلّہ والے محلّہ کی مسجد کو اپنی ملکیت سمجھتے ہوں تو) اور کسی کے سمجھنے سے اسمیں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ پس نماز اسمیں صحیح ہے اور ثواب مسجد کا حاصل ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۴۹ جلد ۴ بحوالہ ردالمحتار ص ۵۱۰ ج ۳)

جب مالک کی اجازت سے اذان و جماعت ہونے لگے تو وہ مسجد بن گئی

سوال:۔زید کی مملوکہ زمین میں باجازتِ زید عام قوم نے اپنے چندہ سے مسجد کی تعمیر کرادی، چندسال تک اس میں نماز باجماعت ہوتی رہی، اب زید کہتا ہے کہ میں نے

وقف نہیں کیا، خواہ میں کسی کونماز پڑھنے دوں یا نہ پڑھنے دوں اور مسجد بند کردوں۔ کیا اس کونمازیوں کومسجد کے اندر نماز پڑھنے یا روکنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جب زید کی اجازت سے مسجد بنائی گئی ہے اور اس میں نماز جماعت کے ساتھ ہوتی رہی اور پھر بھی زید نے منع نہیں کیا تو شرعاً وہ مسجد بن گئی، اب زید کوحق نہیں کہ وہ کسی کونماز پڑھنے سے روکے یا اس کو بند کرے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۰ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۶۸۶ جلد ۱)

مسئلہ:۔ جب کہ مسجد بنائی اور زبانی وقف کر کے لوگوں کونماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور وہاں اذان و جماعت ہونے لگی اور اپنی ملک سے اس مسجد کا راستہ وغیرہ الگ کردیا تو وہ بالاتفاق شرعی مسجد بن گئی، اگرچہ تحریرِ وقف نامہ کی نوبت نہ آئی ہو، وہاں نماز دوسری مسجدوں کی طرح بلا تامل درست ہے، واقف کے ورثاء کو اس میں کوئی ایسا تصرف درست نہیں جو وقف کے خلاف ہو، اور بطور وراثت مِلک کا دعویٰ کرنا غلط ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۳ جلد ۱۰)

مسئلہ:۔ کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لیے یہ باتیں ضروری نہیں:۔

(۱) واقف نے جو صحیح طور پر زمین کا مالک تھا اور وقف کرنے کا شرعی اختیار رکھتا تھا اس کو مسجد کے لیے وقف کیا ہو خواہ وہ زمین عمارت سے خالی ہو یا عمارت ہو۔

(۲) اسکو اپنی مِلک سے ایسی طرح پر علیحدہ کردیا ہو کہ کسی دوسرے شخص کا یا واقف کا کوئی حق متعلق نہ رہے۔

(۳) وقف کر کے اس کو متولی کے سپرد کردیا ہو یا واقف کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ بھی نمازِ باجماعت ہوگئی ہو۔ جس زمین یا عمارت میں یہ باتیں متحقق ہوجائیں وہ مسجد ہوجائے گی۔ ان میں سے پہلی بات یعنی مسجدیت کے لیے وقف کرنا وقف کی نیت سے متعلق ہے، اگر نیت کی تصریح موجود ہو جب تو کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر تصریح نہ ہو تو پھر قرائن سے اس کی نوعیت متعین کی جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۵۲ جلد ۳)

مسجد کا نقشہ غیر مسلم سے تیار کرانا؟

مسئلہ :۔ مساجد سے متعلق جو خدمات ہوں، وہ مسلمان سے لینا بہتر ہیں، خاص کر جب اندیشہ ہو کہ اگر غیر مسلم سے خدمات لی گئیں تو وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائیں گے، یا کوئی دینی مفسدہ ہو، چنانچہ مساجد کے لیے کفار کے چندہ کے سلسلہ میں یہ ہے کہ غیر مسلم چندہ دینے والا اپنے اعتقاد کے اعتبار سے چندہ دینے کو قربت سمجھتا ہو تو اس کا چندہ لیا جا سکتا ہے، لیکن اگر یہ احتمال ہو کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائے گا تو اس وقت بہتر یہ ہے کہ ان کا چندہ نہ لیا جائے۔

لیکن صورت مسئولہ میں جب کہ مسلمان آرکیٹکٹ (ماہرِ تعمیرات) استطاعت سے زائد حق المحنت طلب کر رہا ہے اور غیر مسلم مناسب اجرت پر کام کرنے پر تیار ہے تو چونکہ غیر مسلم کو اجرت دے کر اس سے کام لیا جا رہا ہے تو وہ بمنزلہ ایک ملازم کے ہوا جس سے یہ احتمال ختم ہو جاتا ہے کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائے گا، ان حالات میں غیر مسلم ماہرِ تعمیرات سے نقشہ وغیرہ کی خدمت لی جا سکتی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۲ جلد ۱۰ بحوالہ امداد الفتاویٰ ص ۲۹۰ جلد ۲)

غیر مسلم سے مسجد کی بنیاد رکھوانا؟

مسئلہ :۔ غیر مسلم اگر معمار ہو یا انجینئر ہو اور سمت سے خوب واقف ہو اور اسلام کی تقریب یا اعزاز کی نیت ہو، اس سے بنیاد مسجد کی رکھوانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۲ جلد ۱۸)

مسجد کی بنیاد رکھتے وقت کی دُعا

(ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم) (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۶ جلد ۱)

(لیکن مناسب یہ ہی ہے کہ مسلمان متقی پرہیز گار ہی مسجد کی بنیاد رکھیں، یعنی مسجد کی نیو کھود کر پہلی اینٹ جو رکھیں وہ اس کے اہل ہوں، اور یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی دعاء قرآنی جو کہ خانۂ کعبہ تعمیر کرتے ہوئے پڑھتے رہے، زبان سے ادا کریں (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

کیا مسجد کی بنیاد رکھتے ہی مسجد کا حکم ہوگا؟

سوال:۔ مسجد کی پوری عمارت تعمیر ہونے کے بعد مسجد کہا جائے گا یا صرف بنیاد کا پڑنا ہی کافی ہے، اگر بنیاد ہی کافی ہے تو ایسی مساجد میں جن کی صرف بنیاد ہی پڑی ہو، اس میں وضوء کرنا، غسل کرنا، جانوروں کو چرانا یا معماروں کا بیڑی سگریٹ پینا کیسا ہے؟

جواب:۔ جس کی وہ زمین ہے اگر اس نے مسجد بنانے سے پہلے لوگوں کو وہاں اذان، نماز، جماعت کی اجازت دے دی اور یہ نیت کرلی کہ یہاں ہمیشہ اذان، نماز، جماعت، ہوا کرے گی اور اسکو مسجد قرار دے دیا تو وہ شرعی مسجد بن گئی، اب جو چیزیں مسجد میں منع ہیں وہاں بھی منع ہیں، مسجد کا پورا احترام لازم ہے۔ (عالمگیری ص ۳۳۸ جلد ۳)

اور اگر ایسا نہیں کیا ہے بلکہ نیت یہ ہے کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد اذان، نماز، جماعت شروع کی جائے گی اور اسی وقت اس کو مسجد قرار دیا جائے گا تو اس پر مسجد کا حکم تکمیل عمارت کے بعد جاری ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۹۸ جلد اول، وآپ کے مسائل ص ۱۵۵ جلد ۳)

مساجد کی حدود واضح ہونی چاہئیں

بعض مساجد میں تو ضروریات مسجد والا حصہ اصل مسجد سے بالکل الگ اور ممتاز ہوتا ہے، جس کی پہچان مشکل نہیں ہوتی، لیکن بعض مساجد میں یہ حصہ اصل مسجد سے اس طرح متصل (ملا ہوا) ہوتا ہے کہ ہر شخص اسے نہیں پہچان سکتا جب تک بانی مسجد صراحتہً نہ بتائے کہ یہ حصہ مسجد نہیں ہے اس وقت تک اس کا پتہ نہیں چلتا۔

لہٰذا جب کسی شخص کا کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کا ارادہ ہو تو اسے سب پہلے کام یہ کرنا چاہئے کہ مسجد کے بانی یا اس کی متولی سے مسجد کی ٹھیک ٹھیک حدود معلوم کرے، اور مسجد والوں کو بھی چاہئے کہ وہ مسجد کی حدود کو حتی الامکان واضح اور ممتاز رکھیں، اور بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں ایک نقشہ مرتب کر کے لٹکا دیا جائے، جس میں حدود واضح کردی گئی ہوں، ورنہ کم از کم بیسویں روزے کو جب معتکفین حضرات مسجد میں جمع ہو جائیں تو انہیں زبانی طور پر سمجھا دیا جائے کہ مسجد کی حدود کہاں سے کہاں تک ہیں۔

جن مسجدوں میں وضوخانے اصل مسجد سے بالکل متصل ہوتے ہیں، وہاں عام طور سے لوگ وضوخانوں کو بھی مسجد کا حصہ سمجھتے ہیں اور اعتکاف کی حالت میں وہاں پر بے کھٹکے آتے جاتے رہتے ہیں، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس طرح سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، وضوخانے مسجد کا حصہ نہیں ہوتے، اور معتکف کے لیے وہاں شرعی ضرورت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے، لہٰذا اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے منتظمین مسجد کی مدد سے واضح طور پر یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ مسجد کی حدود کہاں ختم ہوگئی ہیں اور وضوخانے کے حدود کہاں سے شروع ہوتی ہیں۔ اسی طرح مسجد کی سیڑھیاں جن پر چڑھ کر لوگ مسجد میں داخل ہوتے ہیں وہ بھی عموماً مسجد سے خارج ہوتی ہیں، اس لیے معتکف کو شرعی ضرورت کے بغیر وہاں جانا بھی جائز نہیں ہے۔ بعض مساجد کے صحن میں جو حوض بنا ہوتا ہے وہ بھی مسجد سے خارج ہوتا ہے لہٰذا اس کے بارے میں بھی یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ حوض کے قریب مسجد کی حدود کہاں تک ہیں؟ اور حوض کی حدود کہاں سے شروع ہوتی ہیں؟

جن مساجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ الگ بنی ہوتی ہے وہ بھی مسجد سے خارج ہوتی ہے، معتکف کو وہاں جانا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض مساجد میں امام کی رہائش کے لیے مسجد کے ساتھ ہی کمر بنا ہوتا ہے، یہ کمرہ بھی مسجد سے خاج ہوتا ہے، اس میں معتکف کو جانا جائز نہیں ہے۔

بعض مسجدوں میں ایسا کمرہ امام کی رہائش کے لیے تو نہیں ہوتا، لیکن امام کی تنہائی کی ضرویات کے لیے بنایا جاتا ہے، اس کمرہ کو بھی جب تک بانی مسجد نے مسجد قرار نہ دیا ہو اس وقت تک اسے مسجد نہیں سمجھا جائے گا۔ اور معتکف کو اس میں بھی جانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر بانی مسجد نے اس کے مسجد ہونے کی نیت کر لی ہو تو پھر معتکف اس میں جا سکتا ہے۔

بعض مساجد میں اصل مسجد کے بالکل ساتھ بچوں کو پڑھانے کے لیے جگہ بنائی جاتی ہے، اس جگہ کو بھی جب تک بانی مسجد نے مسجد قرار نہ دیا ہو اس وقت تک معتکف کے لیے اس میں جانا جائز نہیں ہے۔

بعض مسجدوں میں مسجد کی دریاں، صفیں، چٹائیاں اور دیگر سامان رکھنے کے لیے

الگ کمرہ یا کوئی جگہ بنائی جاتی ہے، اس جگہ کا حکم بھی یہی ہے کہ جب تک بنانے والے (بانی مسجد) مسجد نے اسے مسجد قرار نہ دیا ہو، یہ جگہ مسجد نہیں ہے اور معتکف اس میں نہیں جا سکتا۔

اس تفصیل سے واضح ہوا ہوگا کہ اعتکاف کرنے کے لیے مسجد کی حدود کو معین کرنا کس قدر ضروری ہے، لہٰذا معتکف کو اعتکاف شروع کرنے سے پہلے منتظمین مسجد سے حدودِ مسجد کو اچھی طرح معین کرالیں، پھر جب مسجد کی حدود معلوم ہو جائیں تو اس کے بعد اعتکاف کے دوران شرعی ضرورت کے بغیر ان حدود سے ایک لمحے کے لیے بھی باہر نہ نکلیں، ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (احکام اعتکاف ص ۳۵/ از مولانا محمد تقی عثمانی پاکستان)

محلّہ والوں کی ذمہ داری

(۱) ہر محلے والوں کی ذمی داری ہے کہ وہ پہلے سے یہ تحقیق کریں کہ ہماری مسجد میں کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھ رہا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی آدمی نہ بیٹھ رہا ہو تو فکر کر کے کسی کو بٹھائیں۔

(۲) لیکن کسی شخص کو اجرت دے کر اعتکاف میں بٹھانا جائز نہیں، کیونکہ عبادت کے لیے اُجرت دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں۔ (شامی)

(۳) اگر محلے والوں میں سے کوئی شخص بھی کسی مجبوری کی وجہ سے اعتکاف میں بیٹھنے کے لیے تیار نہ ہو تو کسی دوسرے محلے کے آدمی کو اپنی مسجد میں اعتکاف کرنے کے لیے تیار کرلیں۔ دوسرے محلے کے آدمی کے بیٹھنے سے بھی اس محلے والوں کی سنت انشاء اللہ ادا ہو جائے گی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۱۲ جلد ۶)

اعتکاف کا رکن اعظم یہ ہے کہ انسان اعتکاف کے دوران مسجد کی حدود میں رہے، اور حوائجِ ضروریہ کے سوا (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) ایک لمحے کے لیے بھی مسجد کی حدود سے باہر نہ نکلے کیونکہ اگر معتکف ایک لمحے کے لیے بھی شرعی ضرورت کے بغیر حدودِ مسجد سے باہر چلا جائے تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (احکام اعتکاف ص ۳۳ از مولانا محمد تقی عثمانی)

حُدودِ مسجد کا مطلب

بہت سے لوگ حدودِ مسجد کا مطلب نہیں سمجھتے، اور اس بنا پر ان کا اعتکاف ٹوٹ

جاتا ہے، اس لیے خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے گا کہ حدودِ مسجد کا مطلب کیا ہے؟

عام بول چال میں تو مسجد کے پورے احاطے کو مسجد ہی کہتے ہیں، لیکن شرعی اعتبار سے یہ پورا احاطہ مسجد ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ شرعاً صرف وہ حصہ مسجد ہوتا ہے جسے بانی مسجد نے مسجد قرار دے کر وقف کیا ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمین کے کسی حصے کا مسجد ہونا اور چیز ہے اور مسجد کی ضروریات کے لیے وقف ہونا اور چیز شرعاً مسجد صرف اتنے حصے کو کہا جائے گا جسے بنانے والے نے مسجد قرار دیا ہو یعنی نماز پڑھنے کے سوا اس سے کچھ مقصود نہ ہو، لیکن تقریباً ہر مسجد میں کچھ حصہ ایسا ہوتا ہے جو شرعاً مسجد نہیں ہوتا، لیکن مسجد کی ضروریات کے لیے وقف ہوتا ہے، مثلاً وضوخانہ، غسل خانہ، استنجاء کی جگہ، نمازِ جنازہ پڑھنے کی جگہ، امام کا کمرہ، گودام، پانی گرم کرنے کی جگہ وغیرہ، اس حصے پر شرعاً مسجد کے احکام جاری نہیں ہوتے، چنانچہ ان حصوں میں جنابت (ناپاکی) کی حالت میں جانا بھی جائز ہے، جبکہ اصل مسجد میں ناپاک کا داخل ہونا جائز نہیں، اس ضروریات والے حصے میں معتکف کا جانا بالکل جائز نہیں ہے، بلکہ اگر معتکف اس حصے میں شرعی عذر کے بغیر ایک لمحے کے لیے بھی چلا جائے تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، (احکام اعتکاف از مولانا محمد تقی عثمانی ص ۳۳)

مسئلہ :۔ حدِ مسجد وہ جگہ ہے جس کو نماز کے لیے متعین کر دیا گیا ہو، وہاں بلا غسل جانا منع ہے، وضو کی جگہ عام طور پر خارجِ مسجد ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۱ جلد ۱۵)

مسجد کے فرش (صحن) پر پیر رکھتے ہی اعتکاف کی نیت مناسب ہے۔

سڑک کی توسیع میں مسجد کا دے دینا؟

سوال:۔ ہمارے یہاں لبِ سڑک مسجد تعمیر شدہ ہے، یہاں کی سرکار اس سڑک کو کشادہ کرنا چاہتی ہے، جس کے تحت سڑک میں آدھی مسجد چلی جائے گی اور آدھی باقی رہ جائے گی۔ یہاں کے ایک غیر مسلم سیٹھ صاحب نے بھی یہ مشورہ دیا ہے کہ مسجد کے شمال میں ہماری جگہ ہے، جتنی جگہ مسجد کی جاتی ہے وہ روڈ (سڑک) میں دے دو اور اتنی جگہ میں (تم کو مسجد کے لیے) شمال کی جانب دیتا ہوں، تم لوگ شمال کی جانب مسجد کو کشادہ کرلو، یہ بات

بھی مدِ نظر رہے کہ حکومت معلوم نہیں بعد میں کس طرح سے پیش آئے؟

جواب:۔ جو جگہ ایک دفعہ شرعی مسجد بنادی گئی وہ ساری عمر کے لیے مسجد ہوگئی، اس کو فروخت کرنا یا اس کا تبادلہ کرنا یا اس کا کوئی اور مکان، دوکان، مدرسہ، مسافر خانہ وغیرہ بنانا وہاں کھیتی کرنا، مُردے دفن کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر مسجد کا کچھ حصہ حکومت (زبردستی جبراً) لینا چاہتی ہے تو اس سے بیع وغیرہ کا معاملہ نہ کیا جائے اور نہ اس سے لڑائی کی جائے، نہ اشتعال انگیزی کی جائے اور نہ سیٹھ صاحب سے تبادلہ کی بات کی جائے۔ جب حکومت اپنی منشاء کے مطابق جگہ لے لے اور سیٹھ صاحب اپنی زمین توسیع کے لیے دے دیں اور وہ اس کار خیر سمجھ کر دیں تو اس کو لے کر مسجد میں شامل کرلیں، بحالتِ مجبوری یہی صورت مناسب ہے۔ درمختار اور بحر وغیرہ میں غیر مسلم کے وقف کی بحث بھی مذکور ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۲۷ جلد ۱۸ باب احکام المساجد)

مسئلہ:۔ حتی الامکان مسجد کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے کی سعی بلیغ کی جائے اور محفوظ کردی جائے کہ بے ادبی سے مصئون اور محفوظ رہے، اگر سامان ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اُسے دوسری مسجد کے لیے ہٹالیا جائے، اور اگر عمارت توڑ دیئے جانے کا یقین ہو تو اُسے بھی توڑ کر دوسری مسجد (قریب) کے لیے رکھ لیا جائے اور اصل جگہ محصور کرلی جائے تا کہ بے حرمتی سے محفوظ رہ سکے۔ اگر مسجد کی زمین کو حکومت کسی حال میں بھی باقی رکھنا نہیں چاہتی تو اگرچہ بصورت مجبوری ان کے ہاتھ فروخت کر دینے کی گنجائش ہے (اس بات کے مجاز اصل واقف یا اس کے ورثاء ہیں اور اگر وارث معلوم نہ ہوں تو اہلِ محلّہ ہیں) مگر اس صورت میں مسجد فروخت کرنے کی مثال قائم ہوجائے گی اور دوسری جگہ کی حکومتیں اور دوسری قومیں اس سے ناجائز فائدہ اٹھائینگی۔ لہٰذا اگر نقصان قابلِ برداشت ہو تو فروخت نہ کرنا بہتر اور قرینِ مصلحت ہے۔ بحالت مجبوری اس کو منظور کیا جاسکتا ہے، کہ حکومت اس جگہ کے عوض دوسری مسجد بنوادے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۳ جلد ۲، فتاویٰ خیریہ ص ۱۶۴ جلد اول وشامی ص ۵۱۳ جلد ۳ وص ۵۱۹ ج ۳ تفصیل دیکھئے جامع صغیر ص ۱۰۹ جلد اول)

سڑک پر مسجد کی ڈاٹ کا حکم

سوال:۔ مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے نمازیوں کے واسطے خارج سڑک پر ڈاٹ لگانا جائز ہے جبکہ چونگی اجازت دیدے، صرف ڈاٹ لگا کر نماز پڑھنے کی اور زمین (سڑک) چونگی ہی کی مِلک ہے اور راہگیروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، کیونکہ ڈاٹ زمین سے بارہ چودہ فٹ بلند ہوگی تو کیا نماز اس ڈاٹ پر جائز ہوگی اور جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب:۔ سڑک پر ڈاٹ لگا کر نماز پڑھنا شرعاً درست ہے اور جب کہ مسجد کے صحن کے ساتھ یہ ڈاٹ متصل (ملی ہوئی) ہو اور صفوفِ مسجد وہاں تک متصل ہیں تو جماعت کا ثواب بھی ملے گی۔ لیکن یہ ڈاٹ مسجد شرعی کے حکم میں نہ ہوگی کیونکہ مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک کسی کی مِلک نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے اور یہاں پر ڈاٹ کے نیچے سڑک ہے جو کہ سرکاری چنگی کی مِلک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۸۳ ج۶)

دومنزلہ مسجد کا حکم

مسئلہ:۔ دومنزلہ مسجد بنا کر عام طور پر نیچے کا حصہ بے کار کر دیا جاتا ہے، معمولی سی گرمی کو بہانہ بنالیا جاتا ہے، صرف اوپر کے حصہ میں نماز ہوتی ہے، حالانکہ اصل مسجد نیچے کا حصہ ہے اور مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ بھی ہے، اس لیے ایسے حالات میں دومنزلہ مسجد بنانا مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر ہمیشہ ہی مسجد کے نیچے کے حصے میں جماعت ہو اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے مقتدی چھت پر کھڑے ہو جائیں تو شرعاً یہ جائز ہے، اور اس سہولت کے لیے دومنزلہ مسجد بنانے یا مسجد کی چھت پر سائبان ڈالنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۱۸۴ جلد۶ بحوالہ ردالمختار ص۶۸۶ جلد۱ وتفصیل فتاویٰ دارالعلوم ص۱۵۰ جلد۴)

مسئلہ:۔ مسجد کی چھت پر نماز کا مکروہ ہونا اس صورت میں ہے جب کہ چھت پر محلہ والے نماز کے لیے جگہ نہ بنائیں اور اس کو خالی چھت ہی قرار دیں اور جب چھت پر دوسری منزل بنادی گئی تو اب یہ خالی چھت کے حکم میں نہیں رہی۔ (امدادالاحکام ص۴۴۰ ج۱)

مسجد کا تبادلہ کرنا؟

مسئلہ :۔ اپنی طرف سے مسجد کی زمین کا تبادلہ یا بیع نامہ کا معاملہ (ازخود) نہ کیا جائے اور اگر وہ زمین نہ چھوڑیں اور دوسری جگہ آپ کے مناسب زمین دیں یا قیمت دیں تو مجبوراً لے کر دوسری جگہ مسجد بنالیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۷۵ جلد ۱۲)

مسجد کا لینٹر پڑوسی کی دیوار پر ڈالنا؟

مسئلہ :۔ مسجد خدا کا گھر ہے اس میں کسی دوسرے کی زمین، بغیر مالک کی اجازت کے شامل کرلینا یا اس کی دیوار پر مسجد کا گاڈر یا لینٹر وغیرہ رکھنا یا مسجد میں کوئی ایسا روشن دان کھولنا کہ جس سے دوسرے کے مکان کی بے پردگی ہو شرعاً یہ جائز نہیں، یہ حق تلفی ہے، گناہ ہے، اگر مسجد میں کسی زمین کی ضرورت ہو تو قیمت دے کر خریدی جائے، اگر کسی دیوار کا کوئی حصہ مسجد میں لیا گیا ہو تو اس کی قیمت ادا کی جائے۔ اگر بے پردگی ہو کسی کی تو اس کا انتظام کیا جائے، اور جس کی حق تلفی کی گئی اس سے معذرت بھی کی جائے، ورنہ آخرت کی باز پُرس سے نجات نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۷۶ جلد ۲)

مسئلہ :۔ مسجد کی دیواریں کسی مکان یا دوکان کی دیوار سے مشترک بھی نہ ہوں اگر چہ وہ مکان یا دوکان اس مسجد پر وقف ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۰ جلد ۲)

توسیع مسجد کے لیے پڑوسی کا مکان لینا؟

مسئلہ :۔ جو زمین خرید کر وقف نہیں کی وہ مسجد کی نہیں، اسمیں مالک کو تصرف کا اختیار ہے، لیکن اگر مسجد میں تنگی ہو اور اسکو بڑھانے کی ضرورت ہو تو مالک سے قیمتاً لے لی جائے، اگر مالک فروخت کرنے پر رضامند ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۸ جلد ۱۰ بحوالہ درمختار ص ۳۶۷ جلد ۳)

(یعنی زبردستی حاصل کرنا جائز نہیں ہے محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسجد کی دیوار میں نقش ونگار کرنا؟

مسئلہ :۔ قبلہ کی دیوار کے علاوہ مسجد میں نقش ونگار کرنا درست ہے لیکن وقف مال سے

درست نہیں ہے، لیکن زیادہ تکلفات کرنا (پھر بھی) مکروہ ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۳ جلد ۶ بحوالہ کبیری ص ۵۷۱ و مجمع الانہر ص ۱۲۷ جلد او بحر الرائق ص ۳۷ جلد ۲)

مسئلہ:۔ درمختار وشامی ص ۴۴۲ جلد اول کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں علاوہ محراب کے دوسرے حصوں چھت وغیرہ میں نقش ونگار کرنا اپنے حلال روپیہ سے جائز ہے لیکن محراب میں یعنی جانب قبلہ کی دیوار میں ایسے نقش ونگار کرنا جس سے نمازیوں کی توجہ منتشر ہو مکروہ ہے، اس طرح زیادہ تکلف کے بعد باریک باریک نقوش اور بیل بوٹے نکلوانا بھی مکروہ ہے اور مالِ وقف سے تو ان چیزوں میں سے کچھ بھی جائز نہیں ہے۔

جو چیز تعمیر کو پختہ اور مستحکم کرنے والی ہو وہ حسب ضرورت مالِ وقف سے جائز ہے، باقی زیبائشی کام میں وقف مالِ خرچ کرنا حرام ہے۔ اگر متولی مالِ وقف کو زیبائش کے کام میں صرف کرے گا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ البتہ اگر مالِ وقف زیادہ جمع ہو جائے اور مسجد کو عمارت کی ضرورت نہ ہو بلکہ ضروریاتِ مسجد سے وہ روپیہ قطعاً زائد ہو اور متولی کو قوی اندیشہ ہو کہ اس روپیہ کی حفاظت کسی طرح نہیں ہو سکتی اور دوسرے ظالم لوگ اس روپیہ پر قبضہ کر کے اپنی ضروریات میں صرف کر لیں گے تو پھر ایسی مجبوری کے وقت اس روپیہ کو مسجد کے زیبائشی کام میں بھی صرف کرنا درست ہے۔ (مسجد کی دیواروں پر ایسے شیشے کے بیل بوٹے تیار کرانا جس میں چہرہ اور عکس نظر آتا ہو) اور ظاہر یہ ہے کہ شیشے (کے بیل بوٹے وغیرہ) لگانا زیبائش ہی کے لیے ہے، عمارت کے لیے نہیں۔ اگر نمازی کی تصویر ان شیشوں میں نظر آتی ہے تو اس میں اور بھی تصویر پرستی کی مشابہت ہے۔

ایسی مسجد میں (جس کے نقش ونگار میں آئینہ لگا ہو اور تصویر نظر آتی ہو) نماز جائز ہے نمازی کو چاہئے کہ نظر نیچی رکھے تاکہ خشوع حاصل ہو اور دھیان نہ بٹنے پائے ورنہ اگر اس طرف توجہ کی اور خشوع نہ رہا تو نماز مکروہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۰ جلد ۶ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۱۷۰ جلد ۲ بحوالہ ابن ماجہ ص ۲۴۵ جلد اول وشامی ص ۶۰۷ جلد اول وکفایت المفتی ص ۱۴۰ جلد ۳ وکتاب الفقہ ص ۴۵۷ جلد اول واحسن الفتاویٰ ص ۴۵۹ جلد ۶)

جُوتے پہن کر جماعت خانہ میں داخل ہونا؟

مسئلہ:۔ مسجد کی عمارت منہدم کرنے کے بعد (یعنی پُرانی تعمیر کوتوڑ کرنئی تعمیر کے وقت) مسجد کی جگہ کا احترام ویسا ہی ضروری ہے جیسے پہلے تھا، جوتے اور چپل اگر نئے اور پاک ہوں تو مضائقہ نہیں، لیکن ادب کے مقام پر جوتے اُتار دینا ادب کا مقتضیٰ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۱ جلد ۶ وآپ کے مسائل ص ۱۳۸ جلد ۳)

مسئلہ:۔ بعض جگہ جوتے رکھنے کے لیے مسجد میں لکڑی کا بکس نہیں ہوتا، اگر جوتے خشک ہوں (ناپا کی لگی ہوئی نہ ہو) تو مسجد ناپاک نہیں ہوتی۔

(آپ کے مسائل ص ۱۳۸ جلد ۳ وکفایت المفتی ص ۱۵۰ جلد......)

دَوران تعمیر مسجد میں جوتہ پہن کر جانا؟

مسئلہ:۔ محض وقف کرنے والے کی نیت کرنے اور صحن ودالان کی جگہ متعین کر لینے سے مسجد کے احکام جاری نہیں ہو جاتے کیونکہ صرف اتنی بات سے مسجدیت تام نہیں ہو جاتی بلکہ جب مسجد میں اذان وجماعت ہونے لگے تب مسجدیت تام ہوکراس پر پورے احکام جاری ہوتے ہیں۔

پس دَوران تعمیر وہاں مسجد کا ملبہ اینٹ گارہ وغیرہ پڑا ہو، تعمیر ہورہی ہو، معمار ومزدور آجارہے ہوں تو اس کا حکم اور ہے اور جب وہاں نماز وجماعت ہورہی ہو اس کا حکم اَور ہے، جتنا حصہ نماز وجماعت کے لیے متعین کر دیا گیا ہے اور وہاں نماز وجماعت ہونے لگی ہے اس پر پورے مسجد کے احکام جاری ہونگے، وہاں جوتہ پہن کر جانا بھی احترام کے خلاف ہوگا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۷ ج ۱۸ بحوالہ عالمگیری ص ۹۳ ج ۴)

معماروں کا مسجد میں گھٹنے کھولنا؟

سوال:۔ مسجد کے اندر تعمیر کے دوران معماروں کو حقہ پینا اور گھٹنے کھلے رکھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ گھٹنے کھلے رکھنا کسی کے سامنے خارج مسجد بھی منع ہے چہ جائے کہ مسجد میں، متولی کو چاہئے کہ ایسے معماروں اور مزدوروں کو ہدایت کرے کہ وہ ایسا نہ کریں۔

مسجد میں حقہ پینے سے بھی ان کو روکا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۱ جلد ۱۵)

مسجد میں مینار کتنے ہوں؟

مسئلہ:۔ مینار کے متعلق شریعت کی طرف سے کوئی تحدید و تعیین نہیں، البتہ مسجد کی ہیئت ایسی ہونی چاہئے کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ مسجد ہے۔ عامۃً دو مینار بنانے کا معمول ہے، کسی مسجد میں چار اور کسی میں اس سے زائد بھی ہیں، مگر یہ سب کسی شرعی امر کی وجہ سے نہیں، نہ ممانعت ہے، البتہ بلا وجہ پیسہ خرچ نہ کیا جائے، خاص کر وقف کا پیسہ، کہ اس میں بہت احتیاط ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۵ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد کے اندر محراب میں طاق بنانا عورتوں کے بھرنے کی غرض سے مسجد کی ضرورت میں داخل نہیں، گنبد، مینار، محراب کی اگر ضرورت ہو تو ان کا بنانا شرعاً درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۹ جلد ۱۰ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۹ جلد ۶ وابوداؤد شریف ص ۸۴ جلد ا وفتاویٰ عالمگیری ص ۲۱۵ جلد ۶ کتاب الکراہیۃ)

مسجد سے ملا کر اپنی تعمیر کرنا؟

سوال:۔ مسجد سے آگے کی سمت یا بازو میں مسجد سے متصل ایک شخص کی زمین ہے وہ اپنی زمین میں عمارت بنا رہا ہے، اگر چہ وہ زمین اسی کی ملکیت میں ہے مگر وہ مسجد کی عمارت یعنی دیوار سے ہی تعمیر شروع کر رہا ہے لیکن قانون کے اعتبار سے اس کو کم از کم تین فٹ جگہ چھوڑ کر عمارت بنانا چاہئے (کیونکہ مسجد کے روشندان اور پرنالے اسی جگہ پر گرتے ہیں) لیکن وہ شخص اس کے لیے رضامند نہیں ہے تو کیا قانون کے اعتبار سے اس کو نوٹس دے کر روکا جا سکتا ہے تحفظ مسجد کے لیے؟

جواب:۔ مسجد کی چھت کا پانی گرنے کے لیے جگہ کا چھوڑنا مسجد کا حق ہے، لہٰذا تحفظِ مسجد کے لیے بھی اس کو روکنے کی ضرورت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۷ جلد ۱۵)

مسجدِ کبیر کی تعریف

مسئلہ:۔ چالیس ذراع لمبی چالیس ذراع چوڑی، ایک قول میں ساٹھ ذراع ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۸ جلد ۱۰ بحوالہ درمختار ص ۲۰۶ جلد اول)

مسئلہ:۔ جو مسجد چالیس گز (شرعی) لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہو وہ مسجدِ کبیر ہے، اور جو اس سے چھوٹی ہو وہ مسجد صغیر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۲ جلد ۵ او امداد الاحکام ص ۴۴۴ جلد اول)

مسجد کا نام ''مسجدِ حرم'' رکھنا؟

سوال:۔ کیا کسی مسجد کا نام ''مسجد حرم'' رکھ سکتے ہیں، کیونکہ یہ نام خانۂ کعبہ کا ہے؟

جواب:۔ غلام احمد قادیانی نے یہی تلبیس کی تھی کہ اپنا نام نبی کریم ﷺ کا نام تجویز کیا، اپنی بیوی کا نام ام المؤمنین ؓ کا نام تجویز کیا اور اپنی مسجد کا نام سرور دو عالم ﷺ کی مسجد کا نام تجویز کیا، اپنے قبرستان کا نام مدینہ پاک کے قبرستان کا نام تجویز کیا، اس طرح اس نے اپنی امت کو حضرت خاتم النبیین ﷺ کی اُمت سے بے نیاز و بے تعلق بنانے کی کوشش کی۔

اپنی مسجد کا نام آپ حضرات بھی مسجد حرام نہ رکھیں کہ عام مسلمانوں کو اس سے دھوکہ لگتا ہے، اگرچہ آپ حضرات کی نیت تلبیس کی نہ ہوتا ہم دھوکہ اور مغالطہ سے بچنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۲۷ جلد ۱۸)

''مسجدِ غرباء'' نام رکھنا؟

مسئلہ:۔ تعارف کی غرض سے نام رکھا جاتا ہے، لہٰذا اس وجہ سے کہ اس کے اکثر لوگ غریب ہیں، یا غرباء نے مسجد کی تعمیر کرائی ہے اور غریب لوگوں کی مسجد ہے، ''مسجد غرباء'' نام رکھنے میں شرعی قباحت نہیں ہے، ایسا نام رکھ سکتے ہیں، (فتاویٰ محمودیہ ص ۹۲ جلد ۶)

نام کھدوا کر مسجد پر پتھر لگوانا؟

سوال:۔ مرنے والے کی طرف سے مسجد بنوا کر اس کے نام کا پتھر کھدوا کر لگانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایصال ثواب کے لیے مسجد بنوا دینا اور ایسی نیت سے پتھر پر نام کھدوا کر لگانا کہ دوسروں کو اس قسم کے کاموں کی رغبت ہو یا کوئی شخص اس پتھر کو دیکھ کر میت کے لیے خصوصیت سے ایصالِ ثواب کرے تو درست ہے اور شہرت کی بناء پر نام کھدوانا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۱۴ جلد ۱)

مسجد میں اپنے نام کا پتھر لگوانا؟

سوال:۔ایک جامع مسجد تعمیر ہو رہی ہے عوامی چندہ سے، ایک شخص جو چندہ کی فراہمی اور دیگر کاموں میں زیادہ حصہ لیتا ہے، وہ پتھر پر تاریخ سنگِ بنیاد اور اپنا ذاتی نام کھدوا کر دیوار میں نصب کرنا چاہتا ہے، سب لوگ ناراض ہیں، کیا اس پتھر کو اس شخص کے نام کے ساتھ نصب کریں یا نہیں؟

جواب:۔اگر مسجد والے ان صاحب کو مسجد کا متولی و مہتمم قرار دے لیں اور ان کے انتظام واہتمام سے مسجد کا کام انجام پائے تو اس پتھر پر اس طرح سے عبارت لکھ دی جائے کہ اس مسجد کی تعمیر فلاں صاحب کے انتظام واہتمام سے ہوئی تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔ لیکن خود ان صاحب کا مطالبہ کرنا کہ میرا نام پتھر پر کھدوا کر لگایا جائے اخلاص کے خلاف ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے وہ کہ اپنی ناموری کے خواہش مند ہیں، یہ خواہش نہایت غلط ہے، ثواب کو ختم کرنے والی ہے، دنیا میں ایسے شخص کی شہرت وتعریف ہو جائے گی مگر آخرت میں عمل خالص کے ثواب سے محروم رہے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۲ جلد ۱۸)

مسجد کے صحن میں تعمیر کے بعد کنواں کھدوانا؟

مسئلہ:۔ جو جگہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد بنا کر وقف کر دی گئی ہے اس جگہ کو مستقلاً کسی دوسرے کام میں لانا غرض واقف کے خلاف ہے، ایسی جگہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے اس کا احترام لازم ہوتا ہے، اگر اس جگہ (تعمیر ہونے کے عرصہ بعد جب کہ واقف بھی مر چکا ہے) کنواں بنایا جائے گا تو وہ ہمیشہ کے لیے غیر صلاۃ (نماز کے علاوہ) کے کام میں محبوس رہے گی، حالانکہ وہ نماز کے لیے محبوس کی گئی تھی، نیز وہاں پانی لینے کے لیے پاک اور ناپاک سب جائیں گے۔اور عامۃً کنویں پر شور وشعب ہوتا ہے، پانی لینے میں نزاع ہوتا ہے۔بسا اوقات پانی لینے والے عوام کے پیر اور برتن میل کچیل میں ملوث ہوتے ہیں، یہ امور احترام مسجد کے خلاف اور ممنوع ہے، نیز اس مسجد میں تنگی ہوگی اور صفوف میں تفریق۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۰۲ جلد اول)

مسجد تعمیر ہونے کے بعد تہہ خانہ بنانا؟

مسئلہ :۔ مسجد کی تعمیر کے وقت تہہ خانہ نہیں بنایا گیا تو بعد میں مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۹ جلد ۶ بحوالہ درمختار ص ۲۷۵ جلد ۳ وطحطاوی ص ۵۳۷ جلد ۲)

مسئلہ :۔ مسجد کے گر جانے کا اندیشہ ہوتو ازسرِ نو تعمیر کر لی جائے، جو جگہ نماز کے لیے متعین ہے وہ شرعی مسجد ہے، اب کرسی زمین کو اونچا کر کے اس کے نیچے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، احترام مسجد کے خلاف ہے۔ کرایہ دار دوکان میں اپنے کام کرے گا جن کی مسجد میں اجازت نہیں اور مسجد کو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۰ جلد ۱۵)

مسئلہ :۔ مسجد بالائی منزل کو قرار دینا اور نیچے کے حصہ میں دکانیں بنالینا کہ اوپر نماز ہوتی رہے، نیچے خرید فروخت بازاری کام ہوتا رہے، احترام مسجد کے خلاف ہے۔ اوپر نیچے سب جگہ مسجد ہی ہونا چاہئے کسی حصہ مسجد کو آمدنی کا ذریعہ بنالینا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۵ جلد ۱۷)

مسئلہ :۔ جس حصہ زمین کو شرعی مسجد بنایا جائے یعنی نماز کے لیے متعین ومخصوص کیا جائے وہ بالائی وتحتائی (نیچے اوپر تحت الثریٰ سے لے کر ثریا تک) سب ہی جگہ مسجد ہو جاتی ہے، اس طرح اس سے حق العبد منقطع ہو جاتا ہے۔ نیچے دوکان کرایہ پر چلے، اوپر مسجد ہو یہ ٹھیک نہیں، جب کہ نیچے کا حصہ بھی مسجد ہوگا تو وہاں خرید وفروخت اور تمام لوازِم بیع کا صدور ہوگا۔ گفتگو میں بھی احترامِ مسجد باقی نہ رہے گا پاک وناپاک ہر قسم کا آدمی بھی آئے گا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۲ جلد ۱۸)

مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور اوپر ہال بنانا؟

سوال :۔ ہمارے یہاں پر سو سال پُرانی جامع مسجد منہدم کر کے ازسرِ نو تعمیر کی گئی ہے، مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور مسجد کے اوپر وسیع ہال تعمیر کیا گیا۔ تہہ خانہ کو نماز جماعت کے لیے اور مسجد کی بالائی منزل کو مدرسہ کے لیے اور تقریبات شادی بیاہ، عقیقہ وغیرہ کے مواقع پر کھانا اور باراتیوں کو ٹھہرانے کے لیے، نیز دیگر کاموں کے لیے بھی استعمال کیا جائے گا اور

کرایہ بھی وصول کیا جائے گا تا کہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

جواب:۔ جس جگہ کو مسجد بنائی جائے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہی ہوتی ہے، وہاں کوئی ایسا کام جو مسجد کے احترام کے خلاف ہو وہ ممنوع ہے۔ مسجد کے بالائی حصے یا نیچے کے حصے کسی جگہ سے بھی حق العبد متعلق نہیں ہونا چاہئے۔

ہال تقریبات کے لیے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اہلِ تقریبات کو اس کے استعمال کا حق ہو اور اس میں وہ کام بھی ہوں جن سے مسجد کو بچانا لازم ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں، تہہ خانہ مسجد کا سامان چٹائی وغیرہ رکھنے کے لیے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ احترام مسجد کے خلاف نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۹ ج ۱۷)

مسئلہ:۔ مسجد کے اوپر مدرسہ کی تعمیر کرنا بوقت ضرورت شدیدہ گنجائش معلوم ہوتی ہے مگر یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ ابتداء ہی سے مسجد کے اوپر یا نیچے مدرسہ بنانے کا ارادہ ہو، اگر ابتدا مگر ارادہ نہ تھا بلکہ مسجد کی حدود متعین کر کے اس رقبہ کے بارے میں زبان سے کہہ دیا کہ یہ مسجد ہے اس کے بعد اوپر مدرسہ بنانے کا ارادہ ہوا تو جائز نہیں۔

(احسن المسائل ص ۴۴۳ جلد ۶ و عالمگیری ص ۴۵۵ جلد ۲)

نیچے مدرسہ اوپر مسجد

مسئلہ:۔ شرعی مسجد کی شان یہ ہوتی ہے کہ نیچے کی منزل اور اوپر کی منزل مسجد رہے۔ یہ صورت کہ نیچے کی منزل مدرسہ قرار دیا جائے اور اوپر کی منزل مسجد رہے اور لکڑی کی سیڑھی لگا کر اوپر جا کر نماز ادا کی جائے شرعاً درست نہیں ہے۔ شامی اور بحر میں یہ مسئلہ صاف صاف موجود ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۲ جلد ۱۷)

نیچے مسجد اوپر رہائش گاہ

سوال:۔ ہمارے یہاں اہلِ خیر حضرات نے اپنی جگہ پر مسجد قائم کی ہے اور مسجد کے اوپر رہائش گاہ بھی ہے، سب لوگ رہتے بھی ہیں، کیا وہ مسجد کے حکم میں مانی جائے گی؟ وہاں پر جماعت ثانیہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جب تک وقف کر کے اس سے ملکیت کے حق کو ختم کر کے اس کا راستہ ہی الگ نہ کردیا جائے اور اس میں سب لوگوں کو آنے اور نماز پڑھنے کا پورا اختیار نہ دے دیا جائے وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی۔

اوپر کے حصے میں خود مالکانہ حیثیت سے رہیں اور نیچے کے حصے میں اذان و جماعت ہونے لگے، اتنی بات اس کے مسجد ہونے کے لیے کافی نہیں، وہاں جماعتِ ثانیہ کی اجازت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۸ جلد ۱۸)

نیچے دوکان اوپر مسجد؟

سوال:۔ زید اپنی زمین پر چند دوکانیں بنوا کر اوپر منزل پر مسجد تعمیر کرواتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے مسجد اوپر والی منزل میں تجویز کیا ہے اور یہ کہ میں نے پہلے ہی نیت کرلی تھی کہ نچلی دوکانیں میری ملکیت ہونگی اور اوپر مسجد وقف؟

جواب:۔ صورتِ مسئولہ میں یہ مسجد شرعی نہیں ہوئی، اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

اگر یہ زمین پہلے سے مسجد کے لیے وقف تھی، زید کی ملکیت نہیں تھی تو زید کو ان دوکانوں کا کرایہ اپنے کام میں لگانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ مسجد پر صرف کرنا واجب ہے۔ اور یہ دوکانیں مسجد ہی کی ہونگی اور مسجد شرعی مسجد ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۳ ج ۱۰ بحوالہ عالمگیری ص ۴۵۵ جلد ۲، درمختار ص ۳۷۰ جلد ۳ وکفایت المفتی ص ۱۶۱ جلد ۳)

مسجد سے متصل جگہ کو مسجد میں داخل کرنا؟

سوال:۔ مسجد سے ملی جلی شروع سے بنامِ مدرسہ الگ سے ایک جگہ متعین ہے، کیا اس جگہ کو مسجد میں شامل کر کے مدرسہ چلایا جاسکتا ہے؟ بعض مرتبہ نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ جگہ میں امام کی اقتداء میں نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر وہ جگہ کسی کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے مسجد میں شامل کرنا درست ہے، اگر جداگانہ (وقف) ہے مدرسہ کے لیے، تو اس کو مسجد میں شامل نہ کیا جائے،

اگر مسجد کے لیے وقف ہے تو آپس کے مشورہ سے حسبِ ضرورت مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے۔(مجمع زیادہ ہونے کے وقت اگر وہاں تک صفوف متصل ہیں تو امام کی اقتداء میں وہاں نماز درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۰ جلد ۱۰)

مسمار شدہ مسجد کے صحن میں دُوکانیں بنانا؟

سوال:۔ ہمارے یہاں ایک مسجد تھی جو بالکل مسمار ہو چکی ہے، اگر مسمار شدہ مسجد کی جگہ صحن کو دوکانوں میں شامل کر کے ان کی چھت پر جدید مسجد تعمیر کرادی جائے تاکہ نماز پڑھی جاسکے اور مسجد کی جگہ محفوظ ہو جائے، ورنہ اس جگہ پر غاصبانہ قبضہ کا احتمال ہے کیونکہ اس وقت مسمار شدہ مسجد کی جگہ پر غلاظت اکٹھی ہو رہی ہے۔

جواب:۔ جو جگہ ایک دفعہ وقف کر کے نماز کے لیے مسجد بنادی گئی وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہو جاتی ہے، اس کو کسی دوسرے کام میں لانا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اس قاعدۂ کلیہ کے ماتحت اس جگہ کو محفوظ رکھنا اور اپنے مکان کی حد تک نماز کے لیے آباد رکھنا ضروری ہے اور دوکانیں بنانا جو اصل مسجد کا حصہ تھا اس کو دُکانوں کی صورت میں تعمیر کر دیا جائے اور چھت پر مسجد رہے، درست نہیں۔ قانون تحفظ اَوقاف کے ماتحت اس جگہ کو محفوظ کرنے اور نماز کے لیے مخصوص کرنے کی پوری کوشش کی جائے، خواہ اس صورت سے ہی کیوں نہ ہو کہ وہاں چہار دیواری بنا کر تالا ڈال دیا جائے اور جب نماز پڑھنے کا موقع وہاں ملے قفل کھول کر نماز ادا کی جائے، اگر پوری کوشش کے باوجود تحفظ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر وقف کے برباد و باطل ہو جانے کا ظن غالب ہو تو مجبوراً سوال میں درج شدہ صورت کو بھی گوارہ کیا جاسکتا ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۷۰ جلد ۱۲)

مسجد کا نقشہ مکمل ہونے کے بعد نیچے دوکان بنانا؟

مسئلہ:۔ جب نقشہ کے مطابق مسجد کی تعمیر کا کھدوائی کا کام شروع ہو گیا ہے، اور ایک وقت کی نماز بھی با جماعت پڑھی گئی تو وہ جگہ نقشہ کے مطابق مسجد ہو گئی، اب اس کا کوئی حصہ خارج نہیں ہوسکتا، مسجد میں پانی آجانے کا اندیشہ ہے تو اس بناء پر کرسی بلند کی جاسکتی ہے، لیکن نیچے

کے حصہ میں (مسجد کا نقشہ مکمل ہونے کے بعد) گودام یا دوکان بنا کر کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا۔ اگر کام شروع ہونے سے پہلے پلان میں نیچے کا حصہ خارج مسجد ہوتا اور دوکان بنائی جاتی تو اس صورت میں اس کی گنجائش تھی، اب اس کی گنجائش نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۱ جلد ۶)

مسئلہ:۔ مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت بانی مسجد نے نیت کر کے اس کے نقشہ میں دوکانیں، کمرے بھی شامل کیے ہوں اور مسجد کے مفاد کے لیے وقف ہوں تو بنا سکتے ہیں، اور یہ شرعی مسجد سے خارج رہینگے۔ اس جگہ حائضہ اور ناپاک جا سکے گا۔ (......ص ۵۱۲ جلد ۳)

مگر جب ایک بار مسجد بن گئی اور ابتدائی تعمیر کے وقت نیچے دوکان اور اوپر کے حصہ میں کمرے شامل نہ ہوں تو مسجد کے اُوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کا حصہ تحت الثریٰ تک مسجد کے اور اسی کے حکم میں ہو چکا، اب اس کا کوئی حصہ (کوئی جزو) مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا، اور اس جگہ مسجد کی آمدنی کے لیے دوکان و کمرے نہیں بنا سکتے اور اس جگہ کا احترام مسجد جیسا ہے۔ حائضہ وجنبی (ناپاک) کا وہاں جانا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۳ جلد ۳ وجدید فقہی مسائل ص ۷۶)

عارضی ضرورت کے لیے بنائی گئی مسجد کا حکم

سوال:۔ پرانی مسجد کو توڑ کر نئی مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے، جب تک نماز پڑھنے کے لیے عارضی طور پر مسجد کے احاطہ سے باہر ایک مسجد بنائی گئی ہے جس کو پختہ مسجد کے تیار ہونے پر توڑ دیا جائے گا، تو عارضی مسجد کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر وہاں عارضی طور پر مسجد تیار ہونے تک نماز کا انتظام کر لیا گیا ہے، اس کو وقف کر کے مسجد نہیں بنایا گیا تو وہ شرعی مسجد نہیں بنی، اس کا حکم وہ نہیں جو شرعی مسجد کا ہوتا ہے، اس کا حال ایسا ہی ہے جیسے مکان میں کسی جگہ نماز پڑھتے ہوں کہ وہ ہمیشہ کے لیے مسجد نہیں۔ نیز عیدگاہ میں مسجد کے سب احکام جاری نہیں ہوتے، جب عارضی مسجد میں نماز پڑھنا موقوف کر دیا جائے تو مالک کو اپنی مِلک میں تصرف کا اختیار ہوگا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۰ جلد ۱۸ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۱۷۵ جلد ۲)

مسجد ضرار کیا ہے؟

منافقین کی ایک سازش کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابو عامر نامی زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، اور ابو عامر راہب کے نام سے مشہور تھا، یہ وہی شخص ہے جس کے لڑکے حضرت حنظلہ مشہور صحابی ہیں، جن کی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا، اس لیے غسیل ملائکہ کے نام سے معروف ہوئے، مگر ان کا باپ ابو عامر راہب اپنی گمراہی اور نصرانیت پر تاحیات قائم رہا۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابو عامر راہب حاضرِ خدمت ہوا اور اسلام پر اعتراضات کیے۔ رسول اللہ ﷺ کے جواب پر بھی اس بدنصیب کو اطمینان نہ ہوا، بلکہ یہ کہا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود اور احباب و اقارب سے دور ہو کر مسافرت میں مرے۔ اور کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کرونگا۔ چنانچہ غزوۂ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے دشمنوں کیساتھ قتال میں شرکت کی، جب ہوازن کا بڑا اور قوی قبیلہ بھی شکست کھا گیا تو یہ مایوس ہو کر ملک شام بھاگ گیا۔ کیونکہ یہی ملک نصرانیوں کا مرکز تھا، وہیں جا کر اپنے احباب و اقارب سے دور مر گیا جو دعاء کی تھی وہ اس کے سامنے آ گئی۔ جب کسی شخص کی رسوائی مقدر ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی کام کیا کرتا ہے۔ خود ہی اپنی دعاء سے ذلیل و خوار ہوا۔ مگر جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا۔

چنانچہ قیصر ملک روم کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کر دے۔ اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔

اسی سازش کا ایک معاملہ یہ پیش آیا کہ اس نے منافقین مدینہ کو جن کے ساتھ اس کا ساز باز تھا خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں۔ کہ قیصر (مدینہ) پر چڑھائی کرے، مگر تم لوگوں کی کوئی، اجتماعی طاقت ہونی چاہئے جو اس وقت قیصر کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ایک مکان بناؤ۔ اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو، پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو۔ اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے

ہو وہ بھی کرو، یہاں مسلمانوں کے خلاف آپس کے مشورہ سے معاملات طے کیا کرو۔

اس کے مشورے پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلّہ قباء میں جہاں اول ہجرت میں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور ایک مسجد بنائی تھی، وہیں ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی، ان منافقین کے نام بھی ابنِ اسحاق وغیرہ نے نقل کئے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو فریب دینے اور دھوکے میں رکھنے کے لیے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ایک نماز اس جگہ پڑھوادیں تاکہ سب مسلمان مطمئن ہوجائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے۔

ان کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، ضعیف، بیمار آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے، اور خود مسجدِ قباء اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سماسکیں، اس لیے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لیے بنائی ہے تاکہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، آپ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہوجائے۔

رسول اللہ ﷺ اس غزۂ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے، آپ ﷺ نے یہ وعدہ کرلیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے، واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے، لیکن غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت جب کہ آپ ﷺ مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام پر فروکش ہوئے تو آیاتِ مذکورہ آپ ﷺ پر نازل ہوئیں جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی تھی، آیات کے نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چند اصحاب جن میں عامر بن سکن اور وحشی قاتل حمزہؓ وغیرہ شریک تھے، ان کو حکم دیا کہ ابھی جاکر اس مسجد کو ڈھادو، اور اس میں آگ لگادو، یہ سب حضراتؓ اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کرکے اس کی عمارت کو ڈھاکر زمین برابر کردی، یہ تمام واقعہ تفسیر قرطبی اور مظہری کی بیان کی ہوئی روایات سے اُخذ کیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں محمد بن یوسف صالحی کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قباء سے مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تو مسجدِ ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی، آپ ﷺ نے عاصم ابن عدیؓ کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنالیں، انہوں نے عرض

کیا یا رسول اللہ ﷺ! جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہو چکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ میں گھر بنانا پسند نہیں کرتا۔ البتہ ثابت بن اقرمؓ ضرور تمند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں، ان کو اجازت دے دیجئے کہ وہ یہاں مکان بنالیں، ان کے مشورہ کے مطابق آپ ﷺ نے یہ جگہ ثابت بن اقرمؓ کو دے دی، مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابتؓ اس مکان میں مقیم ہوئے تو ان کا کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہیں رہا۔

اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی انڈے بچے دینے کے قابل نہ رہی، کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں، چنانچہ اس کے بعد سے آج تک مسجدِ قباء کے کچھ فاصلے پر ویران پڑی ہے۔

واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد آیات مذکورہ کے متن کو دیکھئے، پہلی آیت میں فرمایا (والذین اتخذوا مسجداً) یعنی جس طرح اوپر دوسرے منافقین کے عذاب اور ذلت ورسوائی کا ذکر ہوا ہے۔ یہ منافقین بھی ان میں شامل ہیں جنہوں نے مسجد کا نام رکھ کر ایک ایسی عمارت بنائی جس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔

اس آیت میں مسجدِ مذکور کے بنانے کی تین غرضیں ذکر کی گئی ہیں، اول (ضراراً) یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے، لفظ ''ضرر'' اور ''ضرار'' دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ ''ضرر'' تو اس نقصان کو کہا جاتا ہے جس میں اس کے کرنے والے کا اپنا تو فائدہ ہو، دوسروں کو نقصان پہنچے۔ اور ''ضرار'' دوسروں کو نقصان پہنچانا ہے جس میں اس پہنچانے والے کا اپنا کوئی فائدہ بھی نہیں، چونکہ اس مسجد کا انجام یہی ہونے والا تھا کہ بنانے والوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے، اس لیے یہاں لفظ ضرار استعمال کیا گیا۔

دوسری غرض اس مسجد کی تفریقاً (بین المؤمنین) بتلائی گئی ہے، یعنی ان کا مقصد اس مسجد کے بنانے سے یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کے دو ٹکڑے ہو جاویں، ایک ٹکڑا اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کا الگ ہو جائے، اور یہ کہ قدیم مسجد قباء کے نمازی گھٹ جائیں اور کچھ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں۔

تیسری غرض (ارصاداًلمن حارب الله) بتلائی گئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس مسجد سے یہ کام بھی لینا تھا کہ یہاں اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں کو پناہ ملے اور وہ یہاں مسلمانوں کے خلاف سازش کیا کریں۔

مسجد ضرار میں آگ کیوں لگوائی؟

اس مجموعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کو ڈھایا گیا اور آگ لگائی گئی، درحقیقت نہ وہ مسجد تھی، نہ اس کا مقصد نماز پڑھنے کے لیے تھا بلکہ مقاصد وہ تین تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے، اس سے معلوم ہوگیا کہ آج کل اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں اور بنانے کا مقصد یہی باہمی تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت توڑنا وغیرہ اغراضِ فاسدہ ہوں، تو اگرچہ ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہ ملے گا بلکہ تفریق بین المؤمنین کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، لیکن بایں ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا، اور تمام آداب اور احکام مساجد کے اس پر جاری ہونگے، اس کا ڈھانا، آگ لگانا جائز نہیں ہوگا۔ اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائے گی، اگرچہ ایسا کرنا فی نفسہٖ گناہ رہے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس طرح ریاء و نمود کے لیے یا ضد و عناد کی وجہ سے جو مسلمان کوئی مسجد بنالے، اگرچہ بنانے والے کو مسجد کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گناہ ہوگا، مگر اس کو اصطلاح قرآن والی مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا۔ بعض لوگ جو اس طرح کی مسجد کو مسجد ضرار کہہ دیتے ہیں۔ یہ درست نہیں، البتہ اس کو مسجدِ ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں، اس لیے اس کے بنانے کو روکا بھی جاسکتا ہے، جیسا کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا، جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متأثر ہو۔ (تفسیر کشاف)

اس مسجد ضرار کے متعلق دوسری آیت میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ (لاتقم فيه ابداً) اس میں قیام سے مراد نماز کے لیے قیام ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ اس نام کی مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔

مسئلہ :۔اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلا کسی ضرورت کے محض ریاء و نمود کے لیے یا ضد و عناد کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز بہتر نہیں، اگر چہ نماز ہو جاتی ہے۔

اسی آیت میں آپ ﷺ کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ آپ ﷺ کا نماز پڑھنا اسی مسجد میں درست ہے جس کی بنیاد اول ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اور اس میں سے ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کو پاکی اور طہارت میں پوری احتیاط محبوب ہے۔ اور اللہ بھی ایسے مطہرین کو پسند کرتا ہے۔

سیاق آیت سے ظاہر یہ ہے کہ مراد اس سے مسجد قباء ہے، جس میں اُس وقت رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے اور بعض روایاتِ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(كما رواه مردويه عن ابن عباس وعمرو بن شيبة عن سهل الانصارى وابن خزيمة فى صحيحه عن عويمر ابن ساعده. از مظهرى)

اور بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ اس سے مراد مسجدِ نبوی ﷺ ہے وہ اس کے منافی نہیں، کیونکہ مسجدِ نبوی ﷺ جس کی بنیاد وحی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی، ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ یا برابر مطہر کون ہو سکتا ہے۔ اس لیے وہ بھی اس کی مصداق ضرور ہے۔

(كما رواه الترمذى وصححه عن ابى سعيد الخدرىؓ مرفوعاً، از قرطبى)

(فيه رجال يحبون ان يتطهروا) آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے لیے اس مسجد کو احق قرار دیا، جس کی بنیاد اول سے تقویٰ پر رکھی گئی جس کے مفہوم میں مسجدِ قباء اور مسجدِ نبوی ﷺ دونوں داخل ہیں۔ اس مسجد کی ایک فضیلت یہ بھی بتلائی گئی کہ اس مسجد کے نمازی ایسے لوگ ہیں جو طہارت کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام کرتے ہیں، طہارت کے مفہوم میں اس جگہ عام نجاسات اور گندگیوں سے پاکی بھی داخل ہے، اور معاصی اور خلاقِ رذیلہ سے پاکی بھی۔ مسجدِ قباء اور مسجدِ نبوی ﷺ کے نمازی عموماً ان سب اوصاف کے ساتھ متصف تھے۔

فائدہ:۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسجد کی فضیلت کا اصل مدار تو اس پر ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے بنائی گئی ہو، اس میں کسی ریاء اور نام ونمود کا یا کسی اور غرضِ فاسد کا کوئی دخل نہ ہو، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازیوں کے نیک، صالح، عالم، عابد ہونے سے بھی مسجد کی فضیلت بڑھ جاتی ہے،، جس مسجد کے نمازی عام طور پر علماء، صلحاء، تقویٰ شعار ہوں اس میں نماز ادا کرنے کی فضیلت زیادہ ہے،

تیسری اور چوتھی آیت میں اس مسجد مقبول کے مقابلہ میں منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دریا کے کنارے بعض اوقات پانی زمین کے حصہ کو اندر سے کھالیتا ہے۔ اور اوپر زمین کی سطح ہموار نظر آتی ہے، اس پر اگر کوئی تعمیر کرے تو ظاہر ہے کہ وہ فوراً اگر جائے گی، اسی طرح اس مسجد ضرار کی بنیاد ناپائیدار تھی، اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ گر پڑی، اور جہنم کی آگ میں گئی، جہنم کی آگ میں جانا مجازی معنیٰ کے لیے بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے بنانے والوں کے لیے اس نے جہنم کا راستہ ہموار کردیا۔ اور بعض حضرات نے اس کو حقیقت پر بھی محمول کیا ہے کہ حقیقۃً جب یہ مسجد گرائی گئی ہے تو جہنم میں گئی۔ واللہ اعلم۔

آگے فرمایا کہ ان کی یہ تعمیر ہمیشہ ان کے شک اور نفاق کو بڑھاتی ہی رہے گی، جب تک کہ ان کے قلوب قطع نہ ہوجائیں۔ یعنی جب تک ان کی زندگی ختم نہ ہوجائے ان کا شک ونفاق اور حسد وغیظ بڑھتا ہی رہے گا۔ (معارف القرآن ص ۴۶۱ ج ۴ تا ص ۴۶۵ ج ۴)

مسئلہ:۔ مسجد ضرار جس کی قرآن کریم میں مذمت ہے وہ ہے جس کی بنیاد سے مسجدیت مقصود نہ ہو، اور جس کی بناء سے مسجدیت مقصود ہو وہ مسجد ہے، گو فسادِ نیت کی وجہ سے ثواب کم ہو۔ (امداد الاحکام ص ۴۶۱ جلد ۱)

مسجد کی پُرانی اینٹیں جُوتے رکھنے کی جگہ لگانا؟

سوال:۔ ایک چھوٹی مسجد کو شہید کرکے بڑی بنائی گئی، اس کا صحن کا فرش پتھر کا تھا، اب وہ پتھر جوتے اتارنے کی جگہ پر لگادیا گیا ہے۔ اب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جس پتھر پر سجدہ ہوتا تھا، آج وہ پتھر جوتے اتارنے کی جگہ لگادیا ہے جس سے بے حرمتی ہوتی ہے

کیا اس پر جوتے اتارنا درست ہے یا نہیں؟

وہ پتھر ایسی جگہ نہ لگائے جاتے تو بہتر ہوتا جہاں جوتے نکالے اور رکھے جاتے ہیں کیونکہ یہ خلافِ تعظیم ہے۔ تاہم اب جبکہ ان پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو ان کا وہ حکم نہیں جو مسجد کے فرش میں لگے ہوئے کا تھا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۷۱ جلد ۱۸ بحوالہ عالمگیری ۹۵ ج۴ وفتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۶ جلد۳ ودرمختار مع الشامی ص۱۶۵ جلد ۱)

مسجد میں جوتے اتارنے کی جگہ سے اقتداء کرنا؟

مسئلہ:۔ جوتے اتارنے کی جگہ طریقِ عام سے خارج مسجد ہے، اس کے محض راستہ ہونے کی وجہ سے تو یہ اقتداء سے مانع نہیں ہے۔ لیکن یہ (جوتے اتارنے کی) جگہ مسجد نہیں ہے، خارجِ مسجد ہے اور خارجِ مسجد بقدر چار صفوں کے جگہ کا خالی رہنا بھی اقتداء سے مانع ہے، پس اس کا انتظام کیا جائے کہ اس خالی جگہ میں تین چار مقتدی کھڑے ہو جایا کریں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۱۵۸ ج۱۵ بحوالہ شامی ص۳۸۳ جلد......)

مسئلہ:۔ مسجد میں قصداً جوتے تبدیل کرنا سخت گناہ ہے۔ اور جو چپل بے کار پڑے ہوں اور ان کا مصرف پھینکنے کے سوا کوئی نہ ہو، ان کو پہن لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل ص۱۵۲ جلد۳)

مسئلہ:۔ جوتہ میں اگر نجاست لگی نہ ہو تو مسجد کے اندر کھ دینا جائز ہے، اور اگر چوری کا خوف نہ ہو تو مسجد سے باہر رکھنا اَولیٰ (بہتر) ہے۔ اور اگر ناپاکی لگی ہو تو بغیر دُور کیے ہوئے جوتہ کو مسجد (داخلِ مسجد) میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ (امداد الاحکام ص۴۴۴ جلد ۱)

ہوسٹل کے کمروں کی مسجد بنانا؟

سوال:۔ ایک ہوسٹل میں ساڑھے تین سولڑکے رہتے ہیں اس کے اندر چار پانچ کمروں کو توڑ کر ایک مسجد بنالی گئی جس کو باقاعدہ مسجد جیسی شکل وصورت نہیں دی، مذکورہ مسجد میں باقاعدہ نماز، پنجگانہ باجماعت ہوتی ہے، امام ومؤذن کا مکمل انتظام ہے، اور اس میں جمعہ بھی ہوتا ہے، تو کیا اس مسجد کے لیے بھی وہی حکم ہوگا جو کہ دیگر مساجد کے لیے ہے؟

جواب:۔اس جگہ پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہونگے ، یہاں جماعتِ ثانیہ بھی منع نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۲ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ بلڈنگ میں جو کمرہ نماز کیلئے مخصوص کردیا گیا ہو، اس کا حکم مسجد کا نہیں اور نہ اس میں مسجد کا ثواب ملے گا۔(جماعت کا ثواب ملے گا اگر جماعت کی جائے)۔

(آپ کے مسائل ص ۱۳۸ جلد ۳)

بغیر اجازت مٹی لے کر مسجد میں لگانا؟

مسئلہ:۔غیر مسلم کی (یا مسلم کی) زمین سے بغیر اجازت کے مٹی لینا اور مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے لوگ ظالم اور گنہگار ہیں، اللہ تعالیٰ کے گھر میں پاک مال لگایا جائے، حرام مال اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہے، ان لوگوں کو (جنہوں بغیر اجازت مٹی وغیرہ استعمال کی) اس حرکت سے باز آنا چاہئے اور جس قدر مٹی لی ہے وہ واپس کردیں یا پھر اصل مالک سے اس کو خرید لیں اور قیمت ادا کریں، تب مسجد میں لگائیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۱ ج ۱۲)

مسجد کو ہٹا کر راستہ کشادہ کرنا؟

سوال:۔ ہمارے یہاں کارپوریشن کے ذمہ داروں کا خیال ہے کہ جو مسجد راستہ میں آتی ہے اس کی متبادل جگہ اپنے سرمایہ سے خرید کر ہمارے نقشہ کے مطابق مسجد تعمیر کردیتے ہیں۔ کہ آپ اس میں نماز پڑھیئے ، ہم مذکورہ مسجد جو راستہ میں پڑتی ہے اس کو توڑ کر راستہ بنائینگے ،تو کیا ایسا ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ مسجدیں سب اللہ کی ہیں نہ کسی کو ان کو گرانے کا حق ہے اور نہ بدلنے کا حق ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۱ جلد ۱۵)

مسجد کو منتقل کرنا؟

مسئلہ :۔ جو ایک دفعہ مسجدِ شرعی بنادی جائے، وہ ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے، اب اس کو وہاں سے منتقل کرنا یا اس کو مکتب کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں ہے، مسجد کو بدستور مسجد ہی رکھا

جائے اوراس میں اذان و جماعت کا بھی اہتمام رہے، جس طرح سے اب تک حفاظت رہی ہے اسی طریقہ سے آئندہ بھی حفاظت کی جائے۔ مسجد کو نہ قیمتاً دینا درست ہے۔ نہ کسی مکان یا زمین کے عوض دینا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۶ جلد ۱۵ و احسن الفتاویٰ ص ۴۵۱ جلد ۶)

مسجد کو مدرسہ بنانا؟

مسئلہ :۔ جوجگہ جب کہ وہ شرعی مسجد بن گئی اور وہاں پر اذان و جماعت ہورہی ہے تو اب مصالح مذکورہ (کہ مسجد ک قریب غیر مسلموں نے مندر بنالیا ہے، اسلئے اس مسجد کوایک مدرسہ میں تبدیل کردیا جائے اوراس سے ہٹ کر اسی نام سے ایک نئی مسجد بنادی جائے) کی وجہ سے اس کو مدرسہ بنانا اور وہاں سے مسجد ہٹا کر اسی کے نام سے دوسری جگہ منتقل کردینا ہرگز جائز نہیں، وہ ہمیشہ کیلئے مسجد ہے۔ اذان و جماعت کیساتھ اسکو آباد رکھا جائے۔ مندر یا کوئی بھی عمارت قریب ہونے سے نماز میں خلل نہیں آئے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۳۴ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ اگر مسجد کی ضرورت ہوتو عاشورہ خانہ کو مسجد بنالینا درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۳ جلد ۱۵)

نئی آبادی میں مسجد بنانا؟

مسئلہ :۔ مسجد مسلمانوں کی اہم ضرورت ہے، جہاں آباد ہونگے مسجد کا اہتمام کرینگے اورکرنا بھی چاہیے، اس نو آباد محلّہ میں ضرورت ہوتو وہاں بھی مسجد بنالی جائے، مگراس کو آباد رکھنے کی فکر وکوشش بھی لازم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مسجد تو جوش میں بنالیں اور آباد نہ رکھ سکیں، اس لیے تبلیغ کر کے مسلمانوں کو نمازی بنانا زیادہ ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۱ جلد ۱۵)

بلاضرورت مسجد بنانا؟

مسئلہ :۔ مسجد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے بنانا بہت اَجر وثواب کا کام ہے۔ آپس کی ناراضگی کی وجہ سے یا ایک مسجد کو ویران کرنے کے لیے دوسری مسجد بنانا شرعاً مذموم اور ناپسند ہے، لیکن اگر مسجد بنالی گئی اور وقف کردی گئی تو اس کو بھی آباد رکھنے کی ضرورت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۸ جلد ۱۸)

مسئلہ :۔ اگر مسجد قدیم کو نقصان پہنچانے کے لیے عداوت کی وجہ سے دوسری مسجد بنالی جائے تو اس سے ثواب نہیں ملے گا۔ ایسا کرنا شرعاً قبیح ہے۔ لیکن اگر شرعی طور پر وقف کر کے مسجد بنادی گئی تو اس کو آباد کرنا ضروری ہے، اس کو مسجدِ ضرار کہہ کر منہدم کرنا جائز نہیں ہے۔
(فتاوی محمودیہ ص ۲۱۹ جلد ۱۸)

خاندانی اعزاز کے لیے مسجد بنانا؟

مسئلہ :۔ مسجد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے بنائے تو اجرِ عظیم ہے، کسی دوسری غرض کے لیے بنائی جائے تو وہ مقبول نہیں۔ اس طرح پر ایسی جگہ بنانا جس سے قدیم مسجد کو ضرر پہنچے ممنوع ہے، نیز جس مسجد کے ذمہ قرض ہے اس کی ادائیگی کی فکر مقدم ہے۔
(فتاوی محمودیہ ص ۲۲۴ جلد ۱۵)

قبلہ کیا ہے؟

دوسری آیت میں رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکینِ مکہ نے اگرچہ آپ ﷺ کو مکہ اور بیت اللہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کردیا۔ اور مدینہ پہنچ کر ابتدائی زمانہ میں سولہ سترہ مہینہ تک آپ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں، نہ آپ کے لیے غمگین ہونے کی وجہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کسی خاص سمت میں نہیں وہ ہر جگہ ہے، اس کے لیے مشرق و مغرب یکساں ہیں، کعبہ کو قبلہ نماز بنائیں یا بیت المقدس کو، دونوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں، بلکہ امرِ الٰہی کی تعمیل ہی دونوں جگہ سبب فضیلت ہے۔

دادِ حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد ہست

اسلئے جب کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم تھا اُس میں فضیلت تھی، اور جب بیت المقدس کا استقبال کرنے کا حکم ہوگیا تو اس میں فضیلت ہے، آپ ﷺ دلگیر نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے، جب کہ مذکورہ بدہ اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔
چند مہینوں کے لیے بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم دے کر عملاً اور آپ ﷺ نے

قولاً اس بات کو واضح کر دیا کہ کسی خاص مکان یا سمت کو قبلہ قرار دینا اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ، خدا تعالیٰ اس مکان یا اس سمت میں ہے۔ دوسری جگہ میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر سمت میں یکساں توجہ کے ساتھ موجود ہے، کسی خاص سمت کو قبلہ عالم قرار دینا، دوسری حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی خاص سمت یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس عمل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ جس طرف چاہے رُخ کر کے نماز پڑھے، دوسرے یہ کہ سب کے لیے کوئی خاص سمت و جہت معین کر دی جائے، ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ایک تشتت وافتراق کا منظر سامنے آئے گا کہ دس آدمی نماز پڑھ رہے ہیں، اور ہر ایک کا رُخ، الگ الگ، اور ہر ایک کا قبلہ جُدا جُدا ہے، اور دوسری صورت میں تنظیم واتحاد کا عملی سبق ملتا ہے، ان حکمتوں کی بناء پر سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو بنانا زیادہ مناسب ہے، اب وہ بیت المقدس ہو یا کعبہ، دونوں متبرک ومقدس مقامات ہیں۔ ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آتے ہیں۔ ایک زمانے تک بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی دلی خواہش کے مطابق اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ کو قبلۂ عالم بنا دیا گیا، ارشاد ہوا:۔

﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضَاھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَهٗ﴾

ترجمہ:۔ ”کعبہ کو قبلہ بنا دینے کی دلی رغبت کی وجہ سے بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے ہیں کہ شاید فرشتہ حکم لے آئے۔ ہم یہ سب دیکھ رہے ہیں، اس لیے اب ہم آپ ﷺ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دینگے۔ جس کو آپ چاہتے ہیں، اس لیے اب سے آپ ﷺ اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیا کریں، اور یہ حکم کچھ آپ ﷺ ہی کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ تمام اُمت کے لیے یہی حکم دیدیا گیا۔ کہ تم جہاں کہیں بھی موجود ہو یہاں تک کہ خود بیت المقدس کے اندر بھی ہو تو نماز میں اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف کیا کرو۔“

الغرض آیتِ مذکورہ (للہ المشرق والمغرب) نے استقبال قبلہ کی پوری حقیقت کو واضح کر دیا کہ اس کا منشاء بیت اللہ یا بیت المقدس کی معاذ اللہ پرستش نہیں، اور نہ ان

دونوں مکانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک مخصوص ہے بلکہ اس کی ذات سارے عالم پر محیط اور ہر سمت میں اس کی توجہ یکساں ہے۔ پھر جو کسی خاص مکان یا سمت کو مخصوص کیا جاتا ہے۔اس میں دوسری حکمتیں ہیں۔ (معارف القرآن ص ۲۴۵ جلد ا، سورۂ بقرہ)

قدیم مسجد کا رُخ صحیح نہیں تو کیا کریں؟

سوال:۔پُرانی مسجد پر لینٹر ڈلوانے کا پروگرام ہے، مسجد کو جب ناپا گیا (پیمائش کی گئی) تو اس کے اندر تقریباً چھ فٹ کا فرق نکلا، بالکل قبلہ رُخ نہیں تھی۔ مسجد کو قبلہ رخ بنانے کے لیے مسجد کو شہید کر کے دوبارہ تعمیر کرائی جائے یا اسی صورت میں باقی رکھ کر لینٹر ڈلوالیا جائے؟

جواب:۔نماز تو اتنے فرق سے بھی ادا ہو جاتی ہے تاہم اس فرق کو نکالنے اور صفوف کا رُخ صحیح کرنے کے لیے صفوف کے نشانات کو صحیح کر دینا بھی کافی ہے تاکہ نشانات پر نماز ادا کی جاسکے۔تمام مسجد کو گرانے اور شہید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۲ جلد ۱۸ وامداد الاحکام ص ۴۴۵ جلد ا)

مسئلہ:۔اگر معمولی قبلہ رُخ میں فرق ہو تب بھی مسجد کو نہ گرایا جائے۔سمتِ قبلہ میں توسع ہے۔ موسم سردی اور گرمی میں جہاں جہاں سورج غروب ہوتا ہے ان دونوں جگہوں کے درمیان نماز پڑھنے سے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے۔اب تفرقہ پیدا نہ کیا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۱ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔سمت معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہاء نے لکھی ہیں۔قطب بھی ایک دلیل ہے۔ پس اگر سردی و گرمی میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی، یعنی دونوں موسموں کے جائے غروب کے درمیان کا حصہ جہت کعبہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۳ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔اب قطب نما کے ذریعہ وہاں صفوں کے نشانات صحیح رُخ پر لگا دیئے جائیں اور ان نشانوں کے موافق جماعت کھڑی کر کے نماز پڑھا کریں۔ تمام مسجد کو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور جو نمازیں اب تک پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۶۲ جلد ۱۲)

(پہلے زمانہ میں قبلہ کا رُخ معلوم کرنے کے آج کل کی طرح سہولیات نہیں تھیں۔ اگر کہیں پر قدیم مسجد شہید کر کے نئے مسجد تعمیر کی جارہی ہو تو رخ کو صحیح کرلیا جائے۔ تھوڑے بہت رخ کو صحیح کرنے کے لیے باقاعدہ مسجد کو شہید نہ کیا جائے کیونکہ حضرت مفتی صاحب جو مشورہ دیتے ہیں اس پر عمل کرلیا جائے۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسجد کا قبلہ سے معمولی فرق کا حکم

سوال:۔ ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جس کی لمبائی ساڑھے نو گز ہے۔ چوڑائی پونے چار گز ہے۔ جس میں یہ مسجد قبلہ رخ سے تین ہاتھ ہٹی ہوئی ہے۔ اتر کی طرف دیوار کو جب پچھم تین ہاتھ لی جائے تب اس کا رُخ صحیح ہوگا اور جہت میں سے دکھن قبلہ رخ زیادہ ہٹائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ معمولی فرق سے نماز خراب نہیں ہوگی، البتہ اگر بجائے مغرب کے شمال یا جنوب کا رخ ہو جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۱ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ جس مقام پر زمانہ قدیم کی مساجد نہ ہوں اور قواعد شرعیہ کے موافق قبلہ کا رُخ معین کرنے والے مسلمان بھی نہ ہوں، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھ کر بھی واقف کار مسلمان رخ متعین نہ کرسکتے ہوں اور آلات رصدیہ کے ذریعہ قلب کو اطمینان ہو جائے تو اسی طرح رخ معین کر کے اس کے موافق نماز ادا کرتے رہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۹ جلد ۱۲ و کفایت المفتی ص ۱۳۲ جلد ۳)

غلط بنیاد پر مسجد کی تعمیر کا حکم

سوال:۔ ایک پُرانی مسجد کی جدید تعمیر کے وقت میں قطب نما سے دیکھا گیا تو آٹھ فٹ کا فرق قبلہ میں آرہا ہے، کیا ایسی صورت میں سابقہ بنیاد پر جدید تعمیر کرلی جائے یا قطب نما سے قبلہ درست کرنا ضروری ہے؟

نیز کتنے فٹ کے فرق سے انحراف سمجھا جائے گا اور نماز درست نہ ہوگی؟ فٹ کی کی تعیین فرمائیں؟

جواب:۔(۱) دیدہ ودانستہ انحراف کے ساتھ تعمیر ہرگز نہ کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ابتداء سابقہ مسجد بنانے کے وقت پورالحاظ قبلہ کا نہ ہوسکا ہو، کوئی ذریعہ اس وقت صحیح علم کا نہ ہو۔اب جبکہ صحیح علم کا ذریعہ موجود ہے اور دیگر مساجد کو بھی دیکھ لیا جائے۔قطب نماز سے بھی اندازہ کرلیا جائے تب تعمیر کی جائے۔(۲) قصداً بالکل انحراف نہ کیا جائے، صحیح علم نہ ہونے کی صورت میں شمال وجنوب کی قوس بنا کر نصف قوس تک انحراف ہوگیا تو بھی نماز کو درست کہا جائے گا، مسجد بڑی اور چھوٹی ہونے سے اس انحراف میں بھی فرق ہوسکتا ہے۔فٹ کی تعیین دشوار ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۰ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ نماز کی صفوں میں ٹیڑھا پن کمرہ کی وجہ سے ہو، نہ کہ قبلہ کی وجہ سے تو اس میں نماز ادا کرنا بلاشبہ درست ہے، اگرچہ صفیں ٹیڑھی ہونگی مگر رخ صحیح ہوگا۔اس لیے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے، قبلہ رخ کے لحاظ سے نہیں، سو اس میں مضائقہ نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۹ جلد ۱۲)

مسجد میں محراب بنانا؟

سوال:۔مسجدوں میں جو محراب بنائے جاتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔کتب فقہ میں عبارات مختلف ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پُرنور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے محراب کا ثبوت ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانہ سے اس کا رواج شروع ہوا ہے، اسی طرح کتب تاریخ سے بھی مختلف اقوال ظاہر ہوتے ہیں، فقہاء محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کو مکروہ نہیں لکھتے ہیں۔ لیکن نفسِ محراب بنانے کو مکروہ لکھتے ہیں۔ بلکہ محراب سے باہر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے اور محراب میں سجدہ کرنے کو بھی جائز لکھتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس محراب کے دوسرے احکام کو بھی ذکر فرماتے ہیں۔اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں محراب بنانا جائز ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۲ جلد ۶ بحوالہ کبیری ص ۳۴۸ و بحر ص ۲۵۹ جلد ۲)

مسئلہ:۔ قبلہ کی دیوار میں بالکل درمیان میں جو محراب نما بنایا جاتا ہے محراب سے وہ مراد ہوتا ہے تاکہ امام کے دونوں طرف صفوں کی مقدار برابر رہے۔(نظام الفتاویٰ ص ۳۲۱ جلد اول)

مسئلہ:۔ امام کے قدم (ایڑیاں) در سے باہر ہونگے تو کراہت نہ رہے گی۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۴۸ جلد ۴)

محراب بنانے سے مسجد کے گرنے کا خطرہ؟

سوال:۔ کسی مسجد کو وسعت دینے کی وجہ سے محراب اگر درمیان میں نہ رہ پائے اور دیوار توڑ کر محراب درمیان میں بنانے سے اگر مسجد کے گر جانے کا اندیشہ ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر دیوار توڑ کر درمیان میں محراب بنانا مسجد کے گر جانے کے خطرہ سے دشوار ہے تو بغیر محراب بنائے ہی امام درمیان میں کھڑا ہو جایا کرے، اس طرح کہ دونوں طرف مقتدی برابر ہوں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲ جلد ۱۷)

کیا محراب داخل مسجد ہے؟

سوال:۔ کیا مسجد کی محراب شامل مسجد ہے یا نہیں؟ اور لوگوں کی کثرت کے وقت امام محراب کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ محراب تو داخلِ مسجد ہے مگر اسکے باوجود امام کو اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ اس کے پیر پورے خارج ہوں یا کچھ حصہ خارج ہو اگر چہ داخل محراب کھڑے ہو کر نماز پڑھانے سے بھی نماز ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۸ جلد ۱۸)

محراب کے بجائے صفِ اول میں نماز پڑھانا؟

سوال:۔ ایک مسجد کے اندر کا صحن تین صفوں کا ہے اور امام صاحب کے پاس محراب تک پنکھے کی ہوا نہیں پہنچی تو کیا امام صاحب صف اول میں کھڑے ہو کر نماز پڑھا سکتے ہیں؟

جواب:۔ اگر مقتدیوں کو تنگی نہ ہو، سب مسجد میں سما جائیں تو بجائے محراب کے صف اول میں محراب کی سیدھ میں امام کھڑا ہو جائے، تب بھی مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۳ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد کی سابقہ محراب کو بھی وسعت کے لحاظ سے منتقل کر سکتے ہیں۔ (مسجد کی توسیع کے وقت) محراب بیچ میں ہونی چاہئے، تاکہ دونوں طرف کی صف برابر رہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۰ جلد ۱۸)

محراب میں آفتاب کی تصویر بنانا؟

مسئلہ:۔محراب میں نقش ونگار اور آفتاب کی تصویر (فوٹو) بنانا منع اور مکروہ ہے، اس سے نمازی کے خشوع وخضوع میں خلل آتا ہے، لیکن آفتاب کی تصویر کے سامنے کھڑے رہ کر نماز پڑھنے کو آفتاب پرستی کے مشابہ ومماثل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

تصویر غیر ذی روح کی ہو تو مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی عبادت نہیں کی جاتی، (اگر کسی مسجد کی محراب میں آفتاب کی تصویر بنی ہوئی ہے تو) اس تصویر کے سامنے نماز پڑھنے سے پرستش اور مشابہت کا حکم عائد نہیں ہوگا مگر خشوع وخضوع میں خلل انداز ہونے کی وجہ سے ایسی تصاویر کا نمازی کے سامنے ہونا ممنوع اور مکروہ ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۷ جلد۲ بحوالہ شامی ص ۶۰۷ جلد ۱)

بڑی مسجد کی صفوف کو دائیں بائیں سے کم کرنا؟

سوال:۔ جامع مسجد کی چوڑائی تقریباً چار سو فٹ سے زائد ہے، جب جماعت کھڑی ہوتی ہے لوگ (دوڑتے ہوئے دائیں بائیں جانب صفِ اول میں جا ملتے ہیں، اس طرح بعض مرتبہ ان کی ایک رکعت بھی فوت ہو جاتی ہے۔ اور نمازیوں میں بیمار، بوڑھے ضعیف بھی ہوتے ہیں، صفِ اول کے پورا کرنے میں لمبی صف ہونے کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے۔ نمازیوں کی رائے ہے کہ صف کو ایک خاص حد تک محدود بنا دیا جائے اور دونوں جانب باقی چھوڑ دیا جائے تا کہ امام صاحب کے پیچھے نمازی ایک خاص حد تک کھڑے ہوں۔ اور اگر دوسری صف بھی لگ جائے تو اس کے مطابق اسی کے سیدھ میں قائم کی جا سکے۔ کیا اس کی اجازت ہے؟

جواب:۔ جو حصہ ایک مرتبہ مسجد بنا دیا گیا ہے دائیں بائیں اس کو مسجد سے خارج کرنے کی تو کسی صورت میں اجازت نہیں وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے، البتہ عذرِ مذکورہ کی وجہ سے دونوں جانب کچھ خالی جگہ چھوڑ دی جائے اور امام وسط ہی میں رہے۔ اور دوسری پھر تیسری صف بھی صفِ اول کی طرح ہو جائے تو اس کی وجہ سے دوسری تیسری صف والے

نماز میں صفِ اول کی فضیلت سے تو ضرور محروم رہینگے۔ لیکن فضیلت جماعت بلاتردد حاصل ہوجائے گی۔ لیکن اس صورت میں مکروہ ہونے میں اختلاف ہے۔ ہاں اگر رکعت فوت ہونے کا خوف ہومثلاً امام رکوع میں ہوتو پھر دوسری صف میں شریک ہوجانا مکروہ نہیں بلکہ رکعت حاصل کے لیے ایسا کرنا فضل ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۸ ج ۱۸ بحوالہ شامی ص ۳۸۳ ج ۱)

مسجد کے بجائے مکان میں صف کا چھوٹی بڑی ہونا؟

سوال:۔ ایک مکان ہے جس میں نماز باجماعت ہوتی ہے مگر مکانیت کی وجہ سے صفیں چھوٹی بڑی بچھائی جاتی ہیں تو اس طرح نماز باجماعت وجمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

جواب:۔ مکان کے رخ پر صفوف کا ہونا ضروری نہیں، جہت قبلہ پر صفوف قائم کی جائیں، اگر چہ بعض چھوٹی بعض بڑی ہوجائیں، پنج وقتہ نماز درست ہے۔

اگر وہاں (مکان میں) ہر ایک کو شرکتِ نماز کی اجازت ہو، کوئی رکاوٹ نہ ہو تو وہاں جمعہ بھی درست ہے۔ اگر وہاں پر مسجد نہیں ہے تو مسجد بنانے کی کوشش کی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۷ جلد ۱۷)

مسئلہ:۔ جگہ کی تنگی کے سبب پہلی صف چھوٹی ہو، دوسری تیسری صفیں بڑی ہوں تو حرج نہیں، جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۲۹ جلد ۱۰)

امام کا مسجد کے وسط میں کھڑا ہونا؟

مسئلہ:۔ امام کو ایسی جگہ کھڑا ہونا چاہئے کہ اسکے شمال وجنوب میں حدودِ مسجد کے اندر اندر دونوں طرف نمازی برابر ہوں، یہی حکم برآمدہ وصحنِ مسجد کا ہے۔ اگر اس مسجد کی محراب بالکل وسط میں ہے اور برآمدہ وصحن میں کسی جانب اضافہ ہے تو اصل مسجد کی محراب کی سیدھ میں برآمدہ وصحن میں کھڑا ہونا ضروری نہیں، بلکہ برآمدہ وصحن میں جو جگہ وسط ہو وہاں کھڑا ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۲ جلد ۱۸)

مسجد کی زمین میں مدرسہ کیلئے مکان بنانا؟

سوال:۔ محلّہ کی مسجد کے قبضہ میں وقف ایک زمین ہے، ارکانِ مدرسہ کا خیال ہے

کہ اس زمین کومدرسہ کے پیسوں سے کرایہ کے طور پر لے لیا جائے اور ماہانہ زمین کا کرایہ جو طے ہوا ہے مسجد کے صرفہ میں لے لیا جائے۔ پھر مدرسہ اپنے پیسوں سے مسجد کی زمین پر تعمیر کر کے اس عمارت کو کرایہ پر دے اور جو کرایہ وصول ہوا ہے مدرسہ اپنے صرفہ میں لے، اربابِ مدرسہ کا خیال ہے کہ زمین پٹہ پر معین مدت کے لیے لکھوائی جائے اور اس پر عمارت بنا کر آمدنی کی صورت کی جائے، تو کیا مدرسہ کے ٹرسٹ سے موقوفہ زمین کو پٹہ پر لکھوایا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ اگر چہ مسجد کو اس موقوفہ افتادہ زمین کی ضرورت فی الحال نہیں ہے لیکن آئندہ توسیع وغیرہ کے موقع پر ضرورت ہوسکتی ہے۔ اور اس پر مدرسہ کا مکان بن جانے کے بعد اس کو حاصل کرنا مشکل ہے اور قانونی اعتبار سے بھی دشوار ہے اس لیے پٹہ پر طویل مدت کر کے کرایہ پر دینے کی اجازت نہ ہوگی۔ نیز جب کہ موقوفہ زمین پر مدرسہ کی رقم سے عمارت بنے گی تو مسجد کا وقف مدرسہ کے وقف کے ساتھ مختلط ہو جائے گا، یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس لیے اس قسم کا معاملہ نہ کیا جائے۔

اگر فی الواقع افتادہ زمین مسجد کے کسی مصرف کی نہ ہو، نہ آئندہ اس کی ضرورت کی توقع ہو، کرایہ کے قابل بھی نہ ہو، بے کار محض ہو، نیز فناء مسجد (متعلقہ مسجد) کا حکم نہ رکھتی ہو تو اہل محلہ کے اتفاق سے اسے فروخت کر کے اس کے عوض دوسری جگہ خرید لی جائے، بشرطیکہ دوسرے کے قبضہ میں جانے سے مسجد و نمازیوں کو ضرر اور تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۴ جلد ۱۰)

مسجد کی بچی ہوئی زمین پر درسگاہ بنانا؟

سوال:۔ مسجد کی بچی ہوئی زمین پر مدرسہ کی درسگاہیں یا مدرسین وطلباء کے رہنے کے گھر بنا سکتے ہیں۔ یا نہیں؟

جواب:۔ جو جگہ مسجد کی ہے اس میں اگر طلباء کے رہنے اور تعلیم کیلئے عمارت بنائیں تو اس جگہ کا کرایہ مناسب تجویز کر لیا جائے اور مدرسہ کی طرف سے وہ مسجد کو ادا کر دیا کریں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۵ جلد ۶ و فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۱ جلد ۱۷)

مدرسہ کے زیر تولیت مسجد کا حکم؟

سوال:۔ جو مسجد مدرسہ کے زیر تولیت ہو اس کا نظام وانصرام مدرسہ کے متعلق ہے، مدرسہ ہی کی جانب سے امام ومؤذن کا تقرر عمل میں آتا ہے، مدرسہ کی طرف سے ہی اس کی مرمت وغیرہ پر مصارف کیے جاتے ہیں، کیا مسجد کے تنگ ہو جانے کی وجہ سے اس کی توسیع کے لیے مدرسہ کی زمین لے کر مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے؟

جواب:۔ جو زمین مصالح مدرسہ کے لیے ہو اور اہل مدرسہ کے نزدیک مسجد کی توسیع کی ضرورت ہو تو اس زمین کو داخل مسجد کر کے توسیع کی اجازت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۹ جلد ۱۸)

مدرسہ کا راستہ مسجد میں کو؟

مسئلہ:۔ اگر مدرسہ مسجد سے ہی متعلق ہے اور اس کا دروازہ دوسری جانب نہیں کیا جاسکتا تو مجبوراً مسجد میں آنے جانے کی اجازت ہوگی۔ ایسی حالت میں مسجد کو مرور (جانے) کی شامی نے اجازت دی ہے۔ اگر دوسری جانب کو راستہ بن سکتا ہو تو دوسری جانب راستہ بنا دیا جائے، یہی احوط ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۵ جلد ۱۸)

مسجد کے دالان میں مدرسہ؟

سوال:۔ مسجد کے شمالی وجنوبی دالانوں میں مدرسہ عربی کی شاخ کے نام سے قائم ہے، جس میں طلبہ پڑھتے ہیں، اور علماء پڑھاتے ہیں، لیکن اسکواوقاف والے پسند نہیں کرتے اور ہٹانا چاہتے ہیں، کیا یہ عمل شرعاً صحیح ہے؟

جواب:۔ اگر یہ واقف کی منشاء اور رضامندی سے ہے تو اسکو ہرگز نہ ہٹایا جائے ورنہ کرایہ کا معاملہ کرلیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۸ جلد ۱۵)

مسجد کی آمدنی مدرسہ پر صرف کرنا؟

سوال:۔ مسجد کی آمدنی تقریباً دو ہزار ہے مگر اس رقم کو منتظمین مدرسہ کے اخراجات

میں صرف کر دیتے ہیں۔اور مسجد کی مرمت اور روشنی وغیرہ کا کام چندہ یا چرم قربانی سے کرتے ہیں، کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

جواب:۔ یہ صورت جائز نہیں، مسجد کی آمدنی مدرسہ میں خرچ نہ کی جائے قیمت چرم قربانی تنخواہ یا مرمت وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے اتنی مقدار کا ضمان لازم ہوگا۔(فتاویٰ محمودیہ ص۱۹۹ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ مدرسہ کے پیسہ سے جو چیز خریدی گئی وہ مدرسہ ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے، اسی طرح مسجد کے پیسہ سے خریدی ہوئی چیز مسجد ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے۔ اگر ایسی چیز جس مقصد کے لیے خریدی گئی تھی اب وہ مقصد ختم ہو گیا، مثلاً مدرسہ کی ضرورت نہیں رہی اور مسجد کے لیے یا امام صاحب کے لیے ضرورت ہو تو مدرسہ سے خرید کر استعمال کریں۔(فتاویٰ محمودیہ ص۲۰۳ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ جو زمین دوکانیں بنانے کے لیے مسجد کے لیے وقف کر دی ہے اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کو مدرسہ کے تعلیمی کام میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، اگر چہ وہ مدرسہ اسی مسجد سے متعلق ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص۱۷۳ جلد ۱۵)

مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا؟

سوال:۔ مدرسہ میں مسجد شرعی بنانا ضروریات مدرسہ میں شامل ہو کر مسجدِ شرعی ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر کوئی قریب میں دوسری مسجد نہیں جس میں اہل مدرسہ نماز ادا کر سکیں یا مسجد تو موجود ہے مگر تنگ ہے کہ سب اس میں سما نہیں سکتے یا وہاں نماز پڑھنے کیلئے جانے سے مدرسہ کی مصالح فوت ہوتی ہیں مثلاً وقت کا زیادہ حرج ہوتا ہے یا مدرسہ کی حفاظت نہیں رہتی وغیرہ وغیرہ تو مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا ضروریات مدرسہ میں داخل ہے، ایسی حالت میں وہ مسجد مسجد شرعی ہوگی۔(فتاویٰ محمودیہ ص۴۶۶ ج ۲)

☆

مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا؟

سوال:۔ایک شخص نے مسجد کے نام مکان کردیا تھا، کمیٹی نے اس مکان سے کرایہ دار کو نکال کر وہاں مدرسہ تعمیر کرانے لگے ہیں اور جو کچھ مسجد کی آمدنی تھی وہ ختم ہوگئی، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ مسجد کے وقف شدہ مکان پر مدرسہ تعمیر کرا کے مسجد کی آمدنی ختم کرنا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۵ جلد ۱۲)

ویران شدہ مسجد کی جگہ پر مدرسہ بنانا؟

سوال:۔ ہمارے یہاں ایک مسجد بالکل مسمار ہوگئی ہے، اب صرف زمین باقی ہے دوسری کوئی علامت باقی نہیں ہے، لوگ اس زمین کی بے حرمتی کرتے ہیں، تو کیا اس جگہ پر مدرسہ بنادیا جائے؟

جواب:۔ مسجد کی زمین پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ جگہ قیامت تک مسجد کے حکم میں رہے گی، لہٰذا اس کا ادب واحترام اور تعظیم وتکریم واجب ہے اور بے حرمتی حرام ہے اور جب تک مدرسہ کا انتظام نہ ہو جماعت خانہ چھوڑ کر کسی اور جگہ بچوں کی تعلیم دی جاسکتی ہے، اگر مسجد تعمیر نہ کرسکتے ہوں تو کم از کم چہار دیواری بنا کر اس کا احاطہ کرلیا جائے تاکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو، ورنہ آس پاس کے سب مسلمان گنہگار ہونگے اور اس کی وجہ سے کسی آفت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، مسجد کی جگہ میں مدرسہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۸۵ جلد ۶ بحوالہ درمختار وشامی ص ۵۱۳ ج ۳)

مسجد میں امام کے لیے کمرہ بنانا؟

مسئلہ:۔امام وغیرہ کے لیے مسجد میں کمرہ بنانا مسجد ہی کی ضروریات میں داخل ہے۔ جیسے غسل خانہ وغیرہ مسجد کی ضروریات میں داخل ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۸ جلد ۶)

مسجد کی چھت پر امام کے لیے کمرہ بنانا؟

سوال:۔ایک مسجد تین منزلہ ہے، اس میں امام ومؤذن کے رہنے کی کوئی جگہ

نہیں ہے، نیز مسجد کی احاطہ میں بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے، کہ کمرہ بنا سکیں تو کیا مسجد کی چھت پر امام کے لیے کمرہ یا دینی مدرسہ ورہائش گاہ طلباء بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اجازت نہیں ہے۔ اور مسجد کی چھت پر مسافر خانہ بنانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۸ جلد ۱۸ بحوالہ بحر الرائق ص ۲۵۱ جلد ۵)

مسئلہ:۔ مسجد کی چھت پر امام صاحب کے لیے کمرہ بنانا جائز نہیں ہے، ہاں غسل خانہ، وضوخانہ، استنجاء خانہ وغیرہ جو خارج مسجد (فناء مسجد) کے درجہ کی عمارت ہو اسکی چھت پر امام صاحب کیلئے کمرہ بنایا جاسکتا ہے، اسلئے جو جگہ ایک مرتبہ عین مسجد ہو جاتی ہے، یعنی محض نماز و ذکر وغیرہ عبادات خالصہ محضہ کے لیے ہے وہ قیامت تک کے لیے تحت الثریٰ سے لے کر عنانِ سماء تک مسجد ہو جاتی ہے۔ (نظام الفتاویٰ ص ۳۱۳ جلد ۱ بحوالہ شامی ص ۴۴۱ جلد ۱ و کفایت المفتی ص ۱۱۲ جلد ۳)

امام کا مع اہل وعیال احاطہ مسجد میں رہنا؟

مسئلہ:۔ احاطہ مسجد میں امام ومؤذن کے لیے کمرہ بنا ہو تو اس میں امام ومؤذن کا رہنا درست ہے۔ لیکن بچوں کے ساتھ رہنے میں عموماً بے پردگی ہوتی ہے، استنجاء کی جگہ الگ نہیں ہوتی اور بچوں کے شور وشعب کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف اور حرج بھی ہوگا، اس لیے ممنوع ہوگا، اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۹۵ جلد ۶)

امام کا کمرہ داخل مسجد کرکے اوپر کمرہ بنانا؟

سوال:۔ مسجد سے ملا ہوا امام صاحب کا کمرہ ہے جو اس وقت خارج مسجد ہے، لیکن اب مسجد کی توسیع کا ارادہ ہے تو کیا امام صاحب کے کمرہ کو نیچے سے مسجد میں شامل کرلیں اور اوپر کے حصہ میں رہیں تو کیسا ہے؟

جواب:۔ اگر اس کمرہ کو نماز کیلئے مسجد میں داخل کرکے مسجد قرار دیا جائے تو بالائی حصہ پر بھی ایسا کمرہ بنانا درست نہیں، جس میں امام صاحب قیام کریں۔ اگر اس کو مسجد بنانا مقصود نہیں، صرف یہ مقصود ہے کہ وقت ضرورت وہاں بھی نمازی کھڑے ہو جایا کریں اور اوپر والے حصے میں امام صاحب رہیں تو یہ درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۲ جلد ۱۵)

امام کا مسجد میں پلنگ بچھا کر لیٹنا؟

سوال:۔ جس مسجد میں امام کے رہنے کے لیے کمرہ نہ ہوتو وہاں امام مسجد میں چارپائی پر لیٹ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مسجد کے احترام کے خلاف ہے اور دوسروں کے لیے موجبِ توحش ہے، آج کل مسجد میں چارپائی بچھانے کو مسجد کی بے ادبی تصور کیا جاتا ہے، ایسے مسائل میں عرفِ عام کا لحاظ چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۸ ج ۱۵ و احسن الفتاویٰ ص ۴۵۲ جلد ۶)

مسجد کی چیزوں کا امام و مؤذن کے لیے استعمال کرنا؟

مسئلہ :۔ مسجد میں دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں، پہلی قسم محلّہ والے دیتے ہیں، وہ اگر امام صاحب کو اپنے کمرہ میں استعمال کی اجازت دیں تو درست ہے۔

دوسری قسم منتظمین مسجد کے لیے خریدتے ہیں، اگر وہ اجازت دیں تو ان کی اجازت سے درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۲ جلد ۱۸)

امام کا مسجد میں تجارت کرنا؟

مسئلہ :۔ مسجد میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے وہاں کپڑا وغیرہ رکھ کر تجارت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر امام اس سے باز نہ آئے تو وہ علیحدہ گی کا مستحق ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۸ جلد ۱۸)

(لیکن اگر وہ امام اپنے کمرہ میں تجارت کرے یا خارجِ مسجد تو جائز ہے۔ (رفعت)

مسئلہ :۔ مسجد کے کمرہ میں جانے کا دروازہ مسجد سے علیحدہ باہر سڑک کی طرف سے ہو تو اس میں عورت کے ساتھ رہنا منع نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۳ ج ۱۵)

مسجد کا غلہ فروخت کرنے والا ضامن ہے

مسئلہ :۔ مسجد کا غلہ ایک آدمی نے فروخت کر دیا اور پیسوں کا ذمہ دار فروخت کرنے والا ہو گیا پیسے آجائیں گے لیکن خریدار نے پیسے نہیں دیئے تو فروخت کرنے والا مسجد کو قیمت دے اور خریدار سے وصول کرے یا معاف کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۲ جلد ۱۸)

مسجد کے درخت کے پھل کا حکم؟

سوال:۔ مسجد کے اندر پھل کا درخت ہے، تو کیا یہ پھل کس کے لیے ہے۔ اور اگر اس مسجد میں تبلیغی جماعت پہنچ جائے، تو یہ پھل ان کو کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ ظاہر ہے کہ وہ درخت مسجد کا ہے، پھل کی قیمت مسجد میں دیدی جائے پھر جس کو دل چاہے کھلا دیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۳ جلد ۱۸)

(اگر درخت لگانے والے نے عام نمازیوں کے لیے لگایا ہے تو سب کے لیے جائز ہوگا۔ (رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسجد کی بالائی منزل پر سفراء کا قیام کرنا؟

مسئلہ:۔ مسجد شرعی اور اس کے اوپر کا حصہ بھی مسجد کے حکم میں ہے اس کو مسافر خانہ کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں۔ مسجد کی حرمت باقی نہیں رہے گی۔ سفیروں کے لیے مسجد کے علاوہ کوئی قیام گاہ نہ ہو تو ان سفراء کو ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ جو مسجد کا کما حقہ ادب، واحترام کر سکتے ہوں، اور جو احتیاط نہیں کرتے ان کو اجازت نہ دی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۶ جلد ۶)

مسجد میں داخل ہونے کی دعا کہاں سے پڑھی جائے؟

سوال:۔ ایک شاہی مسجد ہے اس کا بیرونی احاطہ بہت وسیع ہونے کی وجہ سے اصل مسجد کے حدود علیحدہ ہیں۔ ایسی صورت میں مسجد میں داخل ہونے کی دعاء کون سے دروازہ داخل ہوتے وقت پڑھی جائے؟

جواب:۔ جو جگہ نماز کے لیے متعین اور وقف ہے کہ وہاں ناپاکی کی حالت میں جانا جائز نہیں خواہ مسقّف (چھت والی) ہو یا غیر مسقّف (بغیر چھت کی) ہو، وہاں پیر رکھتے وقت دعاء پڑھی جائے۔ جو جگہ مسجد کے مسقّف حصہ یا غیر مسقّف حصہ سے متصل ہے اور نماز کے لیے متعین نہیں اور ناپاکی کی حالت میں وہاں جانا منع نہیں، وہ شرعاً مسجد نہیں اگرچہ احاطہ میں داخل ہو، وہاں ہوتے وقت دعاء نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۶ جلد ۱۸ اور آپ کے مسائل ص ۱۴۰ جلد ۳)

مسئلہ:۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر داخل کرنا چاہئے اور باہر نکلتے

وقت پہلے بایاں پاؤں باہر نکالنا سنت ہے۔اور داخل ہوتے وقت یہ دعاء کرے:

(اللھم افتح لی ابواب رحمتک)

اور مسجد سے نکلتے وقت یہ پڑھے۔(اللھم انی اسئلک من فضلک.)

(مسلم شریف ص ۲۴۸ جلد اول)

مسجد میں آتے اور جاتے وقت سلام کرنا؟

سوال:۔(۱) اگر مسجد میں کوئی نہ ہوتو اس صورت میں مسجد میں داخل ہوتے ہوئے یا نکلتے ہوئے سلام کرنا کیسا ہے؟ (۲) بعض مرتبہ مسجد کے کل حاضرین نماز میں مشغول ہوتے ہیں آنے والا سلام کرتا ہے یا کچھ نماز میں کچھ وضو میں اور کچھ نماز کے انتظار میں، اس صورت میں داخل ہونے والا سلام کرتا ہے، ایسا کرنا کیسا ہے؟ (۳) یہی صورت نکلتے وقت ہوتی ہے۔کہ جانے والا سلام کر کے چلا جاتا ہے جب کہ لوگ اپنی سنتوں میں مشغول ہوتے ہیں؟

جواب:۔(۱) یہ طریقہ ٹھیک ہے، اس طرح کہنا چاہئے۔(السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین.) مگر یہ داخل ہوتے وقت تو ثابت ہے، نکلتے وقت کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے۔(۲) یہ بھی مکروہ ہے، ردالمختار میں یہ مسئلہ موجود ہے۔(۳) یہ بھی مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۷۹ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہئے۔بشرطیکہ لوگ بیٹھے ہوں، تلاوت یا درس وغیرہ میں مشغول نہ ہوں، اور اگر مشغول ہوں تو منع ہے۔ اگر مسجد میں کوئی نہ ہو یا نماز پڑھتے ہوں اور وہ نہ سن سکتی تو ایسی صورت میں (آہستہ) کہنا چاہئے۔

(السلام علینا ربنا وعلیٰ عباداللہ الصالحین)

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۶ جلد ۳ بحوالہ شامی ص ۵۷۶ ج اوآپ کے مسائل ص ۱۳۹ جلد ۳ ونظام الفتاویٰ ص ۳۱۰ جلد ۱۔واحسن الفتاویٰ ۱۵۵ جلد ۶، درمختار ص ۵۷۸ جلد اول)

تبلیغی نصاب مسجد کے مائک پر پڑھنا؟

سوال:۔مسجد میں اذان اور کسی عالم کی تقریر کے لیے مائک لگایا گیا، اب اگر اس پر

قرآن کریم، نعت مصطفی ﷺ، نظم یا تبلیغی نصاب وغیرہ پڑھی جائے تو جائز ہے۔ یا نہیں، جبکہ اس وقت کچھ لوگ نماز بھی پڑھتے رہتے ہیں؟

جواب:۔ تبلیغی نصاب ان لوگوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے جو وہاں پر موجود ہوں اگر بغیر مائک کے آواز تک پہنچ جاتی ہے تو پھر کیوں مائک پر ان کو سنایا جاتا ہے، اس لیے اس مقصد کے لیے مائک استعمال نہ کریں خاص کر جب کہ نمازیوں کو اس سے پریشانی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۵ جلد ۱۸)

مسجد میں پیسہ دینے والوں کا اعلان کرنا؟

سوال:۔ مسجد میں چندہ دینے والوں کا نام اگر مائک پر لیا جائے تا کہ دوسروں کو بھی رغبت ہو، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ درست ہے لیکن اس کا خیال رہے کہ مسجد کو کمائی کی جگہ اور کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں، مسجد سے علیحدہ اس کا انتظام کرلیا جائے، لیکن اگر اعلان کرانے والے کا مقصد یہ ہے کہ میرا نام سب کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اتنا پیسہ دیا ہے، تو یہ مقصد غلط ہے۔ شہرت اور ناموری کی نیت سے مسجد میں پیسہ دینا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۰ ج ۱۸)

فیس دے کر اعلان کرانا؟

سوال:۔ گاؤں کے لوگ اپنی کسی چیز کی بابت مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کرائیں جب کہ مسجد کی کمیٹی اعلان کرانے کی فیس لیتی ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اہلِ مسجد کو اس کے استعمال پر معاوضہ لینا درست ہے۔ دینے والا رضامندی سے معاوضہ دیتا ہے تو نفس استعمال مائک کے معاوضہ میں مضائقہ نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۰ جلد ۱۸)

مسجد کے مائک پر چندہ دینے والے کا نام پکارنا؟

مسئلہ:۔ مسجد کے مائک پر اس طرح اعلان کرنے میں ترغیب بھی ہے۔ اور مفسدہ بھی ہے،

ترغیب تو ظاہر ہے، مفسدہ دو طرح ہے۔ ایک اس طرح کہ اس نام بنام اعلان کی وجہ سے لوگ تعریف کریں گے۔ اس تعریف کی وجہ سے بعض آدمی چندہ دیں گے تاکہ ہمارا نام بھی بولا جائے اور لوگ سن کر ہماری بھی تعریف کریں، سو یہ نیت اخلاص کے خلاف ہے جس سے ثواب ضائع ہوجاتا ہے، دوسرے اس طرح مفسدہ ہے کہ جس نے چندہ کم دیا ہے اس کو شرمندگی ہوگی اور لوگ حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ عار دلائیں گے۔ یہ ناجائز ہے۔ اس لیے اعلان کی یہ صورت قابل احتراز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۴ جلد ۸)

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی چیز مسجد میں پڑی ہوئی ملے اس کا اعلان مسجد میں کرنا جائز ہے۔ باہر کسی کی کوئی چیز گم ہوئی ہو، اس کی تلاش کے لیے (داخل) مسجد میں اس کا اعلان کرنا جائز نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لیے بددعاء فرمائی ہے۔ (لا ردالله علیک) یعنی خدا کرے تیری گمشدہ چیز نہ ملے۔

مسئلہ:۔ مسجد میں واقع مدرسہ کے لیے قربانی کی کھالیں جمع کرنے کا اعلان جائز ہے، ایک دوبار کردیا جائے، مگر یہ یاد رہے کہ اس اعلان کی وجہ سے کسی نمازی کی نماز میں خلل نہ پڑے۔ (آپ کے مسائل ص ۱۴۳ ج ۳)

مسئلہ:۔ مسجد میں بغیر اعلان کے طلب وتفتیش درست ہے، اعلان کرنا ہوتو وضو خانہ، دروازۂ مسجد میں اعلان کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۵۴ ج ۱۵)

مسئلہ:۔ گمشدہ بچے کا اعلان انسانی جان کی اہمیت کے پیشِ نظر جائز ہے اور جو چیزیں مسجد میں ملی ہوں جیسے کسی کی گھڑی وغیرہ۔ اس کا اعلان جائز ہے کہ فلاں چیز ملی ہے جسکی ہو لے لے۔ نیز جو لاؤڈ اسپیکر مسجد میں استعمال ہوتا ہو اسکو گناہ کے کام کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل ص ۱۴۴ ج ۳، معارف السنن ص ۳۱۲ جلد اول، کتاب الفقہ ص ۴۵۹ جلد اول)

☆☆

مسجد کے مائک پر اعلان جب کہ اس کے پھول میناروں پر ہیں؟

سوال:۔ مسجد کا مائک لوگوں کے چندہ سے خرید کیا گیا ہے، اور خریدنے والوں کی نیت یہ تھی کہ اعلان کیا کرینگے۔ مائک مسجد کے کمرہ میں رکھا ہوا ہے اور اس کے لاؤڈ اسپیکر کے پھول مسجد کے میناروں پر ہیں تو کیا اعلان کرنا جائز ہے؟

جواب:۔ اگر اذان کے علاوہ کوئی اور اعلان کرنا چاہتے ہیں تو اس جگہ اعلان نہ کریں۔ مثلاً کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا ہو یا کسی اور بات کی خبر دینی ہو، جس کا تعلق نماز اور مسجد سے نہ ہو تو خارجِ مسجد یہ کام کریں۔ میناروں پر مائک کے پھول اس کے لیے استعمال نہ کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۹ جلد ۱۸، نظام الفتاویٰ ص ۳۰۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ داخلِ مسجد میں نمازِ جنازہ کا اعلان تو نمازیوں کی اطلاع کے لیے صحیح ہے، مگر گمشدہ چیز کی تلاش کے لیے مسجد میں اعلان جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۱۴۳ جلد ۳)

مائک پر مسجد کے اندر سے اذان دینا؟

سوال:۔ ہمارے یہاں مسجد میں اذان کے لیے لاؤڈ اسپیکر مسجد کے اندر صفِ اول میں داہنی جانب الماری میں نصب کر دیا گیا ہے۔ اذان مسجد کے اندر پہلی صف کی جگہ پر کھڑے ہو کر پڑھنی پڑتی ہے۔ کیا مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے؟

جواب:۔ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سے آواز دور تک نہیں پہنچتی ہے جس سے اذان کا مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوتا، اس لیے بلند جگہ پر اذان دینا مستحب ہے تاکہ دور تک آواز پہنچے۔ فی نفسہٖ اذان کوئی ایسی چیز نہیں کہ احترام مسجد کے خلاف ہو۔ صورتِ مسئولہ میں اذان کی آواز مائک سے دور تک پہنچے گی اور مقصد پوری طرح حاصل ہو جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۳ جلد ۱۵)

ایک سے زائد مسجدوں میں مائک پر اذان؟

مسئلہ:۔ جب ایک مسجد کے مائک سے سب گاؤں میں اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے اور نماز کے اوقات قریب ہی قریب ہیں تو دوسری مسجد میں مائک لگانا بے ضرورت ہے، اس کے لیے مسجد کا پیسہ صرف نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۹ جلد ۱۸)

مسجد کے مائک کا اذان کے علاوہ استعمال؟

سوال:۔ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں صبح کے وقت حدیث شریف پڑھی جاتی ہے جب کہ مسجد میں کوئی شخص نہیں ہوتا، گھروں میں مرد و عورت دھیان سے نہیں سنتے، ایسی صورت میں پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ جب کہ مسجد میں کوئی آدمی موجود نہیں ہے اور اپنے اپنے مکانوں میں مرد و عورت اپنے کاموں میں مشغول ہیں، کوئی متوجہ نہیں تو ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر پر حدیث شریف سنانا بے محل ہے۔ اس سے پرہیز کیا جائے۔

مسئلہ:۔ مسجد میں جو بچے پڑھنے کے لیے آتے ہیں ان کی تعلیم کے لے ان کو تقریر کی مشق کرانا اور نعت پڑھوانا بھی درست ہے۔

مسئلہ:۔ محلّہ میں جو گھروں میں تبلیغ ہوتی ہے۔ اس کا اعلان بھی درست ہے۔ گمشدہ بچے کا اعلان مسجد سے خارج کیا جائے۔

مسئلہ:۔ مسجد میں اگر کوئی جلسہ ہو تو اس وقت حمد و نعت اور تقریر و عظ کے لیے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کر لیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۱ و ص ۲۲۶ ج ۱۷)

مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے وعظ سننا؟

مسئلہ:۔ فی نفسہ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ سے اگر تلاوتِ کلام پاک یا وعظ کی آواز آئے تو اسکا سننا مسجد اور غیر مسجد سب جگہ درست ہے، لیکن اگر مسجد میں یہ طریقہ (کہ ریڈیو یا ٹیپ مسجد میں رکھ کر تلاوتِ قرآن یا کسی مقرر کی تقریر سننا) شروع کر دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ ہر قسم کی چیزوں کے لیے مکانات کی طرح مسجد میں ریڈیو ٹیپ ریکارڈ کا استعمال ہونے لگے گا،

اور جائز کی تمیز باقی نہ رہے گی۔ اسلئے مسجد میں ایسی چیزوں سے احتراز کیا جائے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۳ جلد ۱۸)

مسجد میں کرسی بچھا کر وعظ کرنا؟

مسئلہ:۔ منبر نہ ہو تو کرسی یا مونڈھا بچھا کر اس پر بیٹھ کر وعظ وتقریر کرنا درست ہے۔ نیز وعظ وتقریر کے لیے مسجد میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۸ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ احکام شرعیہ بیان کرنے کے لیے مسجد میں جلسہ کرنا درست ہے مقرر وواعظ کو چاہئے کہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد حاضرین کو سنائیں اور سمجھائیں اور سامعین کو بھی چاہئے کہ نہایت ادب اور احترام سے سنیں اور عمل کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۷۴ ج ۴)

(جلسہ میں شور وغل، طعن وتشنیع اور ہر وہ عمل جو احترام مسجد کے خلاف، ہو نہ کیا جائے۔ محمد رفعت قاسمی)

شب برأت میں مسجد کے مائک پر تقریریں کرنا؟

مسئلہ:۔ مسجد میں تقریر اور درس خواہ بڑی راتوں میں ہو یا چھوٹی راتوں میں اس کے دوران صرف اندر کے مائک پر لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا چاہئے، تاکہ آواز مسجد تک محدود ہے۔ اور اہل محلّہ کو جن میں بیمار بھی ہوتے ہیں۔ تشویش نہ ہو، سنانے کا نفع اسی وقت ہوتا ہے جب کہ سننے والے شوق اور رغبت سے سنیں۔ اس لیے جن کو سنانا مقصود ہو ان کو ترغیب دے کر مسجد میں لایا جائے۔ (آپ کے مسائل ص ۱۴۵ جلد ۳)

مسجد کی رقم سے بیٹری بھروانا؟

سوال:۔ مسجد میں اسپیکر کی بیٹری بھرواتے ہیں، اس میں جو صرفہ ہوتا ہے کیا اس کو مسجد کے جمع شدہ روپیہ سے ادا کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ اگر مسجد کی ضرورت کے لیے یہ صرفہ ہے تو مسجد کے لیے جمع شدہ روپیہ سے ان کو پورا کرنا درست ہے، ورنہ اس کا انتظام علیحدہ سے کیا جائے (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۸ جلد ۱۸)

مسجد میں تولیہ وغیرہ رکھنا؟

مسئلہ :۔ مسجد میں تولیہ وآئینہ رکھنا یہ سب تکلفات ہیں، جو لوگ اپنے مکانات میں تکلف کے ساتھ رہتے ہیں اپنے انتظام سے مسجد میں بھی یہ چیزیں رکھ سکتے ہیں، فی نفسہٖ یہ چیزیں نہ ضروری ہیں کہ مسجد کی طرف سے ان کا انتظام کیا جائے، نہ ممنوع ہیں کہ ان کو حرام کہا جائے۔ اصل تو یہ ہے کہ اپنے مکان سے وضو کر کے آدمی مسجد میں جائے، اگر مسجد ہی میں وضو کرنا ہو تو اپنا تولیہ ساتھ لے جائے۔

وضو کے بعد آئینہ دیکھنا نہ کوئی شرعی چیز ہے نہ عرفی، اس عادت کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ منبر پر غلاف بھی ایک تکلف کی چیز ہے۔ در و دیوار کو کپڑے پہنانے کی حدیث میں ممانعت بھی آئی ہے، ہاں اگر گرمی و سردی سے تحفظ مقصود ہو تو مضائقہ بھی نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۱۳۲ جلد ۱۸)

مسئلہ :۔ مسجد کی سامنے والی دیوار میں کوئی بھی ایسا کام آئینہ، طغریٰ، نقش ونگار جس سے نماز پڑھنے والے کی توجہ اس کیطرف ہو مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۴۱ جلد ۱۸)

مسجد کے اندر پائیدان رکھنا؟

مسئلہ :۔ فتاویٰ عالمگیری ص۷۰ جلد اول سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے فرش کی حفاظت کے لیے مسجد میں پائیدان، گوڈری اور بوریا بچھانا اور اس سے پیر پونچھنا درست ہے، کیونکہ کبھی پیر بھیگا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس سے مسجد کی دری (صف، گدے وغیرہ) پر دھبہ پڑ جاتا ہے، لہٰذا مسجد میں پائیدان رکھ دیا جائے تو ممنوع نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۸۴ جلد ۶)

مسجد میں اُگالدان رکھنا؟

مسئلہ :۔ لعاب دانی یعنی اگالدان صبح و شام وقتاً فوقتاً صاف کی جاتی ہو، بدبو دار نہ ہتی ہو تو مسجد میں رکھ سکتے ہیں، ورنہ اجازت نہ ہوگی، مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے، مجبوری نہ ہو تو باہر جا کر تھوکنا چاہئے یا رومال میں تھوک لینا چاہئے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۲۰ جلد ۶ واحسن الفتاویٰ ص۴۵۳ جلد ۶)

ماہِ رمضان میں مسجد کو سجانا؟

مسئلہ:۔ رمضان المبارک میں نمازی ہمیشہ سے زائد ہوتے ہیں ان کی راحت و سہولت کے لحاظ سے حسبِ ضرورت روشنی میں کچھ اضافہ کیا جائے تو جائز اور مستحسن ہے، ہاں صرف مسجد کی رونق افزائی کے لیے حد سے زائد روشنی کرنا ناجائز اور سخت منع ہے۔ خلافِ شرع امور سے مسجد کی رونق نہیں بڑھتی، بلکہ بے حرمتی ہوتی ہے۔ مسجد کی زینت اور رونق اس کی صفائی، خوشبو نیز نمازیوں کی زیادتی، اچھی پوشاک پہن کر، خوشبو لگا کر، خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے اور باادب بیٹھنے میں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۰ جلد ۲)

دِربارِ الٰہی میں دنیا کے کام

مسئلہ:۔ مسجد میں جہاں باطمینان جگہ مل جائے بیٹھ جائے، نہ نمازیوں کی گردن پھاندی جائے، نہ جگہ کے لیے شور و ہنگامہ کیا جائے۔ نہ صف میں گھس کر جہاں جگہ نہ ہو، نہ مصلی کو تکلیف دینے کی کوشش کی جائے، نہ نماز پڑھنے والوں کے آگے سے گزرنے کی جرأت کی جائے، نہ انگلی وغیرہ چٹخائی جائے کہ ان کی ممانعت آئی ہے۔ ہر ایسی حرکت سے جو خلافِ ادب اور شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے اجتناب کیا جائے، موقع ہو تو ذکر و شغل اور نوافل میں وقت گزارے، ورنہ خاموش باادب بیٹھا رہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۱۵ جلد ۶)

دنیا کی باتوں سے اجتناب

آداب مسجد سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اس میں دنیا کی باتیں کرنے سے احتراز کیا جائے، وہ باتیں جائز ہوں خواہ ناجائز۔ اس زمانہ میں اس گناہ میں عوام وخواص دونوں ہی کم وبیش مبتلا ہیں۔ اس لیے ذرا تفصیل سے بیان کیے جارہے ہیں۔ یہ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ قرآن پاک نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں اسے بیان کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

(ان المسجد لله فلاتدعو امع الله احداً) (سورہ جن ۲)

بلاشبہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

مفسرین نے اس کو اس آیت کے ضمن میں مسجد میں دنیا کی گفتگو کا مسئلہ کھول کر لکھا

ہے اوراس کوواضح کیا ہے کہ یہ گھر اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی تسبیح وتقدیس اور عبادت کے لیے مخصوص ہے۔

اس آیت میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسجدوں میں صرف ذکر اللہ ہی کی قسم کی چیزیں ہونی چاہئیں کیونکہ یہاں بُیوت سے مساجد مراد ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی قدر ومنزلت بھی اسی میں ہے کہ دنیاوی باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ وہاں پہنچ کر دھیان سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ پر ہو۔

رحمتِ عالم ﷺ کی پیشین گوئی اور اُمت کو ہدایت

میں نے یہ اس لیے نقل کیا تا کہ اصل مسئلہ کھل کر اہلِ علم کے سامنے آجائے اور ان کو کوئی اشکال پیدا نہ ہوسکے، ورنہ سب کو معلوم ہے کہ رحمت عالم ﷺ کے زمانہ میں ان کا کیا احترام تھا اور آپ ﷺ کے خلفاءؓ واصحابؓ نے اس احترام کو کیسے نباہا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں ایسی باتوں کا عام مسلمانوں کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا کی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی۔ پھر آپ ﷺ نے تاکیداً فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ ارشاد فرمایا تھا۔

(فلا تجالسوهم فليس لله فيهم حاجة.) (مشکوٰۃ ص ۷۱ جلد اول)

ان لوگوں میں (جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں) مت بیٹھنا کیونکہ انکی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں۔

گویا دنیا کی باتیں خانۂ خدا میں اس قدر مبغوض ہیں کہ اس بڑے خطرہ کی آپ ﷺ نے اپنی امت کو سیکڑوں سال پہلے اطلاع دی اور پھر تاکید فرمادی کہ اس گناہ کے کام سے بچنا اور ہرگز اس کی جرأت نہ کرنا۔

فقیہ ابو اللیثؒ نے بھی حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا بجز نام کے اور قرآن کا سوائے نشان کے اور کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مسجدیں بنی تو ہونگی لیکن ذکر اللہ سے ویران ہونگی۔ (تنبیہ الغافلین ص ۱۰۱)

ان روایتوں کو پڑھ کرڈر معلوم ہوتا ہے کہ کیا عجب جس زمانہ کی یہ پیشین گوئی کی گئی تھی وہ ہمارا یہی زمانہ ہو۔ اس لیے اربابِ علم ودانش خوب غور کرلیں اورعوام مسلمان اپنے اعمال پر گہری نظر ڈالیں۔

کون نہیں جانتا کہ مسجد دربارِ الٰہی اور جلوہ گاہِ رحمت ہے۔ پھر ایسے مقدس اور پرجلال دربار میں دنیا کی باتیں جتنی نامناسب، نازیبا، عقل وخرد سے بعید اور مذموم ہوسکتی ہیں ہرشخص سمجھ سکتا ہے۔ (اسلام کا نظام مساجد ص ۱۹۶)

روئے زمین پر وہ جگہ جواللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے پیاری اور سب سے بہتر ہے۔ وہ وہی گھر ہے جس کو ہم ''مسجد'' کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بازار کو سب سے بری جگہ قرار دیا گیا ہے۔ آخر بات کیا ہے، یہی نہ کہ بازار دنیاوی دھندوں کے اڈے ہوتے ہیں، جہاں دنیا اپنی بساط بچھائے رونق افروز رہتی ہے۔ اور شوروغل، ہوہڑپ اور ہنگامہ اس کا لازمہ ہے۔

غور کیجئے جب اسی مبغوض ترین جگہ کے لوازم اس محترم ومقدس دربار میں کیے جائینگے جوعند اللہ محبوب ترین ہے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے توفیق عطا فرمائے۔

مسجد میں دنیوی باتیں کرنا؟

مسئلہ:۔ مسجد میں دنیاوی باتوں میں مشغول ہونا خطرناک ہے جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیوی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی۔ ان کے ساتھ نہ بیٹھیو، خدا کو ایسوں کی ضرورت نہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۰ جلد اول)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔ ''دنیاوی باتیں کرنا نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح کہ آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے''، یعنی جلا دیتی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے لگتا ہے، تو فرشتے اس کو کہتے ہیں ''اے اللہ کے ولی خاموش ہوجا'' پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں ''اے اللہ کی دشمن چپ ہو''، پھر (بھی) اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں ''تجھ پر لعنت

ھواللہ کی، خاموش رہ‘‘۔(کتاب المدخل ص ۵۵ جلد۲)۔

اگر مسجد میں بقصدِ گفتگو نہ بیٹھے۔اتفاقاً کوئی دنیاوی بات ضروری آہستہ سے کرلے تو مضائقہ نہیں، تاہم بچنا بہتر ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۱ جلد۲ وامداد الاحکام ص ۴۴۱ ج۱)

مسئلہ:۔مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے پاس اس طرح باتیں کرنا کہ ان کی نماز میں سہو (غلطی) ہو، اور نقصان آنے کا خطرہ ہو، مکروہ ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۰۷ جلد۴ بحوالہ درمختار ص ۶۰۲ جلد اول)

مسئلہ:۔مسجد میں ناجائز کلام اونچی آواز سے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(کتاب الفقہ ص ۴۵۵ جلد ۱ واحسن الفتاویٰ ص ۴۵۶ جلد ۶)

مسئلہ:۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لیے بیٹھنا ناجائز ہے، البتہ اگر نماز وغیرہ عبادات کے لیے مسجد میں آنے کے بعد کوئی ضرورت پیش آجائے تو مباح کلام کرنا ایسے طریقے پر کہ دوسرے عبادت کرنے والوں کو اذیت نہ ہو درست ہے اور غیر مباح کلام جیسے فحش گفتگو اور جھوٹے قصے کسی طرح درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۰۸ جلد اول وآپ کے مسائل ص ۱۵۱ جلد۳)

مسئلہ:۔خیر خیریت پوچھ لینا اور کوئی ضروری بات کرنا۔اس کی تو ممانعت نہیں، لیکن لایعنی قصے کو لے کر مسجد میں بیٹھنے کی اجازت نہیں۔(آپ کے مسائل ص ۱۴۲ جلد۳ وکفایت المفتی ص ۱۷۰ جلد۳)

مسجد میں بیٹھ کر مشورہ کرنا؟

مسئلہ:۔بلا شور وشغب کے اس طرح بیٹھ کر مشورہ کر سکتے ہیں کہ مسجد کا ادب ملحوظ رہے اور کسی کی نماز میں خلل نہ آئے۔مسجد کی ضروریات مثلاً تقرر امام وتعیین اوقات نماز وغیرہ کے متعلق مشورہ کرنا دنیا کی بات نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۲ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔دنیاوی کلام بضرورت ہو تو مسجد میں جائز ہے، بشرطیکہ مسجد میں اسی غرض سے نہ آیا ہو، بلا ضرورت مکروہ ہے، اس کی سخت وعید آئی ہے۔(امداد الاحکام ص ۴۵۲ جلد اول)

مسجد میں نعت شریف پڑھنا؟

مسئلہ :۔ مسجد میں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک میں نعت پڑھ سکتے ہیں جبکہ مضمون صحیح ہو، اور کوئی خارجی مفسدہ بھی نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ ص ۱۶۳ جلد ۱۵)

مسئلہ :۔ جن قصیدوں یا اشعار میں مسلمانوں کی مذمت نہ بیان کی گئی ہو اور ان میں بے ہودہ گوئی نہ ہو، ان کا مسجد میں پڑھنا جائز ہے، مگر ایسے قصیدہ اور اشعار نہ ہی پڑھے جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔

زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسے اشعار پڑھے جائیں جن کے سننے سے دنیا کی رغبت کم ہوتی ہو اور دل میں سوز و گداز پیدا ہوتا ہو۔ گریہ وزاری کا میلان بڑھے اور دل عشق الٰہی کی طرف مائل ہوں، ایسے اشعار زیادہ بھی پڑھے جائیں تو جائز ہے۔

(غنیۃ ص ۱۰۴ و کتاب الفقہ ص ۴۵۹ جلد ۱)

مسجد میں خرید و فروخت کرنا؟

سوال :۔ یہاں پر مدارس کے علاقہ میں اگر کوئی کتاب فروخت کرنی ہوتی ہے۔ تو مسجد میں آ کر تقریر کرتے ہیں اور کتاب کے فضائل بیان کرینگے۔ اور اخیر میں کتاب کی قیمت بتا کر مسجد میں خرید و فروخت شروع کر دینگے۔ اور ایسے ہی ایک صاحب نے نقش تیار کر کے منبر کے اوپر رکھ دیا اور فضائل بیان کر کے مسجد میں فروخت کر دیئے۔ مسجد کے اندر یہ عمل کیسا ہے؟

جواب :۔ مسجد میں خرید فروخت اس طرح بھی ناجائز ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۳ ج ۱۵ و احسن الفتاویٰ ص ۴۴۱ جلد ۶)

مسئلہ :۔ خارجِ مسجد خرید و فروخت جائز ہے۔ مسجد کے اندر یعنی داخلِ مسجد لین دین کا معاملہ مثلاً خرید و فروخت یا مزدوری وغیرہ کا معاملہ طے کرنا مکروہ ہے لیکن ہبہ وغیرہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ بلکہ عقد نکاح تو مسجد میں مستحب ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۴۵۶ جلد اول)

مسئلہ :۔ مسجد میں چھپکلی مارنا نہیں چاہئے، اس کو وہاں سے نکال کر مارا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۳ جلد ۱۵)

خانۂ کعبہ کی تصویر مسجد میں لگانا؟

مسئلہ:۔ حضور پُر نور ﷺ کے روضۂ مبارک اور خانۂ کعبہ کی تصویر (جس میں جاندار کی تصویر نہ ہو) مسجد میں لگا سکتے ہیں، مگر سامنے نہ لگائیں جس سے نمازیوں کی نظر اس پر جائے، نیز اونچائی پر لگائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۹ جلد ۱۲)

مسئلہ:۔ نماز کی روح خشوع وخضوع ہے اور خشوع وخضوع اور خدا کی طرف دل کی توجہ کے بغیر نماز بے جان ہے۔ مسجد کی محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش ونگار (بیل بوٹے) ہونگے تو نمازی کی توجہ اس کی طرف ہوگی اور خشوع وخضوع میں خلل انداز ہونگے، اس لیے منع ہے۔ بلکہ فقہاء یہاں تک لکھتے ہیں کہ اردگرد کی دیوار کا نقش ونگار اس کے قریب والے نمازیوں کے خشوع وخضوع میں مخل ہوگا۔

مسئلہ:۔ جو خوب صورتی نقش ونگار، فریم اور کیلنڈر وغیرہ نمازی کو غافل کرنے والی اور خشوع وخضوع میں مخل ہوان سے بچنا ضروری ہے۔ نیز مسجد میں رنگین بلب وغیرہ لٹکانا عبادت گاہ کو تماشہ گاہ بنانے کے مترادف ہے اس لیے کراہت سے خالی نہیں ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۵ جلد ۱۰ بحوالہ نوری شرح مسلم ص ۲۰۸ جلد اول وجذب القلوب ص ۲۱۶)

مسئلہ:۔ مسجد میں ایسے نقشے اور کتبے لگانا (جس میں خانۂ کعبہ یا مسجد نبوی ﷺ کا فوٹو وغیرہ ہو) یا مسجد کی دیوار پر ایسے نقش ونگار کرنا جس سے نمازیوں کا دھیان اس کی طرف جائے مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۳ جلد ۱۸)

مسجد نبوی ﷺ کے فوٹو کی طرف رُخ کر کے درود شریف پڑھنا؟

مسئلہ:۔ ہر نماز کے بعد نقشے کی جانب رخ کر کے ہاتھ باندھ کر درود شریف پڑھنے کا یہ طریقہ کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، نہ صحابۂ کرامؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا، نہ محدثین نے، نہ فقہائے مجتہدین نے۔ نماز میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ افضل ہے۔ نماز سے پہلے یا بعد میں جب دل چاہے جس قدر

بھی توفیق ہو بڑے ادب واحترام سے بیٹھ کر درود شریف پڑھنا بہت بڑی سعادت ہے اور برکت کی چیز ہے۔ آنحضرت ﷺ کا بہت بڑا حق ہے۔ حدیث پاک میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۴ جلد ۱۸)

تصویر والی کتاب مسجد میں پڑھنا؟

سوال:۔ کوئی کتاب جس میں تصویر ہوتی ہے۔ مثلاً ہدیٰ ڈائجسٹ وغیرہ کو مسجد میں بیٹھ کر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ تصویر روپیہ، پیسہ اور ماچس پر بھی ہوتی ہے۔ اور یہ چیز جیب میں رہتی ہیں؟

جواب:۔ پیسہ، روپیہ، یا سلائی (ماچس) پر جو تصاویر ہوتی ہیں، عموماً وہ بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جاندار کی تصویر ہے یا کوئی پھول وغیرہ۔ ایسی چھوٹی تصاویر کی چیز کے حکم میں تخفیف ہے۔ نیز پیسہ روپیہ ضرورت کی چیزیں ہیں کہ بغیر اس کے چارۂ کار نہیں، اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کو اپنے پاس رکھنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے۔ نیز اس سے بچنا دشوار ہے کیونکہ بغیر تصویر کے پیسہ روپیہ نایاب ہے۔ نیز ان تصاویر کو دیکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ ان میں جاذبیت نہیں۔

کتابوں کی تصاویر کی یہ شان نہیں، ان کو پیسہ روپیہ کی تصاویر پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے ان میں تخفیف کو تلاش نہ کریں۔ مسجد کو ایسی چیزوں سے بچانا چاہئے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۹ جلد ۱۵)

مسجد میں مرحوم کے لیے ختم پڑھنا؟

مسئلہ:۔ جو ختم بزرگوں سے ثابت ہے اس کو پڑھنا، یا ختم پڑھ کر بزرگوں (وغیرہ) کو ثواب پہنچانا درست ہے، لیکن کسی کو اس (پڑھنے) پر مجبور نہ کیا جائے، جس کا دل چاہے شریک ہو اور جس کا دل نہ چاہے نہ شریک ہو، نیز اپنی طرف سے کوئی چیز ایسی نہ ملائی جائے جو ثابت نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۱۸ جلد ۱۲)

سحری کے لیے مسجد کی چھت پر نقارہ بجانا؟

مسئلہ:۔ سحری کے لیے مکان کی چھت پر نقارہ بجانے کی اجازت ہے، مسجد میں یا مسجد کی چھت پر نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۲ ج ۱۵)

(یعنی خارج مسجد، امام صاحب کے کمرہ کی چھت پر یا وضو خانے وغیرہ کی چھت پر سحری میں اٹھانے کے لیے نقارہ بجا سکتے ہیں۔ (رفعت)

مسجد کی چھت پر چڑھ کر شکار کھیلنا؟

مسئلہ :۔ مسجد کی چھت پر شکار کے لیے چڑھنا منع ہے اور ایسی طرح کھیلنا کہ جانور مسجد میں گرے اور مسجد ملوث ہو، یہ بھی منع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۴ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ نفسِ شکار کرنا کبوتر کا جائز ہے مگر مسجد کا احترام بھی لازم ہے، لہٰذا مسجد میں کبوتر اس طرح نہ پکڑیں کہ جس سے مسجد کی بے حرمتی ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۴ جلد اول)

مسجد میں نہ جانے کی قسم کھانا؟

سوال:۔ چند لوگ مسجد میں خرافات کی باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان کو منع کیا تو وہ لڑنے لگے، جس پر میں نے قسم کھالی کہ مسجد میں نہیں آؤنگا۔ تو میرے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ آپ نے غلطی کی جو ایسی قسم کھالی۔ آپ مسجد میں جائیں۔ پھر اپنی قسم کا کفارہ ادا کریں۔ کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں یا دس غریبوں کو کپڑا دیں، اگر اتنی وسعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھیں اور آئندہ اس قسم کی چیز نہ کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۱ جلد ۴)

مسجد کی دیوار میں دُوکان کی الماری بنانا؟

سوال:۔ ایک مسجد لب سڑک ہے جس کا فرش قد آدم سے بھی دو فٹ زیادہ اونچا ہے، مسجد کی ایک دوکان چھوٹی سی ہے۔ اگر وسعت دینے کے لیے ایک چھوٹی سی الماری بنادی جائے۔ نیز یہ الماری مسجد کے فرش سے نیچے کی طرف ہوگی۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ جو جگہ شرعاً مسجد ہوتی ہے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہوتی ہے، مسجد کی دیوار میں اس طرح الماری بنانا کہ وہ مسجد کے فرش کے نیچے پڑتی ہو اور اس کو کرایہ پر دینا ذریعہ آمدنی بنانا شرعاً درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۶۶ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ مسجد کی تعمیر کردہ دیوار میں تختہ وغیرہ لگانے سے نقصان نہ پہنچتا ہو (کہ دیوار کمزور ہو جائے یا کوئی اور نقصان نہ پہنچے تو) قرآن پاک اور دینی کتب مطالعہ کے لیے وہاں رکھنا درست ہے۔ (یعنی تعمیر ہونے کے بعد الماری وغیرہ بنانا)۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۲۲۷ جلد ۱۸)

مسجد سے نکلنے کے لیے تیمّم کرنا؟

سوال:۔ مسجد میں سونے والے کو احتلام ہو جائے تو نکلتے وقت اس کو تیمّم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مسجد سے نکلنے کے لیے تیمّم ضروری نہیں، البتہ اگر کسی عارضہ کی وجہ سے اس وقت نکلنا دشوار ہو تو تیمّم ضروری ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۵۱۲ جلد اول و کفایت المفتی ص۱۰۶ جلد ۳ و عالمگیری ص۳۹ جلد اول)

کیا مسجد میں پہنچ کر پہلے بیٹھے؟

مسئلہ:۔ سنت یہی ہے کہ مسجد میں جاتے ہی بغیر بیٹھے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کرے اور اگر پہلے بیٹھ گیا تو یہ ترک اولیٰ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۱۶ جلد ۴)

مسئلہ:۔ اولیٰ اور مستحب یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے وقت اگر وضو ہے اور وقت میں گنجائش ہے تو پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے پھر بیٹھے۔ اور یہ جو رواج پڑ گیا ہے کہ مسجد میں داخل ہو کر پہلے بیٹھ کر پھر تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھتے ہیں، اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص۲۳۶ جلد ۴ بحوالہ رد المختار ص۶۳۵ جلد اول و بخاری ص۶۳ جلد ۱ و مسلم ص۲۴۸ جلد ۱)

مسئلہ:۔ بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، مگر بیٹھنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ اس لیے بیٹھنے کے بعد اگر جلدی جماعت شروع ہوگئی تو یہ فرض تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائینگے،

اگر جماعت میں تاخیر ہے تو اُٹھ کر تحیۃ المسجد اداء کرے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۲ جلد ۳)

مسئلہ:۔ سنن ونوافل پڑھنے کے لیے گھر افضل ہے، لیکن اگر راستہ میں یا گھر میں یہ خوف ہو کہ دل پریشان ہو جائے۔ گا اور خشوع حاصل نہ ہوگا، یا تکلم بکلام غیر ضروری کی وجہ سے نقصان ثواب میں ہوگا۔ تو ایسی صورت میں مسجد میں پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ زیادہ تر لحاظ خشوع وخضوع کا ہے جس جگہ یہ حاصل ہو وہ افضل ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۷ جلد ۴ بحوالہ درمختار باب الوتر ص ۶۳۸ جلد ۱)

مسئلہ:۔ مسجد کی فضیلت اندر و باہر (صحن ودالان وغیرہ) سب برابر ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۶ جلد ۴ بحوالہ درمختار فی احکام المسجد ص ۶۱۵ جلد ۱)

تحیۃ المسجد کا حکم

مسئلہ:۔ مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعت پڑھ لے تو وہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد دونوں کے قائم مقام ہو جائیں گی، بلکہ مسجد میں داخل ہوتے ہی کوئی بھی نماز پڑھ لی تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا۔ اسی طرح وضوء کی تری خشک ہونے سے قبل کوئی بھی نماز پڑھ لے تو تحیۃ الوضو ادا ہو جائے گا۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۱ جلد ۳)

مسئلہ:۔ عصر کے بعد غروب تک کوئی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں، البتہ غروب کے بعد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نفل مختصر طور پر پڑھنا جائز ہی ہے مگر افضل یہ ہے کہ نمازِ مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے، اس میں کسی صورت کی تخصیص نہیں۔

(احسن الفتاویٰ ص ۴۸۰ جلد ۳ بحوالہ ردالمحتار ص ۳۴۹ جلد ۱)

مسئلہ:۔ اوقاتِ مکروہہ کے سوا جب بھی مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد مسنون ہے۔ وقتی نمازوں کیساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ پنج وقتہ نماز کے لیے مسجد داخل ہوتے ہی بیٹھنے کے بعد جلد ہی اگر وقتی فرض یا سنت شروع کر دیں تو یہ نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوگی۔ مستقل تحیۃ المسجد کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب بلانیتِ نماز مسجد داخل ہو، البتہ اگر نماز کی نیت سے داخل ہو اگر جماعت میں تاخیر ہے اور سنتیں وغیرہ بھی جلد پڑھنے کا قصد نہیں تو تحیۃ المسجد مستقل پڑھے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۸۳ جلد ۳)

مسئلہ:۔ وقت مکروہ نہ ہوتو (مسجد میں پہنچ کر تحیۃ المسجد) پڑھی جاسکتی ہے۔ جماعت شروع ہونے سے پہلے فراغت ہوسکتی ہے تو پڑھے ورنہ چھوڑ دے۔ (نیز) مسجد میں بار بار جانے والے کے لیے ایک مرتبہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لینا کافی ہے۔ ہر مرتبہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۲۶ جلد ا و کتاب الفقہ ص ۵۲۷ جلد ا)

مسجد میں نمازِ جنازہ؟

مسئلہ:۔ مدینہ منورہ میں نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد نبوی ﷺ کے متصل جانب شرق میں تھی۔

مسجد پانچ نمازوں کے لیے بنائی جاتی ہے، اس میں نماز جنازہ بلا عذر پڑھنا کراہیت سے خالی نہیں، اگر مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہت کے جائز ہوتی تو حضور ﷺ اس کے لیے مستقل ایک جگہ نہ بنواتے بلکہ مسجد ہی کافی تھی، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ حضور ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ختم ہوتے ہی ایک مستقل جگہ نماز جناہ پڑھنے کے لیے بنوائی۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۸۷ جلد ۲ بحوالہ فتح الباری ص ۱۶۰ ج ۳ و التعلیق الصبیح ص ۲۳۹ جلد ۲)

مسئلہ:۔ نمازِ جنازہ اگر مسجد میں ہورہی ہو تو اصلاح کی خاطر جماعت سے علیحدگی اختیار کرلے تو بہتر ہے۔

مسئلہ:۔ باوجود مسئلہ بتانے کے اگر لوگ رواجاً نمازِ جنازہ (داخلِ) مسجد میں پڑھتے ہوں تو شرکتِ جماعت سے اور امامت سے معذوری ظاہر کردی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹۸ جلد ۱۰ و کفایت المفتی ص ۱۴۱ جلد ۳)

مسئلہ:۔ بلا عذر اور بغیر مجبوری کے جنازہ کو مسجد میں داخل کرنا منع ہے اور مکروہ ہے، کیونکہ تلویث کا ڈر ہے۔ یعنی بعض مرتبہ جنازہ سے خون وغیرہ نکل جاتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۵ جلد ۵ و ص ۳۷۴ جلد ا۔ تفصیل دیکھئے بخاری شریف ص ۱۷۷ جلد اول و مسلم شریف ص ۳۱۹ ج ا و کفایت المفتی ص ۱۴۱ جلد ۳ و شامی ص ۸۲۷ جلد اول و امداد الاحکام ص ۶۰ ۴ جلد اول)

جنازہ مسجد سے باہر امام اور مقتدی مسجد کے اندر؟

سوال:۔ جنازہ کو مسجد سے باہر اس طرح پر رکھتے ہیں کہ قبلہ کی طرف والی دیوار میں ایک بڑی کھڑکی ہے، وہ کھول کر اس کے سامنے جنازہ مسجد سے باہر رکھ کر امام صاحب مع جماعت کے نمازِ جنازہ پڑھا لیتے ہیں کیونکہ جمعہ کے دن میں اتنے آدمی نمازِ جنازہ کے لیے مسجد سے باہر کہاں سما سکتے ہیں؟

جواب:۔ صورت مسئولہ میں درمختار میں تو کراہت ہی کو مختار کہا ہے، مگر علامہ شامیؒ نے بعض جزئیات فقہیہ سے اس میں توسیع لکھا ہے۔ (امدادالاحکام ص ۷۵۴ ج ۱)

(مسجد نبوی شریف میں بھی یہی طریقہ ہے کہ امام محراب سے باہر خارج مسجد قبلہ رخ کمرہ میں جنازہ کو رکھ کر نماز جنازہ ہوتی ہے۔ کچھ لوگ امام کے ساتھ خارج مسجد ہوتے ہیں اور باقی حضرات مسجد میں یعنی جنازہ داخل مسجد نہیں ہوتا۔ اور مسجد حرام میں خانہ کعبہ کی دیوار کے پاس جنازہ رکھا جاتا ہے کیونکہ وہاں پر مجبوری ہے کہ اگر جنازہ کو خارجِ مسجد کیا جائے تو مقتدی امام سے آگے ہو جائینگے۔ (محمد رفعت قاسمی)

مساجد کے شہید کرنے پر سزا فوراً کیوں نہیں؟

سوال:۔ غیر قوم کو اللہ تعالیٰ بزرگوں کی درگاہوں کو شہید کرنے پر فوراً سزا دیتا ہے۔ لیکن مساجد کے شہید کرنے پر ان لوگوں کو فوراً سزا کیوں نہیں دیتا؟

جواب:۔ قرآن و احادیث سے کہاں ثابت ہے کہ ولی اللہ کی درگاہ کو شہید کرنے پر اللہ تعالیٰ فوراً سزا دیتا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے اب تک مشرقی پنجاب میں کتنے اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی درگاہیں شہید کر دی گئیں۔ اور بھی جگہ جگہ ایسا ہوا ہے مگر فوراً سزا نہیں دی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، اور جہاں فوراً سزا دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے مساجد کو شہید کرنے پر فوراً سزا نہیں دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۰ جلد ۱۴)

مسجد پر قبضہ کر کے گھر بنا لینا؟

مسئلہ :۔ اس جگہ کے وقف اور مسجد ہونے کا ثبوت ہو جائے پھر چاہے وہ مدت دراز تک

ویران، غیر آباد اور خستہ حالی میں پڑی رہی ہو، تب بھی وہ جگہ مسجد ہے اور تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی، او اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کھانے پینے، سونے کے کام میں لینا ناجائز اور حرام ہے، غاصب کی حمایت کرنے والے بھی گنہگار ہونگے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۰ جلد ۶)

مسجد کا بیمہ کرانا؟

سوال:۔ مسجد کا بیمہ کرانا کیسا ہے، کیونکہ یہاں کی مسجد گزشتہ فساد میں جلادی گئی تھی، مسجد کا سامان وغیرہ بھی؟

جواب:۔ اگر مسجد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں تو مجبوراً بیمہ کرانا درست ہے، مگر اس سے حاصل ہونے والی سودی رقم مسجد میں صرف نہ کی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۹ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ جو رقم بیمہ کے ضمن میں ادا کی گئی ہے وہ رقم مسجد، مدرسہ اور عبادت گاہ کی ہوگی اور زائد رقم غرباء کو تقسیم کرنا ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۷ جلد ۶)

مسجد کے خادم کیساتھ رعایت کرنا؟

سوال:۔ مسجد کا قدیم ملازم کام کرتے بوڑھا ہوگیا، اب تھوڑا تھوڑا کام کرتا ہے، تو اس کو پوری تنخواہ مسجد سے دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس کی طاقت کے موافق کام بھی تجویز کردیا جائے، اتنی مراعات کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۹ ج ۱۵)

کیا خادم مسجد کی اولاد کو وراثت کا حق ہے؟

سوال:۔ ہمارے یہاں مسجد میں زید کے دادا اور والد بحیثیت مؤذن وامام مقرر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد زید اس جگہ کو سنبھال نہ سکا، لہٰذا مؤذن وامام دوسرے حضرات مقرر ہوگئے البتہ زید کے لیے وہی مراعات جو اس کے باپ دادا کے لیے تھی بحال رہی۔ لیکن اب قصبہ والوں نے زید کی نازیبا حرکتوں کی بناء پر تمام مراعات ختم کردی ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) زید کے باپ دادا کے لیے جو کمرہ مسجد کی طرف سے تھا، اس میں زید کی اب بھی رہائش ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب:۔(۱) مسجد کے کسی خادم (مؤذن یاامام) کی اگر مراعات مسجد کی خدمت کی وجہ سے کی جاتی ہے تو وہ اسی خادم کی ذات بلکہ خدمت تک محدود رہتی ہے۔ اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کہ خادم کے انتقال کے بعد ورثاء بھی استحقاق کی بناء پر مراعات کا مطالبہ کریں۔

(۲) یہ رہائش بھی دادااور والد کو مسجد کی خدمت کی وجہ سے دی گئی تھی، اب جب کہ خدمت ختم ہوگئی بلکہ خدمت کرنے والے بھی ختم ہو گئے تو موجودہ اولاد کو بحیثیت وراثت اس کا حق نہیں پہنچے گا۔

نیز مسجد کی زمین، جائیداد، باغ، دوکان، مکان جو چیز بھی کی مِلک ہو، خواہ کسی نے وقف کی ہو یا مسجد کے لیے خریدی گئی ہو، اس پر بھی کسی کا غاصبانہ قبضہ جائز نہیں ہے۔ اس کا واگزار کرانا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۷ جلد ۱۵)

مسجد میں حدیث لکھ کر لگانا؟

سوال:۔ تختۂ سیاہ پر حدیثیں لکھ کر مسجد کے داخلی دروازے کے پاس لگا دیتے ہیں اور اپنے لیے دعائے خیر کی گزارش بھی کر دیتے ہیں، تو کیا کسی فرد یا جماعت کا اپنی اصلاح اور خیر کی دعاء کرانا احکام ربی یا حدیث لکھنے سے پہلے کسی فرد یا جماعت کا نام لکھنا منع ہے؟

جواب:۔ کسی فرد یا جماعت کا اپنے لیے دعاء خیر کے لیے درخواست کرنا منع نہیں ہے۔ حدیث شریف لکھ کر دعاء کی درخواست کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی عمل کی توفیق دے۔ یہ بھی منع نہیں ہے، نام چاہے آخر میں لکھ جائے یا پہلے مگر اس طرح نام لکھنے سے اس لکھنے والے فرد یا جماعت کی تشہیر بھی ہوتی جس کی بناء پر لوگ تعریف کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کام مقصود تعریف ہی تک محدود رہ جائے، رضائے خداوندی اور اشاعت حدیث واحکام مقصود نہ رہے، یا اس کے ساتھ نام آوری بھی مقصودیت کے درجہ میں میں آجائے۔ جیسا کہ کثرت سے اشتہاری لوگوں کا حال دیکھنے میں آتا ہے، اللہ پاک اس مصیبت سے محفوظ رکھے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۱ جلد ۱۵)

مسجد کی دیوار پر اشتہار لگانا؟

مسئلہ :۔ مسجد کے دروازوں دیواروں پر اشتہار چپکانا دووجہ سے ناجائز ہے۔ایک یہ کہ مسجد کی دیوار کا استعمال ذاتی مقصد کے لیے حرام ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ مسجد کی دیوار پر اپنے مکان کا شہتیر (گاٹر) یا کڑی رکھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مساجد کی تعظیم اور صفائی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور مسجد پر اشتہار لگانا، اس کے بے ادبی ہے اور گندہ کرنا بھی ہے۔ کیا کوئی شخص گورنر ہاؤس کے دروازے پر اشتہار لگانے کی جرأت کر سکے گا؟ اور کیا اپنے مکان کے درودیوار پر مختلف النوع کے اشتہار لگائے جانے کو پسند کرے گا؟ (آپ کے مسائل ص ۱۴۶ ج ۳)۔

مسئلہ :۔ مسجد (جہاں نماز پڑھی جاتی ہے داخل مسجد) کے صحن یا کسی بھی حصہ کو تجارت گاہ نہ بنایا جائے، کاروباری اشیاء وہاں نہ رکھی جائیں۔ نیز سحر وافطار کے نقشہ میں نیچے دوکان کی مشتہری کے لیے اشتہار لکھوائے جاتے ہیں، ایسے نقشہ کو مسجد کے بیرونی دروازہ اور دیوار پر لگا دیا جائے تو مضائقہ نہیں، تاکہ افطار وسحر کا علم بھی ہو سکے اور دوکان کی مشتہری بھی ہو جائے۔ اور مسجد کو گزرگاہ نہ بنایا جائے، نہ مردوں کے لیے اور نہ عورتوں کے لیے، عورتوں کو نماز کے لیے بھی مسجد میں آنے سے روک دیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۹ جلد ۱۸)

مساجد میں اشتہار والے کیلنڈر و جنتری لگانا؟

مسئلہ :۔ آج کل بعض جنتریاں ایسی شائع کی جاتی ہیں جن میں اوقات نماز و دینی مضامین اور آیاتِ قرآنی کے ٹکڑے درج کیے جاتے ہیں اور اس کی طباعت میں اقتصادی سہولت کے لیے تجارتی اشتہار بھی درج کر دیئے جاتے ہیں۔ جن کی مقدار دوسرے مضامین کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے، تو ایسے کیلنڈروں کا اصل مقصد دعوت واشاعت دین ہے۔ اشتہارات کی حیثیت ذیلی ہوتی ہے، اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ (فقہی مسائل ص ۲۸۹ جلد ۷)

(لیکن اس کا خیال رہے کہ کیلنڈر و جنتری وغیرہ پر جاندار کی تصویر نہ ہو اور نمازی کے سامنے قبلہ کی دیوار پر نہ لگایا جائے تاکہ نمازی کے خشوع وخضوع میں کسی قسم کا فرق نہ آئے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

غیر مسلم کے پاس مسجد کی امانت ضائع ہوگئی؟

سوال:۔ مسجد کی متولی کو اپنے پاس مسجد کے پیسے رکھنے میں حفاظت کا یقین نہیں تھا اور کوئی دوسرا مسلمان بھی امانت رکھنا قبول نہیں کرتا تھا، اسلئے محلہ والوں کے حکم پر متولی نے مسجد کی رقم کافر کے پاس رکھی، وہ اس وقت مالدار تھا اور امانت رکھنے میں مرجع خاص وعام تھا، اب کافر مفلس ہوگیا اور مسجد کے پیسے اسکے پاس سے ہلاک ہوگئے، نہ کوئی اس کے پاس جائیداد ہے کہ جس سے وصول ہو سکے۔ تو کیا اہل محلّہ یا متولی پر ضمان لازم ہوگا؟

جواب:۔ متولی کو اگر پیسے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور کوئی دوسری صورت بھی حفاظت کی نہیں تھی اور اہلِ محلّہ کے حکم سے متولی نے وہ پیسے غیر مسلم کے پاس رکھ دیئے اور اس کافر سے وصول یابی کی کافی توقع تھا تو پھر متولی پر ضمان لازم نہیں اور نہ اہلِ محلّہ پر لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۱ جلد ۶)

مسجد میں چوری ہو تو کیا متولی پر ضمان ہوگا؟

سوال:۔ ایک مسجد میں جس کمرہ میں سامان تھا اس پر تالہ لگا ہوا تھا، چوروں نے آسانی سے توڑ کر چوری کر لی، کیا متولی مسجد پر کوئی جرم عائد ہوتا ہے؟

جواب:۔ مساجد کے صدر دروازے پر عموماً تالا نہیں لگایا جاتا، تاکہ جو شخص جب بھی دل چاہے مسجد میں آکر عبادت کر سکے، نیز ہر مسجد میں محافظ بھی مقرر نہیں ہوتا، بلکہ اوقاتِ نماز میں مؤذن آتا ہے مسجد کی صفائی اور صفیں بچھانے کا کام کرتا ہے، اگر یہی صورت آپ کے یہاں بھی ہے تو کمرہ پر (جہاں پر مسجد کا سامان وغیرہ رکھا ہے) تالا ہوتا ہی حفاظت کے لیے کافی ہے۔ متولی پر کوئی ضمان نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ جگہ چوروں کی ہے۔ اور چوری کے واقعات مسجد وغیرہ میں پیش آتے رہتے ہیں، اور صرف مسجد کے کمرہ پر تالہ لگا ہوا ہونا کافی نہیں سمجھا جاتا تو پھر دوسرا حکم ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۷ جلد ۱۸)

مسجد کی امانت چوری ہو جائے تو ضمان کا حکم؟

سوال:۔ ایک شخص کے پاس مسجد کی امانت رکھی ہوئی تھی جو چوری ہوگئی، کچھ واپس

آ گئی، اس نے مسجد کی امانت کچھ دی اور کچھ نہیں دی تو کیا اس کو دینا لازم ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر امانت کو اپنے مال میں مخلوط کر کے رکھا تھا تو پوری امانت کو اس سے لینا چاہئے، اگر الگ رکھا تھا اور باوجود پوری حفاظت کے وہ چوری ہو گئی تو اس سے پوری رقم لینے کا حق نہیں ہے، جتنی واپس آ گئی ہو وہ لے لی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۱ جلد ۱۰)

مسجد کی حدود سے باہر صف و شامیانہ مسجد کی آمدنی سے؟

سوال:۔ جمعۃ الوداع اور عیدین کے موقعہ پر اندر صحن وغیرہ بھر جاتا ہے، مسجد کے باہر سرکاری سڑک پر لوگ نماز ادا کرتے ہیں تو کیا مسجد کی آمدنی سے کرایہ پر شامیانے دریاں (فرش وغیرہ) بچھوائی جاتی ہیں تو کیا حدودِ مسجد سے باہر مسجد کی کمیٹی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ شامیانے اور دریوں کا انتظام مسجد کی آمدنی سے کرے؟

جواب:۔ یہ انتظام بھی اسی مسجد کی نمازیوں کے لیے ہے۔ اس لیے کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۱ جلد ۱۸)

طوائف کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز؟

سوال:۔ اگر کوئی طوائف یا زنخا وغیرہ کوئی مسجد تعمیر کرائے تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حامداً و مصلیاً مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۱ جلد اول، فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۸ جلد ۲ وص ۲۳ جلد ۲)

مسئلہ:۔ زانیہ کی بنائی ہوئی مسجد حکماً مسجد ہوگئی، یہاں تک ورثاء کا حق اس سے منقطع ہو گیا اور اسمیں کسی کا تصرف خلافِ وقف ناجائز ہو گیا، نہ اس کو ڈھا سکتے ہیں نہ اس کو بیچ کر دوسری مسجد میں اسکی قیمت لگا سکتے ہیں، لیکن اسمیں نماز پڑھنے سے ثواب کامل نہ ملے گا۔ فرض ذمہ سے ساقط ہو جائیگا۔ (امداد الاحکام ص ۴۴۱ جلد اول واحسن الفتاویٰ ص ۴۳۳ جلد ۶)

فاحشہ کی چیز مسجد میں استعمال کرنا؟

سوال:۔ ایک طوائف عورت کا گزر اوقات کھانا، پینا حرام کمائی پر ہے، لیکن وہ سوت کات کر یا چھالیہ کتر کر اس پیسہ سے مسجد میں میں صفیں یا لوٹے دیتی ہے۔ تو کیا لے سکتے ہیں؟

جواب:۔ ایسے لوٹوں اور صفوں کا استعمال مسجد میں درست ہے۔ کیونکہ یہ عین حرام

کی کمائی سے خرید کر نہیں دیئے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۳ جلد ۶۔ وکفایت المفتی ص ۱۱۱ جلد ۳)

تنخواہ لے کر مسجد میں تعلیم دینا؟

مسئلہ:۔ جو شخص مصالح مسجد کے لیے مثلاً حفاظتِ مسجد کے لیے یا دوسری جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے اس کو جائز ہے اور محض پیشہ بنا کر بیٹھنا اور تعلیم دینا ناجائز ہے۔ اور احترام مسجد کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۶ جلد ۶۔ امداد الاحکام ص ۴۴۱ ج ۱)

مسجد کے ایک حصہ میں تعلیم دینا؟

سوال:۔ مسجد کے نیچے کے حصہ میں نماز ہوتی ہے اور فوقانی (اوپر کے) حصہ میں بچے پڑھتے ہیں، مگر مسجد بناتے وقت اس کا خیال نہیں تھا کہ اس میں بچے پڑھیں گے، بلکہ اس کا شمار مسجد ہی میں تھا۔ کیا جماعت فوقانی حصہ میں کی جاسکتی ہے؟ اور اس حصہ میں بچوں کو تعلیم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ وہ مسجد جس طرح سے اس کے نیچے کا حصہ مسجد ہے۔ اسی طرح اوپر کا حصہ بھی مسجد ہے۔ جماعت ثانی اوپر نہ کی جائے، بچوں کو تعلیم کے لیے کسی دوسری جگہ کا انتظام کیا جائے۔ اگر کوئی دوسری جگہ نہ ہو تو مجبوراً بچوں کو دینی تعلیم مسجد میں دینا درست ہے، مگر اتنے بچے نہ ہوں جن کو پاکی ناپاکی کی تمیز نہ ہو، مثلاً گندے پیر مسجد میں رکھیں یا پیشاب کر دیں، اور یہ بھی ضروری ہے۔ کہ احترام مسجد کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے مثلاً بچوں کو سخت الفاظ اور کڑک دار آواز سے ڈانٹنا مارنا، سزا دینا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۰ جلد ۱۸ و احسن الفتاویٰ ص ۴۵۸ جلد ۶)

مسجد میں تعلیم کی حدود

مسئلہ:۔ اگر قرآن کریم اور دینی تعلیم کے لیے کوئی جگہ نہیں تو مسجد میں تعلیم کی گنجائش ہے۔ لیکن مسجد کا احترام لازم ہے۔ نہ وہاں شور وشغب کیا جائے۔ نہ وہاں کوئی کام خلافِ احترام مسجد کیا جائے۔ نماز کے اوقات متعین ہیں۔ وہ اوقات تعلیم کے نہیں۔ جس وقت اوقاتِ متعینہ میں لوگ نماز پڑھتے ہوں، تعلیم کی ایسی صورت اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ جس سے

نماز میں خلل آئے۔

مسئلہ :۔دھان وغیرہ مسجد میں نہ سکھائے جائیں، نیز ایسے بچوں کو نہ لیٹنے دیں اور نہ بیٹھنے دیں جو پیشاب کر کے مسجد اور چٹائی وغیرہ کو ناپاک کردیں۔ ان کے لیے مسجد کے خارج میں انتظام کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۸ ج ۱۸ وص ۱۵۱ ج ۱۰)

مسجد کا قرآن پاک استعمال کرنا؟

مسئلہ :۔ جو قرآن شریف، پارے مسجد میں وقف کر کے رکھے گئے ان کو ہر شخص مسجد میں استعمال کرسکتا ہے۔ چاہے وہ مدرسہ کے طلباء ہوں چاہے دوسرے نمازی ہوں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۸ ج ۱۸)

(لیکن اپنے گھر یا دوسری مسجد میں یا مدرسہ میں لے جانا جائز نہیں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ :۔قرآن کریم جس نے مسجد میں رکھا ہے، ظاہر ہے کہ مسجد کے لیے وقف کیا ہے کہ جس شخص کا دل چاہے مسجد میں تلاوت کرے۔ اس کو مکان لے جاکر مستقلاً رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ اسکے بدلے میں آپ دوسرا قرآن شریف مسجد میں رکھ دیں۔ شئ موقوفہ پر عوض دے کر مالکانہ قبضہ کا حق نہیں۔ اگر آپ کو ویسا ہی حاصل کرنا ہے تو جو اس قرآن پر پتہ لکھا ہے وہاں سے منگوالیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹۶ جلد ۱۲)

مسئلہ :۔جو قرآن و پارے یا کتب (وغیرہ) جس مسجد کے لیے وقف ہوں ان کو دوسری جگہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹۶ ج ۱۲)

مسئلہ :۔مسجد کے وقف قرآن کریم بیچنا جائز نہیں ہے، ضرورت سے زائد ہوں اور کام میں نہ آتے ہوں تو قریب کی ضرورت مند مسجد میں دیدیئے جائیں۔ مسجد کو جب ضرورت نہ ہو تو لینا ہی نہیں چاہیئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۷۷ ج ۴)

مسئلہ :۔ مسجد کے وقف قرآن کو اپنے قرآن سے بدلنا جائز نہیں ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر استفادہ کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۸ جلد ۶)

مسجد کے قرآن کے پارے گھر لے جانا؟

سوال:۔ مسجد میں قرآن بصورت پارے رکھے جاتے ہیں۔ انہیں گھروں میں ختم قرآن کے واسطے لے جانا کیسا ہے؟

جواب:۔ مسجد میں پارے دینے کا مقصد یہ ہو کہ لوگ انہیں اپنے مکان پر لے جائیں اور اس سے فائدہ اُٹھائیں تو اس صورت میں گھر لے جانے میں (ختم شریف کے لیے) مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۵۶ جلد ۶)

مسئلہ:۔ قرآن شریف مسجد سے اٹھا کر لانا جائز نہیں۔ اگر کوئی اٹھا لایا تو اس کو دوبارہ مسجد میں یا اس کی جگہ دوسرا قرآن شریف رکھ دے۔ (آپ کے مسائل ص ۱۵۱ ج ۳)

مسجد کے قرآن طلباء کو دینا؟

سوال:۔ مساجد میں لوگ عموماً بلا اجازت قرآن مجید کافی تعداد میں رکھ جاتے ہیں جو ویسے ہی رکھے رہتے ہیں، انہیں نہ کوئی اٹھاتا ہے اور نہ تلاوت کرتا ہے، بالآخر بوسیدہ ہو جانے کے بعد ان کو دفن کرنا پڑتا ہے، اگر یہ قرآن کریم نادار بچوں کو دے دیئے جائیں جو مکتب وغیرہ میں پڑھتے ہیں؟

جواب:۔ کسی کی مِلک میں دینا جائز نہیں، نہ ہی مدرسہ میں دیئے جا سکتے ہیں، البتہ بحالتِ استغناء (ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے) دوسری قریب تر مسجد کی طرف منتقل کرنے کی اجازت ہے۔

اگر مسجد سے باہر لکھ کر لگا دیا جائے کہ یہاں قرآن شریف بلا اجازت رکھنا ممنوع ہے، کوئی رکھے گا تو وہ مدرسہ میں یا کسی مسکین کو دیدیا جائے گا۔ پھر بھی کوئی رکھ جائے تو منتظم کو مدرسہ میں یا کسی مسکین کو دینے کا اختیار ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۵۶ جلد ۶)

مسجد میں بغیر اجازت سرکاری بجلی استعمال کرنا؟

سوال:۔ سرکاری لائن سے بغیر اجازت لائن لے کر (تار ڈال کر) مسجد میں شب قدر وغیرہ میں روشنی کرنا کیسا ہے۔ کیا یہ چوری ہے؟

جواب:۔ ہاں ایسا کرنا چوری ہے ناجائز ہے اور اس قسم کی روشنی کرنے کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے ایسا کیا ہے خواہ مسجد کی کمیٹی نے ایسا کیا ہو یا کسی دوسرے شخص نے ایسا کیا ہو، سب برابر ہے۔

اور اس گناہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اندازہ کر کے جتنی بجلی (بغیر اجازت) خرچ ہوئی ہو تو اتنی بجلی کے پیسے کسی حیلہ سے محکمہ کو دے دیں۔ (نظام الفتاویٰ ص ۳۰۴ جلد اول)

(بد معاملگی، قانونی چوری ہونے کہ وجہ سے عزت و آبرو کا ہر وقت خطرہ ہے، جس سے حفاظت بھی واجب ہے۔ پس ترک واجب کا بھی مزید گناہ ہوگا۔ اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ قمقمے (بلب لائٹ وغیرہ) لگانا اسراف کے حکم میں ہے اور ضرورت کے مطابق لگانا جائز ہے۔ (نظام الفتاویٰ ص ۳۱۴ جلد ۱، بحوالہ شامی ص ۴۴۲ جلد ۱)

مساجد کی آمدنی محکمۂ اَوقاف سے چھپانا؟

سوال:۔ محکمہ اوقاف سارے ہندوستان میں جاری ہے، یہ مساجد و مقابر اور ان سے متعلق جائیداد کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے لیے انتظامیہ فی صد کے حساب سے وصول کرتا ہے، اس بارے میں سوال یہ ہے کہ کسی مسجد کی دوکانوں اور مکانوں کی آمدنی مناسب ہے، اخراجات پورے ہو جاتے ہیں، کمیٹی کل آمدنی اوقاف کو نہیں بتلاتی تا کہ اَوقاف کو زیادہ دینا نہ پڑے تو کیا یہ چوری ہے اور اس طرح کرنا جائز ہے؟ نیز اس طرح کی بچی ہوئی رقم مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

جواب:۔ ایسا پیسہ مسجد کی تعمیر اور دیگر کاموں میں صرف کر دینا شرعاً مباح ہے باقی چونکہ یہ قانوناً چوری ہے جس سے بچنا واجب ہے اس لیے مباح کی وجہ سے واجب کو تو نہیں چھوڑا جائے گا اور ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ (نظام الفتاویٰ ص ۳۰۳ جلد اول)

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا؟

مسئلہ:۔ مٹی کے تیل کو مسجد میں جلانا منع ہے، ہاں اگر کوئی اور تیل ہے جس میں بدبو نہیں

یا مٹی ہی کے تیل کو کسی طرح ایسا صاف کرلیا ہے کہ بد بو نہیں رہی تو مسجد میں جلانا بھی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۶۰ جلد ۲ و ص ۱۶۳ جلد ۶)

مسئلہ :۔ اصل یہ ہے کہ بد بو سے ملائکہ کو بہت اذیت ہوتی ہے، اور انسانوں کو بھی۔ اسلئے بد بودار چیز مسجد میں لانا منع ہے، اگر مٹی کا تیل مسجد سے باہر رکھا جائے اس طرح کہ بد بو مسجد میں نہ آئے تو درست ہے۔ اس کی روشنی کا مسجد میں آنا منع نہیں ہے بلکہ بد بو کا آنا منع ہے، چاہے وضو کی جگہ رکھیں، چاہے بیرونی دروازہ کی دیوار وغیرہ پر جہاں مناسب سمجھیں رکھ کر (خارج مسجد) جلاسکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۳ جلد ۱۰ و آپ کے مسائل ص ۱۵۱ جلد ۳)

مسئلہ:۔ بعذر مسجد میں لالٹین (مٹی کے تیل کی) جلانا جائز ہے۔ (امداد الاحکام ص ۴۶۱ ج ۱)

مسجد میں چراغ کب تک جلے؟

مسئلہ:۔ جب آدمیوں کے آنے کی توقع نہ رہے تو چراغ بجھا دینا چاہئے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۶۲ جلد ۲ و امداد الاحکام ص ۴۴۸ ج ۱)

مسئلہ :۔ جو شخص مسجد کے لیے موم بتی (وغیرہ) دے، اس سے دریافت کرلیا جائے اگر مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو اس کو فروخت کر کے مسجد کی دیگر ضروریات میں صرف کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اگر وہ اجازت دیدے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۶ جلد ۱۵ و ص ۱۷۴ جلد اول)

یعنی زائد موم بتی واقف کی اجازت سے بیچ کر مسجد کی دوسری ضرورت میں خرچ کرسکتے ہیں۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ مسجد میں ناپاک تیل کی روشنی کرنا مکروہ ہے۔ ردالمختار ص ۶۱۹ جلد ۱)

مسئلہ:۔ مسجد کا چراغ اپنے گھر میں لانا جائز نہیں، البتہ اپنا چراغ مسجد میں لے جانا جائز ہے۔ (عالمگیری ص ۱۷۰ جلد ۱)

مسئلہ :۔ جب تک عامۃً لوگ نماز پڑھتے ہوں، مسجد میں چراغ جلایا جائے اور وضو خانہ وغسل خانہ وغیرہ، نیز راستہ میں بھی حسبِ ضرورت چراغ جلایا جاسکتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۹ جلد ۱۰ و عالمگیری ص ۱۷۰ جلد ۱)

مسئلہ :۔نماز کے بعد مسجد کا چراغ جلتا ہو تو اس کی روشنی میں پڑھنا پڑھانا تہائی رات تک جائز ہے، اس سے زیادہ مسجد کا چراغ پڑھنے پڑھانے کے لیے جلانا درست نہیں ہے۔

(بحرالرائق ص ۲۵۰ جلد ۵)

مسئلہ :۔مسجد کا فرش نماز و جماعت کے لیے بچھانا درست ہے، اگر فرش ہر وقت بچھا رہتا ہو اور پیر صاحب اور ان کے مریدین مجلس جما کر اس پر بیٹھ جائیں تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر نماز کے بعد فرش کو لپیٹ دیا جاتا ہو، پھر ایسے وقت میں مجلس جما کر بیٹھنے کے لیے مستقلاً مسجد کے فرش کو استعمال نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۹ جلد ۱۰)

مسجد کا تیل فروخت کرنا؟

مسئلہ :۔ مسجد میں چراغ جلانے کے لیے تیل اور پنکھے وجھاڑ وغیرہ جو مسلمان دیتے ہیں اگر مسجد میں دینے والوں کی طرف سے اس کی (فروخت کرنے کی) اجازت ہے تو درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۴ جلد ۶)

مسجد کا تیل وغیرہ امام کو استعمال کرنا؟

مسئلہ :۔اگر مسجد میں دینے والے یہ کہہ کر (امام کو) دیتے ہیں کہ یہ اشیاء ہم نے آپ کو دی ہیں۔ آپ اپنے گھر میں لے جا کر استعمال کرلیں تو امام کو استعمال کرنا درست ہے اور دینے والے کے علاوہ اگر دوسرے مقتدی اجازت دیتے ہیں تو ان کی اجازت غیر معتبر ہے۔

اگر دینے والے دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد کی اشیاء میں امام کو شرعاً اس کا حق حاصل ہوتا ہے تو ان کا یہ خیال غلط ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۵ جلد ۶ وص ۲۷۴ جلد ۲ وص ۱۷۴ جلد ۱ وامداد الاحکام ص ۷۴۴ جلد ۱)

مسجد کا تیل یا ڈھیلہ اپنے گھر لے جانا؟

مسئلہ :۔بعض آدمی مسجد کے چراغ میں سے اپنے ہاتھ پیروں میں تیل لگاتے ہیں اور بعض مسجد کے اندر کے ڈھیلے لے جا کر اپنے گھر پر رکھ لیتے ہیں، وہیں پر استنجاء میں استعمال کرتے ہیں، ان دونوں باتوں کی اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۴ جلد ۱۵)

مسجد کا سامان فروخت کرنا؟

سوال:۔ اگر مسجد میں بالٹی فرش وغیرہ زائد ہوں تو ان کو بیچ کر اخراجات میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ جو چیزیں مسجد کی ضرورت کے لیے مسجد کے پیسہ سے خریدی گئی ہیں، ان کو مسجد کی ضرورت کے لیے فروخت کر کے مسجد ہی کے کام میں صرف کرنا درست ہے اور جو چیزیں کسی نے مسجد میں دی ہیں ان کو دینے والے کی اجازت سے فروخت کر کے مسجد کے کام میں لگانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۴ جلد ۱۲)

مسئلہ:۔ مسجد کا جو سامان وقف ہے اس کی بیع (فروخت کرنا) ناجائز ہے اور جو وقف نہیں بلکہ مسجد کے لیے وقتی ضرورت کے ماتحت کسی نے دیا ہے یا خریدا گیا ہے، ضرورت پوری ہونے پر اس کی بیع جائز ہے۔ جو مسجد ویران ہو چکی ہے اس کے سامان کو کسی قریب کی آباد مسجد میں صرف کر دیا جائے اور مسجد کی جگہ کو محفوظ کر دیا جائے۔ تاکہ بے حرمتی نہ ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۹ جلد ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۵۷۵ جلد ۳)

مسئلہ:۔ اگر وہ باقاعدہ شرعی مسجد ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وقف ہے اس کی زمین کو فروخت کرنا یا عاریت پر دینا ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۱ جلد ۶ وص ۲۱۳ جلد ۱۸)

مسجد کا پرانا سامان خریدنا؟

سوال:۔ ایک کچی مسجد کو گرا کر پکی بنانا چاہتے ہیں، جو سامان اس سے اُترا ہے تو کیا وہ دوسری مسجد کے لیے فروخت کیا جائے یا ہر شخص خرید سکتا ہے؟

جواب:۔ بہتر یہ ہے کہ بعینہٖ وہی سامان مسجد میں لگایا جائے، اگر بعینہٖ اس کو مسجد میں لگانا دشوار ہو تو اس کو اہلِ محلّہ یا حاکم کی رائے سے فروخت کر کے اس کی قیمت سے اسکے مثل سامان خرید کر اسکو مسجد میں لگا دیا جائے۔ خریدار کی کوئی قید نہیں کہ وہ مسجد کے لیے خریدے، بلکہ اس کو ہر شخص خرید سکتا ہے۔ پھر وہ چاہے مسجد میں لگائے یا اپنے مکان وغیرہ میں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۸ جلد ۶ وص ۲۱۵ ج ۱۸ وص ۳۱۱ جلد ۱۵ وکفایت المفتی ۱۲۳ جلد ۳)

غیر آباد مسجد کا سامان مدرسہ یا مسافر خانہ میں دینا؟

مسئلہ:۔ جو مسجد غیر آباد ہو چکی ہے۔ کہ وہاں نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں رہی تو اس جگہ کو محفوظ کر دیا جائے۔ مفتیٰ بہ قول کے مطابق وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے۔ اگر وہاں کار آمد نہ ہو تو ارباب حل وعقد کی رائے سے اس کو فروخت کر کے قیمت دوسری مسجد میں (جو قریب ہے) صرف کر دی جائے، لیکن مسجد کا سامان بلا قیمت مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں اگر چہ وہ مسجد کے قریب ہی ہو۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۰۴ جلد اول)

غیر آباد مسجد کو فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا؟

سوال:۔ ہمارے یہاں سے مسلمانوں کے چلے جانے سے بہت سی مساجد ویران ہوگئی ہیں، کیا انہیں فروخت کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ وقف کی بیع ناجائز ہے۔ وقف کا مالک کوئی نہیں جو اس کو فروخت کر سکے۔ اگر مسلمان موجود نہیں رہے تو مسجد کے ذمہ دار کو فروخت کرنے کا پھر بھی اختیار نہیں ہے۔ مسجد کی جگہ کو اگر محفوظ کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ مسجد کے وقف پر اگر غیر لوگ زبردستی قبضہ کر کے اس کا معاوضہ دیں تو معاوضہ لے کر دوسری مسجد بنا لینا درست ہے۔ غیر آباد مسجد کا سامان فروخت کرنے کے بجائے ایسی مسجد میں منتقل کر دیا جائے جہاں وہ کار آمد ہو۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۳ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ اگر ان مساجد کے آباد کرنے کی کوئی صورت نہیں اور سامان ضائع ہو رہا ہے تو اس سامان کو دوسری مساجد میں لگا دیا جائے اور ان گری ہوئی مساجد کی چہار دیواری بنا کر اس طرح گھیر دیا جائے کہ ان کی حفاظت ہو جائے اگر چہ چہار دیواری بنانے کے لیے پیسہ نہ ہو تو اس گرے ہوئے ملبہ اینٹ وغیرہ سے بنا دیں یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے بنا دیں، اس کی قیمت کسی دوسرے کام میں صرف نہ کریں، بلکہ مساجد ہی کی ضروریات میں صرف کریں۔ اور مساجد کو کرایہ پر دینا بھی درست نہیں ہے، حسب قدرت واگزار کرانے کی کوشش کی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۳ جلد ۱۵)

مصالحِ مساجد کی زمین فروخت کرنا؟

مسئلہ :۔ جو زمین مسجد کے مصارف کے لیے وقف ہو چکی ہے، اس کی بیع نا جائز ہے۔ اس کی اجازت نہیں کہ اس کو فروخت کر کے اس سے زیادہ آمدنی کی زمین خرید لی جائے۔ البتہ مسجد کی زمین پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہو جائے اور اس کی واگزاری کرانا ممکن نہ ہو تو مجبوراً معاوضہ لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کر دی جائے، یا وقف شدہ زمین قابلِ انتفاع نہ رہے تو تب بھی اجازت ہے۔ کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری زمین لے کر اس کو وقف کر دی جائے، پھر زمین، مکان، دوکان جو بھی مسجد کی تھی، اور اس مجبوری کی وجہ سے فروخت کر دی گئی تھی اور اب وہ مسجد کی نہیں اور خریدار نے اس میں کوئی غیر اسلامی حرکت کی تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے، نہ کہ منتظمین۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۹ جلد ۱۵ بحوالہ اشامی ص ۵۰۷ جلد ۳ وفتاویٰ محمودیہ ص ۴۹۷ جلد ۱)

مسجد کی رقم سے وضو کا پانی گرم کرنا؟

مسئلہ :۔ جو رقم مسجد کی مصالح کے لیے جمع ہو، اس روپیہ سے نمازیوں کے لیے سردی کے زمانہ میں پانی گرم کرنا درست ہے تا کہ وہ بآسانی وضو کر لیا کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۰ جلد ۱۸)

مسئلہ :۔ مسجد کی چھت سے اتری ہوئی لکڑی وغیرہ سے مسجد کے نمازیوں کے لیے پانی گرم کرنا درست ہے۔ جبکہ وہ سامان بے کار ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۴ جلد ۱۵)

مسجد کا گرم پانی بے نمازیوں کو استعمال کرنا؟

مسئلہ :۔ جو پانی مسجد میں نمازیوں کے لیے گرم کیا جائے بے نمازیوں کا اس کو منہ دھونے یا کپڑے دھونے کے لیے استعمال کرنا درست نہیں۔ بہت بے غیرتی ہے۔ مکان پر بھی پانی نہ لے جائیں۔ احاطہ مسجد ہی میں وضو کریں، عشاء کے بعد کا بچا ہوا گرم پانی بھی کسی دوسرے کام میں استعمال نہ کریں۔ اگر چہ صبح تک وہ پانی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ پھر گرم کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

گرم پانی پاکی حاصل کرنے کے لیے ہے۔ خواہ جسم کی طہارت ہو یا کپڑے کی پس

اگر کپڑے پر نجاست لگ گئی تو غسل کے ساتھ اس کو بھی دھونے کی اجازت ہے، مستقلاً کپڑے اس پانی سے نہ صاف کریں۔

اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ اپنے گھر سے وضو کر کے آئیں، لیکن ہر ایک کے لیے اس کا انتظام آسان نہیں، نیز مسجد میں پانی گرم کرنے اور وضو و غسل کے نظم کا عرفِ عام ہو چکا ہے اس لیے مسجد کی طرف سے انتظام کرنا بھی غلط نہیں بلکہ نمازیوں کی سہولت کا ذریعہ ہے جس سے ان کی نماز و جماعت کی پابندی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۳ جلد ۱۸)

مسجد کا گرم پانی گھر لے جانا؟

سوال:۔ ایک شخص نے اپنے پیسے سے مسجد تعمیر کی اور اس کی ضروریات مثلاً چٹائی، تیل، لوٹے اور مرمت مسجد کے لیے مکان اور دوکان مسجد کے لیے وقف کر دی ہے۔ اس کی آمدنی ہمیشہ مذکورہ ضروریاتِ مسجد پر خرچ ہوتی ہے، محلّہ والے تقاضہ کرتے ہیں، کہ اس کی آمدنی کو گرم پانی کے مصارف پر خرچ کیا جائے بعض جگہ کا رواج ہو گیا ہے کہ اہل محلّہ مسجد میں پانی گرم کرتے ہیں نمازیوں کے لیے ہر بے نمازی اس سے غسل کرتا ہے، اور بعض لوگ گھروں میں بھی لے جاتے ہیں۔ بے نمازی کا غسل کرنا اور پانی کو گھروں میں لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جب واقف پانی گرم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صراحۃً منع کرتا ہے، تو (واقف کے وقف کی آمدنی سے) پانی گرم کرنے میں اس آمدنی کو خرچ کرنا درست نہیں، ہاں اگر واقف اجازت دیدے تو جائز ہے اور جو لوگ اپنے دام خرچ کر کے نمازیوں کے لیے پانی گرم کرتے ہیں ان کو اختیار ہے کہ وہ کسی بے نمازی کو استعمال نہ کرنے دیں، نیز کسی کو اپنے گھر نہ لے جانے دیں، اور جو شخص بلا اجازت ان کی اپنے گھر لے جائے گا۔ گنہگار ہوگا کیونکہ یہ پانی مسجد کے روپے سے گرم نہیں ہوتا۔ بلکہ اہل محلّہ خود گرم کرتے ہیں، دارومدار اہلِ محلّہ کی اجازت پر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۵۵ جلد ۲)

مسجد کے ٹینکی کا پانی گھر لے جانا

سوال:۔ مسجد کے ٹینکی کا پانی اپنی ضروریات کے لیے گھر لے جانا کیسا ہے؟

جواب:۔ یہ پانی کنویں کے پانی کی طرح نہیں ہے کہ ہر شخص کو لینے کا اختیار ہو بلکہ یہ گھڑے میں رکھے ہوئے پانی کی طرح ہے کہ مالک نے اپنی ضروریات کے لیے گھڑے میں بھر کے رکھا ہے، وہ اس پانی کا مالک ہو گیا، کسی کو بغیر اس کی اجازت کے لینے کا حق نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۲۷ جلد ۱۸ و احسن الفتاویٰ ص ۴۴۷ ج ۶)

مسجد کا صحن دھوپ و بارش میں اگر خالی رہے؟

سوال:۔ ایک مسجد جس کا صحن کافی لمبا چھوڑا ہے، گرمی و برسات کے موسم میں نمازیوں کو صحن میں نماز ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اب اس صحن کو برآمدہ کی شکل دینا چاہتے ہیں کہ شمالی اور مشرقی حصہ تھوڑا سا برآمدہ بنا دیا جائے اور بیچ میں صحنِ غیر مسقّف (بغیر چھت کے) چھوڑ دیا جائے تا کہ موسم گرما و برسات میں لوگ دونوں برآمدہ میں نماز ادا کریں لیکن بیچ میں صحن جو کہ بیالیس فٹ ہے وہاں نمازیوں کی صفیں نہ ہوا کریں گی بلکہ وہ خالی جگہ رہا کریں گی، تو کیا اس صورت میں شمالی اور مشرقی جانب برآمدہ بنا دیا جائے یا نہیں؟

جواب:۔ اس طرح برآمدہ باہمی مشورہ کر کے حسبِ ضرورت بنانا درست ہے، اندرونی مسجد کی صفوف سے برآمدہ کی صفوف کا اتصال رہے گا (یعنی مسجد کے اندر کی صفوں سے باہر کی صفیں ملی رہیں گی)۔ سخت دھوپ اور بارش کے وقت اگر صحن خالی رہے اور اندرونی مسجد نیز برآمدہ میں نمازی کھڑے ہوں تو بھی نماز درست ہو جائے گی۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۳ جلد ۱۸)

مسجد میں چہل قدمی کرتے ہوئے وظیفہ پڑھنا؟

مسئلہ:۔ وظیفہ پڑھنے والے بعد نمازِ فجر و عصر اندرونِ مسجد ٹہل ٹہل کر وظیفہ پڑھتے ہیں، ٹہلنا وظیفہ کا جزو نہیں ہے افضل اور بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھ کر یک سوئی سے وظیفہ پڑھا جائے، اگر جماعت کا وقت قریب ہو اور نیند کا اثر ہو جس سے یہ خیال ہو کہ ایک جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے سے نیند آ جائے گی یا اسی قسم کی کوئی اور ضرورت ہو تو مسجد میں ٹہلنے میں مضائقہ نہیں، لیکن مستقلاً ٹہلنے کے لیے مسجد کو تجویز کرنا، بعد فجر ہو یا بعدِ عصر یا کسی اور وقت مسجد کی

غایت اور وضع کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۴ جلد اول)

مسئلہ:۔ تسبیح چلتے پھرتے ٹہلتے ہر طرح پڑھنا درست ہے، لیکن بلا ضرورت مسجد میں ٹہلنا نہیں چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۷ جلد ۶ واحکام القرآن ص ۲۲۳ ج ۲)

مسئلہ:۔ مسجد میں چلتے پھرتے آہستہ ذکر کرنا درست ہے اور موجب ثواب ہے بازار (مواضع لغو) میں بلند آواز سے تلاوت کرنا کہ لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں اور کوئی تلاوت نہ سنتا ہو، درست نہیں ہے۔ (آہستہ آہستہ بغیر آواز کے ذکر وتلاوت کرسکتا ہے)۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۲ جلد ۱۵)

مسجد میں ریح خارج کرنا؟

مسئلہ:۔ احتیاط اور ادب یہ ہے کہ مسجد میں قصداً ریح خاج نہ کرے بلکہ مسجد سے باہر جا کر خارج کرے، اگر سوتے یا جاگتے میں بلا قصداً ہو جائے تو معذوری ہے۔ ایسے شخص کو جس کے لیے دوسری جگہ سونے کی موجود ہو بلا شدید ضرورت کے مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ (اور یہ جو بعض جہلاء نے مشہور کر دیا ہے کہ مسجد میں خارج ہونے والی ریح کو فرشتے اپنے منہ میں لے کر باہر پھینکتے ہیں سراسر غلط ہے) فرشتوں کا ایسی بدبودار چیز سے اذیت پانا تو حدیث پاک سے ثابت ہے، لیکن اس کا منہ میں لے کر باہر پھینکنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۷ جلد ۶ بحوالہ درمختار ص ۶۸۷ جلد ۱)

مسئلہ:۔ مسجد میں اخراجِ ریح کو فقہاء نے منع لکھا ہے، ایسی حالت میں جس کو خروج ریح کی بیماری ہو، ایسے شخص کو بار بار مسجد سے نکلنا ہوگا یا کراہت کا ارتکاب کثرت سے کرنا ہوگا، لہٰذا اَحوط (بہت زیادہ احتیاط) یہی ہے کہ ایسا شخص (مسجد میں) اعتکاف نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا رہے۔ اس کو آرزو اور تمنا کا اَجر ملے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۰ جلد ۱)

مسئلہ:۔ مسجد میں نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہو سکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۶ ج ۱)

مسجد کے سامنے سڑک پر باجہ وغیرہ بجانا؟

مسئلہ:۔ شاہراہ عام پر ہر شخص کو گزرنے کا حق ہے، لیکن ایسی حرکت کرنا جس سے آس پاس والوں کو یا اہلِ محلّہ واہل مسجد کو خصوصاً نماز کے وقت میں اذیت پہنچے منع ہے حُسنِ تدبیر سے اگر فہمائش کردی جائے یا کسی ذی اثر آدمی کے ذریعے سے (باجہ ڈھول، تاشہ، شہنائی وغیرہ کے بجانے والوں کو منع کروادیا جائے کہ مسجد کے سامنے نہ بجائیں) تو بہتر ہے ورنہ فتنہ وفساد سے اجتناب چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۴۸۶ ج۱)

مسئلہ:۔ (اگر باز نہ آئیں غیر مسلم تو) اس وقت مسلمانوں کو صرف دل سے غیر مسلموں کے اس فعل پر نفرت وحقارت کرنا کافی ہے۔ مقابلہ کسی کا نہ کریں۔ (امداد الاحکام ص۴۵۲ ج۱)

ناپاک کپڑا مسجد میں رکھنا؟

مسئلہ:۔ نجس کپڑا مسجد میں نہ رکھے، اگر اس وقت کسی کی معرفت وہ کپڑا باہر بھیجنا یا خود رکھنا دشوار ہو تو مجبوراً مسجد میں اس طرح رکھنا کہ تلویث نہ ہو درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۲۱۸ ج۶ و کتاب الفقہ ص۴۵۷ ج۱)

مسجد کے فرش کے قریب کپڑے دھونا؟

مسئلہ:۔ جو جگہ مسجد نہیں ہے یعنی اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی وہاں اس طرح کپڑے دھونا کہ دوسروں کو اذیت نہ ہو اور مسجد کے فرش پر استعمال شدہ پانی یا اس کی چھینٹ نہ جائے درست ہے اور اس میں امام وغیرہ سب برابر ہیں، مگر جو شخص مسجد ہی میں رہتا ہے اس کو دوسری جگہ کپڑے دھونے کے لیے جانے میں دِقّت ہے اس لیے اس کے حق میں توسع ہے اور زائد توسع ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے، وہ بسہولت دوسری جگہ جاسکتے ہیں یا اپنے گھر میں دھوسکتے ہیں، ان کے دوسری جگہ جانے میں مسجد کی نگرانی یا کسی اہم کام میں خلل نہیں آتا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۴۶۸ جلد۲)

مسئلہ:۔ (داخل) مسجد کے صحن یا دیوار پر کپڑے سکھانا جائز نہیں، مؤذن اور نادم کے لیے اگر کوئی جگہ کپڑے سکھانے کی نہ ہو تو مسجد سے باہر ملحق جگہ میں سکھا سکتے ہیں (احسن [illegible] ص۴۴۵ جلد۶)

خارجِ مسجد بیع وشراء کرنا؟

مسئلہ:۔ مسجد میں بیع وشراء(خرید وفروخت)احترام مسجد کے منافی ہے،(لیکن جوتے اُتارنے کی جگہ،غسل خانہ،حجرہ ومکان جو مصالح مسجد یا اس کی ضروری بات کے لیے تعمیر کرایا گیا ہو) شرعاً مسجد نہیں اور اس کا احترام ضروری نہیں لہٰذا وہاں بیع وشراء شرعاً درست ہے، بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہوتی ہو۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۶۱ جلد ۲)

مسجد میں تجارت کرنا؟

مسئلہ:۔ جو جگہ نماز کے لیے وقف کی گئی ہے اس جگہ کو کاروبار یا تجارت وغیرہ کے لیے متعین کرنا اور وہاں تجارت کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، جو جگہ نماز کے لیے نہیں ہے(خارج مسجد) اور مسجد کے مصالح کے لیے وقف ہے اور اس جگہ کو دوکان وغیرہ بنانے میں مسجد کے احترام اور اس کی تعمیر وغیرہ میں فرق نہ آئے تو اس کو مسجد کی آمدنی وآبادی کے لیے کرایہ پر دینا درست ہے، مسجد کا اندرونی حصہ یا صحن ہو، سب کا(یعنی داخلِ مسجد کا) ایک ہی حکم ہے، کسی جگہ بھی تجارت کرنا یا کرایہ پر دینا شرعاً درست نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۳ جلد ۱۲ وص ۴۹۲ جلد ۱)

ٹوپ پہن کر مسجد میں جانا؟

مسئلہ:۔ مسجد دربارِ خداوندی ہے اور نماز عبادت ہے، عبادت کے لیے دربار میں ایسا لباس پہن کر حاضر ہونا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور وہ لباسِ مسنون ہے یعنی خدا کے محبوب حضور اکرم ﷺ کا لباس اور آپ ﷺ کے متبعین کا لباس، ایسا لباس پہن کر حاضر نہیں ہونا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتے ہیں، یعنی جس لباس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے اور ہمارے یہاں وہ خدا کے نافرمانوں یعنی کفار اور فساق کا لباس ہے، انگریزی ٹوپ وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۲ جلد ۶)

مسجد میں درخت لگانا؟

مسئلہ:۔ مسجد میں درخت لگانے سے اگر نمازیوں کو کوئی منفعت ہو تو درست ہے اور اگر کوئی

منفعت نہ ہو یا کفار کے ساتھ تشبّہ ہو تو ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۰۷ جلد ۱، درمختار ص ۲۱۵ جلد ۱)

مسئلہ:۔ اگر پھول کا درخت مسجد میں لگایا تا کہ نمازیوں کو اس سے راحت پہنچے تو اس کا پھول توڑ کر باہر نہ لے جائیں، وہیں لگا رہنے دیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۴ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ اگر احاطۂ مسجد میں کوئی کیاری ہو تو وہاں پھول کا درخت لگانا یا گملے میں رکھنا خوشبو کے لیے درست ہے مگر جو جگہ نماز کے لیے متعین ہے اس کو پھول کے پودوں سے مشغول نہ کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۹۰ جلد ۱)

مسجد کی ضرورت کے لیے صحن کے درخت کاٹنا؟

مسئلہ:۔ مسجد کا صحن نماز کے لیے ہے، وہاں درخت لگانا ہی ٹھیک نہیں، اِلّا یہ کہ مسجد کے مصالح کا تقاضہ ہو تو دوسری بات ہے، مثلاً وہاں پانی کا اثر ہو کہ وہ پانی درختوں میں جذب ہو سکتا ہے، اگر مصالح مسجد کا تقاضہ یہ ہے کہ صحن کو درختوں سے صاف کر دیا جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اس میں کسی کو ضد نہیں کرنی چاہئے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۲ جلد ۱۸ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۷۶ جلد ۴)

مسئلہ:۔ مسجد کے درخت کی بیع مسجد میں جائز نہیں، کیونکہ مسجدیں نماز و جماعت کے لیے متعین کی گئی ہیں، اس لیے وہاں خرید و فروخت کرنا درست نہیں ہے، الگ ہٹ کر (خارجِ مسجد) کی جائے، اگرچہ وہ درخت مسجد ہی کا ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۵ جلد ۱۵)

مساجد کو سجانا؟

سوال:۔ شبِ برأت اور شبِ قدر میں مسجد کو پھول پتّی وغیرہ سے سجانا کیسا ہے۔ جبکہ سجانے کی نیت ان تہواروں کی وجہ سے خوشی منانا ہے، نہ کہ بدعت کرنا؟

جواب:۔ شبِ قدر و شبِ برأت کے لیے شریعت نے عبادت، نوافل، تلاوت، ذکر، تسبیح، دعاء واستغفار کی ترغیب دی ہے، پھول وغیرہ سے سجانے کی ترغیب نہیں دی۔ تیوہار ہندوانہ لفظ ہے اور یہ سجانا بھی ان کا ہی طریقہ ہے اس سے بچنا چاہئے۔

((لان من تشبه بقوم فهو منهم)) (الحدیث ابو داؤد شریف)

البتہ مسجدوں میں خوشبو کی ترغیب آئی ہے تاکہ نمازیوں کو اذیت پہنچے نہ بلکہ راحت پہنچے، ان مخصوص متبرک راتوں میں مسجدوں میں جمع ہوکر اجتماعی حیثیت سے جاگنا مکروہ وممنوع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۳ جلد ۱۵)

دس محرم کو مٹھائی مسجد میں تقسیم کرنا؟

مسئلہ :۔ یہ کوئی شرعی چیز نہیں اور نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے۔ البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں محرم کو روزہ رکھنا بہت ثواب ہے۔ اور اس دن کھانے میں کچھ وسعت کرلینا باعث برکت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۳ ج ۱۵)

رَجب کے کونڈے مسجد میں؟

سوال :۔ رجب کے مہینہ میں کونڈوں میں شیرینی، کھیر وغیرہ بھرتے ہیں، ان کو متبرک ہوجانے کے خیال سے ان کونڈوں کو گھروں میں استعمال نہیں کرتے، وہ مسجدوں میں دیدیئے جاتے ہیں، تو کیا ان کو فروخت کرکے ان کی قیمت مساجد میں صرف کرسکتے ہیں؟

جواب :۔ ان کونڈوں کی اصل شرعاً کچھ نہیں ہے، اگر بہ نیت ثواب دیں تو حسبِ نیت معطی ان کا استعمال مسجد میں درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۸ ج ۱۰)

قریب قریب مسجدوں میں اذان کا حکم؟

مسئلہ :۔ اگر دو مسجدیں قریب قریب ہوں، تب بھی دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ اذان مسنون ہے، صرف ایک پر اکتفاء کرنا خلاف سنت ہے اور جو لوگ ایسا کریں گے وہ تارکِ سنت ہونگے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۶۱ جلد ۲ وص ۱۹۵ جلد ۱۵)

مسئلہ :۔ متعدد مساجد میں اذان ہو تو پہلی اذان کا جواب دینا ضروری ہے، باقی اذانوں کا جواب دینا افضل ہے، محلّہ کی اذان ہو یا غیر محلّہ کی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۸۹ جلد ۴، بحوالہ مراقی الفلاح ص ۱۱۷)

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا؟

سوال :۔ اذان کے بعد بلاضرورت دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اس شخص پر دوسری مسجد کی جماعت کا توقف ہے کہ اگر یہ نہ جائے تو وہاں جماعت نہ ہو، تب تو اس کو دوسری جگہ جا کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں وہیں جا کر نماز پڑھے۔ اور اگر اس پر توقف نہیں تو ایسی حالت میں مسجد سے نکلنا بلا ضرورت مکروہ ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ٦٨ ج ٢ و احسن الفتاویٰ ص ۴۵۰ ج ٦)

قریب قریب مساجد کا حکم

مسئلہ:۔ قرب و جوار میں متعدد مساجد ہوں تو ان مسجدوں میں جو قریب ہو وہ افضل ہے اس کو بالالتزام نماز اس میں پڑھنا چاہئے، اور اگر یہ سب اسی محلّہ کی ہوں تو ان سب میں جو سب سے پہلے کی قدیم مسجد ہو وہ افضل ہے، اور اگر قدیم ہونے میں بھی سب برابر ہوں، یا قدیم ہونا معلوم نہ ہو تو جو سب سے زیادہ قریب ہے وہ افضل ہے۔ (امداد الاحکام ص ۴۵۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ اصل یہ ہے کہ محلّہ کی مسجد جو اپنے گھر سے زیادہ قریب ہو، اس کا حق زیادہ ہے اس کو چھوڑ کر دور کی مسجد میں جانا بلا وجہ جائز نہیں ہے۔

(امداد الاحکام ص ۴۵۳ جلد ۱، وفتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۱ جلد ۴ و در مختار ص ٦١٧ جلد ۱)

مسئلہ:۔ پنج وقتہ نماز محلّہ کی مسجد میں افضل ہے، اس کو چھوڑ کر قصداً جامع مسجد میں (کہ وہاں پر ثواب زیادہ ملے گا) نہ جائے، البتہ کسی کام سے جامع مسجد کی طرف گیا ہو اور وہاں نماز کا وقت آجائے تو اس حالت میں جامع مسجد ہی میں نماز پڑھ لے اور اس وقت اس کا ثواب محلّہ کی مسجد سے زیادہ ہوگا، اور جمعہ کی نماز جامع مسجد ہی میں افضل ہے اور عیدین کی جنگل میں افضل ہے۔ (امداد الاحکام ص ۴۴۴ جلد اول)

شاہی مساجد کو تفریح گاہ بنانا؟

سوال:۔ شاہی زمانہ کی مساجد جو فنِ تعمیری میں نرالی ہیں، وہ مساجد تفریح گاہ بن گئی ہیں، مسلم و غیر مسلم وقت بے وقت مسجد میں گھومتے رہتے ہیں۔ تو کیا مسجد کو تفریح گاہ بنانا ازروئے شرع کیسا ہے؟

جواب:۔ یہ صورتِ حال مسجد کے منشاء و احترام کے سخت خلاف ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹٦ جلد ۱۰ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ٦٨ جلد اول)

مسئلہ:۔ مسجد کو تفریح گاہ اور سیر و سیاحت کا موضوع بنانا ہی جائز نہیں، اور پھر مسجد میں فوٹو لینا ان سب سے بدتر بات ہے، اسلئے یہ فعل کئی حرام اُمور کا مجموعہ ہے، مسجد کے احترام کے منافی ہے، انتظامیہ کا فرض ہے کہ اس کا انسداد کرے۔ (آپ کے مسائل ص ۱۴۷ جلد ۳)۔

مسئلہ:۔ مسجد میں تصویریں اُتارنا، اخبار پڑھنا، ٹیلی وژن والوں کا فلم بنانا نعرہ بازی کرنا، مسجد میں یہ تمام امور ناجائز ہیں۔ (آپ کے مسائل ص ۱۵۸ جلد ۳)

مسئلہ:۔ (ویسے) مسجد میں ہندو اور عیسائی اور دیگر غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۲۲ جلد ۳)

تبلیغی جماعت کے لیے مسجد کی چیزوں کا استعمال کرنا؟

مسئلہ:۔ یہ جماعتیں دینی کام نماز وغیرہ ہی کے لیے نکلتی ہیں اور مساجد میں قیام کرتی ہیں ان کے اس کام سے بہت بڑا نفع ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان جماعتوں کو مسجد میں رہنے، ٹھہرنے، اپنی کتاب سنانے کی اجازت دے دی جائے اور ان کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے۔ ان جماعتوں کا قیام نماز کے لیے ہے مقصدِ نماز کے خلاف کسی غلط یا غیر مقصد کے لیے نہیں، اس لیے اگر یہ مسجد کا لوٹا چٹائی نل، ڈول، رسی وغیرہ استعمال کریں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۶۸ جلد ۱۲)

مسجد میں تبلیغی تعلیم کہاں کی جائے؟

مسئلہ:۔ اگر نماز اور وظیفہ میں خلل آئے تو اس طرح تعلیم کرنا منع ہے، مگر تعلیمی سلسلہ بھی بہت اہم اور مفید ہے اس لیے دونوں سلسلے جاری رکھیں، ایسی صورت اختیار کی جائے، مسجد بڑی ہو تو اس کے کسی گوشہ میں یا برآمدہ یا صحن میں (جبکہ نمازی اندر سنت وغیرہ پڑھ رہے ہوں) تعلیم ہو تو دونوں سلسلے جاری رہ سکتے ہیں۔ نیز تعلیم میں فضائل کے ساتھ ساتھ طہارت، وضو، نماز، روزہ وغیرہ کے احکام و ضروری مسائل بھی ہوں، محض فضائل پر اکتفاء نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۱ جلد ۶ و ص ۱۶۴ جلد ۳ و کفایت المفتی ص ۱۲۷ جلد ۳)

مسجد کے حوض کی پیمائش

سوال:۔ مسجدوں میں حوض بنائی جاتی ہے اس حوض کی گہرائی اور لمبائی و چوڑائی شرعی گز اور مروجہ میٹر کے حساب سے کتنی کتنی ہونی چاہئے؟

جواب:۔ دس گز لمبائی اور دس گز چوڑائی کافی ہے اور یہاں شرعی گز مراد ہے۔ جس کو عربی میں ذراع کہتے ہیں، سرکاری گز عربی دو ذراع کا ہوتا ہے یعنی سرکاری پانچ گز لمبائی اور اتنی ہی چوڑائی ہوگی اور گہرائی کی کوئی خاص مقدار نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۶ جلد ۱۵)

مسجد کی نئی تعمیر میں قدیم جماعت خانہ کی جگہ حوض بنانا؟

مسئلہ:۔ اگر کسی جگہ ایک مرتبہ مسجد تعمیر ہو چکی ہو، اس کے بعد کسی وقت کسی ضرورت کی وجہ سے اس مسجد کو شہید کر کے مسجد کی نئی تعمیر کی جائے تو جو جگہ داخلِ مسجد تھی، اب اس کے نیچے یا اوپر کمرہ یا حوض وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے، ہاں مسجد بالکل نئی بن رہی ہو اور بالکل نئی تعمیر کے پلان میں یا کوئی جگہ شرعی مسجد سے خارج ہو، اور وہ جگہ نئی تعمیر کے وقت شرعی مسجد میں داخل کی جا رہی ہو اور اس نئی جگہ کے پلان میں مصالح مسجد کے لیے حوض یا کمرہ بنانا شامل ہو تو ایسی صورت میں بنانے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۱ جلد ۱۰ بحوالہ درمختار ص ۵۱۳ جلد ۳ کتاب الوقف)

مسئلہ:۔ نیز دونوں مسجدیں بالکل متصل ہیں اور اہل محلہ دونوں مسجدوں کو ایک کرنا چاہتے ہیں تو ایک کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۰ جلد ۱۰)

حوض میں پیر وغیرہ دھونا؟

مسئلہ:۔ وہ حوض جو دہ دردہ (یعنی دس ہاتھ لمبی اور دس ہاتھ چھوڑی) ہے وہ ان چیزوں سے ناپاک نہیں ہوگا، لیکن ادب اور سلیقہ یہ ہے کہ کلی حوض میں نہ کیا جائے بلکہ نالی میں کی جائے اور مسواک کو بھی نالی میں (ہاتھ وغیرہ میں پانی لے کر) دھوئی جائے حوض میں نہ ڈوبائی جائے، نیز پیر بھی اس طرح دھوئے جائیں کہ پانی نالی میں گرے اور حوض میں ان کا پانی نہ گرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۰ ج ۱۰)

مسئلہ:۔ مسجد کے نل سے اہلِ محلّہ کو پانی لینا درست ہے مگر احتیاط سے نل استعمال کریں،

اگر خراب ہو جائے تو اس کی مرمت بھی کرادیا کریں، یہ بات نہ ہو کہ پانی تو محلّہ والے بھریں اور مرمت مسجد کے ذمہ رہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۸ جلد ۱۵)

حوض کی جگہ کمرہ تعمیر کرنا؟

سوال :۔ مسجد میں وضوء کے لیے حوض ہے، اگر حوض کے بجائے ٹنکی لگوا کر حوض کو ختم کر کے ایک عمارت بنادیں تا کہ اس کے کرایہ سے مسجد کی ضروریات پوری ہوتی رہیں تو کیا شرعاً متولی کو اس کا حق ہے؟

جواب :۔ اگر نمازیوں کو وضو کرنے کی تنگی نہ ہو اور جو کام حوض سے لیا جاتا ہے وہ سہولت سے ٹونٹی سے حاصل ہو، نیز عمارت بنانے سے مسجد کی ہوا اور روشنی میں رُکاوٹ نہ ہو تو مسجد کے مفاد کے پیش نظر وہاں کے سمجھدار آدمیوں کے مشورہ سے ایسا کرنا درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۰ جلد ۱۰)

(نوٹ :۔ مسجد میں حوض داخل مسجد تو ہوتی نہیں لیکن اس کا راستہ داخل مسجد ہوتا ہے، جب مسجد کے حوض کی جگہ کمرہ یا دوکان وغیرہ بنائی جائے گی تو راستہ داخل مسجد ہوگا جو شرعی لحاظ سے صحیح نہیں ہوگا، مصالح مساجد یعنی ضروریاتِ مسجد میں تو وہ استعمال میں لائیں کہ مسجد کا سامان یا امام وغیرہ کا کمرہ بنادیا جائے، لیکن داخل مسجد راستہ نہ ہو۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

جماعت خانہ کے نیچے حوض بنانا؟

مسئلہ :۔ قدیم مسجد کی توسیع کے وقت جو جگہ جماعت خانہ میں شامل کی جائے اس کے نیچے کا حصہ پہلے سے حوض بنانے کی نیت ہونے کی وجہ سے بطور حوض رکھا جا سکتا ہے (پُرانی مسجد کا حصہ حوض میں نہ آنے پائے) اور حوض کے اوپر کا حصہ جو جماعت خانہ میں شامل ہے اس میں صفیں نماز کیلئے قائم کی جاسکتی ہیں، مسجد کا ثواب ملے گا اور وہاں اعتکاف بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۳ جلد ۶)

مسجد کی جگہ میں کار پارکنگ بنانا؟

سوال :۔ ہمارے یہاں مسجد بنانے کا پروگرام ہے اور یہاں کے قانون کے مطابق

کار پارکنگ (مسجد کی جگہ میں) ہونا لازمی ہے، اور یہ جگہ مسجد کی چہار دیواری کے اطراف میں ہوتی ہے اور اسکے بغیر مسجد بنانے کی اجازت نہیں ملتی، معلوم یہ کرنا ہے کہ مسجد کے پیسے جو بینک میں جمع ہیں، اس پر جو سُود ملتا ہے تو کیا یہ رقم کار پارکنگ میں استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ صورتِ مسئولہ میں نمازیوں کی کار رکھنے کی جگہ لازمی ہے تو مال دار حضرات یہ کام اپنی حلال کمائی سے کر سکتے ہیں اور کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۵ جلد ۶)

مسجد پر حکومت کا قبضہ کرنا؟

سوال:۔ کیا کسی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسجد کو ضبط کر لے اور پھر اس کو نقد روپیہ لے کر یا شرائط پر واگزار کرے جس کی رُو سے مسجد پر حکومت کا تسلُط رہے؟

جواب:۔ مسجد خدا کا گھر ہے اور خدا ہی اس کا مالک ہے، وہ کسی انسان کی مِلک نہیں۔ قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ﴾ یعنی یقیناً مسجدیں خاص خدا کی ہیں۔

اور جب وہ خدا کی مِلک ہیں اور اس کی عبادت کے لیے مخصوص ہیں تو کسی حکومت کو ان کے اوپر مخالفانہ تسلط اور قبضہ کرنے کا حق نہیں، حکومت انسانی اِملاک پر قبضہ کرے تو کرے، خدا کی مِلک پر قبضہ نہیں کر سکتی، اور اگر جبر واستبداد سے قبضہ کر لے تو وہ قبضہ شرعاً ناجائز اور کالعدم ہوگا، اور اس کو لازم ہوگا کہ اسے واگزاری کے عوض میں کوئی رقم وصول کرنے یا کوئی شرائط عائد کرنے کا حکومت کو کوئی حق نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۷ جلد ۷)

مسجد شہید کر کے راستہ بنانا؟

سوال:۔ سنگاپور میں ایک شہر کے درمیان میں کئی مساجد ہیں، حکومت اس کو خوب صورت شہر بنا رہی ہے۔ راستوں میں مسجدیں، گرجا گھر، مندر ومکانات ہیں، حکومت ان کو منہدم کر کے اس کے عوض دوسری جگہ دیتی ہے تو کیا مسجد کو توڑنا اور اس کے عوض دوسری جگہ لینا شرعاً جائز ہے؟

جواب:۔ جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے حکم میں آجائے پھر اس کی عمارت رہے یا نہ

رہے، اس میں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو وہ جگہ قیامت تک مسجد کے حکم میں رہے گی، اس کو بجز عبادت کے کسی اور کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، اس کے کسی حصہ کو بیچنا، کرایہ پر دینا، رہن رکھنا یا اس کے وُرثاء کو واپس کر دینا (داخلِ مسجد) کو جائز نہیں ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسجد کے کسی حصہ کو راستہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۱ جلد ۶ وص ۱۷۷ جلد ۲ و بحر الرائق ص ۲۷۴ جلد ۲ بحوالہ شامی ص ۵۳۱ جلد ۳)

(اپنی طرف سے کوشش تو مسجد کو بچانے کی کی جائے لیکن اگر حکومت وغیرہ سے مجبور ہو جائیں تو خون خرابہ نہ کریں، کیونکہ حکومت سے ٹکراؤ آسان نہیں ہے، اسلئے دوسری جگہ جو مل رہی ہے اس کو حاصل کر لیں اور اگر ممکن ہو تو سابقہ مسجد کا ملبہ وغیرہ بھی استعمال میں لے آئیں تا کہ بے حرمتی نہ ہو، واللہ اعلم (رفعت قاسمی غفرلہٗ)

کچھ راستہ مسجد میں لینا؟

مسئلہ:۔ اگر راستہ بڑا ہے کچھ حصہ مسجد میں لینے سے تنگی نہیں ہوگی تو مشورہ کر کے بقدرِ ضرورت مسجد میں لے سکتے ہیں شرعاً اجازت ہے۔ اس پر سب کو رضا مند ہونا چاہئے۔ (اتنی جگہ نہ لیں کہ راستہ تنگ ہو جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۷ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ اگر وہ راستہ کسی کی ملک نہیں ہے، عام لوگوں کے چلنے کے لیے ہے اور مسجد میں تنگی ہے اس کو بڑھانے کی ضرورت ہے، اور اس بڑھانے سے گزرنے والوں کو تنگی و پریشانی نہیں ہوگی، اور نہ ہی کسی کا راستہ رکے گا تو مسجد کو بقدرِ ضرورت بڑھالیا جائے۔ اگر اس کے لیے کسی کی مملوکہ زمین مسجد میں شامل کرنا چاہیں، وہ بلا قیمت نہ دے تو اس سے خرید کو مسجد میں شامل کر لیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۵ جلد ۱۸)

نماز کے لیے عورتوں کا مسجد میں جانا؟

مسئلہ:۔ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی تھا کہ ((بُیُوتُهُنَّ خَیْرٌ لَّهُنَّ)) یعنی ان کے گھر ان کے لیے مسجد سے بہتر ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۹۶)

اُم حمیدؓ ایک جانثار خاتون نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ٹھیک کہتی ہو لیکن تمہارے لیے بند کوٹھری میں نماز پڑھنا صحن کی نماز سے بہتر ہے اور صحن کی نماز سے برآمدہ کی نماز بہتر ہے۔

اس کے بعد اُم حمیدؓ نے اندھیری کوٹھری نماز کے لیے متعین کر لی اور وفات تک وہیں نماز پڑھتی رہیں مسجد میں نہ گئیں۔ (ترغیب ص ۱۸۰ جلد ۱)

- جب حضرت عمرؓ کا دور آیا، عورتوں کی حالت میں تبدیلی (عمدہ پوشاک، زیب وزینت اور خوشبو کا استعمال وغیرہ) دیکھ کر آپؓ نے جو عورتیں مسجد میں آیا کرتی تھیں روک دیا تھا، تو تمام صحابہ کرامؓ نے اس بات کو پسند فرمایا کسی نے خلاف نہیں کیا، البتہ بعض عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی تو اُم المؤمنین صدیقہؓ نے بھی فیصلۂ فاروقی سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا ''اگر آنحضرت ﷺ ان عورتوں کو دیکھتے جواب عورتوں میں نظر آتی ہے تو آنحضرت ﷺ بھی ضرور عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرماتے۔

(صحیح بخاری ص ۱۲۰ جلد ۱، ومسلم شریف ص ۱۸۳ جلد ۱)

یہ اس دور کی بات ہے جب کہ اکثر عورتوں میں شرم وحیا اور تقویٰ و پرہیز گاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور مردوں میں بھی اکثریت نیکو کار تھی۔

فیوض وبرکات کے حصول کا زرین موقعہ تھا اور مسجد نبوی ﷺ کی فضیلت اور نماز باجماعت ادا کرنے کی شریعت میں سخت تاکید ہے، باوجود اس کے عورتیں مسجد کی حاضری سے روک دی گئیں تو موجودہ دور میں کیا حکم ہونا چاہئے؟

درمختار مع شامی ص ۵۲۹ جلد اول میں ہے کہ مکروہ ہے عورتوں کو جماعت میں شریک ہونا، چاہے جمعہ اور عیدین ہوں یا مجلس وعظ ہو، چاہے وہ عمر رسیدہ ہو چاہے جوان، رات ہو یا دن، زمانہ کی خرابیوں کی وجہ سے مفتی بہ مذہب یہی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۲ جلد ۱، وص ۵۶ جلد ۷ و عالمگیری ص ۵۶ جلد ۱ و کفایت المفتی ص ۳۹۲ جلد ۵ و احسن الفتاویٰ ص ۲۶۵ جلد ۶)

آواز والی گھڑی مسجد میں لگانا؟

مسئلہ:۔ اس گھڑی کا مقصد اصلی بھی وقت ہی معلوم کرنا ہے اور ستار باجہ کی طرح آواز سننا

مقصد نہیں، لیکن گانا بجانا عام ہونے کی وجہ سے اس کی آواز میں اس طرح کا لحاظ کر لیا گیا ہے کہ اگر کوئی باجہ کی آواز نہ سننا چاہے بلکہ اس سے نفرت کرتا ہو تو وہ بھی بے اختیار اسکو سنے، اسکو ستار وغیرہ کی طرح بالکل ناجائز تو نہیں کہا جائے گا۔ ہاں ضرور کسی قدر تشبہ پیدا ہو جائے گا، اسلئے ایسی گھڑی کے مقابلے وہ گھڑی قابلِ ترجیح ہوگی جس میں آواز نہ ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۱۴۹ جلد ۱۰)

مسئلہ:۔ گھڑی گھنٹہ میں پندرہ منٹ بعد ٹن ٹن کی آواز ہوتی ہے اس سے ان لوگوں کو جو دُور ہوتے ہیں یا جن کی نگاہ کمزور ہے، وقت معلوم کرنے میں سہولت ہوتی ہے، اس بناء پر ایسی آواز والی گھڑی مسجد میں رکھنے کی اجازت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۳۱ و امداد الفتاویٰ ص۴۳ ۷ جلد ۲ و امداد الاحکام ص ۴۳۸ جلد اول)

نقشۂ اوقاتِ نماز دوسری مسجد میں منتقل کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر اصل مالک نے متعین طور پر اسی مسجد کے لیے نقشۂ اوقات کو وقف کیا ہے اور وہ وقف صحیح بھی ہو گیا تو اس کو پھر دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا امام اور مقتدیوں کو چاہئے کہ اس نقشہ سے کام لیں تا کہ واقف کی نیت پوری ہو اور اس کے ثواب میں اضافہ ہو۔

نفس وقف کا ثواب بہرحال اس کو حاصل ہے، ہاں اگر خدانخواستہ مسجد غیر آباد ہو جائے تو پھر دوسری مسجد میں اس کو منتقل کرنا درست ہوگا، اور قرآن کریم کو جس مسجد پر وقف کیا جائے اس کو دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا مسئلہ ردالمختار ص۵۸۰ جلد ۲ میں مذکور ہے اسی کے ذریعہ صورت مسئولہ کا حکم تحریر کیا گیا ہے، اگر وہ نقشہ وقف نہیں ہو تو اس کو منتقل کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۵۹ جلد ۱۰)

مسجد کی جگہ بغیر کرایہ کے دینا؟

مسئلہ:۔ مسجد کی وقف جگہ مسجد کے لیے ہے، لہٰذا کسی ادارہ کو مفت بغیر کرایہ کے دینا جائز نہیں ہے، کرایہ لیا جائے اور اسے مسجد کے مفاد میں استعمال کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۷۶ جلد ۴)

مسجد کے کمرے کرایہ پر دینا؟

مسئلہ :۔ مسجد کے احاطہ میں جو حجرے ہوتے ہیں وہ عموماً مسجد کے امام اور خدام کے لیے ہوتے ہیں، لہٰذا ان کو اسی کام میں لیا جائے، کرایہ پر نہیں دے سکتے، اگر زائد کمرے ہوں تو تعلیم کے کام میں لیے جائیں، وہاں اگر بانی اور واقف نے کرایہ کے لیے اور مسجد کی آمدنی کیلئے بنائے ہوں تو کرایہ پر دے سکتے ہیں، بشرطیکہ مسجد کو ضرورت نہ ہو اور اس سے مسجد کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو، اور نمازیوں کا حرج اور تشویش نہ ہوتی ہو، اور کرایہ دار کیلئے آمدرفت کا راستہ (داخل مسجد سے) الگ ہو ورنہ کرایہ پر بھی نہیں دے سکتے۔

(فتاوی رحیمیہ ص ۹۹ جلد ۶ وص ۱۲۴ جلد ۶)

مسئلہ :۔ مسجد کی آمدنی بڑھانے کیلئے مسجد کی قبلہ جہت دیوار کو پیچھے ہٹا کر مسجد کی جگہ (داخلِ مسجد) میں دوکانیں بنانا درست نہیں ہے، مسجد کی قبلہ جہت دیوار بھی مسجد کے حکم میں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۷۶ جلد ۲ بحوالہ بحرالرائق ص ۲۵۱ جلد ۱۵)

مسجد کی زمین میں کھیلنا؟

مسئلہ :۔ مسجد یا قبرستان کے لیے وقف شدہ زمین کا حکم بحیثیتِ احترام مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ (جب تک قبر یا مسجد نہ بنائی گئی ہو) ہر جائز کام وہاں درست ہے اور ہر ناجائز کام وہاں ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۶ ج ۱۵)

مسئلہ :۔ مسجد کی (خالی زمین خارج مسجد) جگہ اکھاڑے کیلئے مفت دینا جائز نہیں، کرایہ پر دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ مسجد کو اسکی ضرورت نہ ہو اور مسجد کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو، ورنہ کرایہ پر بھی دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۸ جلد ۶)

مسجد کی سیڑھی وغیرہ استعمال کرنا؟

سوال:۔ متولی مسجد کی اجازت سے مسجد کی سیڑھی وغیرہ گھر لے جا کر استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ جو چیز مسجد کے پیسے سے خریدی گئی اور وہ دوسرے لوگ اپنی ضرورت

کیلئے مسجد سے مانگتے ہیں، تو ان کو عام طور پر وہ چیز نہ دی جائے، ہاں اگر مصالح مسجد کا تقاضہ ہے تو دے سکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۷ جلد ۱۵)

مسجد کا سامان مانگنا؟

سوال:۔ مسجد کا سامان مثلاً سیمنٹ قلعی، روغن وغیرہ تھوڑا بہت مانگ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مسجد کی چیز بلا اجرت اور بلا قیمت لینے کا حق نہیں ہے، نہ اجازت سے، نہ بلا اجازت، جو چیز اجرت پر دینے کیلئے ہو اس کو اجرت پر لینا درست ہے، اور جو چیز فروخت کرنے کیلئے ہو اُس کو قیمت دے کر لینا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۶ جلد ۱۵)

مسجد کا سامان کرایہ پر دینا؟

سوال:۔ مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے اخراجات کے مکمل کرنے کیلئے مسجد کی آمدنی سے کچھ برتن خریدے جو شادی اور دیگر تقریبات میں کرایہ پر دیئے جاتے ہیں، اس طرح پر کرایہ وصول کرنا اور مدرسہ و مسجد کے انتظامات میں لانا شرعاً درست ہے؟

جواب:۔ شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، وہ کرایہ مذکورہ ضروریات میں صرف کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۸ جلد ۱۵)

مسجد میں سونا؟

مسئلہ:۔ مسجد میں امام ہو یا محلہ کا کوئی شخص بھی ہو، جب دوسری جگہ موجود ہے تو پھر مسجد میں سونا اور وہ بھی روزمرہ سونا مکروہ ہے اس سے بچنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۶ جلد ۶ و فتاویٰ عالمگیری ص ۳۲۰ جلد ۵ و فیض الباری ص ۴۹ جلد ۲)

مسئلہ:۔ مسجد میں سونا مکروہ ہے، اپنے مکان پر سویا کریں، متولی کو مسجد میں سونے کی اجازت دینے کا بھی حق نہیں ہے۔ جو شخص معتکف ہو یا مسافر ہو اس کے لیے گنجائش ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۴ جلد ۱۸ و کفایت المفتی ص ۱۱۳ ج ۳)

مسئلہ:۔ مسجد نماز کی جگہ ہے، سونے اور آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ جو مسافر پردیسی ہو

یا کوئی معتکف ہوا سکے لیے گنجائش ہے۔ تبلیغی جماعت عموماً پردیسی ہوتی ہیں یا پھر وہ مسجد میں رات کورہ کر تسبیح ونوافل میں بیشتر مشغول رہتی ہیں، کچھ دیر آرام بھی کر لیتی ہیں، اس طرح اگران کے ساتھ مقامی آدمی بھی شب گزاری کریں تو نیت اعتکاف کرلیا کریں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص۲۲۲ جلد۱۵ وص ۴۶۸ جلد۱، ودرمختار مع شامی ص ۶۱۹ جلد۱)

مسئلہ:۔ نمازیوں کا مسجد میں اوقاتِ نماز کے علاوہ لیٹ جانا اور سوجانا اگر اتفاقی طور پر ہو تو مباح ہے، لیکن مسجد کو خواب گاہ بنالینا، اس کے لیے درست نہیں ہے۔

(کفایت المفتی ص ۱۱۴ جلد۳ وامداد الاحکام ص ۴۳۶ جلد۱)

مسئلہ:۔ تبلیغی جماعت والے اگر مسافر ہیں، اور مسجد کی صفائی وادب واحترام کا لحاظ کرتے ہیں تو مسجد میں ان کے سونے کی گنجائش ہے، باہر (خارج مسجد) جگہ ہو تو وہاں سونا اور وہیں کھانا پینا اچھا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۱ جلد۶ وفتاویٰ عالمگیری ص ۲۱۵ جلد۶)

مسئلہ:۔ مستقلاً مسجد کو مکان بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہیے، یہ مکروہ اور احترام مسجد کے خلاف ہے، لیکن اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور اسکی جماعت چھوٹتی ہو یا نماز قضاء ہو جاتی ہے اور مسجد میں سونے سے نماز با جماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے یا مسجد کی حفاظت مقصود ہے یا کوئی اور دینی ضرورت ہے جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی تو اس کیلئے اجازت بھی ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ بھی دینی ضرورت کیلئے مسجد میں سوتے تھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۰ جلد۱ بحوالہ شامی ص ۴۴۴ جلد۱ وفتاویٰ عالمگیری ص ۴۱۵ جلد۶)

مسئلہ:۔ مسجد میں سونا معتکف اور مسافر کیلئے جائز ہے، دوسروں کیلئے مکروہ ہے۔ جو لوگ مسجد میں سوئیں ان کو مسجد کی چٹائیوں پر کپڑا وغیرہ بچھالینا چاہئے کہ پسینہ سے فرش خراب نہ ہو اور نیند کی حالت میں ناپاک ہونے کا خطرہ نہ رہے۔ (آپ کے مسائل ص ۱۴۱ جلد۳)

مسئلہ:۔ مسجد میں سونا خلاف اولیٰ ہے گو جائز ہے اور جب سونا جائز ہے تو نیند کی حالت میں ریح کے نکلنے میں گناہ نہ ہوگا۔ (امداد الاحکام ص ۴۶۳ جلد۱، واحسن الفتاویٰ ص ۴۴۷ جلد۶)

مسجد میں گندہ دہنی سے اجتناب

بدن اور کپڑوں کے ساتھ منہ بھی صاف ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ بولنے اور منہ

کھولنے کے ساتھ مسجد کے کچھ حصوں میں بدبو پھیل جائے اور نمازیوں کے لیے اذیّت کی وجہ بن جائے، مسجد میں آنے سے پہلے اچھی طرح منہ صاف کرلیا جائے، کوئی ایسی چیز نہ کھاپی جائے جس سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں مسواک کی تاکید اور اس کی فضیلت جو بیان گئی ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے اس کے دربار میں حاضری پاکیزگی اور نفاست کے ساتھ ہو، تاکہ مناجات اور سرگوشی میں پورا پورا ادب ملحوظ رہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں منہ کی صفائی کا بڑا اہتمام فرمایا، خود تو یہ حال تھا کہ کوئی وضو بغیر مسواک کے نہیں ہوتا تھا۔ یوں بھی آپؐ بکثرت مسواک کرتے۔ آپؐ نے اپنی امت کو بھی اسکی بڑی ترغیب فرمائی ہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں یہ حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کریں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مسواک منہ کی صفائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی. اسی صفائی کا نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی چیز کھا کر مسجد سے روکا ہے جس کی جلد بو ختم نہیں ہوتی جیسے کچی پیاز، لہسن، مولی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ (اسلام کا نظام مساجد ص ۲۱۹)

جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اس کا مسجد میں آنا؟

مسئلہ:۔ ایسے شخص کو جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اور دوسروں کو اذیت پہنچتی ہو، مسجد میں جانا منع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۳ جلد ۶ بحوالہ شامی ص ۶۹۱ جلد اول و آپ کے مسائل ص ۱۵۱ جلد ۳)

(اصل منشاء یہ ہے کہ مسجد میں آدمی ایسی حالت میں نہ آئے کہ اس کے منہ یا بدن کے کسی حصہ سے بھی بدبو آرہی ہو خواہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کی وجہ سے یا جسم ولباس وغیرہ کی گندگی کی وجہ سے۔ رفعت)۔

کیا ناک کی بدبو والا مسجد میں آسکتا ہے؟

سوال:۔ ایک شخص کو پیدائشی طور پر ناک کی بیماری ہے جس کی وجہ سے بدبو آتی رہتی ہے، علاج ومعالجہ سے کوئی فائدہ نہ ہو تو ایسے شخص کو مسجد میں جانا کیسا ہے؟

جواب :۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ بُو مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ ایذاء پاتے ہیں جس سے انسان ایذاء پاتے ہیں۔

(بخاری شریف وغیرہ)۔

حدیث معلل ہے بایذاء انسان وملائکہ، اس لیے جس کے جسم کے کسی حصہ کی بُو، سے لوگوں کو ناگواری اوراذیت ہوتی ہو، اسے مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔ اوراعتکاف میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں جس شخص کے بدن میں ایسی ناگوار بدبو پائی جائے جسکی وجہ سے آدمیوں کواذیت ہوتی ہوتواسکونکال دینا چاہئے۔ (اسلام کا نظام مساجد ص ۲۱۹)

اس کوبھی مسجد میں آنے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ مسجد فرشتوں کی آمد کی جگہ ہے، ان کواوردوسرے لوگوں کواذیت ہوگی، البتہ اگر بدبوخفیف ہو، تکلیف دہ اور ناگواری کی حد تک نہ ہوتو نمازِ پنجگانہ کے لے دافع بدبوعطروغیرہ خوشبولگا کرآ سکتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۵ جلد ۱۰)

مسئلہ :۔ ہرایذاءرساں کوخواہ وہ زبان سے تکلیف پہنچائے مسجد میں آنا منع ہےاوروہ بھی جس کوگندہ دہنی یعنی منہ کی بدبو کا مرض ہوجس سے نمازیوں کوتکلیف ہو۔

(کتاب الفقہ ص ۴۵۴ جلد ۱)

مسئلہ :۔ لہسن اور پیاز کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر کھانا ہی ہےتو ان کو پکار کر کھاؤ، تاکہ ان کی بدبومر جائے۔ (ابوداؤدص ۱۸۰ جلد ۲)

(پیاز ولہسن کی طرح حقہ، بیڑی، سگریٹ، نسوار، گندھک، مٹی کا تیل اور ہر بدبودار چیز کا یہی حکم ہے، اس لئے حقہ، سگریٹ وسگاروغیرہ استعمال کرنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ منہ اچھی طرح صاف کرلیں اورخوب اچھی طرح سے مسواک کرلیں مسجد میں آنے سے پہلے، تاکہ حدیث شریف پرعمل ہوسکے۔ رفعت قاسمی غفرلہ)۔

مسئلہ :۔ مسجد میں بدبودار رنگ کرنا مکروہ تحریمی ہے، مسجد کو ہر بدبودار چیز سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ یہاں تک کہ کچی پیاز ولہسن کھا کربغیر منہ صاف کئے بدبودار منہ لے کر مسجد میں آنے کوحضرت نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ فقہاء نے بھی مکروہ لکھا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۲ جلد ۱۵)

(پہلے زمانہ میں رنگ پینٹ وغیرہ میں بدبوکافی عرصہ تک رہا کرتی تھی بدبونہ ہوتو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح مسجد میں بیڑی سگریٹ اور حقہ پی کی بغیر منہ صاف کیے داخل نہ ہونا چاہئے، اس سے یہ بات خود سمجھ میں آتی ہے کہ جب منہ میں بدبو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے تو مسجد میں بیڑی سگریٹ پینا کتنا بڑا جرم ہوگا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

خارش وجُذامی کا مسجد میں آنا؟

مسئلہ:۔ کسی مرض کو فی نفسہٖ متعدی سمجھنا (کہ لگ جائیگا) غلط ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، لیکن جو شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں، اور انکے عقیدے غلط ہو جانے یا غلط عقیدوں کے پختہ ہو جانے کا اندیشہ ہے تو اس شخص (مریض) کو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ وہ اپنے مکان سے وضو کرکے جائے۔ اگر مسجد میں جانے سے بھی لوگوں میں نفرت پیدا ہو یا اسکے جسم سے بدبو آتی ہو یا رطوبت ٹپکتی ہو تو اس کو اپنے مکان پر ہی نماز پڑھنی چاہئے، مسجد میں نہ جائے، جماعت اس سے ساقط ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۸ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ اگر کوڑھ کا اثر خون نہیں، بدن سے رطوبت نہیں نکلتی، بدبو نہیں آتی تو مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اور جماعت میں شریک ہونا درست ہے، ہاں اگر نمازیوں میں وحشت پیدا ہو اور اسکی وجہ سے لوگ مسجد میں آنا چھوڑ دیں اور مسجد کے غیر آباد ہونے کا اندیشہ ہو تو اس مریض کو خود ہی اسکا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے مکان پر نماز ادء کر لینی چاہئے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۴ جلد ۱۶)

غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا؟

مسئلہ:۔ جب تک ناپاک ہونے کا علم نہ ہو، اور دوسری بھی کوئی چیز مضر رساں اور مفسدہ نہ ہو تو غیر مسلم کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت ہے، اہلِ مسجد پر گناہ نہیں ہوگا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۱ ج ۱۵ و بحر ص ۲۵۱ ج ۵)

مساجد میں چھوٹے بچوں کولانا؟

مسئلہ :۔ مسجد میں چھوٹے بچوں کولانے کی اجازت نہیں مسجد کا ادب واحترام باقی نہ رہے گا اور لانے والے کوبھی اطمینان قلب نہ رہے گا۔ نماز میں کھڑے ہوں گے مگر خشوع وخضوع نہ ہوگا، بچوں کی طرف دل رہے گا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی مسجدوں کوبچوں اور پاگلوں سے بچاؤ۔ (ابن ماجہ ص ۵۵ جلد اول)

مسئلہ :۔ مسجد میں بچوں کے داخل کرنے سے مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ ہوتو حرام ہے ورنہ مکروہ۔ (الاشباہ ص ۵۵۷)

مسئلہ :۔ ہاں اگر بچہ سمجھدار ہو، نماز پڑھتا ہو، مسجد کے ادب واحترام کالحاظ رکھتا ہوتو کوئی حرج نہیں، غالباً اسی بناء پر حدیث شریف میں سات سال کی قید موجود ہے۔ وہ نابالغ بچوں کی صف میں کھڑا رہے، اگرصف میں ایک ہی بچہ ہے تو بالغوں کی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے مکروہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۱ جلد ۶ و آپ کے مسائل ص ۱۴۳ جلد ۳)

مسئلہ :۔ بچہ کے چالیس دن کا ہوجانے کے بعد بعض لوگ اسے مسجد میں لاکر لٹاتے ہیں اور پھر کچھ مٹھائی تقسیم کرتے ہیں، یہ رسم بے اصل، لغو اور قابل ترک ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۸ جلد اول)

مسجد کا دروازہ بند کرنا کیسا ہے؟

سوال :۔ زید ایک مسجد میں امام ہے، بعد نمازِ عشاء مسجد کے کواڑ بند کرلیتا ہے اور جوکواڑ بند کرنے کے بعد نمازی آتا ہے تو زید نہیں کھولتا کیا کسی حدیث شریف میں ہے؟

جواب :۔ درمختار میں ہے کہ مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر مسجد کے سامان کے گم ہونے کا اندیشہ ہے تو سوائے اوقاتِ نماز کے دروازہ مسجد کا بند کرنا درست ہے۔ اور شامی میں ہے کہ یہ اَمر اہل محلّہ کی رائے پر ہے، جس وقت وہ مناسب سمجھیں سوائے اوقاتِ نماز کے دروازہ بند کرادیا کریں۔ صورتِ مذکورہ میں امام مسجد کا نمازیوں کیلئے دروازہ نہ کھولنا خلافِ شریعت ہے اور دروازہ بند کرکے پھر نہ کھولنا اگرچہ نمازیوں کی ضرورت سے ہو کہیں ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۴۹ جلد ۴ بحوالہ درمختار ص ۶۱۴ جلد اول، و کتاب الفقہ ص ۴۶۱ جلد اول)

مسئلہ:۔ اگر نماز کے وقت جانوروں کے اندر آجانے کا ڈر ہو تو اس طرح بند رکھا جا سکتا ہے کہ نمازی دروازہ خود کھول کر مسجد میں آسکیں اور نمازیوں کی یہ شکایت باقی نہ رہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۰۴ جلد ۶)

آج کل حالات بہت ہی خراب چل رہے ہیں کہ دن دیہاڑے چوری قتل وغارت ہورہی ہے۔ اگر کسی جگہ پر ایسا ہی ماحول ہو تو نماز و جماعت کے بعد فوراً کواڑ بند کرلیا کریں اور نمازیوں کو بھی چاہئے کہ وہ اوقات کی پابندی کریں تا کہ جان و مال کی حفاظت بھی رہے اور نماز بھی جماعت سے اداء ہوتی رہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ جب کہ مسجد کا سامان محفوظ نہیں تو اس کی حفاظت کے لیے مسجد میں تالا ڈالنا شرعاً درست ہے، بلکہ ضروری رہے، مگر ہر نماز کے وقت وہاں سب کے آنے اور سب کے نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۹۵ جلد ۱۵ و آپ کے مسائل ص۱۴۰ جلد ۳ و بحر ص۳۳ جلد ۲)

دریابُرد گاؤں کی مسجد کے سامان کا حکم

سوال:۔ جمنا کے کنارے گاؤں جو کہ سب دریا میں ڈوب گیا، صرف چند مکان اور ایک مسجد باقی ہے۔ حکومت نے اس گاؤں کو دوسری جگہ بسا دیا ہے جس میں تین مسجدیں ہیں۔ اب قدیم مسجد ویران ہے اس کے سامان کو کسی مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ جب تک قدیم مسجد موجود ہے اس کے سامان کو کہیں منتقل نہ کریں، بلکہ اسی مسجد کو آباد کریں۔ اور اگر کسی وقت وہ بھی دریابُرد ہوجائے اور وہاں پر پانی کا قبضہ باقی ہوجائے، پھر اس کا سامان اور رقوم باہمی مشورہ سے جس مسجد میں ضرورت ہو وہاں منتقل کردیں، اگر مشورہ میں اتفاق نہ ہو یا سب مسجدیں برابر ہوں تو پھر تینوں میں تقسیم کردیں۔
(فتاویٰ محمودیہ ص۲۰۴ جلد ۱۸)

پرانی مسجد کے گر کر بہہ جانے کا اندیشہ ہو؟

سوال:۔ ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جو پانی چڑھنے کی وجہ سے شہید ہونے لگی ہے، اگر کچھ دن یہی حال رہا تو اینٹ وغیرہ سب پانی میں بہہ جائیں گی، لہٰذا اگر اینٹیں وہاں

سے اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنادی جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔اگر مسجد منہدم ہورہی ہے اور وہاں پر پانی کا قبضہ ہورہا ہے اور مسجد کی اینٹیں وغیرہ کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے تو وہاں سے اینٹیں وغیرہ اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنالیں۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۸ جلد ۱۵)

مسجد کے پیسے سے مسجد کے لیے بالٹی خریدنا؟

مسئلہ:۔ مصالح مسجد کے لیے جو وقف ہو اُس کی آمدنی سے غسل کے لیے بالٹی خریدنا اور غسل خانۂ مسجد میں رکھ دینا تاکہ نمازی ضرورت کے وقت اس سے غسل کرلیا کریں، جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص بالٹی ہی خرید کر مسجد کے غسل خانہ میں رکھ دے، تب بھی درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۷ جلد ۱۵)

مسجد کی آمدنی سے جنازہ کی چارپائی خریدنا؟

سوال:۔مسجد میں مُردوں کو نہلانے کے لیے تختہ اور قبرستان لے جانے کے لیے چارپائی مہیا کی جاتی ہے تو کیا وہ مساجد کی موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے بنانا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ وقف مسجد کی ضروریات کے مصارف کے لیے ہوتا ہے اور یہ چیزیں اہل محلّہ اور عام مسلمانوں کی سہولت کے لیے ہوتی ہیں، اس کا مسجد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، تو کیا ان امور میں وقف کی آمدنی کا صرف کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ناجائز ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۱ جلد ۱۵ بحوالہ عالمگیری ص ۴۶۲ ج ۲)

مسجد کے غسل خانہ وگزرگاہ میں دوکانیں بنانا؟

مسئلہ:۔ جو حصہ زمین ایک دفعہ مسجد بن جائے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہی رہتا ہے، اس کو مسجد سے خارج کرکے دوکان وغیرہ بنانا درست نہیں۔

جوتے اتارنے کی جگہ کو (جو حصہ داخل) مسجد نہیں تھا پختہ فرش میں داخل کرنا اگر واقف یا قائم مقام واقف کی اجازت سے نہیں تھا بلکہ ویسے ہی کسی ایک یا متعدد آدمیوں نے داخل کرلیا تھا تو وہ حصہ شرعی مسجد نہیں بنا۔(جوتے اتارنے کی جگہ کو مسجد کے صحن میں شامل

کرلیا تھا) مسجد کے مصالح کے لیے اصحاب الرائے حضرات کے مشورہ سے اتنا حصہ (جو کہ خارجِ مسجد ہے) دوکان کے لیے الگ کرلینا درست ہے تا کہ مسجد کے لیے آمدنی اور حفاظت کا انتظام بہ سہولت ہو سکے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۹ جلد ۱۸)

غسل خانہ اور وضو خانہ کی چھت کا حکم

مسئلہ:۔ صحن کا جو حصہ نماز کے لیے تجویز کیا گیا ہے اس کے اوپر کی چھت تو مسجد ہے، لیکن وضوخانہ استنجاء خانہ کے اوپر کی جو چھت ہے وہ شرعی مسجد نہیں ہے، اس پر مسجد کے احکامات جاری نہیں ہونگے۔ اگر اتفاقیہ کبھی دو چار آدمی جماعت سے رہ گئے، مثلاً سفر سے ایسے وقت آئے کہ جماعت ہو چکی ہے تو ان کو وہاں جماعت کرنا ممنوع ومکروہ نہیں ہے، لیکن اس کی عادت نہ ڈالی جائے۔

جو مسجد بن چکی (یعنی تعمیر ہو چکی ہے پھر بعد میں) اس کے نیچے تہہ خانہ یا استنجاء خانہ یا کمرہ وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۵ جلد ۱۵)

کیا مسجد کے صحن کا احترام ضروری ہے؟

سوال:۔ مسجد کے صحن کا کچھ حصہ جو حدودِ مسجد میں بغیر مرمت و پلاستر وغیرہ کے ہے ناہموار ہونے کی وجہ سے یہاں با قاعدہ نماز نہیں پڑھی جاتی تو کیا اسکا احترام ضروری ہے؟

جواب:۔ جس حصہ زمین کو مسجد قرار دیدیا گیا ہے وہ مرمت نہ ہونے کے باوجود قابلِ احترام ہے، اس میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو آدابِ مسجد کے خلاف ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۴ جلد ۱۰)

مسجد سے متعلق بیت الخلاء بنانا؟

مسئلہ:۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں مسجد میں نالی، لوٹا، حوض، کنواں، نل پانی، غسل خانہ، کھڑکی، پنکھا، بجلی وغیرہ کسی چیز کا انتظام نہیں تھا، مسجد کی چھت بھی ایسی تھی کہ دھوپ و بارش بھی اس میں آتی تھی، غرض بہت سادہ جگہ تھی، اس میں دوری و چٹائی بھی نہ تھی، یہ سب چیزیں آہستہ آہستہ مسجد سے متعلق کی جاتی رہی ہیں، یہاں تک کہ بعض علاقوں میں

مہمان خانہ بھی مسجد سے متعلق ہوتا ہے اور اس میں بستر وغیرہ ہوتے ہیں، مسجد میں امام ومؤذن کے رہنے کے لیے بھی کمرہ ہوتا ہے، جس میں بچے تعلیم پاتے ہیں، بعض جگہ پیشاب خانہ اور بیت الخلاء بھی نمازیوں کی سہولت کے لیے ہوتا ہے۔ خاص کر بڑے شہروں میں جہاں کثرت سے باہر کے آدمی زیادہ آتے ہوں، اگر ضرورت رفع کرنے کی جگہ وہاں نہ ہو تو ان کو بڑی دشواری ہوتی ہے۔ اگر باہر کے آدمی زیادہ نہ آتے ہوں بلکہ عامۃً مقامی آدمی نماز پڑھتے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے گھر دیا ہے اور وہاں سب ضرورت کی چیزیں موجود ہیں تو پھر محض شان وشوکت کے لیے ایسی چیزیں مساجد سے متعلق جگہ میں نہ بنائی جائیں، اگر کسی کو اتفاقیہ ضرورت پیش آہی جائے تو وقتی طور پر اپنی جانی پہچانی جگہ پر ضرورت رفع کر سکتا ہے۔

مسجد کے قریب ایسی جگہ بیت الخلاء نہ بنایا جائے کہ بدبو مسجد میں آئے اور نمازیوں اور ملائکہ کو اذیت ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۷ جلد ۱۵ و احسن الفتاویٰ ص ۴۶۴ ج ۶)

اگر غسل خانہ میں جانے کا راستہ مسجد میں سے ہو؟

مسئلہ:۔ اگر غسل خانہ تک جانے کا راستہ بجز مسجد میں گزرنے کے اور کوئی نہیں ہے تو ناپاک آدمی تیمّم کر کے وہاں کو جائے اور کوشش کر کے غسل خانہ کا راستہ کسی اور طرف کو بنایا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۸ جلد ۱۵)

مسجد کے پیسے سے بیت الخلاء بنانا؟

مسئلہ:۔ جس طرح غسل خانہ، وضو خانہ، مسجد کے پیسہ سے بنایا جاتا ہے، اسی طرح مؤذن وامام کیلئے بیت الخلاء بنانے کی ضرورت ہو تو وہ بھی درست ہے۔ نیز وضو، استنجاء و غسل کیلئے پانی کا انتظام بھی مسجد کے پیسے سے درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۷ جلد ۱۵)

مسجد سے متصل بیت الخلاء؟

مسئلہ:۔ مسجد سے خارج پاخانہ بنانا جائز ہے، دیوار درمیان میں ہونے کی وجہ سے نماز میں بھی کوئی خرابی نہ ہوگی، لیکن ایسی جگہ پاخانہ جس سے نمازیوں کو بدبو کی تکلیف ہو اور ہر وقت

مسجد میں بد بو آیا کرے اور مسجد کی جانب پاخانے کے روشن دان کھولنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اگر گنجائش ہو تو کسی دوسری جگہ مسجد سے الگ پاخانہ بنانا چاہئے اور روشن دان بھی مسجد کی طرف نہ کھولنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۴ ج ۶)

مسئلہ:۔ جس جگہ بیت الخلاء بنانے سے مسجد کے احترام میں خلل بھی نہیں آتا اور بد بو بھی نہ پہنچے تو اس جگہ بیت الخلاء بنانا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۶ جلد ۶)

مسجد کی ضرورت کے لیے غسل خانوں کو منتقل کرنا؟

مسئلہ:۔ مسجد کی پاکیزگی اور نماز با جماعت میں سہولت پیدا ہونے کیلئے غسل خانوں کو باہر (خارجِ مسجد) منتقل کر دینا درست ہے، جس طرح قدیم غسل خانوں پر مسجد کا روپیہ خرچ ہوا ہے اگر اسی طرح ان غسل خانوں کو باہر منتقل کرنے پر مسجد کا روپیہ ہو تو کیا اشکال ہے؟ یعنی کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۲ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ مسجد کے غسل خانہ میں پاخانہ کرنا منع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۵ ج ۱۸)

وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ بنانا؟

مسئلہ:۔ یہ نمازیوں کی ضرورت کے لیے ہے، اگر کچھ دور ہو تو ٹھیک ہے تا کہ مسجد میں بد بو نہ آئے اور وضو کرنے والوں کو اذیت نہ ہو اور ضرورت بھی پوری ہوتی رہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۵ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ مسجد کے غسل خانوں کا پانی اس طرح پر نکلنا کہ وہاں پر کیچڑ ہو جائے اور چلنے والوں کو تکلیف ہو۔ (ایسا کرنا) نہیں چاہئے۔ اگر اندرون احاطہ پانی کی جگہ ہے جس کے ذریعہ راستہ محفوظ رہ سکے تو راستہ کو بچانا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۵ جلد ۱۷)

مسجد میں جو چیز دی جائے وہ کس کا حق ہے؟

مسئلہ:۔ مسجد میں کھانے پینے کی جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ امام ومؤذن کے لیے دی جاتی ہیں ان کا ہی حق ہے اگر مسجد کے لیے کوئی اور چیز دی جائے مثلاً صف، لوٹا، جاءِ نماز وغیرہ تو وہ مسجد کی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۷ جلد ۱۵)

مسئلہ :۔ ختنہ وغیرہ کے موقع پر اگر رسم کے طور پر لازم سمجھ کر مسجد میں کچھ دیا جائے تو نہ لیا جائے، اگر خوشی کے طور پر امام یا مؤذن کو کچھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں، اور جس کو دیا جائے اسی کا حق ہے، اگر مسجد کے لیے کوئی چیز دی جائے تو مسجد کا ہی حق ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۰۱ جلد ۱۵)

مسجد کے پنکھے امام کے مکان میں لگانا؟

سوال :۔ مسجد میں کسی صاحب نے پنکھے دیئے جن کو امام اور مؤذن کی رہائش گاہ میں لگا دیا گیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب :۔ اگر مسجد کے اندر لگانے کے لیے پنکھے دیئے تھے تو انہیں مسجد سے باہر کسی کام میں لانا جائز نہیں ہے اور اگر مطلق مسجد کے نام پر دیئے تو جائز ہے۔
(احسن الفتاویٰ ص ۴۶۳ جلد ۶)

ایک مسجد کی چٹائی دوسری مسجد میں دینا؟

مسئلہ :۔ اگر مسجد میں چند چٹائیاں زائد موجود ہیں اور حفاظت کی کوئی صورت نہیں، خراب اور ضائع ہو رہی ہیں تو زائد چٹائیاں ایسی مساجد میں بچھا دینا درست ہے جہاں ضرورت ہو، متولی اور دیگر اہل الرائے حضرات کے مشورہ سے دے سکتے ہیں بلا مشورہ نہ دیں تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۶ جلد ۱۵، وص ۴۹۰ جلد ۱، وفتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۳ جلد ۳)

مسجد کی چیزوں کو عاریۃً دینا؟

مسئلہ :۔ مسجد کی مٹکیاں، لوٹے، گلاس، پنکھے، سائبان وغیرہ کو عاریۃً بیاہ شادی یا غمی میں دینا یا لے جانا ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۴ ج ۶ واحسن الفتاویٰ ص ۴۵۰ جلد ۶)

مسئلہ :۔ مسجد کا سائبان ناچ میں دے دیا گیا ہو تو اس سائبان کے نیچے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس کو دھوپ وغیرہ کے وقت مسجد میں لگانا چاہئے اور آئندہ کسی محفل ناچ وغیرہ کے لیے نہ دیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۱۵ ج ۴)

مسئلہ :۔ ناجائز آمدنی سے جو کرایہ آئے وہ مسجد میں خرچ نہ کیا جائے، نیز مسجد کا سامان

(دیگ وغیرہ) ناجائز تقاریب میں کرایہ پر نہ دی جائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۵ ج ۸)

مسجد کی جائیداد کو کم کرایہ پر لے کر زیادہ پر دینا؟

مسئلہ:۔ اگر مسجد کے کرایہ دار نے اس جائیداد میں کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ جس طرح سے لی تھی، اسی طرح دوسرے کو دے دی تب تو یہ منافع ناجائز ہے اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اگر اس جائیداد کی کوئی اصلاح یا مرمت کی اور پھر دوسرے شخص کو کرایہ پر دی ہے تو منافع جائز ہے۔ (جتنی رقم اس کی مرمت وغیرہ میں لگی ہے، صرف وہی وصول کر سکتا ہے)۔

اور اس کے لیے یہ بھی ناجائز ہے کہ وہ جائیداد کسی ایسے آدمی کو کرایہ پر دے جس کے رہنے اور کام کرنے سے اس جائیداد کو نقصان پہنچے مثلاً اس کو آٹا پیسنے والے کو نہ دے یا لوہار کو نہ دے، کیونکہ چکی اور لوہار کی بھٹی سے دوکان ومکان کی دیواروں اور چھت اور بنیادوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۹ جلد ۶ بحوالہ عالمگیری ص ۴۳۵ جلد ۴)

مسئلہ:۔ آپ کو یہ حق نہیں کہ مسجد کی دوکان کی روپے لے کر کسی کو دوکان پر قبضہ دیں، بلکہ متولی کے کہنے کے موافق خالی کر دیں، وہ جس کو چاہیں گے کرایہ پر دیدیں گے اور جو کرایہ مسجد کے لیے مناسب ہوگا مقرر کر لیں گے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۴ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد کی جگہ سنیما کے لیے کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۸ جلد ۱۵)

سُودی کاروبار کے لیے مسجد کی دوکان دینا؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی صاحب سُودی کاروبار کے لیے کہہ کر مسجد کی دوکان کرایہ پر لیتے ہیں تو مسجد کی دوکان ومکان کرایہ پر نہ دیئے جائیں۔ (چاہے کرایہ کتنا ہی معقول ملے)۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۱ جلد ۱۵)

مسجد کو جان کے اندیشہ سے چھوڑنا؟

مسئلہ:۔ جس شخص کو ایک مسجد میں جانے سے جان کا یا عزت کا خطرہ ہو، وہ دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا کر لے۔ حسب ضرورت ومصلحت ایک سے زائد مساجد میں بھی نمازِ جمعہ درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۸ ج ۱۸)

مسئلہ :۔ اگر محلّہ کی مسجد کا امام صحیح العقیدہ ہے اور بھی کوئی شرعی یا طبعی مانع اس میں موجود نہیں تو اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ جانا صحیح نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۴۹ ج ۶)

کیا مسجد کا جنگلہ سترہ کے حکم میں ہے؟

مسئلہ :۔ اگر جنگلہ کی سلاخیں مسجد کی زمین سے ایک ہاتھ یعنی دو بالشت کی مقدار اونچی ہیں، نیز انگلی کی برابر موٹی ہیں تو مردوں وعورتوں کو اس کے سامنے سے گزرنا جب کہ مسجد میں جنگلہ کی برابر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو خواہ تنہا خواہ جماعت کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے۔ اگر سلاخیں مسجد کی زمین سے ایک ہاتھ نہیں بلکہ کم اونچی ہیں تو ایسی حالت میں قریب ہو کر سامنے سے گزرنا گناہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۳ جلد ۶ بحوالہ بحرالرائق ص ۱۵ جلد اول)

(نوٹ :۔ آج کل جنگلہ وغیرہ سلاخوں کے بجائے چپٹی پتی یعنی "گرل" چل گئے ہیں وہ بھی اسی حکم میں ہیں جبکہ اس کو موڑنے پر انگلی کے برابر موٹائی ہو جائے۔ حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم نے یہی بتایا ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ :۔ بڑی مسجد اور جنگل میں تو نمازی سے اتنے فاصلہ پر گزرنا جائز ہے جہاں تک سجدہ کی جگہ پر نظر رکھ کر نمازی کی نظر نہ پہنچے اور بڑی مسجد وہ ہے جس کا عرض کم از کم چالیس ہاتھ ہو۔ (امداد الاحکام ص ۴۵۲ جلد اول)

مسجد میں بجلی کا پنکھا لگانا؟

مسئلہ :۔ مسجد میں گرمی کے وقت نمازیوں کی راحت واطمینان کے لیے بجلی کا پنکھا چلنے کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا، بلا تردّد نماز درست ہوگی اور ایسی منفعت وراحت کا انتظام کرنا شرعاً ممنوع نہیں، نیز بجلی کی روشنی میں بھی نماز میں خرابی نہیں آتی۔

مسئلہ :۔ جبکہ پنکھا وقف کر کے مسجد میں لگا دیا ہے تو اس کو نکال کر کسی دوسری مسجد لگانا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۷ ج ۶ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۶ ج ۶)

مسجد کی روشنی میں اپنا وظیفہ پڑھنا؟

مسئلہ :۔ نماز کے لیے جب تک روشنی رہنے کا معمول ہو اس وقت تک اس روشنی میں قرآن

شریف اور وظیفہ وغیرہ پڑھنا بلا شبہ درست ہے اور اس کے بعد یعنی جب روشنی و چراغ بند کر دیا جاتا ہو، اس وقت تیل دینے والے کی اجازت سے روشنی کرنا اور اس میں قرآن شریف وغیرہ پڑھنا درست ہے، بغیر اجازت نہیں چاہئے۔ اور اگر تیل وقف کی آمدنی سے خریدا گیا ہے مگر واقف نے یہ شرط نہیں کی کہ تمام رات مسجد میں چراغ روشن رہے تب بھی قرآن شریف وغیرہ پڑھنے کے لیے علاوہ نماز کے وقت کے چراغ کو روشن کرنا درست نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ١٦٠ جلد ٦ بحوالہ بحر ص ٢٥٩ جلد ٢)

مسئلہ:۔ منتظمین یا عام نمازی مسجد کا ہیٹر عام ضرورت کے وقت استعمال کریں تو درست ہے، خاص کر آدمی اپنی تلاوت کے وقت استعمال نہ کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ٢٠٢ جلد ١٨)

مسئلہ:۔ مسجد کی بجلی وغیرہ نماز کے اوقات میں استعمال کرنی چاہئے، دیگر اوقات میں اہلِ چندہ منع کر سکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل ص ١٤١ ج ٣)

ایک مسجد کا پائپ دوسری مسجد میں دینا؟

مسئلہ:۔ جبکہ پائپ مسجد میں وقف کر دیا گیا تو واقف کا اختیار جاتا رہا، اب اگر اس مسجد میں اس کی ضرورت نہیں ہے اور نہ آئندہ ضرورت ہوگی اور پڑا پڑا خراب ہو جائے گا، یہ اندیشہ ہے تو اسے فروخت کر کے قیمت مسجد کے کام میں لگا دی جائے۔ دوسری مسجد والے یہاں سے خرید سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ٢٤١ جلد ١٠)

مسجد کی آمدنی اس کی ضرورت سے زائد ہو تو کیا کریں؟

مسئلہ:۔ ہر مسجد کی رقم اصالۃً اسی مسجد میں صرف کی جائے، اگر اس مسجد میں ضرورت نہ ہو اور آئندہ بھی ضرورت متوقع نہ ہو یا رقم کی حفاظت دشوار ہو اور ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر قریب کی مسجد میں اور اس کے بعد بعید کی مسجد میں حسبِ ضرورت و مصالح مسجد کی تعمیر، صرفہ، پانی، روشنی، تنخواہ امام و مؤذن میں صرف کرنا درست ہے۔

جب تک یہ مصارف موجود ہوں تو مسجد کے علاوہ دیگر مواقع مثلاً مدارس و مکاتب کی تعمیر یا وہاں کے ملازمین کی تنخواہوں یا تعلیم پانے والے طلبہ کے وظیفوں میں ہرگز صرف نہ

کریں، اگر مساجد میں صرف کرنے کی دور، نزدیک کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر دینی مدارس ومکاتب کے مواقع مذکورہ میں صرف کرنا درست ہوگا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۱ جلد ۱۲ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۷ ج ۲ بحوالہ شامی ص ۵۱۵ جلد ۳)

مسئلہ:۔ بہتر یہ ہے کہ زائد رقم سے اس مسجد کے متعلق دینی مدرسہ قائم کردیا جائے جس سے مسجد کی آبادی میں اضافہ ہو اور رقم ضائع ہونے سے بچ جائے۔

(نیز) قریب کی محتاج مسجد میں جماعت کے مشورہ سے رقم دی جاسکتی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۲ جلد ۱۰ بحوالہ شامی ص ۵۱۴ جلد ۳)

مسجد کے دالان کو دفتر بنانا؟

مسئلہ:۔ جو دالان مسجد کے مصالح کیلئے وقف ہے اس کے کسی حصہ کو دوسرے کام میں لانا درست نہیں، اگر ضرورتِ مذکورہ کے لیے (یعنی "انجمن اصلاح المسلمین بھوپال" کا دفتر پہلے شہر میں ایک مکان میں تھا وہاں سے ہٹا کر مسجد کے دالان میں وہ دفتر قائم کیا گیا، استعمال کرنا ہے تو کرایہ پر لیا جاسکتا ہے۔ فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۸ جلد ۱۵)

تعلیم دینے کے لیے عورتوں کا مسجد میں سے گزرنا؟

سوال:۔ مسجد کی تینوں طرف دالان ہیں، مشرقی دالان میں ایک مدرسہ چل رہا ہے جس میں پڑھانے والی عورتوں کا ہر حالت میں مسجد کو آنا جانا ہوتا ہے۔ کیا شرعاً یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں سے ہوکر گزرنا درست نہیں، اسلئے ضروری ہے کہ مسجد سے الگ (خارجِ مسجد) آنے جانے کیلئے راستہ بنایا جائے تاکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۸ جلد ۱۵)

مسجد کی آمدنی سے تعلیم دینا؟

مسئلہ:۔ اگر وہ مدرسہ اسی مسجد کے تابع ہے یعنی بانی نے مسجد بنائی اور اسکے تابع ہی مدرسہ بنایا اور ہدایت کی کہ یہ مدرسہ مسجد کے تابع رہے گا اور مسجد کی آمدنی سے مدرسہ چلایا جائے گا تو شرعاً یہ درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۸ جلد ۱۴)

مسجد میں نماز کے لیے جگہ روکنا؟

مسئلہ :۔اگرکوئی شخص آ کر مسجد میں کسی جگہ بیٹھ گیا، پھرکوئی فوری ضرورت پیش آئی جس کو پورا کرتے ہی لوٹ کر آئے گا مثلاً تھوکنا، ناک صاف کرنا، وضوکرنا وغیرہ اور جاتے وقت اپنی جگہ کپڑا رکھ کر چلا گیا تو اس میں مضائقہ نہیں اور دوسرے شخص کو اس جگہ بیٹھنا بھی نامناسب ہے اور اگر کوئی شروع ہی سے کپڑا رکھ دے اور اپنے کاروبار میں مشغول رہے اور نماز کے وقت آ کر اپنی جگہ پر قبضہ جمائے، یہ غیر مستحسن ہے۔ایسی حالت میں دوسرے شخص کو اگر تنگی کی وجہ سے جگہ میسر نہ آئے تو اس کپڑے کو ہٹا کر بیٹھنا درست ہے مگر ہاتھ سے نہ ہٹائے، ورنہ اس کی ضمان میں داخل ہو جائے گا، اگر تنگی نہ ہو بلکہ وسعت ہو تو دوسری جگہ بیٹھ جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۵ جلد ۶ بحوالہ مراقی الفلاح ص ۳۵۹ جلد......)

مسئلہ :۔امیر آدمی یا کسی اور کیلئے عیدگاہ یا مسجد کی صف اول میں جگہ روکنے کا حق نہیں، جو شخص پہلے آ کر جہاں بیٹھ جائے وہ اسی کی جگہ ہوگئی، اس کو اٹھانے کا بھی (کسی کو) حق نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۳ جلد ۱۰، احسن الفتاویٰ ص ۴۵۷ ج ۶)

مسئلہ :۔مسجد کے ہر لوٹے سے ہر نمازی کو وضو کرنے کا حق ہے، اسی طرح مسجد کے ہر حصہ میں ہر نمازی کو نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے۔اس لیے کوئی شخص کسی خاص لوٹے کے استعمال سے یا کسی خاص حصہ میں نماز پڑھنے سے اپنی خصوصیت کی بناء پر کسی نمازی کو منع نہیں کر سکتا۔ البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ خود کسی خاص لوٹے سے اس کے اچھا یا بڑا یا کسی اور جفف کی بناء پر وضو کیا کرے، کسی اور لوٹے سے نہ کرے، بلا وجہ شرعی مسجد کے کسی خاص حصہ کو نماز کے لیے متعین کرنا منع ہے کہ یہ تخصیص بلا مخصص شرعی ہوگی۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۰ جلد ۶)

مسئلہ :۔مسجد کا لوٹا مسجد سے باہر نہ لے جائیں جبکہ احاطہ مسجد میں ضرورت پوری ہونے کا انتظام ہے۔نیز مسجد کا مصلّٰی بھی خارجِ مسجد استعمال نہ کریں۔خاص کر بیٹھ کر باتیں کرنے کے لیے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۲ جلد ۱۸)

☆☆

مسجد میں افطار کرنا؟

مسئلہ :۔ مسجد میں کھانا پینا مکروہ ہے مگر ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے اور ترکِ جماعت یعنی جماعت نہ ملنے کا اندیشہ بھی عذر ہے، اسلئے اگر مسجد سے باہر کوئی ایسی جگہ نہ ہو جہاں افطار کرسکیں تو مسجد ہی میں افطار کرلینا چاہئے جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کو ملوث نہ کیا جائے۔ (اس کے لیے) کوئی کپڑا وغیرہ ایسا بچھالیا جائے جس سے مسجد کی حفاظت رہے اور بہتر یہ ہے کہ اس وقت افطار سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو، کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک ایک ساعت کا بھی اعتکاف درست ہے۔

(امداد الاحکام ص ۴۵۴ جلد اول واحسن الفتاویٰ ص ۴۵۷ جلد ۶)

مسجد کی آمدنی سے افطار کرانا؟

مسئلہ :۔ رمضان شریف میں مساجد کی آمدنی (مسجد کی ملحقہ دوکانوں و مکاناتِ موقوفہ) سے نمازیوں کو افطار کی اجازت جب ہی ہوسکتی ہے جب کہ واقف نے افطار کی اجازت دی ہو تو اس کی آمدنی سے اس ہی مسجد میں افطار کے لیے صرف کرنے کی اجازت ہے۔ واقف کی اجازت نہ ہو تو درست نہیں، ہاں اگر واقف کے زمانہ سے افطار کا دستور برابر چلا آرہا ہو تو بھی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۰ جلد ۱۸)

مسئلہ :۔ مسجد میں (اپنے خرچ سے) افطار یا سحری کرنا درست ہے۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو مسجد کو ملوث نہ کیا جائے، یا جو جگہ قریب مسجد ہو (غیر معتکف کیلئے خارج مسجد) وہاں کھایا پیا جائے تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۰۹ ج ۱)

مسجد کی آمدنی سے حافظ کو انعام دینا؟

سوال :۔ ختم تراویح اور شبینہ کے موقع پر اُسی آمدنی سے حفاظ کو انعامات تقسیم کیے جاتے ہیں حالانکہ واقف کنندگان میں سے کسی کی تحریر میں ان مدات میں خرچ کا کوئی اشارہ نہیں؟

جواب :۔ تراویح میں قرآن کریم سنانے والوں کو روپیہ دینا درست نہیں، ہاں اگر وہ ہمیشہ کا امام بھی ہو اور اس کو رمضان المبارک میں اصل تنخواہ سے کچھ زائد دیا جائے تو اسی

مسجد کے اوقاف سے دینے کی اجازت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۰ جلد ۱۸)

مسجد میں ٹھہرنا اور پنکھا استعمال کرنا؟

سوال:۔ مسجد میں کون لوگ قیام کر سکتے ہیں، نیز مسجد کے اندر رات بھر پنکھا چلا کر بجلی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جو شخص معتکف ہو یا مسافر ہو، اور اس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو، اس کو مسجد میں ٹھرنے کی اجازت ہے، اور جو شخص نمازِ تہجد و فجر کی نماز کے اہتمام کی خاطر مسجد میں رہے، اس کے لیے بھی اجازت ہے، لیکن اپنے لیے مسجد کو آرام گاہ نہ بنایا جائے۔

مسجد کا پنکھا اور مسجد کی روشنی اصلاً نماز کیلئے ہے، جب تک نمازی عامۃً نماز پڑھتے ہیں، اس وقت تک استعمال کریں، اگر علاوہ نماز کے دیگر مقاصد کیلئے استعمال کریں تو اس کا معاوضہ میں مسجد کی خدمت بھی کر دیا کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۱ جلد ۱۰ و کتاب الفقہ ص ۴۶۰ جلد ۱)

مسجد کی چھت پر نماز؟

سوال:۔ بعض مسجدوں میں ظہر وعصر کی نماز مسجد کے نیچے کے درجے میں ہوتی ہے اور گرمی کی وجہ سے مغرب وعشاء کی مسجد کی چھت پر ہوتی ہے جب تک مسجد کی چھت پر محراب نہیں ہے؟

جواب:۔ اصل مسجد نیچے کا حصہ ہے اور چھت تابع ہے۔ مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ اصل مسجد چھوڑ کر چھت پر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے، البتہ اگر جگہ کی قلت ہو تو چھت پر کھڑے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جب گرمی ناقابلِ برداشت ہو، تب بھی چھت پر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اور محراب کا نہ ہونا مضر نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۱ جلد ۱۰ و ص ۴۸۸ جلد اول)

مسئلہ:۔ مسجد کی چھت پر گرمی کی شدت کی وجہ سے جماعت کرنا مکروہ ہے اگر نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے نیچے جگہ نہ ہو تو زائد نمازی اوپر چھت پر جا سکتے ہیں۔ (یعنی نماز پڑھ سکتے ہیں) اسی صورت میں کراہت نہ ہوگی کیونکہ یہ مجبوری ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۴۹ جلد ۶ و احسن الفتاویٰ ص ۴۶۲ جلد ۶)

مسئلہ :۔مسجد وہ ہی ہے جو وقف ہو، جو وقف نہ ہو وہ مسجد نہیں ہے، اسمیں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب تو ملے گا، مگر مسجد کا ثواب نہ ملے گا۔ بغیر وقف کئے مکان میں نماز کی اجازت دینے سے مسجد نہیں ہوتی، اور بغیر مسجد کے بھی اگر جماعت ہو تو ستائیس نمازیوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد کا ثواب اس کے علاوہ ہے۔ (امداد الاحکام ص ۴۴۸ جلد اول)

مسجد کے صحن میں نماز باجماعت کا حکم

سوال :۔ مسجد کے صحن میں فرض نماز باجماعت بلا کراہت گرمی کی شدت کی وجہ سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی مسجد کے صحن میں نماز نہیں پڑھی۔ زید کا قول کہاں تک درست ہے؟

جواب :۔ زید کا یہ قول غلط ہے۔ مسجد کے دو حصے مسقّف اور غیر مسقّف۔ (چھت والے اور کھلے حصے میں جماعت جائز اور صحیح ہے۔ اور فقہاء رحمہم اللہ نے مسجد صیفی اور مسجد شتوی دونوں کو مسجد کہا ہے اور دونوں میں جماعت بلا کراہت صحیح ہے اور یہ ہر دو نام خود دلیل ہے اس کی کہ ایک حصہ غیر مسقّف میں گرمیوں میں اور دوسرے حصہ مسقّف میں سردیوں میں نماز ہوتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۵ جلد ۴ بحوالہ رد المختار ص ۵۳۱ جلد ۱)

مسئلہ :۔ مسجد کے صحن میں نماز و جماعت بلا تردّد صحیح و درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۹ جلد ۱۶)

مسئلہ :۔ نماز کی حالت میں مسجد کے صحن سے اندر مسجد کے جانے میں نماز فاسد ہو جاتی ہے (کیونکہ) یہ عمل کثیر ہوتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۵۷ جلد ۴ بحوالہ رد المختار ص ۵۸۴ جلد اول)

مسئلہ :۔ مسجد کے دروں میں دو چار آدمیوں کا صف بنا کر کھڑا ہونا بھی درست ہے۔ ایک آدمی کو تنہا نہیں کھڑا ہونا چاہئے، کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۶ جلد ۲)

مسجد میں ایک دو صف چھوڑ کر امام کا کھڑا ہونا؟

سوال :۔ مسجد کافی بڑی ہے اور نمازی ایک دو صف کے بقدر ہوتے ہیں، اس صورت میں اگر امام صاحب اپنی اصل جگہ یعنی محراب کے بجائے ایک دو صف چھوڑ کر جماعت خانہ کے درمیان میں کھڑے رہیں تو کیسا ہے؟

جواب:۔ پورا جماعت خانہ مکان واحد کے حکم میں ہے، لہٰذا امام صاحب صورتِ مسئولہ میں ایک دو صف چھوڑ کر کھڑے رہ سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۸ جلد ۱۰)

مسئلہ:۔ مسجد میں جگہ تنگ ہو تو امام کے دائیں بائیں مقتدی کھڑے ہو جائیں لیکن امام کو زیادہ آگے نہیں جانا چاہئے بلکہ اس قدر آگے ہو جائے کہ امام کے پیر مقتدیوں کے پیروں سے آگے رہیں یعنی ایڑی مقتدیوں سے آگے رہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۳ جلد ۲)

مسجد میں ذِکر جہری کرنا؟

مسئلہ:۔ کوئی شخص مشائخ حقہ میں سے کسی سے بیعت ہو، اور انہوں نے ذِکر جہری کی تعلیم دی ہو تو تعلیم کے مطابق اپنا اپنا الگ الگ ذکر جہری کر سکتے ہیں۔ لیکن مسجد میں ذکر جہری سے نمازیوں کو تشویش اور تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں مسجد میں زور زور سے ذکر کرنا جائز نہیں۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۸ جلد ۱۰، وآداب المساجد ص ۱۶)

مسئلہ:۔ اگر نمازیوں اور سونے والوں کو پریشانی نہ ہو تو اونچی آواز سے ذکر کرنا افضل ہے جس سے ذاکرین الٰہی کا قلب بیدار ہو، نیند اڑ جائے اور اطاعتِ الٰہی کے لیے چستی آجائے۔
(کتاب الفقہ ص ۴۵۵ جلد اول)

مسجد کی دیواروں پر آیاتِ قرآنی لکھنا؟

مسئلہ:۔ مسجد کے اندرونی اور بیرونی حصہ میں قرآن شریف کی آیت اور قابل تعظیم عبارت لکھنا ممنوع ہے۔ بے ادبی کے احتمال کی وجہ سے فقہاءؒ لکھنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۳ جلد ۱۰ بحوالہ درمختار ص ۶۴۴ وشامی ص ۶۲۰ جلد او کتاب الفقہ ص ۴۶۱ ج ۱)

مسجد میں سیاسی تقریریں

ہمارے زمانہ میں سیاسی تقریروں کا رواج مسجدوں میں عام ہو جارہا ہے اور وہ بھی آدابِ مسجد کا لحاظ نہ کرتے ہوئے۔ یہ چیز بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ ایسی غیر ذمہ داری کی باتیں جو کہیں بھی کہنی جائز نہیں ہیں۔ ان کا مسجد میں کہنا کیونکہ جائز ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسجدوں کو بچوں اور جھگڑوں، بلند آوازوں، اجرائے حدود اور تلوار کھینچنے سے بچاؤ۔
(ابن ماجہ باب ما یکرہ فی المساجد)

اور آج کل مسجدوں میں جو سیاسی جلسے ہوتے ہیں اُن میں تقریباً یہ تمام چیزیں کم وبیش پائی جاتی ہیں اور ان سے بڑھ کر ''آزارِ مسلم'' جزء تقریر ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔(**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده**)۔

دینی باتیں اگر مسجد میں کہی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک یہ اغراض ومقاصد مسجد میں داخل ہیں۔ یا ایسی سیاسی باتیں جن کا دین سے لگاؤ ہو، مسلمانوں سے کہی جاسکتی ہیں کہ عہدِ نبوی ﷺ میں مسجد نبوی ﷺ ان باتوں کا مرکز رہ چکی ہے۔ مگر آداب اور احترام واکرام بہرحال ضروری ہے۔ ابن ماجہ والی حدیث میں یہ بات گزری کہ مسجد میں بلند آوازی نہ ہونے پائے۔ صحابۂ کرامؓ کا عمل اس باب میں جیسا رہا وہ مشعل راہ بنایا جاسکتا ہے۔ کہ وہ دربارِ نبوی ﷺ کے حلقہ بگوش تھے۔

حضرت سائب بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں:۔ میں ایک دن مسجد میں سویا ہوا تھا، کنکری مار کر کسی نے جگادیا، دیکھا تو فاروقِ اعظمؓ تھے۔ آپ نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کیا وہ مسجد میں شوروغل کررہے تھے۔ اور فرمایا ان کو پکڑ لاؤ میں نے حسب الحکم ان دونوں کو ان کی خدمت میں لے جاکر حاضر کردیا، آپؓ نے ان سے پوچھا کہاں رہتے ہو؟ ان لوگوں نے طائف کا نام لیا، یہ سن کر آپؓ نے فرمایا اگر تم مدینہ منورہ کے ہوتے تو سزا دیتا، تم مسجد رسول ﷺ میں شوروغل کرتے ہو، جاؤ آج صرف اس وجہ سے معاف کیا جاتا ہے کہ باہر کے رہنے والے ہو۔ (بخاری جلد ا ص ۶۷)

حضرت عمرؓ اس معاملہ میں بہت سخت تھے۔ مسجد کی معمولی بے حرمتی بھی کبھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ لڑکوں کو بھی مسجد میں کھیلتے دیکھتے تو دُرّہ سے خبر لیتے اور عشاء کے بعد بھی مسجد کی پوری خبر گیری رکھتے۔

نسائی میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کسی کی بلند آوازی سن لی، اس پر آپ نے تیز ہوکر فرمایا، تم کو معلوم ہے کہ کہاں ہو؟ (تفسیر ابنِ کثیر جلد ۳ ص ۲۹۳)

اس باب میں اختلاف ہے کہ بلند آوازی مطلقاً حرام ہے یا مقید طور پر، اکثریت کی رائے تفصیلی ہے کہ اگر دینی ودنیوی ضرورت ہو جس میں مسلمانوں کا مفاد ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔ (اسلام کا نظامِ مساجد ص ۱۹۷)

مسئلہ:۔ مسجد کے ادب واحترام کے بارے میں لوگ بہت زیادہ بے پرواہی برتتے ہیں۔ یہ کام (سیاسی جلسے وغیرہ) مسجد میں کرنے کے لائق نہیں۔ لہٰذا خالص دینی مجالس کے سوا دوسری آج کل کی سیاسی میٹنگیں شرعی مسجد سے باہر کسی اور جگہ منعقد کرنی چاہئیں۔

حضرت عمرؓ نے مسجد کے باہر کنارے پر ایک چبوترہ تعمیر کروادیا تھا اور اعلان کرادیا تھا کہ جس کو اشعار پڑھنا ہو یا بلند آواز سے بولنا ہو یا کوئی اور کام کرنا ہو تو وہ چبوترہ پر چلا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۰۵ جلد۶ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۷۱ جلد اول وعالمگیری ص۳۵۱ جلد۶ کتاب الکراہیۃ)

مسئلہ:۔ مسجدیں دنیاوی الیکشنوں کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ ایسے کام مسجد سے نہ کیے جائیں۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۸۷ ج۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد میں تبلیغ یا وعظ کا جلسہ یا مشورہ کے لیے اجتماع کرنا جائز ہے۔
(کفایت المفتی ص۱۴۴ جلد۳)

مسجد میں کرسی پر وعظ کہنا؟

سوال:۔ مسجد میں اکثر علماء کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ مسلم شریف جلد اول ص۲۸۷ میں حضرت نبی کریم ﷺ کا مسجد میں کرسی پر تشریف فرما کر دین کی باتیں ارشاد فرمانا مذکور ہے۔

الادب المفرد ص۲۱۰ میں بھی امام بخاریؒ نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔ اور جو چیز حدیث شریف سے ثابت ہے اس پر اعتراض کرنا عدمِ واقفیت کی وجہ سے ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص۴۸۹ جلد۱)

مسئلہ:۔ مسجد کے ٹاٹ (دری وغیرہ) کو مسجد سے باہر لے جانا اور کسی جلسہ میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۰۷ جلد۳)

مسجد کے لیے مسجد میں چندہ کرنا؟

سوال:۔ ہمارے یہاں ہر جمعہ کو نماز کے بعد جماعت خانہ میں کپڑا پھیلا کر چندہ کرتے ہیں تو برائے مسجد، مسجد میں چندہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ بہتر اور مناسب صورت یہ ہے کہ مسجد سے باہر (خارجِ مسجد) چندہ کیا جائے یا مسجد میں کسی بورڈ پر چندہ کی اپیل (درخواست) لکھ کر لگا دی جائے، البتہ اگر اس طرح چندہ کرنے سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی ہو، اور جمعہ کے دن چندہ کرنے سے مسجد کا زیادہ فائدہ ہوتا ہو تو اس شرط کے ساتھ برائے مسجد، مسجد میں چندہ کرنے کی گنجائش ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، ان کی گردن نہ پھاندے، نماز پڑھنے والے کے سامنے سے نہ گزرے، مسجد میں شور وشعب نہ ہو، مسجد کے احترام کے خلاف کام نہ ہو اور لوگوں کے سامنے کسی کو شرم وغیرت میں ڈال کر زبردستی چندہ وصول نہ کیا جائے۔ ان شرائط کی رعایت ضروری ہے۔ ان کی رعایت نہ ہو سکے تو مسجد میں چندہ نہ کیا جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۹ ج ۹، شامی ص ۲۷۷ جلد اول)

مسئلہ :۔ عام حالات میں مسجد میں مدارس کے لیے چندہ نہ کرنا چاہئے۔ مسجد میں شور وغل ہوگا، نمازیوں کو نماز میں خلل ہوگا، مسجد کی بے احترامی ہوگی۔ لہٰذا مسجد میں چندہ نہ کیا جائے، البتہ اگر کوئی خاص حالت ہو، مسجد میں شور وغل نہ ہو نمازیوں کو تکلیف اور خلل نہ ہو تو گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۰ جلد ۹، وامداد الفتاویٰ ص ۶۴۱ جلد ۲)

قضاء نماز مسجد میں پڑھنا؟

مسئلہ :۔ قضاء نماز کو مسجد میں پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے یعنی مکروہ تحریمی اور دلیل یہی ہے کہ نماز کو وقت سے مؤخر کرنا معصیت ہے۔ اس لیے اس کو ظاہر نہ کرے۔ اور علامہ شامیؒ نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ غرض یہی ہے کہ قضاء نماز کا اظہار نہ کرے بلکہ اس طرح قضاء پڑھے کہ کسی کو خبر نہ ہو، اگر مسجد میں بھی قضاء پڑھنے سے کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ نفلیں پڑھ رہا ہے یا فرض تو مسجد میں بھی قضاء درست ہے۔

غرض یہ ہے کہ اس طرح قضاء پڑھے کہ حتی الوسع کسی پر اظہار نہ ہو۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۲۹ جلد ۴ بحوالہ درمختار باب القضاء ص ۶۹۵ جلد ۱)

مسجد میں قربانی کرنا؟

مسئلہ :۔ جو حصہ مسجد ہے یعنی نماز کے لیے وقف ہے اور وہاں نماز پڑھتے ہیں، اس جگہ (داخلِ مسجد) ذبح کرنا حرام ہے اس لیے کہ ناپاک خون سے مسجد گندی ہو جائے گی۔

احاطۂ مسجد میں جہاں جوتے اتارتے ہیں وہاں بھی ذبح کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ وہ جگہ اس لیے (ذبح کرنے کے لیے) وقف نہیں ہے، دوسری جگہ ذبح کیا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹۵ جلد ۱۲)

(داخلِ مسجد اور خارجِ مسجد ذبح نہ کیا جائے کیونکہ مساجد ذبح وغیرہ کے کاموں کے لیے نہیں ہیں)۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ :۔ قربانی میں مسجد کا بوریا استعمال کرانا جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ کرلیں کہ پرانے بوریئے کو مسجد کے متولی سے نئے بوریئے کے عوض خرید لیا جائے خریدنے کے بعد وہ پرانہ بوریا تمہاری مِلک ہو جائے گا۔ مسجد کی مِلک نہیں رہے گا۔ (امداد الاحکام ص ۴۵۵ جلد ۱)

مسئلہ :۔ عاشورہ کے دن (دسویں محرم کو) مسجد میں جمع ہو کر نوافل پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۹۱ ج ۶)

مسجد میں دی ہوئی چیزوں کو نیلام کرنا؟

سوال :۔ مسجد میں لوگ مرغا، انڈا، کپڑا وغیرہ خدا کے نام پر دیدیتے ہیں۔ پھر اس کی نیلامی ہوتی ہے تو کیا یہ درست ہے۔ جبکہ بعض مرتبہ نیلامی چھڑا کر پھر اس چیز کو مسجد میں دیدیتے ہیں۔ بار بار ایسا ہی کیا جاتا ہے؟

جواب :۔ نیلامی کا یہ طریقہ اس چیز کو اپنی مِلک بنانے کے لیے نہیں، بلکہ یہ نیلام خریدنے سے مقصود مسجد کی امداد کرنا ہے (تو درست ہے) اگر اس میں نام و نمود مقصود نہ ہو تو یہ درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۸ جلد ۱۵)

مسئلہ :۔ مسجد میں شیرینی (مٹھائی وغیرہ) تقسیم کرنے کیلئے لوگ بھیجتے ہیں۔ اگر صدقہ بتا کر یہ چیزیں دی جائیں تو ان کے مستحق غرباء ہیں اور اگر مؤذن وغیرہ کے لیے دی جائیں تو مؤذن وغیرہ مستحق ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۴ ج ۱۵)

مسجد کا ملبہ نیلام کرنا؟

سوال:۔ مسجد کا فرش پرانا ہو گیا اس کو توڑ کر نیا فرش لگ رہا ہے تو فرش کا ملبہ اینٹ روڑے وغیرہ نیلام کر سکتے ہیں؟ اور خریدنے والا بنیادوں میں بھر سکتا ہے؟

جواب:۔ اسکو خریدنا اور بنیادوں میں استعمال کرنا شرعاً درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۸ جلد ۱۵ و کفایت المفتی ص ۱۲۳ جلد ۳)

مسئلہ:۔ بیچ کر اس کی قیمت مسجد کے وقف میں شامل کر لی جائے یا اس رقم سے کوئی چیز مسجد کے لیے کارآمد ہو خریدنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح (پرانے ملبہ کو) مسجد کے مکان میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن پلیدی سے بچایا جائے یعنی بیت الخلاء، پیشاب خانہ، غسل خانہ وغیرہ میں نہ لگایا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۵ جلد ۶، درمختار مع الشامی ص ۱۶۵ جلد او کفایت المفتی ص ۱۲۳ ج ۳)

اپنے مکانات فروخت کرنا جس سے مسجد ویران ہو جائے؟

سوال:۔ کئی سال سے محلہ اور مسجد آباد رہی، اب کسی وجہ سے مسلمان ایک ایک کر کے گھروں کو غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کر کے جا رہے ہیں۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو مسجد ویران ہو جائے گی، مسجد کا خیال نہ کرتے ہوئے اس طرح مکانات فروخت کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ جہاں تک جوازِ بیع کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے کہ مالک کو اپنی ملک فروخت کرنے کا حق حاصل ہے اور بطریق شرعی ایجاب وقبول سے بیع صحیح ہو جائیگی لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان کو اس کا لحاظ چاہئے کہ بغیر مجبوری کے ایسا نہ کریں، مجبوری کی حالت میں تو ہجرت بھی ثابت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۵ ج ۱۵)

مسجد کی رقم سے دوسرے کے گھر کی دیوار بنوانا؟

مسئلہ:۔ مسجد کی رقم سے دوسرے کی دیوار پر بغرض پردہ دیوار تعمیر کرنا ناجائز ہے۔ ہاں مسجد کی دیوار پر تعمیر کر دی جائے تو جائز ہے۔ اور اگر مسجد کی دیوار پر پردہ قائم کرنے کی صورت نہ ہو سکتی ہو تو محلہ والے مالک مکان کی دیوار (اگر غریب ہے) اپنے پاس سے اتنی اعانت کر دیں کہ وہ اپنی دیوار پر پردہ قائم کر سکے۔ (کفایت المفتی ص ۱۲۱ جلد ۳)

مسجد میں عقد نکاح وقرآن خوانی کے لیے بجلی کا استعمال کرنا؟

مسئلہ:۔ اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ ان کاموں کے لیے روشنی کا انتظام خود ہی کرلیں، مسجد کی بجلی اور پنکھوں کو استعمال نہ کریں، حد تو یہ ہے مسجد میں بجلی جلانے کا جو وقت مقرر ہے اس کے علاوہ دیگر اوقات میں قرآن شریف کی تلاوت یا دینی کتابوں کے مطالعے کے لیے بھی مسجد کی بجلی اور پنکھے چلانے کی اجازت نہیں ہے، ممنوع ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۷ ج ۶)

مسئلہ:۔ مساجد میں عقد یعنی نکاح خوانی مستحب ہے۔

(کتاب الفقہ ص ۴۵۶ جلد اول وردالمختار ص ۶۱۹ جلد ۱)

مسئلہ:۔ مسجد کی بجلی مسجد ہی کیلئے خاص ہے، کسی ایسے کام کیلئے اس کا استعمال جائز نہیں جو مصالح مسجد میں داخل نہیں مگر وہ کام اپنی جگہ کتنی ہی نیکی کا ہو، جب مسجد کی چیزوں کا استعمال دوسری مسجد میں بھی جائز نہیں تو عام جگہوں (محلّہ میں جلسہ وغیرہ) کے لیے کیونکر روا ہوگا، منتظمہ کی ایسی بے موقع بلکہ خلافِ شرع اجازت کا کچھ اعتبار نہیں۔

مسئلہ:۔ امام ومؤذن کا کمرہ چونکہ متعلقاتِ مسجد میں سے ہے ان کے لیے مسجد کی بجلی منتقل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح مدرسہ بھی اگر مسجد کے تابع ہے اور عام طور پر لوگوں کو اس کا علم ہے اور چندہ دینے والے بھی اس کی تصریح نہیں کرتے کہ ان کا چندہ مدرسہ میں خرچ نہ کیا جائے تو ایسی صورت میں ملحقہ مدرسہ میں بھی بجلی دی جاسکتی ہے، اور اگر مدرسہ تابع نہیں تو اس کو مسجد کی بجلی (بغیر قیمت دینا جائز نہیں۔ مسجد کی کوئی چیز کسی دوسری جگہ خواہ وہ دوسری مسجد ہی ہو، منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۴۶ جلد ۶)

غیر مسلم کا مسجد میں لوٹے یا اِفطاری دینا؟

مسئلہ:۔ اگر غیر مسلم مسجد میں لوٹے یا افطاری کسی ثواب کی نیت سے دیتا ہے اور مصلحت کے خلاف بھی نہیں تو وضو کرنے لیے (مفت) ان کا لینا درست ہے۔ اسی طرح افطاری بھی لینا جب کہ ثواب کی نیت سے دیتا ہے تو لینا درست ہے۔ بشرطیکہ کسی دوسری مصلحت کے خلاف نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۶۲ جلد ۲)

مسجد کے لوٹے ذاتی کام میں لینا؟

مسئلہ:۔ مسجد کے لوٹوں کو تمام کاموں میں استعمال کرنا درست نہیں، صرف وضوء، استنجاء، غسل میں استعمال کریں، پانی پینے یا کہیں معمولی کپڑا نماز کیلئے دھونے کی گنجائش ہے، مسجد سے باہر اپنے مکان میں لے جانا اور استعمال کرنا منع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۶ ج ۱۰)

مسجد کے فرش پر وضوء کرنا؟

مسئلہ:۔ مسجد کے فرش پر جو کہ نماز کیلئے مقرر ہے۔ وضوء کیلئے نہیں ہے۔ اگر نالی وضو کیلئے موجود ہے تو وہاں وضو کریں، ورنہ مسجد کے فرش سے علیحدہ (خارجِ مسجد) جا کر وضو کریں، غرض وضو کا مستعمل پانی مسجد کے فرش پر ڈالنا منع ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۷ ج ۱۰ و کتاب الفقہ ص ۴۶۱ ج ۱)

مسجد تعمیر ہونے کے بعد وضو کی جگہ بنانا؟

سوال:۔ ایک مسجد میں صحن کے اندر وضو کرنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جن صاحب نے مسجد تعمیر کرائی تھی (بانی مسجد نے) عین صحن کے اندر وضو کرنے کی جگہ پختہ بنوادی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ جو جگہ نماز پڑھنے کے لیے متعین کر کے وقف کر دی گئی وہاں وضو کی جگہ پختہ بنوانا جس کی وجہ سے اتنی جگہ محبوس (روک دی) جائے کہ وہاں نماز نہ پڑھی جا سکے درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۷ جلد ۱۲)

مسجد پر بورڈ لگا کر کرایہ وصول کرنا؟

سوال:۔ مسجد عام شاہراہ پر ہے۔ اس کے اوپر بورڈ بغرضِ اشتہار لگائے گئے ہیں جن سے کچھ آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ نہ معلوم متولی آئندہ کس کس قسم کا بورڈ لگوا کر مسجد کی بے حرمتی کریں گے؟

جواب:۔ مسجد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوکانیں تو بنائی جا سکتی ہیں۔

لیکن خود مسجد کو کرایہ پر چلانا اور اس سے روپیہ کمانا جائز نہیں۔ اور جو کچھ وجوہ اعتراض پیش کی ہیں وہ بھی اہم ہیں۔ ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے اسلئے مسجد کے منتظم صاحب کو چاہئے کہ وہ ہرگز ایسا معاملہ نہ کریں۔ اگر بورڈ بغرضِ اشتہار لگا دیا گیا ہے تو اس کو اتار کر معاملہ ختم کردیں، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ مسجد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے وہاں کے اہلِ وسعت آمادہ اور خواستگار ہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۲ جلد ۱۰ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۵ جلد ۹ و درمختار ص ۱۲ ج ۳)

مخلوط مال سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم؟

سوال:۔ جب ہمارے محلہ کی پرانی بوسیدہ مسجد کو شہید کر کے نئی مسجد بنانے کا مسئلہ درپیش ہوا تو قریب و دُور سے چندہ کی تیس تیس ہزار کی دو رقوم حاصل ہوئیں جن کو بینک میں پانچ پانچ سال کے لیے فکسڈ ڈیپازٹ میں جمع کرا دیا گیا۔ محلہ والوں کے اصرار پر کام جلد شروع کرنے کی وجہ سے رقم میعاد سے پہلے نکالی گئی جس کی وجہ سے صرف مبلغ پندرہ ہزار روپیہ بینک سے سود ملا۔ اس طرح مبلغ پچھتر ہزار روپیہ سے تعمیری کام شروع کرا دیا گیا۔ محلہ والوں کے اعتراض کے بعد بھی سود کا روپیہ الگ نہیں کیا گیا۔ اور سب روپیہ تعمیر میں لگ گیا۔

اس طرح سود کے پندرہ ہزار روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگ گئے۔ اس وجہ سے چند لوگوں نے نماز پڑھنا بند کر دیا ہے۔ اس کے لیے شرعی مسئلہ واحکامات سے مطلع فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:۔ ھوالموافق۔ بینک والے سود کا شرعاً حکم یہ تھا کہ وہ رقم بلانیت ثواب محتاج ونادار مسلمانوں کو دے دی جاتی ((لان سبیل الکسب الخبیث التصدق. الخ)) (ردالمختار)۔ اس رقم کا مسجد میں لگانا درست نہیں تھا۔ ((لان طیب لایقبل الا الطیب)) اب بھول یا ناسمجھی کی وجہ سے جب لگائی جا چکی ہے تو اب اس کی تلافی کی صورت یہی ہے کہ مسجد کے نام پر پندرہ ہزار روپیہ چندہ کر کے خبیث لگائی گئی رقم کے بدلے محتاج مسلمانوں

میں تقسیم کردی جائے اس طرح مسجد اپنی جگہ باقی رہے گی اور اس میں نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہوگا۔ مسجد کو کوئی نقصان پہنچانا یا اس میں نماز بند کرنا درست نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ حرام روپیہ سے کوئی چیز خریدنے میں تفصیل ہے۔ بعض صورتوں میں بیع بالکل ناجائز ہے اور اس چیز میں حرمت آجاتی ہے۔ اور بعض صورتوں میں اس چیز میں حرمت نہیں آتی اور بیع درست ہوتی ہے۔

اگر حرام روپیہ کو پہلے متعین کر کے اور اس کی جانب اشارہ کر کے اس کے عوض زمین وغیرہ خریدی اور مسجد وغیرہ بنوائی ہے تب تو وہ زمین اس کی ملک میں نہیں آئی اور وہ مسجد مسجد ہی نہیں ہوئی اور اگر بلا تعین واشارہ کے زمین میں خریدی ہے اور پھر وہ حرام روپیہ قیمت میں ادا کر دیا یا کسی دوسرے حلال روپیہ کو متعین کر کے زمین وغیرہ خریدی لیکن قیمت میں حرام روپیہ ادا کیا یا حرام روپیہ متعین کر کے خریدی لیکن پھر قیمت میں کوئی حلال روپیہ دے دیا تو ان سب صورتوں میں بیع درست ہوگی اور پھر باقاعدہ اس کو وقف کر دیا ہے تو وہ مسجد ہوگئی۔ اس میں نماز درست ہے۔ پہلی صورت میں جب کہ بیع درست نہیں ہوئی تب بھی اس کیساتھ ایسا معالہ کرنا جو کہ مسجد کے احترام کے خلاف ہے۔ جائز نہیں۔ البتہ وہاں پر نماز مکروہ ہے اور تا وقتیکہ پوری تحقیق نہ ہو اس کو مسجد ہی کہا جائے گا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۰ جلد ۶ بحوالہ درمختار ص ۱۴۲ جلد ۵)

ایک سوتیس (۱۳۰) مسائل

مسئلہ:۔ سرکاری ٹنکی سے مسجد میں پانی لینا اگر خلافِ قانون نہ ہو۔ بلکہ میونسپلٹی کی طرف سے اجازت ہو تو جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۸ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد میں تلاوت بلند آواز سے کرنا جب کہ نمازیوں کو مخل ہو جائز نہیں ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۴۵۸ جلد ۶)

مسئلہ:۔ مسجد میں اپنا گھریلو سامان نہ رکھیں کہ یہ اعتراض کی چیز ہے۔ اگر مسجد میں سہ دری، وضو خانہ وغیرہ ہو تو وہاں رکھیں (یعنی خارجِ مسجد) مسجد میں ایسی کتابیں جن سے نمازی فائدہ اٹھائیں مسجد میں رکھ لیں تو حرج نہیں۔

مسئلہ:۔ مسجد میں دینی کتابیں پڑھنا، دینی معلومات کے لیے خط لکھنا درست ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۸ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسافر کے لیے مسجد کی چٹائی لیٹنے کے لیے استعمال کرنا فتویٰ کی رو سے درست ہے۔اورتقویٰ کی رو سے احتیاط اولیٰ ہے۔حرام نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۷۹ جلد اول)

مسئلہ:۔ مسجد کی کتاب کو مکان پر رکھ کر مطالعہ کرنا امام کا (جب درست ہے کہ) چندہ دینے والوں کو اطلاع کردے کہ میں نے آپ کے پیسوں سے کتابیں خریدیں ہیں میں ان کو مکان پر رکھ کر مطالعہ کرتا ہوں۔ان کو اعتراض نہ ہو تو بس کافی ہے۔اگر چندہ دینے والوں نے امام کو پیسوں کا مالک بنادیا تھا تو پھر کسی قسم کا بھی اعتراض نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۸ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد کے کسی حصہ کو اپنی ذاتی ضرورت وفائدہ کے لیے مخصوص کرلینا جائز نہیں ہے۔یہاں تک کہ نماز کے لیے بھی اپنی جگہ مخصوص کرنے کا حق نہیں کہ وہاں کسی کو کھڑا ہونے سے اور نماز پڑھنے سے روکے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۶ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد کی موقوفہ زمین اگر کاشت کیلئے یا کرایہ پر دی جاسکتی ہو تو کاشت کرکے یا کرایہ پر دے اسکی آمدنی مسجد کی ضروریات میں صرف کی جائے۔ورنہ اس زمین میں درخت لگا کر پھل فروخت کرکے مسجد میں صرف کرے۔

مسئلہ:۔ جو جگہ نماز پڑھنے کیلئے مسجد بنادی گئی ہو، وہاں امام یا کسی اور کیلئے کمرہ بنانا درست نہیں (یعنی داخل مسجد میں)۔

مسئلہ:۔ جو زمین مسجد کے لیے وقف کردی گئی وہاں دوسری مسجد بنانے کا حق نہیں، نہ اس کو دوسری مسجد کے لیے فروخت کیا جاسکتا ہے۔ نہ اس کا روپیہ لیا جاسکتا ہے۔ہاں اگر خدانخواستہ پہلی مسجد ویران ہوجائے۔ وہاں پر مسلمان باقی نہ رہیں۔اور جہاں زمین ہے وہاں مسلمان موجود اور ان کو مسجد کی ضرورت ہو تو اس زمین پر دوسری مسجد بنالینا درست ہے اور وہاں نماز درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۶ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ داخلِ مسجد میں تھوکنا اور رینٹ نکالنا یعنی ناک صاف کرنا حرام ہے۔اسلئے تھوک، رینٹ اور بلغم سے مسجد کو پاک رکھنا واجب ہے۔خواہ فرش پر ہو یا دیوار پر، اور خواہ

چٹائی کے اوپر ہو یا نیچے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو صاف کرنا واجب ہے۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مسجد کا فرش مٹی کا ہو یا پتھر وغیرہ کا۔ یا اس پر فرش وغیرہ بچھا ہو۔

(کتاب الفقہ ص ۴۵۸ جلد ۱)

مسئلہ:۔ ناک چھینک کر مسجد کی دیوار سے انگلی صاف کرنا خلافِ تہذیب ہے اور دوسروں کے لیے باعثِ اذیت اور مسجد سے بے اعتنائی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۰۶ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد میں کنگھی کرنا درست ہے جبکہ بال نہ گرے۔ (فتاویٰ......ص ۴۸۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ مسجد کے پاس جب رقم نصاب کے برابر ہو تو اس میں زکوٰۃ لازم نہیں۔ نیز کوئی ناجائز آمدنی کا مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں، ایسی آمدنی کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۲ جلد ۱۴)

مسئلہ:۔ مسجد کا پیسہ جو دو کانوں کے کرایہ اور شادی کے موقع پر حاصل ہوتا ہے اس سے امام صاحب کی تنخواہ دینا اور مسجد کے حمام وغسل خانہ میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۱ جلد ۱۴)

مسئلہ:۔ مسجد میں کوئی چیز دستیاب ہوئی۔ مسجد میں اس قدر اعلان کر دیا گیا کہ اب مالک کے ملنے کی توقع نہیں رہی۔ اس کو ایسے غریب کو دے دیں جو مستحق زکوٰۃ ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۵ جلد ۱۰)

مسئلہ:۔ مسجد کی چٹائی (صف وغیرہ) جس پر نماز ادا کی جاتی ہے۔ ہاتھ سے کھولنی چاہئے۔ پیروں سے ٹھوکر مار کر کھولنا بے ادبی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۵ جلد ۳)

مسئلہ:۔ ناپاک حائضہ کا فرشِ مسجد، اندرونِ مسجد داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۸ جلد ۱۰ شامی ص ۴۴۱ جلد ۱)

مسئلہ:۔ مسجد کی توہین کرنا، مذاق اڑانا، اس کو گالی دینا بہت خطرناک ہے۔ اس سے ایمان سلامت نہیں رہتا۔ ایسے شخص کو توبہ لازم ہے۔ آئندہ ہرگز اس قسم کا کوئی لفظ نہ کہے جس سے مسجد کی توہین ہوتی ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۶۹ جلد ۱۷)

مسئلہ:۔ اگر تالاب دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چھوڑا ہو تو وہ ناپاک نہیں۔ اس کی گیلی مٹی

ناپاک نہیں، اس سے مسجد کو بھی لیپا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۶ ج ۱۷)

مسئلہ:۔ مسجد کی دیوار پر تیمّم کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ مالِ وقف کو غیر مصرف میں صرف کرنا ہے، لیکن اگر کرلیا تو درست ہو جائے گا۔ بشرطیکہ چونہ مٹی سے مسجد کی لپائی کی گئی ہے وہ چونہ مٹی پاک ہو۔ اس میں ناپاکی ملی ہوئی نہ ہو۔ (امدادالاحکام ص ۴۴۰ ج ۱)

مسئلہ:۔ داخلِ مسجد میں نسوار سونگھنا اور تمبا کو کھانا مسجد کے اندر خلافِ اولیٰ ہے جو کہ کراہتِ تنزیہیہ سے خالی نہیں۔ (امدادالاحکام ص ۴۶۲ جلد اول و کفایت المفتی ص ۱۰۷ جلد ۳)

مسئلہ:۔ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے خارجِ مسجد میں امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں تو ان کو مسجد کا ثواب ملے گا جبکہ صفوف ملی ہوئی ہوں۔ (امدادالاحکام ص ۴۵۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ مسجد میں نمازیوں کے لیے پانی کا انتظام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(امدادالاحکام ص ۴۵۲ جلد اول)

مسئلہ:۔ مسجد میں ہوا کے لیے جنگلے کھولنا جائز ہے مگر کنیسہ وگرجا گھر کی طرز پر نہ ہوں بلکہ مسجدوں کی طرز پر ہوں۔ (امدادالاحکام ص ۴۵۲ جلد ۱)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص جماعت میں شریک ہونے کی نیت سے مسجد میں آئے اور اتفاق سے اس کو جماعت نہ مل سکے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو جماعت میں شریک ہونے والوں کی برابر ثواب عنایت فرماتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قصداً دیر کر کے جماعت میں شریک ہونے سے نہ رہ جائے۔ (مظاہر حق ص ۱۰۴ جلد ۲ حدیث نمبر ۱۰)

مسئلہ:۔ جس مسجد میں جماعت کا انتظام ہو اور نماز کا وقت معین ہو اور امام بھی مقرر ہو اسمیں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۰۶ جلد ۳)

مسئلہ:۔ باب اقتداء میں عیدگاہ اور نمازِ جنازہ کی جگہ کا حکم مسجد کا سا ہے (عالمگیری ص ۰ ۷ جلد......)

مسئلہ:۔ کسی احاطہ میں ایسی مسجد ہے کہ دروازہ بند کر لینے کے بعد بھی گھر والوں سے اس میں جماعت ہو جاتی ہے تو یہ مسجد، مسجد جماعت کے حکم میں ہے۔ البتہ اگر یہ شکل ہے کہ احاطہ کے دروازہ کے بند ہونے کے بعد جماعت نہیں ہوتی گو عوام کو وہاں نماز کی اجازت ہو اور دروازہ کھلے رہنے پر جماعت بھی ہو جایا کرتی ہے تو بھی یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔

(عالمگیری ص ۷۰ جلد ۱)

مسئلہ :۔امام نیچے ہواور اس کی چھت پر مقتدی ہوں تو یہ جائز ہے بشرطیکہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو، امام کا آگے ہونا ضروری ہے۔(ردالمختار ص۶۱۴ ج۱)

مسئلہ :۔محلّہ کی مسجد میں جب کوئی مؤذن نہ ہو تو نمازی کو اذان پکارنا چاہئے اور نماز پڑھنا چاہئے۔ گو وہ تنہا ہو، کیونکہ اس پر مسجد کا حق ہے۔(غایۃ الاوطار ص۳۰۲ جلد۱)

مسئلہ :۔محلّہ میں چند مسجدیں ہوں تو قدیم تر میں نماز پڑھنی چاہئے۔اگر فاصلہ برابر ہو، ورنہ قریب تر میں۔(ایضاً)

مسئلہ :۔عیدگاہ، جنازہ گاہ کی تعظیم وتکریم مسجد جیسی کرنی چاہئے۔پاخانہ، پیشاب اور وطی سے بچانا چاہئے۔(طحطاوی علی الدرج ا ص۴۳۹)

مسئلہ:۔مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ایسے ہی مسجد کی چھت پر بھی۔
(ردالمختار ج ا ص۶۱۹)

مسئلہ :۔ اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ ہے۔مگر یہ کہ وہ دوسری مسجد کا امام ومؤذن یا منتظم ہو تو مضائقہ نہیں۔ کوئی شخص نماز پڑھ کر جماعت کے وقت مسجد میں آیا، اگر عشاء یا ظہر کی جماعت ہے تو نفل کی نیت سے مل جائے گا۔(ردالمختار ج ا ص۶۱۹)

مسئلہ:۔فناء مسجد وہ جگہ ہے کہ اس کے اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہو۔(ایضاً)۔
اقتداء کے باب میں فناء مسجد کا حکم مسجد جیسا ہے۔(ایضاً)۔

مسئلہ :۔شارع عام کی مسجد میں جس میں بہ پابندی جماعت نہیں ہوتی ہے مسجد ہی کے حکم میں ہے مگر اس میں اعتکاف جائز نہیں ہے۔(ردالمختار ج ا ص۶۱۹)

مسئلہ :۔ فناء مسجد، خانقاہ، مسجد مدرسہ (مدرسہ کا جو کمرہ نماز کیلئے مخصوص ہے) حوض کے کنارے جو جگہ نماز کیلئے متعین ہے۔ بازار میں جو چبوترہ نماز پڑھنے کیلئے ہے یہ تمام مسجد کے حکم میں نہیں ہیں، حائضہ وغیرہ داخل ہوسکتی ہے۔(ردالمختار ج ا ص۶۱۵)

مسئلہ :۔مسجد میں قبیح اشعار پڑھنا مکروہ ہے، مگر حمد ونعت اور نصیحت آمیز اشعار کی اجازت ہے، جبکہ ذاکر ونمازی کا حرج نہ ہو۔(ردالمختار ج ا ص۶۱۹)

مسئلہ :۔ذکر بلند آواز سے مسجد میں مکروہ ہے مگر درسِ فقہ دے سکتا ہے بشرطیکہ نمازیوں کو

ایذاء نہ ہو، یہی حکم درسِ حدیث و تفسیر کا ہے۔ (ردالمختار ج ا ص ۶۱۸)

مسئلہ:۔ بوقتِ ضرورت غریب اور گھر والا بھی مسجد میں سو سکتا ہے مگر اجتناب مستحسن ہے۔ (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵)

مسئلہ:۔ دنیا کا جو بھی کام ہو مسجد میں کرنا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ مولی، لہسن اور پیاز وغیرہ بدبودار چیز کچی کھا کر بغیر منہ کی بو صاف کیے مسجد میں آنا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ جس شخص کے کپڑے، بغل اور جسم سے بدبو آتی ہو اور اس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہو تو ایسے شخص کو دخولِ مسجد سے روکا جا سکتا ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ ایک شخص نے وصیت کی کہ یہ روپے فلاں مسجد کی تعمیر میں لگائے جائیں تو افضل یہ ہے کہ جس کے لیے وصیت کی ہے اُسی پر خرچ ہو۔ لیکن اگر دوسری مسجد پر صرف کر دیا گیا تو یہ بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ جلد ۳ ص ۱۰۳ بحوالہ سراجیہ)

مسئلہ:۔ دائمی سود خور کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ جلد ا ص ۴۷)

مسئلہ:۔ کفار کا مال جو کسی نے مکر و فساد اور چوری سے حاصل کیا ہو، اس سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ مسجد رفاض (رافضی) میں نماز ادا کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ جلد ا ص ۹۵)

مسئلہ:۔ صرف "آمین" پکار کر کہنے والوں کو مسجد سے نکال دینا درست نہیں۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ جلد ا ص ۷۲)

مسئلہ:۔ بنی ہوئی مسجد میں سامان رکھنے کیلئے کمرہ بنانا جائز نہیں ہے اور نہ کوئی مسکن۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ جلد ا ص ۲۹۵)

مسئلہ:۔ امام مسجد میں ہے، اور اس کے اقتداء مسجد سے باہر کسی چھت وغیرہ پر بھی کی جائے جو مسجد کے پہلو میں ہے اور مسجد اور اس کی چھت کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے تو یہ جائز ہے۔ (مبسوط للسرخسی جلد ا ص ۲۱۰)

مسئلہ:۔ اپنے ذاتی مال سے مسجد کی دیواروں پر سونے کا پانی چڑھانا جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے۔ (عالمگیری جلد ۶ ص ۲۱۴)

مسئلہ :۔ اگر موقوفہ گھر سے مسجد میں داخل ہونے کا کوئی راستہ ہے، امام مسجد اس راستہ سے آسکتا ہے۔ (عالمگیری ص ۲۱۴ جلد ۶)

مسئلہ:۔ مؤذن کے لیے جائز ہے کہ مسجد کے موقوفہ کمرہ میں رہے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ مسجد سے متصل امامِ مسجد کا کوئی اپنا مملوکہ گھر ہے یا کرایہ کا، اور وہ یہ چاہے کہ اس سے آنے کے لیے مسجد کی دیوار میں راستہ کھولے تو اس کی اس کو اجازت نہیں ہے۔ (ایضاً)۔

مسئلہ :۔ مسجد میں درس تدریس جائز ہے۔ اگر چہ اس کے بوریئے اور اس کی چٹائیاں استعمال میں ہوں۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ ایک مسجد کو اہل محلّہ نے (کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے) دیوار دے کر دو کر دیا اور ہر ایک کے لیے الگ امام مقرر کر دیا، مگر مؤذن ایک ہی رکھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ مؤذن بھی دو ہوں گو اہل محلّہ کا یہ فعل (ایک مسجد کو دو) بُرا ہے۔

(ایضاً جلد ۶ ص ۲۱۵)

مسئلہ :۔ جماعت بڑھانے کے لیے اہلِ محلّہ کو اختیار ہے کہ دو مستقل مسجدوں کو ایک کر دیں۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ دو مسجدوں کو ایک کرنا تذکیر و تدریس کیلئے جائز نہیں ہے گو یہ کام مسجد میں جائز ہیں۔ (عالمگیری جلد ۶ ص ۲۱۵)

مسئلہ :۔ اخراج ریح مسجد میں نہ ہو، خروجِ ریح کے وقت ادب یہ ہے کہ مسجد سے نکل جائے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ بے وضو مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ (عالمگیری جلد ۶ ص ۲۱۵)

مسئلہ:۔ داخلِ محراب کا حکم مسجد کا ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ کوئی آ رہا تھا راستہ میں اس کو سخت سردی لگ گئی جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا وہ مسجد میں چلا آیا اور محسوس کیا کہ آگ جلا کر گرمی حاصل نہ کی گئی تو جان یا عضو کا خطرہ ہے تو ایسی حالت میں وہ مسجد کی لکڑی جلا سکتا ہے۔ کسی دوسرے کی ہو تو اُسے بھی جلا سکتا ہے۔ دونوں کی موجودگی میں مسجد کی لکڑی جلانا اچھا ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ فتنۂ عامہ کے خطرہ سے غلہ اور گھر کے دوسرے سامان کا مسجد میں بند کرنا جائز ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ مسجد میں بیٹھ کر تعویذ بیچنا جسمیں توریت، انجیل یا قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوں جائز نہیں ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ کسی نے مسجد سے گزرنے کی نیت کی، اور داخل ہو کر وسط میں پہنچ گیا، پھر اس نے ندامت محسوس کی تو اس کو چاہئے کہ دو رکعت نماز پڑھے پھر نکلے، اگر ناپاک تھا تو فوراً نکل آئے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ مسجد میں تنگی پیدا ہو جائے تو لوگوں کو سمٹ کر بیٹھنے کے لیے کہنا اور اُن کا سمٹ کر بیٹھنا جائز ہے۔ (ایضاً)۔

مسئلہ:۔ سخت گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت پڑھنا مکروہ ہے، البتہ نیچے گنجائش باقی نہ رہے تو چھت پر جا کر اقتداء کر سکتا ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ وقف کی آمدنی سے اذان کے لیے مینار اس وقت بنانا جائز ہے جب ایسا کرنا ضروری ہو مثلاً یہ کہ اہلِ محلّہ کو آواز نہ پہنچتی ہو، ورنہ جائز نہیں۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ طالب علم اپنی کتابوں میں مسجد کی گھاس لے کر نشان لگائے تو یہ معاف ہے۔ (عالمگیری جلد ۶ ص ۲۱۶)

مسئلہ :۔ تعمیرِ مسجد کے لیے جمع شدہ روپے میں سے اگر کسی نے ادا کرنے کی امید پر اپنے کام میں خرچ کر دیا جو اس کو نہ کرنا چاہئے تھا، اب اس کو چاہئے کہ اپنے کسی ساتھی کو خبر کر کے جو جانا تھا ادا کر دے، اور اگر خاموشی سے اس نے مسجد کا مال اپنے کام میں خرچ کیا تھا تو قاضی کو اطلاع دے کر اداء کرے اور قاضی نہ ہو تو یوں بھی ادا کرے تو ((فیما بینہ و بین اللہ)) بری الذمہ ہو جائے گا۔ (بحر الرائق جلد ۵ ص ۲۵۱)

مسئلہ :۔ بنی ہوئی مسجد توڑ کر مضبوط و مستحکم بنانا اہلِ محلّہ کے لیے اس وقت جائز ہے جب بانی مسجد اہلِ مسجد میں سے ہو، ورنہ نہیں۔ (بحر جلد ۵ ص ۲۵۱)

مسئلہ:۔ مسجد کے اوقاف سے مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ جلد ۲ ص ۱۳۶)

مسئلہ:۔امام ومؤذن کی تقرری وانتخاب میں اگر مسجد اور اہلِ محلّہ میں اختلاف ہوجائے تو اگر اہلِ محلّہ کا منتخب کردہ امام ومؤذن بانیِ مسجد کے منتخب کردہ امام ومؤذن سے بہتر ہو تو اسی کو چُنا جائے گا، کیونکہ اہلِ محلّہ ہی کو امام ومؤذن کا نفع وضرر ہے۔ (کبیری ص ۵۷)

مسئلہ:۔ مسجد کے لیے تیل اور چٹائی دونوں کے خریدنے کا ثواب برابر ہے ہاں ان میں جس کو مسجد کی زیادہ ضرورت ہے اس کا خریدنا زیادہ اچھا ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔اپنی مسجد میں جماعت چھوٹ گئی، اس لیے جماعت کی اُمید پر دوسری مسجد میں گیا، اس کا یہ فعل افضل ہے۔ مگر مسجد حرام، مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ بہرحال خود افضل ہیں (یعنی ان کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائیں گے)۔ (کبیری ص ۵٦۹)

مسئلہ:۔اپنی مسجد چھوڑ کر جماعت کے لیے گیا مگر وہاں بھی جماعت نہ ملی تو پھر اپنی ہی مسجد افضل ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ مؤذن نے اذان دی مگر کوئی دوسرا آدمی نہ آیا کہ جماعت ہو، ایسی حالت میں مؤذن جماعت کے لیے اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائے گا، بلکہ تنہا بھی پڑھنا پڑے تو بھی اپنی ہی مسجد میں وہ نماز ادا کرے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔اذان ہوئی، نمازی آئے مگر امام نہ آیا تو ان ہی میں سے ایک امامت کرے گا، یہ امام کے نہ آنے کی وجہ سے جماعت کے لیے دوسری مسجد میں نہیں جائیں گے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔اپنی مسجد میں کسی کی تکبیر اولیٰ یا ایک دو رکعت چھوٹ جائے، اور دوسری مسجد میں اس کو ان کے پالینے کی امید ہو تو بھی ان کو اجازت نہیں ہے کہ اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جائیں۔ اگر جماعت کا کچھ حصہ بھی اپنی مسجد میں مل گیا تو اس نے فضیلت پالی۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔اپنے محلّہ کی مسجد کا امام جب زانی یا سود خور ہو تو ایسی حالت میں اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جاسکتا ہے۔ یا اسی طرح کی کوئی اور ناپسندیدہ عادت یا عیب اس امام میں ہے تو بھی دوسری مسجد میں جاسکتا ہے۔ (یا عیب امام کا ایسا جو ہو شرعاً بھی ناگواری کا باعث ہو)۔ (کبیری ص ۵٦۹)

مسئلہ:۔ ہر طرح کی بدبو سے مسجد کو محفوظ رکھنا واجب ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔اگر رفع فساد کے لیے غیر مقلدین نے دوسری مسجد بنوالی تو توڑنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ مسجدِ ضرار کے حکم میں نہیں ہے، ہاں اگر مقصود تفریق وفساد ہو تو وہ ضرار کے حکم میں ہوگی۔(فتاویٰ عبدالحیٔ جلد۲ص ۱۵۹)

مسئلہ :۔تاڑی پی کر مسجد جانا، گو نشہ نہ ہو ممنوع ہے اور ایسے شخص کو مسجد سے نکلوادینا درست ہے۔(فتاویٰ عبدالحیٔ جلد۲ص ۱۷۶)

مسئلہ:۔سفر سے واپسی میں مسجد میں اُترے اور دو رکعت نماز پڑھے۔(کبیری ص ۴۱۰)

مسئلہ :۔ بانیٔ مسجد مرمت، عمارت، فرش، چٹائی، قندیل، اذان، اقامت اور امامت کا زیادہ حقدار ہے، ایسی ہی بانی کی اولاد اور اس کا خاندان، اس کے مرنے کے بعد (کبیری ص ۵۷۱)

مسئلہ:۔بانی کو یہ حق صلاحیت کی شرط کے ساتھ ہے، ورنہ اس کی رائے کو دخل ہوگا۔
(عالمگیری جلد۱ص ۷۰)

مسئلہ:۔مسجد کی دیوار یا چھت پر تیمّم جائز ہے۔مگر بے ادبی سے خالی نہیں (ایضاً)(جلد۳ص ۱۳۴)

مسئلہ:۔زکوٰۃ کا مال مسجد میں لگانا درست نہیں ہے۔(عالمگیری جلد۳ص ۲۴۳)

مسئلہ:۔مسجد کا کوئی حصہ نہ تو حصول آمدنی کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے اور نہ مسکن۔
(ردالمختار جلد۳ص ۵۱۲)

مسئلہ :۔اجرت دے کر بھی کوئی چاہے کہ مسجد کی دیوار سے فائدہ اُٹھائے تو یہ جائز نہیں ہے، خواہ کوئی بھی فائدہ اٹھانے والا ہو۔(ایضاً جلد۱ص ۵۱۳)

مسئلہ:۔مسجد کی چھت پر وطی، پیشاب اور پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(ردالمختار جلد۱ص ۶۱۴)

مسئلہ :۔بغیر عذرِ شرعی مسجد کو راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہے، البتہ بوقتِ مجبوری وضرورت شدید گزرنا جائز ہے مگر اس کی عادت قریب بہ فسق ہے۔(ایضاً)

مسئلہ :۔جن مصلوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہوں، ان کا بچھانا اور استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (عالمگیری جلد۱ص ۷۰)

مسئلہ :۔مسجد میں نجاست داخل کرنا حرام ہے، ایسے ہی جس شخص کے بدن پر نجاست لگی ہو، اس کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔(ردالمختار جلد۱ص ۶۱۴)

مسئلہ:۔ مسجد میں جُنبی (ناپاک مرد) حیض اور نفاس والی عورت کا داخل ہونا حرام ہے۔
(عالمگیری جلد ا ص ۷۰)

مسئلہ:۔ مسجد کے اندر کنواں کھودنا منع ہے، ہاں پہلے سے ہو تو چھوڑ دیا جائے گا۔
(مسجد سے باہر ضرورت کے لیے کھودنا چاہئے)۔　(عالمگیری جلد ا ص ۷۰)

(مسجد کے اندر کا مطلب ہے وہ جگہ جو نماز کے لیے مخصوص ہوتی ہے جیسے مسجد کا اندرونی حصہ اور صحن، مسجد کے احاطہ کے اندر ان کے علاوہ جو جگہ ہے وہ بھی باہر کا حصہ کہا جاتا ہے۔(مؤلف)۔

مسئلہ:۔ مسجد میں ناپاک مٹی لگانا اور اس کو ناپاک مٹی سے لیپنا ناجائز ہے (ردالمختار جلد ا ص ۶۱۴)

مسئلہ:۔ مسجد میں خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ معتکف کو صرف بھاؤ کرنے کی اجازت ہے مگر بیع نہ ہو۔(ایضاً)۔(عالمگیری جلد ا ص ۷۰)

مسئلہ:۔ کوئی شخص اگر مسجد میں کسی خاص جگہ آ کر بیٹھتا ہے، اس جگہ دوسرا آ کر بیٹھ گیا تو اس کو وہ اٹھا نہیں سکتا۔(ردالمختار جلد ا ص ۶۳۰)

مسئلہ:۔ مسجد میں بغیر طہارت داخل ہونا مکروہ ہے۔(بحر الرائق جلد ۵ ص ۲۵۱)

مسئلہ:۔ مسجد میں فصد لگوانا اور اس طرح پیشاب کرنا کہ پیشاب کسی برتن میں رکھا جائے، تب بھی جائز نہیں ہے۔(ردالمختار جلد ا ص ۶۱۴)

مسئلہ:۔ مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا جس سے تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو جائز نہیں ہے۔(ص ۶۱۵ ایضاً)

مسئلہ:۔ گندے مچھیرے کا مسجد میں داخل ہونا مکروہ ہے، اسی طرح جُذام والے کا۔ ان کو دخولِ مسجد سے روکنا بھی جائز ہے۔(فتح الباری لابن حجرؒ جلد ۲ ص ۲۳۴)

مسئلہ:۔ ابابیل یا چمگادڑ اپنی بیٹوں (پائخانہ) سے جب مسجد کو گندہ کر رہی ہوں تو اُن کو بچوں سمیت نکال پھینکنا جائز ہے۔(عالمگیری جلد ۶ ص ۲۱۵)

مسئلہ:۔ پاگل اور بچہ کا مسجد میں داخل ہونا اگر تلویث کا گمان غالب ہو تو حرام ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔(ردالمختار جلد ا ص ۶۱۵)

مسئلہ:۔ مسجد کو ہر گھن والی چیز سے پاک وصاف رکھنا واجب ہے۔(ردالمختار جلد ا ص ۶۱۸)

مسئلہ:۔ مسجد میں سلائی کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر وہ مسجد کی نگرانی کے لیے بیٹھا ہو اور اس سلسلہ میں سلائی بھی کرتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔(عالمگیری ص ۷۰ ج ا)

مسئلہ:۔ دیوار، فرش اور مسجد کی چٹائی پر تھوکنا یا بلغم ڈالنا جائز نہیں ہے(ردالمختار جلد ا ص ۶۱۸)

مسئلہ:۔ مسجد میں ناپاک گارے کی استر کاری مکروہ ہے۔(ردالمختار جلد ا ص ۶۱۴)

مسئلہ:۔ اُجرت پر کتابت کرنے والے کاتب کیلئے مسجد میں کتابت مکروہ ہے۔ ہاں بغیر اجرت یا اپنے لیے لکھے تو جائز ہے۔(عالمگیری جلد ا ص ۷۰)

مسئلہ:۔ مسجد کی دیواروں اور محراب پر لکھنا قرآن پاک کی آیتوں کا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ مسجد کے منہدم ہونے کی صورت میں توہین کا اندیشہ ہے۔(ایضاً) کتبوں یا رقعوں کا مسجد کے دروازہ پر لٹکانا یا چپکانا مکروہ ہے۔(ایضاً)

مسئلہ:۔ بوقتِ ضرورت گوبر ملی ہوئی مٹی کا لگانا جائز ہے۔(ردالمختار، ایضاً)

مسئلہ:۔ مسجد کا سامان رکھنے کے لیے مسجد کے ساتھ حجرہ بنانا جائز ہے.(عالمگیری ج ا ص ۷۰)

مسئلہ:۔ جو معلم اجرت پر بچوں کو پڑھاتا ہو اور وہ گرمی یا کسی اور مجبوری سے مسجد میں بیٹھے تو مکروہ نہیں ہے۔(ایضاً)۔ اور بعض لوگوں نے کاتب کی طرح مکروہ کہا ہے۔(ایضاً)۔

مسئلہ:۔ مسجد میں نماز کے علاوہ دوسرے دینی کام کے لیے بیٹھنا جائز ہے۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے کوئی چیز غائب ہوگئی تو تاوان دینا ہوگا۔(ایضاً)

مسئلہ:۔ مسجد میں کسی ایک جگہ کو اپنے لیے مخصوص کر لینا مکروہ ہے۔(ردالمختار جلد ا ص ۶۲۰)

مسئلہ:۔ مسجد میں کوئی نمازی کہیں بیٹھ جائے تو بغیر ضرورتِ شرعی اس کو چھیڑنا اور وہاں سے اُٹھانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر عام نمازیوں کو اس سے تکلیف ہو تو اُسے اٹھایا جا سکتا ہے.(ایضاً)

مسئلہ:۔ بصورتِ تنگی غیر محلہ والے کو مسجد میں آنے سے روکا جا سکتا ہے۔ کسی کے بیٹھنے سے صف میں خلل ہو تو نمازیوں کو حق ہے کہ اُسے اُٹھا دیں۔(ردالمختار جلد ا ص ۶۲۰)

مسئلہ:۔ اگر مسجد میں تنگی ہو جائے تو عام نمازیوں سے چاہے وہ ذکر و شغل میں مصروف ہوں، سمٹ کر بیٹھنے کی فہمائش کرنا جائز ہے۔(ردالمختار جلد ا ص ۶۲۰)

مسئلہ:۔ مسجد میں نمازی کی گردن پھاندنا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ آج کل مسجد میں پاک وصاف جوتا پہننا بھی بے ادبی ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ:۔ دنیا کی باتیں مسجد میں نیکیوں کو اس طرح چباڈالتی ہیں جیسے چوپائے گھاس کو یا جیسے آگ لکڑی کو۔ (کشاف جلد ا ص ۳۸۷)

مسئلہ:۔ دنیا کی باتوں کے لیے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ (عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵)

مسئلہ:۔ جو مسجد میں چوری کا عادی ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس کو سزا دی جائے اور سخت سزا اور ساتھ ہی قید میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ (عالمگیری جلد ۳ ص ۱۰۷)

مسجد میں اضافہ کر کے اس میں نمازِ جنازہ؟

مسئلہ:۔ جو حصہ پہلے سے مسجد ہے، اس میں جماعتِ ثانیہ اور نمازِ جنازہ مکروہ ہے، اور جس حصہ کا مسجد میں بعد میں (نمازِ جنازہ) اضافہ ہوا ہے۔ اگر مسجد میں اس جگہ کا اضافہ بہ نیتِ مسجد کیا گیا ہے تب اس پر مسجد کے احکام جاری کریں گے یعنی وہاں پر ناپاک کا جانا منع ہوگا اور جماعتِ ثانیہ مکروہ ہوگی۔

اگر بہ نیتِ مسجد اضافہ نہیں کیا گیا، بلکہ اس غرض سے وہ حصہ بڑھا دیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت وہاں بیٹھ کر بچے بیٹھ کر پڑھ لیا کریں گے یا نمازی زیادہ ہو جائیں تو وہاں بھی کھڑے ہو جایا کریں، لیکن وہ حصہ حصہ مسجد نہیں ہے تو اس پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے، وہاں ناپاک کا جانا، جماعتِ ثانیہ، نمازِ جنازہ وغیرہ سب چیزیں درست ہیں، اس کی تحقیق کہ اس حصہ کا اضافہ مسجد کی نیت سے کیا گیا ہے یا نہیں، واقف اور بانی سے کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۴ ج ۲)

مسجد میں قبریں شامل کرنا؟

مسئلہ:۔ قبروں کی زمین مملوک ہے یا وقف ہے، اور یہ کہ قبریں نئی ہیں یا پرانی، کہ میت بالکل مٹی بن چکی ہے۔ اگر زمین مملوک ہے اور قبریں بہت پرانی ہیں تو مالک کی اجازت سے اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے اور اگر قبریں اتنی پرانی نہیں تو مسجد میں شامل کرنا درست

نہیں ہے، کیونکہ اس سے قبروں اور موتی کی توہین ہوتی ہے، نیز موتے کی طرف سجدہ کرنا لازم آئے گا اور اگر زمین وقف ہے اور قبریں پرانی نہیں تب بھی شامل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر قبریں پُرانی ہوچکیں کہ میت بالکل مٹی بن گئی، نیز وہاں مُردوں کو دفن نہیں کیا جاتا ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۹ جلد اول وص ۱۷۳ جلد ۱۰ بحوالہ زیلعی ص ۲۴۶ جلد او فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۴ جلد ۶)

مسئلہ :۔ اگر وہ زمین جس میں قبریں ہیں کسی کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے اس جگہ کی قبریں برابر کر کے مسجد میں شامل کرنا درست ہے، اور ان قبروں کی اینٹوں کو بھی مالک کی اجازت سے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ قبریں اتنی پرانی ہوں کہ اب ان میں میت موجود نہ ہو بلکہ مٹی بن چکی ہو۔ اور اگر وہ جگہ قبروں کے لیے وقف ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۳ جلد ۱۰)

مسئلہ :۔ مسجد کے احاطہ میں مسجد کی وقف زمین میں میت کو دفنانا درست نہیں ہے۔ جو زمین مسجد کیلئے وقف ہو، اس پر سوائے مصالح مسجد کے اور کوئی تصرف جائز نہیں ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۳ جلد ۶ وکفایت المفتی ص ۱۰۸ ج ۳)

مسجد کے روپیہ سے قبرستان کے لیے زمین خریدنا؟

سوال:۔ مسجد کے قریب زمین ہونے کی وجہ سے قبرستان کی نیت سے متولی صاحب نے قبرستان کے لیے خرید لی مسجد کے روپیہ سے؟

جواب:۔ اس زمین کو خریدنے کے لیے جتنا روپیہ مسجد کا خرچ ہوا وہ سب روپیہ مسلمان چندہ کر کے مسجد کو دے دیں اور اس زمین کو قبرستان ہی رکھیں۔ مسجد کے روپیہ سے قبرستان کے لیے زمین خریدنے کا حق نہیں ہے، لہٰذا مسجد کا روپیہ وصول ہونا ضروری ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۷ جلد ۱۲)

مسجد کے اطراف میں مسجد سے اونچا مکان بنانا؟

سوال:۔ مسجد کے سامنے قبلہ والی دیوار کے متصل مسجد سے اونچا مکان بنا سکتے ہیں

یانہیں؟ نیز بقیہ تین جہتوں میں مسجد سے اونچا مکان بنا سکتے ہیں یانہیں؟

جواب:۔ مسجد کے ارگرد مسجد کی عمارت سے اونچے مکانات بنانا جائز ہے، اس سے مسجد کے بے حرمتی نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۱ جلد ۱۰)

احاطۂ مسجد میں واقع قبرستان میں امام کے لیے کمرہ بنانا؟

سوال:۔ مسجد کے احاطہ میں قبرستان شامل ہے جو تقریباً تیس سال سے دفن کے لیے بند ہے، قبرستان کی اس حد میں امام صاحب کی رہائش کے لیے ایک کمرہ بنایا گیا ہے تو کیا درست ہے؟

جواب:۔ احاطۂ مسجد میں قبرستان کا یہ قطعہ وقف ہے، کسی کا مملوک نہیں ہے، اس پر امام صاحب کی رہائش کے لیے کمرہ اور اس میں غسل خانہ و پیشاب خانہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اس کے بنانے والے اور اس میں رہنے والے دونوں سخت گنہگار ہونگے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۸ جلد ۱۰)

پُرانے قبرستان کو مسجد بنانا؟

مسئلہ:۔ اگر وہ قبرستان مملوکہ زمین ہے اور اس میں قبریں اس قدر پرانی ہیں کہ میت ان میں بالکل مٹی بن گئی تو ان قبروں کو توڑ کر زمین ہموار کر دینا، اور وہاں مسجد، مدرسہ، دوکان سب کچھ بنانا درست ہے۔

میت کے مٹی بن جانے کے بعد قبر کے احکام بدل جاتے ہیں۔ اگر میت مٹی نہیں بنی تو وہاں مسجد وغیرہ بنانا اور قبر کو توڑنا ناجائز ہے۔ ایسی حالت میں قبر کا احترام ضروری ہے قبر کو سامنے کر کے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ بلکہ اس کے قریب بھی نماز پڑھنے سے احتیاط چاہئے کہ بعض صورتوں میں کراہت زیادہ ہوتی ہے بعض میں کم۔

اگر وہ قبرستان پرانا وقف ہے اور اب وہاں مُردے دفن نہیں ہوتے دوسرا قبرستان موجود ہے اور قبرستان کے بیکار پڑے رہنے سے اندیشہ ہے کہ اس پر دوسرے لوگ غلط قبضہ کر لیں گے اور وہاں مسجد بنانا مناسب ہے تو مسلمانوں کے باہم مشورہ سے مسجد بنانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۸ ج ۶ بحوالہ تبیین الحقائق ص ۲۴۶ جلد ا و فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۲ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ نمازی کے سامنے اگر کوئی قبر آگے کی طرف یعنی بجانب قبلہ نہیں ہے جو نمازی کے سامنے واقع ہوتی ہو تو ایسی مسجد (جگہ) میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۹ جلد ۴ بحوالہ در مختار ص ۳۵۳ ج ۱ باب الصلوٰۃ)

مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا؟

مسئلہ:۔ قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھانا مکروہ ہے۔ مسجد میں اگر کسی نے چٹائی لاکر بچھادی اور اب وہ بوسیدہ ہوگئی اور مسجد میں استعمال کے قابل نہ رہی تو بچھانے والے اصل مالک کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔ اگر مسجد کے پیسے سے خریدی گئی تو اس کو مسجد کے کسی کام میں، یا فروخت کر کے اس کا پیسہ مسجد میں خرچ کر دیں۔ (فتاوی محمودیہ ص ۲۸۵ ج ۱۴)

قبرستان کی خالی زمین کی آمدنی مسجد میں؟

سوال:۔ چند آدمیوں نے مل کر کچھ زمین قبرستان کے نام پر دے دی ہے۔ اب اس زمین کے کچھ حصہ میں تو قبریں ہیں اور کچھ خالی ہے۔ تو جو حصہ خالی ہے۔ اس میں کاشت کر کے اس کی آمدنی مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ قبرستان کے لیے زمین دیتے وقت اگر یہ کہہ دیتے کہ اس کی خالی زمین کی پیداوار مسجد میں دی جائے۔ تب تو اجازت ہو جاتی، مگر اس وقت انہوں نے ایسا نہیں کیا، اب اس کی اجازت نہیں۔ بلکہ اس کی پیداوار قبرستان ہی پر صرف کی جائے۔ لیکن اگر وہاں ضرورت نہیں اور کوئی قبرستان بھی حاجت مند نہیں، اور آمدنی کے روپے کا تحفظ دشوار ہے تو پھر سب کے مشورہ سے مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔ اس کا بھی لحاظ رہے کہ اس خالی جگہ میں کھیتی کرنے سے کہیں دوسروں کے قبضہ میں آکر وقف ہی ختم نہ ہو جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۲ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ اگر وہ جگہ (قبرستان) مسجد کی ہے اور قبریں اتنی پرانی ہیں کہ میت ان میں باقی نہیں بلکہ مٹی بن چکی ہے تو باہمی مشورہ سے وہاں دوکانیں تعمیر کرا کر، کرایہ پر دینا اور وہ کرایہ ضروریاتِ مسجد، تعمیر، تنخواہ امام ومؤذن میں صرف کرنا درست ہے۔ جب قبر پرانی ہو جائے

اور میت مٹی بن جائے تو قبر کا حکم باقی نہیں رہتا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۵ جلد ۱۸)

غیر آباد مسجد میں میت دفن کرنا؟

مسئلہ :۔ اگر مسجد فی الحال ویران ہے یعنی اس میں نماز نہیں ہوتی، تاہم اس سے اس کی مسجدیت میں فرق نہیں آتا، اس کی مسجدیت ہمیشہ برقرار رہے گی۔ اس لیے اس میں مُردوں کو دفن کرنا ناجائز ہے کیونکہ یہ غرض بانی وواقف واحترام مسجد کے خلاف ہے لیکن اگر عدم واقفیت کی بناء پر کسی کو مسجد میں دفن کر دیا گیا ہے تو اس کو قبر کھود کر نکلوانے کی ضرورت نہیں کہ اس سے میت کی توہین ہے اور نبشِ قبر بلاحق آدمی کے ناجائز ہے۔ اور یہاں پر کسی کا حق خدمت نہیں ہوتا۔ واقف کا اس لیے نہیں کہ اس کی ملکیت نہیں رہی، عام مسلمانوں کا اس لیے نہیں کہ وہ اس میں نماز نہیں پڑھتے۔ غیر آباد ہے۔ لہٰذا آئندہ کے لیے مسجد کی حفاظت کر دی جائے کہ کوئی اور میت دفن نہ ہو، اور دفن شدہ میت کو نہ نکالا جائے کہ چند روز میں قبر خود زمین کے برابر ہو جائے گی اور میت کے پُرانا ہونے پر قبر کو زمین کو ہموار کرنا اور اس پر چلنا اور نماز پڑھنا درست ہو جائے گا۔

اگر اس سے پہلے وہ مسجد آباد ہو جائے تو قبر پر کھڑے ہو کر یا اس کی جانب رُخ کر کے نماز نہ پڑھیں اگر گنجائش نہ ہو اور جگہ کی تنگی ہو تو پھر قبر کو ہموار کر دیا جائے کہ اس صورت میں نمازیوں کا جن کے لیے مسجد وقف ہے۔ حق فوت ہوتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۶ جلد ۶ بحوالہ درمختار ص ۶۰۲ جلد ۱)

مسئلہ :۔ مسجد کے مغربی گوشے میں دیوار کے باہر قبریں ہوں تو اس سے نماز میں کراہت نہ ہوگی۔ کیونکہ دیوار مغربی مسجد کی حائل کافی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۰۷ جلد ۴ بحوالہ غنیۃ ص ۳۵۰)

داخلِ مسجد میں مردے دفن کرنا؟

مسئلہ :۔ مسجد جس جگہ قرار پائی جاتی ہے اس کے بعد اس میں کسی قسم کا تصرف شرعاً درست نہیں ہوتا ہے اور جب نمازِ جنازہ کا حکم بھی یہ ہے کہ وہ خارجِ مسجد ادا کی جاتی ہے تو مسجد میں تدفین شرعاً کیسے درست ہو سکتی ہے۔ (یعنی داخلِ مسجد تدفین درست نہیں ہے)۔

(نظام الفتاویٰ ص ۳۰۴ جلد اول بحوالہ شامی ص ۳۷۶ ج ۱ کتاب الوقف)

دربارِالٰہی کے آداب

اب تک خانۂ خدا سے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا۔اس سے یہ امر بالکل منقح ہو گیا ہوگا کہ اس دربار کی کچھ اور ہی خصوصیت ہے اور اس کا امتیازی شان بہت اونچا ہے، تو جس مقدس گھر کی شان وشوکت اور وقعت وعزت کا عنداللہ یہ حال ہو، یقینی طور پر اس کے آداب بھی اسی اعتبار سے بلند ہونگے ۔اور ان کا بجالانا بھی اسی قدر ضروری ہوگا۔

دنیا کے معمولی درباروں کا حال آپ کو معلوم ہے کہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس کے کچھ خاص آداب ہوتے ہیں جن کی بجا آوری ہر اس شخص پر لازم ہوتی ہے جو وہاں آئے بادشاہ وقت اور اس کے حکام کے اجلاس کے قوانین منضبط ہوتے ہیں۔اور ان کی خلاف ورزی کی حالت میں سزائیں متعین ہوتی ہیں خواہ وہ جرمانہ کی سزا ہو یا قید وبند کی۔

دنیاوی حکام کے اجلاسوں کے آداب جنہیں ہم رات دن اپنی اپنی زندگی میں برتتے ہیں انکو سامنے رکھ کر ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اس دربار کی عزت ووقعت کا کیا حال ہوگا جو انسانوں کا نہیں۔ بلکہ ان کے خالق ومالک کا گھر کہلاتا ہے۔ جو احکم الحاکمین کے روبرو ہونے کا مقام ہے اور جو اسی کے آگے سجدہ کرنے کیلئے مخصوص ہے۔

قرآن پاک میں اس گھر کا تذکرہ جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔اس کی رفعت اور علو مرتبہ کی بڑی مدح سرائی کی گئی ہے۔اس کی صفائی وپاکی کی بار بار تاکید بیان کی گئی ہے اور اس کے آداب کی طرف نمایاں اشارے کیے گئے ہیں۔اور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک چیز کو بتایا ہے۔اور ساتھ ہی ان احکام کی جو مسجد کے باب میں آئے ہیں خلاف ورزی پر وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

مسجد کی حاضری رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں اس دن پناہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ ہی نہ ہوگا۔ان سایہ میں ایک وہ شخص ہوگا کہ وہ جب مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا دھیان اسی طرف لگا رہتا ہے۔

ایک حدیث ہے کہ جوشخص مسجد میں داخل ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہے۔ رب العزت اسے نقصان، خسران وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو دیکھو کہ مسجد سے محبت کرتا ہے اوراس کی خدمت کرتا ہے۔ اس کے مؤمن ہونے کی شہادت دو۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

حدیث میں ''تعاہد'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مسجد کی نگہداشت وخبر گیری کرنا، اس کی محافظت ومرمت کرنا، جھاڑو دینا، نماز پڑھنا، عبادت میں مشغول رہنا، ذِکر کرنا، علومِ دینی کا درس دینا ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ ص ۱۴۱ جلد ۳)

ایک دفعہ آپ ﷺ نے مسجد جانے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ رحمتِ الٰہی میں غوطہ لگانے والے ہیں۔ ایک دوسرے حدیث میں ہے کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔

(کنز العمال ص ۱۱۰ جلد ۳)

ایک بار آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو جو تاریکی میں مسجد میں حاضر ہوتے ہیں نورِ کامل کی بشارت سنائی۔ ((**بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامة. رواه الترمذی**)) تاریکی میں مسجد کی طرف جانے والوں کو نورِ کامل کی بشارت دو جو قیامت کے دن حاصل ہوگا۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

مسجد کی قربت

اس گھر کی بڑائی کا یہ حال ہے کہ اس کا فیض وکرم پڑوس کو بھی محروم نہیں کرتا، رحمت کی چھینٹیں اُڑ کر اُن پر بھی پڑتی رہتی ہیں۔ جس سے ان کا درجہ بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔:

((**فضل الدار القربیه من المسجدعلی الشاسعة**

کفضل الغازی علی القاعد))۔ (کنزل العمال ص ۱۳۸ ج ۴)

مسجد سے جو گھر قریب ہیں، ان کی فضیلت دور والے گھر پر ایسی ہے جیسی نماز کو گھر بیٹھنے والے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

دیکھا آپ نے پڑوس کا مرتبہ بھی کتنا اونچا ہوگا، یہ قریب اور آس پاس کے مکانات

اپنے دوسرے مکانات پر سبقت لے گئے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، جہاں رحمتِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے، جو جلوہ گاہِ خداوندی ہے۔ اور جس کو دنیا کی جنت کہا گیا ہے، یقیناً اس کا پڑوس بھی اس سے کچھ نہ کچھ تو نفع اندوز ہوگا ہی۔

مگر اس کے ساتھ قدرت کا یہ انصاف بھی ہے کہ جو مسجد سے دور رہتے ہیں ان کو بھی محروم نہیں کیا ہے بلکہ ان کو بھی اس طرح یہ حصہ عطا کیا ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((ان اعظم الناس اجراً فی الصلوٰة ابعدهم الیها ممشی فابعدهم والذی ینتظر الصلوٰة حتی یصلیها مع الامام اعظم اجراً من الذی یصلیها ثم ینام)). (مسلم باب کثرة الخطا الی المساجد وفضل المشی الیها ص ۲۳۰)

زیادہ اجر اُن کے لیے ہے جو دور دور سے چل کر آتے ہیں اور جو مسجد میں آ کر جماعت سے نماز پڑھتے ہیں وہ تنہا نماز پڑھ کر سونے والے سے بہتر ہیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے تسلی و تسکین کا مواد فراہم کیا گیا ہے ہے جو مسجد سے دور بستے ہیں۔ اور پڑوس کی محرومی کا تدارک اس ثواب عظیم سے کیا گیا ہے جو دُور سے چل کر آنے میں ہوتا ہے اور اس چلنے کے ثواب کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوئی قدم ثواب سے خالی نہیں ہے۔

مسجد میں آمد کا ثواب

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارا گھر مسجد سے دوری پر تھا، ایک موقع پر میں نے ارادہ کرلیا کہ اپنا گھر بیچ ڈالوں اور چل کر مسجدِ نبوی ﷺ کے پڑوس میں (جس حد تک ممکن ہو) جا بسوں، لیکن آنحضرت ﷺ نے مجھے اس ارادہ سے روک دیا اور فرمایا: **((ان لکم بکل خطوة درجة))** (مسلم باب کثرة الخطا الی المساجد ص ۲۳۵ ج ۱)۔

بے شک تمہارے لیے ہر قدم پر ایک درجہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مسجدِ نبوی ﷺ کے پڑوس میں کچھ جگہ خالی ہوئی۔ قبیلہ بنو سلمہ جو مسجد سے دوری پر آباد تھا اس کا ارادہ ہوا کہ پڑوس میں آ کر آباد ہو اور پہلی جگہ چھوڑ دے، یہ خبر جب آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے اس کے متعلق

سوال کیا، انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپ ﷺ نے جب ان کا یہ ارادہ دیکھا تو ان سے کہا:

((**یابنی سلمة دیارکم تکتب اثارکم**))(مسلم باب کثرة الخطاالی المساجدوفضل المشی الیھا. ۲۳۵ ج)اے بنی سلمہ اپنے مکانوں کولازم پکڑو،تمہارے نشانِ قدم لکھے جائیں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ترغیب دی کہ جہاں تھے وہیں، دوری سے نہ گھبرائیں، یہ دوری بھی باعثِ ثواب بنتی ہے یعنی وہاں سے چل کر جب مسجد آنا ہوتا ہے تو چلنا زیادہ پڑتا ہے اور اسی اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ یہاں ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے پھر یہ بھی ایک پُر لطف بات ہے کہ آدمی جب گھر سے باوضو مسجد کے لیے نکلتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے اس طرح اجر میں کچھ اور اضافہ کی توقع ہے۔ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا:((**الابعدفالابعدمن المسجداعظم اجراً.** (ابوداؤد باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوٰة)۔))

مسجد سے جو جس قدر دور ہوتا ہے اور وہ آتا ہے اس کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔

ایک دفعہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب کوئی پاک وصاف ہوکر باوضو کسی مسجد کے لیے چلتا ہے کہ فریضہ ادا کرے تو ایسے شخص کا ایک قدم گناہ کو مٹاتا ہے اور دوسرا درجہ کہ بلندی کا ذریعہ ہوتا ہے۔(مسلم شریف ص ۲۳۵ جلد ۱)

مسجد میں جانے کا مسنون طریقہ

گھر سے جب چلنے لگے تو پہلے وضو کرلیا جائے، کیونکہ سنت طریقہ یہی ہے، نبی کریم ﷺ نے جہاں جماعت کی نماز میں ثواب کی زیادتی کا ذکر فرمایا۔ہے وہاں یہ مصرح ہے کہ ثواب کی زیادتی اس وجہ سے ہے کہ وضو کیا اور اس کے بعد خالص نیت سے مسجد روانہ ہوا۔ اور انہی آداب کے ساتھ چلنے پر درجہ کی بلندی اور گناہ کی معافی کی بشارت ہے۔

(بخاری ص ۶۹ جلد اول)

ضرورت بھی ہے کہ دربارِ خداوندی کے لیے پوری تیاری کے ساتھ چلیں، کپڑے بھی صاف ہوں، بدن بھی پاک ہو اور اعضاء وضوء جو وہاں جاکر نمایاں طور پر مصروفِ

مناجات اور اظہار تذلل میں پیش پیش ہوں گے، صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں۔

روانہ ہوتے ہوئے ایک نظر اپنی ظاہری ہیئت پر بھی ڈال لی جائے اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہم ایک عظیم المرتبت دربار کو جارہے ہیں، اتنا عظیم المرتبت کہ اسے دنیا کی جنت سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ جس میں ان درباروں کو جنت کا باغ کہا گیا ہے، اس لیے جہاں ہر طرح کی نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہو کر جانا ضروری ہے، ادب یہ بھی ہے کہ ظاہری ہیئت عمدہ سے عمدہ ہو، ایسی عمدہ جو شریعت کی نظر میں خراجِ تحسین حاصل کر سکے۔

حتی المقدور کپڑے پاک وصاف ہونے کے ساتھ عمدہ ہوں۔ کرتہ کی آستیں پوری ہو، اگر قدرت نے وسعت عطا کی ہے تو خوشبو مل لیں، تاکہ پسینہ وغیرہ کی بو بالکلیہ جاتی رہے اور فرشتوں کو کوئی اذیت نہ پہنچنے پائے، ارشاد ربانی ہے: ((**یابنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد. اعراف:۳۱**))

اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس زینت پہن لیا کرو۔

یعنی جب عرض ونیاز کے لیے مناجات وسرگوشی کے لیے دربارِ الٰہی میں آؤ تو صاف ستھرا لباس زیب تن کرلیا کرو جو پاک وصاف اور شرعی حدود کے مطابق ہو، تم احکم الحاکمین کے سامنے اس کے دربار میں حاضری دے رہے ہو تو ظاہری آداب کا بھی پورا پورا لحاظ رکھو، تاکہ ظاہری طور پر بھی کسی کو بے ادبی کا شبہ نہ ہو سکے، یہ درست ہے کہ وہ پہلے دل کی گہرائی کو دیکھتا ہے مگر دل کی صفائی کا اثر جسم پر بھی ہونا ضروری ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ دل کی ویرانی کے ساتھ جو زیب وزینت ہوتی ہے وہ کسی درجہ میں مطلوب نہیں، لیکن موجودہ دور میں دین کی رسمی محبت کی وجہ سے لباس میں جو بے پرواہی ہوتی ہے وہ بھی کسی درجہ میں پسندیدہ نہیں ہے۔

اس آیت سے مسجد کے لیے حسنِ ہیئت کا حکم بھی مستفاد ہوتا ہے جو مسجد کی بزرگی واحترام کا ایک دل نشین طریقہ ہے۔ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے، اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز کے وقت ہیئت اچھی سے اچھی ہونی چاہئے۔ (ابنِ کثیر ۲۱۰ جلد ۱۲)

مسجد میں وقار واطمینان سے آئے

مسجد آتے ہوئے یہ خیال رہے کہ ہم ایک بڑی عبادت کے لیے بڑے گھر کی طرف جارہے ہیں، اس لیے رفتار پورا وقار، اعتدال اور سکنیت نمایاں ہو، ایسی رفتار ہرگز نہ اختیار کی جائے جس سے دیکھنے والا ہلکا پن محسوس کرے اور عام نظروں میں مضحکہ خیز حد تک پہنچ جائے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ نماز کا ارادہ کرنا بھی نماز ہی کے حکم میں ہے، لہٰذا راستہ چلتے ہوئے لہو ولعب، ہنسی مذاق اور ناجائز چیزوں پر نظر سے پرہیز کیا جائے اور یہاں بھی حتی الوسع نماز کے خلاف امور سے پورا اجتناب کیا جائے۔ نگاہ نیچی، دل میں محبت وخشیت اور امید وبیم کی کیفیت طاری ہو، چہرہ پر تواضع اور تذلل کے آثار ہوں، مگر یہ سب کسی اور کے لیے ہرگز ہرگز نہ ہو، محض رب العالمین کے لیے ہو۔ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلوٰة وعلیکم بالسکینة والوقار ولا تسرعوا.)). (باب ما ادرکتم فصلوا) جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے اس طرح چلو کہ تم پر سکنیت ووقار طاری ہو، اور دوڑو مت۔

((واتوھا وعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا فان احدکم اذا کان یعمد الی الصلوٰة فھو فی الصلوٰة)). (مسلم باب استحباب اتیان الصلوٰة)۔ نماز کے لیے اس طرح آؤ کہ تم پر وقار واطمینان ہو، جو پالو پڑھ لو، اور جو چھوٹ جائے اسے پورا کرلو، جب تم میں کوئی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ حکماً نماز ہی میں ہوتا ہے۔

مسجد میں پیدل آئے

مسجد میں پیدل چل کر آنا چاہئے، بغیر عذر شرعی سواری سے آنا اچھا نہیں، تاکہ ہر قدم کا اجر نامۂ اعمال میں لکھا جائے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، آنحضرت ﷺ کا دستور بھی یہی معلوم ہوتا ہے، پھر یہ کہ پیدل مسجد میں آنا باعثِ کفارۂ گناہ ہے۔

مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کرے

راستہ اس طرح طے کر کے دروازے پر پہنچ جائیں تو ذرا قلب وجگر تھام لیں کہ اب بہت ہی بڑے دربار میں داخلہ ہورہا ہے، علمائے سلف اور صوفیائے کرامؒ کے حالات میں میری نظر سے ایسے واقعات گزرے ہیں جن کا تصور بھی آج کل مشکل ہی سے ہوسکتا ہے۔ بعض بزرگانِ دین کا مسجد کے دروازہ پر پہنچ کر رنگ بدل جاتا تھا اور ان کی عجیب کیفیت ہوجاتی تھی۔

بہر حال داخل ہوتے ہوئے مسجد میں پہلے دایاں پیر رکھیں، پھر بایاں۔ اور فارغ ہوکر جب نکلنے لگیں تو اس کے خلاف کریں، یعنی پہلے بایاں پیر نکالیں، پھر دایاں۔ مگر جوتا وغیرہ پہلے داہنے ہی پیر میں پہنیں کہ طریقۂ مسنونہ یہی ہے:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سنت ہے کہ جب مسجد میں تو داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں ڈال اور جب نکلے تو پہلے بایاں پیر نکال۔ (فتح الباری ص ۳۵۳ ج ۱)

صحابۂ کرامؓ کا اسی پر عمل رہا اور ادب کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ نسبتاً دائیں کو بائیں پر فضیلت ہے۔

دایاں پاؤں رکھتے ہوئے یہ دعاء پڑھی جائے:۔

((اللھم افتح لی ابواب رحمتک))

اے اللہ! مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب باہر نکلیں تو بایاں پاؤں پہلے نکالیں اور یہ دعاء پڑھے:۔

((اللھم انی اسئلک من فضلک.))

اے میرے اللہ! تجھ سے تیرے فضل وبخشش کی درخواست کرتا ہوں۔

مسجد میں پہنچ کر دیکھے کہ لوگ جمع ہیں تو سلام کرے اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو اس طرح سلام کرے: **((السلام علینامن ربناو علیٰ عباداللہ الصالحین.))**

(اسلام کا نظامِ مساجد از مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند)

دربارِ الٰہی کی صفائی

انسان طبعاً نفاست پسند واقع ہوا ہے۔ ہر شخص اپنی وسعت بھر چاہتا ہے کہ وہ خود بھی پاکیزہ رہے، اس کا گھر بھی صاف ستھرا رہے اور اس کی ہر چیز سے نفاست ٹپکے، پھر جو جس مرتبہ کا ہے اس کی صفائی بھی اسی کی انداز کی ہوتی ہے۔

ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مسجد دربارِ الٰہی اور خانۂ خدا ہے، اس کی صفائی کس قدر ضروری ہے، کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جو عند اللہ محترم ہے اور جہاں مسلمان اپنے مولیٰ کی عبادت کے لیے اچھی سے اچھی ہیئت میں جمع ہوتے ہیں، اور حاضری کے وقت ان اعضاء کو عموماً دھو کر آتے ہیں جن پر گرد و غبار کے اُڑ کر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

صفائی کا ثبوت قرآن سے

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ صفائی ہر چیز کی طرح اعتدال پر ہو، اور افراط و تفریط سے پاک ہو، نہ اس قدر اسے بڑھایا جائے کہ حدِ تزحرف کو پہنچ جائے اور نہ ایسی بے توجہی برتی جائے کہ گرد و غبار سے اَٹ جائے۔ اس اعتدال پر رہ کر اس کی پاکیزگی اور نفاست کا خیال از بس ضروری ہے۔

﴿وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ (بقرہ)

ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل (علیہم السلام) سے عہد کیا کہ وہ دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھیں۔

یہ آیت شانِ نزول میں گو خاص ہے مگر بابِ احکام میں عام ہے، اور مفسرین نے اسی وجہ سے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ مسجدوں کو ہر طرح پاک و صاف رکھنا ضروری ہے، ظاہری، باطنی، اعتقادی، معنوی ہر اعتبار سے پاکی کامل ہو، نہ انجاس و اصنام ہوں اور نہ عصیان و طغیان۔ پھر غور کیجئے خانۂ خدا کی طہارت اور صفائی کا حکم جلیل القدر نبیوں کو ہو رہا ہے، جو بیت اللہ اور مسجدوں کی عظمتِ شان کا بہت بڑا مظاہرہ ہے۔

مسجد کی صفائی کے فضائل

مسجد کی صفائی کے فضائل حدیثوں میں بے شمار ہیں، یہاں اس سلسلہ کی صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جو اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے کافی ووافی ہے، ایک دفعہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

((عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد))۔(مشکوٰۃ عن الترمذی وابی داؤد ج ۱ ص ۶۹) مجھ پر میری اُمت کے اجر پیش کیے گئے، یہاں تک کہ وہ کوڑا بھی جو کسی نے مسجد سے باہر کیا تھا۔

عربی دان جانتا ہے کہ قذاۃ کے لفظ میں کس قدر فصاحت وبلاغت ہے، قذاۃ اس تنکے کو کہتے ہیں جو آنکھ میں پڑ جائے۔ تنکے کے پڑنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ سب جانتے ہیں اور اسے نکالنے کی جس قدر جلد سعی پیہم کی جاتی ہے، وہ بھی کسی سے مخفی نہیں تو گویا اس لفظ کو لاکر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ کوڑا کرکٹ مسجد کے لیے ایسی ہی اذیت کا باعث ہے جیسے تنکا آنکھوں کے لیے اس لیے اسے جلد سے جلد صاف کیا جائے، دوسرے یہ کہ معمولی گندگی بھی مسجد میں نہ ہونی چاہئے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمتِ مسجد

حضرت انس رضی اللہ عنہ خادمِ رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ کی نظر بلغم پر پڑ گئی جو قبلۂ مسجد میں کسی نے ڈال دیا تھا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ کو بڑی اذیت ہوئی اور اس اذیت وناگواری کا اثر چہرۂ مبارک پر آ گیا، پھر خود اُٹھے اور اپنے دستِ مبارک سے اُسے صاف فرمایا۔ اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ لوگو! تم میں کوئی جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس کے اور قبلہ کے درمیان رب العزت اپنی رحمت ورضا کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے، اس لیے کوئی اپنے سامنے نہ تھوکے، نماز میں تھوکنے کی ایسی ہی مجبوری لاحق ہو تو بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے ڈال سکتا ہے، پھر آپ ﷺ نے مَل کر کے اسے بتایا، اپنی چادر مبارک کے ایک کنارے کو لیا، اس پر

تھوکا اور مَل دیا، پھر فرمایا ایسا ہی کرے۔ (بخاری جلد ا ص ۵۸)

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((البراق خطیئة و کفارتھا دفنھا))۔ (بخاری ص ۵۹ ج ا)۔ تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کا دفن کرنا ہے۔

یعنی مسجد میں تھوکنا گناہ ہے، کسی سے نادانستہ ایسی غلطی ہو ہی جائے تو اس کو چاہئے کہ اس کو دفن کر دے۔ نوویؒ نے لکھا ہے کہ مسجد میں کہیں بھی تھوکا نہیں جا سکتا، بلکہ تھوکنا گناہ ہے اور قبلہ کی دیوار کا احترام نسبتاً بڑھا ہوا ہے۔ اس لیے ادھر تھوکنا اور بھی برا ہے، یہ قبلہ مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ، دونوں قابلِ احترام ہیں۔ جس جگہ آدمی نماز پڑھتا ہے وہاں نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت ہے۔ ((ان اللہ جمیل یحب الجمال))

نماز پڑھتے ہوئے منہ میں تھوک آ ہی جائے کپڑے کے کنارے پر تھوک کو مَل دے کہ اس صورت میں تلویثِ مسجد نہیں ہے، مسجد سے باہر اگر کوئی نماز پڑھتا ہو اور پاؤں کے نیچے یا بائیں جانب مجبوری کی حالت میں تھوک دے تو مضائقہ نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنے کی جرأت نہ کی جائے، نگلنا پڑے تو یہ کرے مگر تھوکنا مناسب نہیں۔

(فتح الباری ص ۳۴۴ جلد ا)

مسجد سے گندگی دُور کرنا

مسجد میں تھوک دیکھا جائے تو اس پر مٹی ڈال دی جائے۔ اگر فرش کچا ہے یا کھرچ کر پھینک دیا جائے۔ اور فرش پختہ ہے تو اس کو صاف کرے، دھو کر یا کپڑے سے اٹھا کر، کیونکہ فرش پر مَلنے سے اور گندگی پھیل جائے گی۔ صاف کرنے میں اس کا خیال رہے کہ کوئی اثر گندگی کا باقی نہ رہنے پائے اور ہو سکے تو خوشبو لے کر مل دے۔ (فتح الباری ص ۳۴۵ جلد ا)

قفالؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ دفن کرنے کا جس کو حکم ہے وہ منہ اور دوسرے اُترنے والا تھوک ہے۔ باقی جو بلغم سینہ سے آتا ہے وہ نجس ہے اُسے کسی حال میں مسجد میں دفن

نہ کیا جائیگا۔(فتح الباری ص ۳۴۶ جلد ۱)

دفن کے معنی عام لیے جائیں یعنی اس کو صاف کر دینا اس طرح کہ ظاہری طور پر اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تا کہ اشکال سرے سے ختم ہو جائے، کیونکہ گھن جس سے آتی ہو اُسے مسجد میں دفن کرنا کسی طرح اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے متعلق آیا ہے کہ انہوں نے ایک رات مسجد میں تھوک دیا اور صاف کرنا بھول گئے۔ گھر واپس پہنچ چکے تو ان کو یاد آیا فوراً روشنی لے کر مسجد تشریف لائے اور اُسے تلاش کر کے صاف کیا۔(فتح الباری ص ۳۴۶ جلد ۱)

صاحب فتح الباری نے حضرت ابوذرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

((وجدت فی مساوی اعمال امتی النخاعة تکون فی المسجد لاتدفن))۔(ج ۱ ص ۳۴۵)

میں نے اپنی اُمت کے برے اعمال میں اس گاڑھے تھوک کو بھی پایا جو مسجد میں ڈالا گیا مگر صاف نہ کیا گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کے گندہ کرنے کا گناہ نامۂ اعمال میں ثبت ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن حساب کتاب میں وہ چیز بھی سامنے لائی جاتی ہے۔ پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ مسجد میں کوئی ایسا تنکا بھی نہ ڈالے جس سے گندگی معلوم ہو، اور اگر کوئی ایسی چیز دیکھ لے تو فوراً صاف کر دے۔ امام کی تو خصوصیت سے یہ ذمہ داری ہے کہ مسجد کی صفائی کی دیکھ بھال کرے اور اس کی نگرانی کرے کہ خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کام کو انجام دیا ہے۔(فتح الباری ص ۳۴۶ جلد ۱)

مسجد کو گندہ کرنے کی سزا

حضرت سائب بن فدادرؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے قوم کی امامت کی، اتفاق کی بات اُس نے جانب قبلہ تھوک دیا، جسے آنحضرت ﷺ نے بچشمِ خود دیکھ لیا۔ آپ ﷺ کو یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی آپ نے سختی سے فرمایا کہ اس کو اب امامت نہ کرنے دینا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کو دوبارہ امامت نہ کرنے دی۔ اس کو جب آپ کا واقعہ معلوم ہوا تو وہ

دربارِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور جو کچھ سنا تھا بیان کیا۔ آپ نے اس کی باتیں سن لیں اور اس کے بعد فرمایا۔ ہاں یہ درست ہے میں نے ہی روکا ہے اس لیے کہ تم نے مسجد میں تھوک کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دی۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کی بے ادبی کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ یہ وہ جرم عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے لیے باعث اذیت ہوتا ہے۔ اور اس جرم میں کسی عہدہ دار کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے تو بجا ہے۔ بلکہ وہ اسی لائق ہے کہ اس کو جرم کا بدلہ ملنا چاہیئے۔

جاروب کش نگاہِ نبوی ﷺ میں

ایک طرف گندہ کرنے کی سخت سزا جو اوپر مذکور ہوئی، اور دوسری طرف اس کی صفائی کا یہ ثواب کہ قیامت میں اس کو اس کا گراں قدر معاوضہ عطا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام شخص مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، اس کا انتقال ہوگیا، جس کی اطلاع آپ کو نہ دی گئی، آپ ﷺ نے جب دوسرے دن اس کو نہیں دیکھا تو لوگوں سے دریافت فرمایا۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ اس کا تو انتقال ہوگیا۔ اس کی اچانک موت کی خبر سن کر آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی، پھر فرمایا اس کی قبر بتاؤ، چنانچہ آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ راوی کو اس کے متعلق شک ہے کہ وہ عورت تھی یا مرد تھا۔ مگر روایتوں کی تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت تھی اور اس کی کنیت ام محجن تھی۔ (فتح الباری ص ۳۷۱ جلد ۱)

لوگوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ ایک معمولی آدمی کے لیے آپ ﷺ کو کیوں تکلیف دی جائے، مگر آپ کی نظر میں اس کی حیثیت سے بڑی وقعت تھی کہ اس کو خادم مسجد ہونے کا شرف حاصل تھا۔

خدمتِ مسجد ایمان کی علامت ہے

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اذا رایتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدو الہ بالایمان"۔ (مشکوٰۃ ص ۶۹ جلد ا)

تعاہد کے بہت سے معنوں میں ایک معنیٰ جھاڑو دینا بھی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ عموماً دوشنبہ اور پنجشنبہ کو مسجد قبا جاتے تھے ایک دن مسجد میں دیکھا کہ جھاڑو نہیں دی گئی ہے، خود آپ نے کھجور کی شاخ لے کر مسجد کو صاف فرمایا، پھر لوگوں کو تاکید فرمائی کہ مسجد کو مکڑیوں کے جالے وغیرہ سے پاک وصاف رکھو۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا اس (مسجد) کو ہر طرح کی گندگی سے پاک وصاف رکھو۔ یہ اس لیے کہ اس میں ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآن پاک ہو۔

مسجد کی صفائی کا معاوضہ

اخیر میں اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ خادمِ مسجد کا اجر کتنا بڑا ہے:

"من اخرج اذی من المسجد بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ"۔ (ابن ماجہ باب تطہیر المساجد)

جو شخص مسجد سے گندگی نکالے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

اس حدیث کو پڑھ کر ہر مسلمان کے دل میں مسجد کی خدمت اور اس کی صفائی کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ اس معمولی خدمت کا اجر اتنا بڑا نصیب ہوگا۔

اس تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ مسجد کو جو دربارِ الٰہی ہے ہر طرح کی گندگی، خس وخاشاک، تھوک، بلغم گھناونی چیز اور شریعت میں جو بھی نجس اور تکلیف دہ ہے اس سے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے۔ اور جو اس خدمت کو انجام دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اس کو بڑا اجر ملے گا۔ پھر یہ بھی واضح ہو جائے کہ یہ خدمت باعثِ ذلت نہیں، باعثِ عزت و رضائے الٰہی ہے اور یہ وہ عظیم الشان خدمت ہے جسے خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے ہاتھوں انجام دیا ہے اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ نے۔

اس علت اذیت میں مکڑی کے جالے بھی آجاتے ہیں کہ آدمی طبعاً اس سے بھی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں اس طرف توجہ دینے کی بڑی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں فاروقِ اعظمؓ کا قول گزر چکا ہے۔ کہ آپ ﷺ نے مسجدِ قبا کے متعلق فرمایا تھا کہ مکڑیوں کے جالے سے پاک وصاف رکھو۔

اسی علت میں اخراج ریح بھی ہے کہ اس سے بھی بدبو پھیلتی ہے اور جب بدبو پھیلے گی تو اذیت ضرور پائی جائے گی۔ علماء نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ اخراجِ ریح مسجد میں مکروہ ہے، معتکف کو البتہ بعض نے معذور قرار دیا ہے، یوں اجتناب ہر حال میں اولیٰ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ فرشتے نمازیوں کے لئے اس وقت تک دعاء کرتے ہیں جب تک وہ حدث نہیں کرتے ہیں۔ (مسلم شریف ص ۲۳۴)

خوشبو کی دُھونی

صرف یہی نہیں ہے کہ مسجد کو بدبو اور گندی چیزوں سے بچانا ضروری ہے بلکہ تطہیر وتنظیف کے ساتھ تطیب بھی مطلوب ہے، ایک لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا بھی آیا ہے:

"اتخذوا علیٰ ابوابها المطاهر و جمروها فی الجمع". (ابن ماجہ ص ۵۵ جلد ۱)۔

ان (مسجدوں) کے دروازوں پر طہارت خانہ بناؤ اور جمعوں میں ان کے اندر خوشبو کی دُھونی دو۔

یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ مسجدوں میں طہارت خانہ اور خوشبو کی دھونی کا انتظام کرو۔ فاروق اعظمؓ ہر جمعہ کے دن دوپہر میں مسجد کے اندر خوشبو کی دھونی دیا کرتے تھے، ساتھ ہی یہ حکم بھی جاری کر دیا تھا کہ ہر شہر کی مسجدوں میں دوپہر کے وقت خوشبو کی دھونی دی جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسجدیں بناؤ اور ان کو پاک وصاف اور معطر رکھو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لوبان، اگربتی اور دوسری خوشبو جلائی جائے، جمعہ کے دن اور بھی اس کا اہتمام رکھا جائے۔ (اسلام کا نظام مساجد ص ۲۱۱ تا ۲۲۱)

مسجد کی صفائی برش سے کرنا؟

سوال:۔ مسجد میں بجائے جھاڑو کے بالوں کا بنا ہوا برش استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ اگر وہ برش خنزیر کے بالوں سے بنا ہے تو وہ ناپاک ہے اور نجاست کو مسجد میں داخل کرنا منع ہے۔ اور اگر خنزیر کے علاوہ کسی دوسرے جانور کے بالوں سے بنا ہے تو وہ

ناپاک نہیں، اس کو مسجد میں داخل کرنا ناجائز نہیں ہے، تاہم اس میں اشتباہ ہو تو اس چھوڑ دینا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۰۵ جلد ۱، بحوالہ شامی ص ۶۸۶ جلد اول)

مسئلہ :- بے پردگی وغیرہ کی کوئی قباحت نہ ہو تو عورت مسجد کی صفائی کی سعادت حاصل کرسکتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۶ جلد ۶)

قیامت کے دن دیدار الٰہی جو سب سے بڑی نعمت ہے، اس کے لیے جب اجتماع ہوگا تو ان میں ان لوگوں کو جو پابندی کے ساتھ مسجد میں جا کر امام کیساتھ نماز پڑھتے تھے، ممتاز جگہ حاصل ہوگی۔ (زاد المعاد ص ۱۳ جلد اول)

وقف اور تولیت

مسجد کے لیے جو زمین وغیرہ وقف کی جاتی ہے اس سے یقینی طور پر واقف کی ملکیت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے وقف میں شرط ہے کہ واقف راستہ کے ساتھ اپنی اُس ملکیت سے علیحدہ ہو جائے اور لوگوں کو نماز کی عام اجازت دیدے، اس اجازت کے بعد اگر ایک شخص نے بھی اس میں نماز پڑھ لی تو وہ مسجد ہوگئی۔ واقف کی ملکیت سے علیٰحدگی کا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ملکیت حسبۃً للہ ہو جائے گی اور سپردگی بحقِ مسجد ثابت ہو جائیگی۔

بعض ائمہ کہتے ہیں کہ وقف کے بعد قبضہ کے ثابت ہونے کے لیے باجماعت نماز ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ مقصود بالذات مسجد سے جماعت ہی کی نماز ہے، انفرادی طور پر تو ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، چنانچہ اذان واقامت کا مقصد بھی جماعت ہی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک ہی شخص نماز پڑھے مگر اذان واقامت کے ساتھ تو قبضہ کے لیے یہ کافی ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کا یہ کہنا ہے کہ صرف واقف کا وقف کا اعلان ہی مسجدیت کے لیے کافی ہے۔

تولیت

مسئلہ تولیت میں واقف کو اختیار ہے کہ تولیت اپنے اور اپنے خاندان کے لیے محفوظ رکھے یا وہ جس کو چاہے بخش دے، مگر جب متولی میں شرعی اعذار پیدا ہو جائیں تو اس عہدہ

سے برطرف کردیا جائے گا، مثلاً وہ غیر مامون ہو، عاجز ہو، فاسق ہو یا فاجر کہ اس کو شراب پینے کی عادت ہوگئی یا کیمیا میں مال خرچ کرنے لگا، تو ایسی صورت میں متولی کو تولیت سے علیحدہ کردینا ضروری ہے۔

کوئی متولی خائن ہو جائے تو اس کو بھی قاضی معزول کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی متولی سال بھر پاگل رہے تو وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ البتہ صحت یاب ہونے پر وہ دوبارہ متولی ہوسکتا ہے۔

مسئلہ:۔ واقف نے اگر یہ شرط لگادی ہے کہ تولیت اس کی اَولاد در اَولاد رہے گی تو جب تک اس خاندان سے کھلی ہوئی خیانت ثابت نہ ہو جائے یا کوئی اور ایسا عذر محقق نہ ہو جائے جس سے معزولی جائز و ضروری ہو، قاضی کسی اور کو متولی نہیں بنا سکتا اور اگر وہ ایسا بغیر کسی معقول عذر کے پائے جانے کے کرنا چاہے تو قاضی کا یہ فعل درست نہ ہوگا۔ ہاں جن اسباب کی بناء پر متولی کے علیحدہ کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، ان میں سے کوئی سبب یا عذر پایا جائے تو قاضی اس کو علیحدہ کردے گا۔

مسئلہ:۔ جس وقف کی تولیت کسی متعین شخص یا خاندان سے مخصوص نہ ہو یا انتخاب کا حق اہلِ مسجد پر ہو تو اس وقت متولی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے گا جو اس عہدہ کا خواہاں نہ ہو، کیونکہ جو عہدہ کا خواہشمند ہوتا ہے وہ عموماً اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں رکھتا ہے اور کسی فاسد نیت سے اس کا خواہاں ہوتا ہے۔

حقِ انتخاب

مسئلہ:۔ متولی کے انتخاب کا حق واقف کو ہے، پھر حاکم اور قاضی کو یا واقف نے جن لوگوں کو اس کا اختیار دیا ہے، جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں عموماً یہ اختیار محلّہ کی پبلک کو واقف دیتے ہیں جن کو دین سے لگاؤ ہو۔

مسئلہ:۔ متولی نے اگر وقف کی کوئی چیز بیچ دی یا رہن رکھ دی تو یہ خیانت سمجھی جائے گی اور اس کو معزول کردیا جائے گا، یا اس کا کسی ثقہ آدمی کو شریک کار بنا دیا جائے گا۔

(عالمگیری باب تصرف القیم)

مسئلہ :۔ایک شخص کئی وقف کا متولی ہے، اگر اس سے کسی ایک وقف میں بھی خیانت ثابت ہوگئی تو اسے کل اوقاف سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے۔ (درمختار بر حاشیہ ردالمختار ص ۴۲۱ جلد ۳)

مسئلہ:۔متولی خائن ہو جائے تو قاضی کے لیے جائز ہے، کہ اس کو معزول کر دے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ایسا شخص جس کو تہمت لگانے کے جرم میں حد لگائی گئی ہے مگر اب اس نے توبہ کر لی ہے، ایسے شخص کو متولی بنانا جائز ہے۔ (ایضاً)۔

متولی کے اَوصاف

متولی کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ اَمانت دار، معتمد، دیانت دار اور متقی ہو، خائن، چور اور مسرف (فضول خرچ) نہ ہو۔ پھر یہ کہ وہ عاقل و بالغ ہو، اس کا لحاظ نہیں ہے کہ وہ آنکھ والا ہو یا اندھا مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ اندھا اور عورت بھی متولی ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی خوشی سے اپنی جگہ اپنی زندگی میں کسی اور کو متولی بنا دے۔ البتہ اگر اس کو مختار کل بنا دیا گیا ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔

متولی کے فرائض

تولیت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے اختیارات لامحدود ہوں، بلکہ اس کے اختیارات کی شریعت نے تعیین کر دی ہے اور اس کے فرائض بیان کر دیئے گئے ہیں جن کی پابندی متولی کے لیے ضروری ہے۔ اپنی مفوضہ خدمت سے زیادہ کا اس کو اختیار نہیں ہے۔

مسئلہ :۔واقف نے اگر مشاہرہ کا اس کے لیے تعین کر دیا ہے تو اس کو اس کا لینا جائز ہے، ورنہ بقدر اجرت کے اجازت ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیٔ ص ۴۰۴ ج ۱)

مسئلہ :۔متولی کے لیے جائز ہے کہ بوقتِ ضرورت مسجد کی صفائی اور روشنی کے لیے ملازم رکھے، مگر مشاہرہ مناسب اور دستور کے مطابق مقرر کرے۔ زیادہ دے گا تو وہ ضامن ہوگا، ہاں وہ اپنے پاس سے زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ (فتح القدیر کشوری ص ۸۸۰ جلد ۲)

مسئلہ:۔متولی وقف کی بچت سے یعنی صرف کرنے کے بعد جو بچے گا، اس سے ذرائع

آمدنی خرید کرے گا جو وقف ہی ہوگا لیکن اس خریدی ہوئی چیز کا حکم وقف کا نہ ہوگا۔یعنی ضرورت کے وقت یہ بعد کی خریدی ہوئی چیز فروخت ہوسکتی ہے۔(ایضاً)۔

مسئلہ:۔وقف میں جو گھر ہے اس میں کوئی متولی کی اجازت حاصل کیے بغیر رہے گا تو اس کو اُجرت مثل وجوباً دینی ہوگی۔(ایضاً)۔

مسئلہ:۔متولی ضرورت کے وقت وقف میں اپنا مال لگا سکتا ہے،اور اس نے اگر اپنی لکڑی مسجد کے کام میں دی ہے تو پھر لے سکتا ہے۔(فتح القدیر کشوری جلد۲ ص ۸۸۰)

مسئلہ:۔متولی وقف کی آمدنی سے تیل، چٹائی اور فرش کے لیے اینٹ سیمنٹ خرید سکتا ہے، بشرطیکہ وقف نامہ میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً یہ جملہ ہو کہ مسجد کے مصالح اور اس کی ضرورت میں خرچ کر سکتے ہیں، البتہ اگر کسی متعین کام کے لیے ہی وقف کی آمدنی وقف کی گئی ہو تو اس کے سوا دوسرے کام میں نہیں خرچ کر سکتے، مثلاً مسجد بنانے ہی کے لیے ہو تو اس سے چٹائی روشنی اور فرش کا نظم نہیں کر سکتے۔(ایضاً)۔

مسئلہ:۔متولی کو جب وقف نامہ کی تفصیل کا علم نہ ہو تو اس مجبوری میں اپنے پیش رو کی تقلید کرے گا۔(ایضاً)۔

مسئلہ:۔متولی وقف کیلئے اس وقت تک قرض نہیں لے سکتا جب تک کوئی ضروری اور ناگزیر امر پیش نہ آئے اور پھر ایسے وقت میں قاضی کی اجازت بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔قاضی کی اجازت کے بغیر قرض نہ لے گا۔قاضی کی اجازت سے قرض ضرورت کے لیے لیا گیا ہو تو اسے وقف کی آمدنی سے ادا کرے گا۔اسی طرح وقف میں زراعت ہوتی ہو اور بیج نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے بیج بھی قرض لے سکتا ہے۔واضح رہے متولی کے لیے یہ قرض اسی وقت جائز ہے جب اس کے ہاتھ میں کچھ نہ ہو اور وہ اسے ادا بھی کر دے۔

(فتح القدیر جلد جلد۲ ص ۸۸۱)

مسئلہ:۔متولی کے پاس وقف کے روپے تھے، مگر اس نے وقف کے لیے کوئی چیز اپنے ذاتی روپے سے خریدی تو ایسی حالت میں بالاتفاق یہ جائز ہے کہ وقف کے خزانے سے اپنے روپے لے لے۔(ایضاً)۔

مسئلہ :۔ وقف شدہ مکان کو متولی رہن (گرو) نہیں رکھ سکتا، اگر اس نے رہن رکھ دیا اور مرتہن نے اس میں سکونت اختیار کر لی تو ایسی صورت میں اس کو مروجہ کرایہ دینا پڑے گا. (ایضاً)

مسئلہ :۔ متولی نے وقف کے روپے اپنی ضرورت میں صرف کر دیئے پھر اتنا ہی اپنے مال سے وقف میں خرچ کر دیا یا وقف کے خزانہ میں داخل کر دیا تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ (ایضاً)۔

مسئلہ :۔ وقف کے روپے جمع تھے، کفار کی جانب سے مسلمانوں پر ناگہانی آفت یا مصیبت ٹوٹ پڑی، جس کے دفعیہ کے لیے روپے کی ضرورت ہوئی تو ایسی حالت میں دیکھا جائے کہ اگر جامع مسجد سے تعلق اور مسجد کو اس کی فوری ضرورت نہیں ہے تو حاکم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ وقف کے روپے بطور قرض مسلمانوں کو آفت اور مصیبت سے بچانے کے لیے خرچ کرے۔ (ایضاً)

مسئلہ :۔ مسجد کی مصلحت کے لیے جو وقف ہے اس کی آمدنی سے مسجد کے دروازہ پر ظُلّہ (چھت سایہ کے لیے) بنوانا متولی کے لیے جائز ہے، تاکہ بارش کے نقصان سے محفوظ رہے۔ ہاں جب وقف مسجد کی تعمیر اور مرمت کے لیے مخصوص ہو تو ظلہ نہیں بنوا سکتا، مگر ظہیر الدینؒ کہتے ہیں کہ وقف عمارت مسجد پر ہو یا مصالح مسجد پر دونوں برابر ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے، لہٰذا بنوانا جائز ہوگا۔ (ایضاً)۔

موجودہ دور میں متولی

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے موجودہ دور میں وقف کا جو حشر ہو رہا ہے اور متولی جس طرح دیدہ و دانستہ کوتاہی کرتے ہیں اس پر چند کلمات لکھنا ضروری ہے: پہلے اس امر کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ واقف، وقف کس نیت سے کرتا ہے، سب جانتے ہیں کہ وقف کر کے یہ چاہتا ہے کہ جس کام کے لیے وقف کیا گیا ہے وہ حسن و خوبی سے اداء ہو، اخراجات کہ نہ ہونے کی وجہ سے کام کے تعطل کا جو خطرہ ہے وہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے اور مسجد کا واقف تو ایک بڑی گہری فکر کے ساتھ اس کام کو انجام دیتا ہے۔ اس کی نیت کس قدر صالح ہوتی ہے کہ مسجد کا نظم عمدہ پیرایہ سے برقرار رہے، ''دربار الٰہی'' کی صفائی ہو، اس میں روشنی ہو، اس کے حاضرین کو ہر طرح کا ذہنی اور خارجی آرام ہو، اور اس وقف کی آمدنی سے ''دربارِ

الٰہی'' کے کام کاج مزے سے چلتے رہیں۔ خدانخواستہ اس کی نیت مال کو ضائع کرنا نہیں ہوتی ہے اور نہ اس کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ متولی اپنے عیش وآرام میں صرف کرے، متولی اس لیے کوئی بھی نہیں بناتا کہ وقف برباد ہو، اسی لیے عموماً وقف ناموں میں متولی کا انتخاب بہت سی قیدوں کے ساتھ درج ہوتا ہے۔

تولیت کے لیے شرائط

متولی ان تمام شرطوں کو جب پوری کرتا ہے تب کہیں وہ اپنے عہدہ کو ادا کرتا ہے۔ میں نے ایسے وقف نامے بھی دیکھے ہیں جن میں تولیت اپنے خاندان میں رکھی گئی ہے مگر شرائط وقیود لکھ کر اس کی صراحت کردی گئی ہے کہ اگر ان شرائط وقیود کے مطابق کوئی فرد میرے خاندان کا وقف کو نہ چلا سکے تو اس کو برطرف کردیا جائے۔

متولی کے لیے تقریباً ہر وقف نامہ میں درج ہوتا ہے کہ وہ عاقل وبالغ ہونے کے ساتھ امانت دار ہو، دیانت دار ہو، ذی ہوش اور اوقاف کی بھلائی چاہنے والا ہو، وقف کی آمدنی حفاظت سے خرچ کرے، ذرائع آمدنی کی حفاظت کرے، اس کو ترقی دینے کی سعی پیہم جاری رکھے اور پھر حلف نامہ میں جو مصرح شعبے ہوتے ہیں اس کے خلاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی لعنت سے ڈرایا جاتا ہے۔

متولی کی غفلت

بایں ہمہ متولی کی وقف کی اصلاح وترقی سے چشم پوشی حد درجہ افسوسناک ہے اور قصداً وقف کے انتظام میں کوتاہی ناقابلِ برداشت، عموماً یہ منظر کم وبیش ہر جگہ نظر آتا ہے کہ کافی آمدنی ہوتے ہوئے بھی مسجد کا نظم خراب تر ہو رہا ہے، نہ مسجد میں صفائی ہے، نہ روشنی کا انتظام ہے، فرش ٹوٹ رہا ہے، دیواریں گر رہی ہیں، وضوخانہ میں پانی ناپید ہے اور امام ومؤذن وقت کی پابندی سے کام نہیں کرتے ہیں، مزید یہ اور غضب ہے کہ وقف نامہ کی صراحت کے باوجود امام کا انتخاب صرف مشاہرہ کی وجہ سے نامعقول ہے، ایسا امام جو خود مسائلِ ضروریہ سے واقفیت نہیں رکھتا دوسروں کی راہنمائی کیا کرے گا؟

متولی کو یقین رکھنا چاہئے کہ کل اس کو بھی مرنا ہے، اپنے اعمال واخلاق کا حساب دینا ہے اور اپنی اس ذمہ داری اور پھر کوتاہی کے سوال کا جواب پیش کرنا ہے، اپنے فرائض سے کوتاہی وہ جرمِ عظیم ہے جس کی گرفت سخت تر ہوگی۔

یہ کیا ظلم ہے کہ وقف کی آمدنی کا نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ اخراجات کے اصول وقواعد، یہ پتہ نہیں کہ ہمیں کون سا کام کرنا چاہئے اور کس جگہ خرچ کرنے سے پرہیز، وقف کی آمدنی ایسے کام میں خرچ کرنا جس میں نام ونمود مقصود ہو اور وقف کو جس سے فائدہ نہ ہو، اپنی ذمہ داری کے احساس کا فقدان ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وقف کی آمدنی بعض اپنی آمدنی سے ملا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وقف کی چیز میری ہے۔

ایک مردِ مؤمن کو ان بے اعتدالیوں سے ڈرنا چاہئے، اور مفوضہ خدمات باحسن وخوبی انجام دینا چاہئے یا پھر اس سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔

(اسلام کا نظام مساجد از مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند از ص ۲۲۱ تا ۲۲۷)

کتبِ موقوفہ

اخیر میں ایک بات اور یاد آگئی۔ بعض مسجدوں میں وقفِ میں کتابیں بھی ہوتی ہیں۔ متولی کا فرض ہے کہ ان کتابوں کی پوری حفاظت کرے اور کیڑوں کی خوراک نہ ہونے دے، ساتھ ہی اس سے اہلِ علم کو استفادہ کا موقع دے اور اگر وقف میں صراحت ہو تو طالب العلم کو بھی دینا چاہئے، ایک آدمی کتابوں کی حفاظت اور ان کے دینے لینے پر بھی متعین ہونا چاہئے۔

غیر پابند شرع کو متولی بنانا؟

سوال:۔ فاسق اور غیر پابند شرع کو مسجد کا متولی بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ مسجد شعائرِ اسلام میں سے ہے جو آدمی اسلامی شعائر کا محافظ، شریعت کا پابند ہو جس کے دل میں خدا کے خوف اور محبت نے گھر کر لیا ہو وہی اس کا محافظ اور متولی بن سکتا ہے۔ جو شعائر اسلام کا محافظ نہ ہو، شریعت کا پابند نہ ہو، نماز باجماعت کا پابند نہ ہو، فاسق

ہو یعنی گناہ، کبیرہ کا مرتکب ہو یا صغائر (چھوٹے گناہ) پر مصر ہو، شراب پینے کا عادی ہو، سود خور ہو، وہ اللہ کے گھر کا متولی نہیں بن سکتا۔ فاسق اور بے دین کو اللہ تعالیٰ کے گھر کا محافظ بنانے میں مسجد شعائرِ دین امام اور مؤذن کی نیز نمازیوں کی بھی توہین وتحقیر لازم آتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ﴾۔ (سورۃ توبہ)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے گھر کو آباد کرنے کا کام ان پاک لوگوں کا ہے، جو خدا پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے، نماز کی پابندی کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:۔

''قرآن کریم نے یہ حقیقت واضح کردی کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہوسکتے ہیں۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق وفاجر آدمی مسجد کا متولی نہیں ہوسکتا کیونکہ دونوں (اللہ تعالیٰ کے گھر اور فاسق وفاجر) میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں۔ (وہ یہ کہ مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور فاسق وفاجر متولی خدا پرستی سے نفور۔

(تفسیر ترجمان القرآن ص ۸۰ جلد ۲)

اور فتاویٰ ابن تیمیہؒ میں ہے کہ نیک، دینداری، پرہیز گار متولی ملنے کے باوجود فاسق (غیر پابندِ شرع) کو متولی بنانا درست نہیں ہے۔ (ص ۱۵۰ جلد ۱)

''اسلام کا نظامِ مساجد'' میں ہے کہ خدا کے گھر کی خدمت وہی کرے جو خدا کا دوست ہے، جس کے دل میں اس کی محبت وخشیت گھر کر چکی ہو، ظاہری طور پر وہ ایسا ہو جس سے خدا پرستی نمایاں ہو۔ (ص ۱۲۹)۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی کسی جماعت میں کسی اہم کام کی ذمہ داری کسی ایسے شخص کے حوالہ کرے جب کہ جماعت میں ایسا آدمی موجود ہو جو اس سے زیادہ خدا کی رضامندی چاہنے والا اور خدا کے احکام کی زیادہ پابندی کرنے والا ہو تو منتخب کرنے والے

نے خدا کی خیانت کی اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کی اور تمام مسلمانوں کی خیانت کی۔

(ازالۃ الخفاء ص ۲۶ ج ۲ وفتاویٰ ابنِ تیمیہ ص ۱۰۰)

درمختار، شامی وغیرہ میں ہے کہ جب متولی میں شرعی اَعذار اور قباحتیں پیدا ہو جائیں تو اسے عہدہ سے برطرف کر دیا جائے جیسے کہ وہ غیر مامون ہو، عاجز ہو، فاسق وفاجر ہو یا اس کو شراب نوشی کی عادت ہوگئی ہو تو اسے تولیت سے ہٹا دینا ضروری ہے۔

(ص ۴۲۱ واسلام کا نظامِ مساجد ص ۲۲۲)

نیز متولی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے گا جو عہدہ کا خواہاں نہ ہو۔ (ایضاً)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متولی بنانے میں ان باتوں کا خیال ولحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دینی علم رکھتا ہو، وقف کے احکام سے واقف ہو امانت دار ہو، متقی و پرہیز گار ہو، یعنی اس کی زندگی پیغمبر اسلام رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ حسنہ کے مطابق ہو، مگر افسوس اس زمانہ میں صرف مالداری دیکھی جاتی ہے اگر چہ وہ شخص بے علم وعمل ہو، نماز وجماعت کا پابند نہ ہو، فاسق، حالانکہ مسجد کا متولی حقیقت میں نائب خدا شمار ہوگا تو ایسے عظیم الشان منصب کے لیے اس کے شایان شان متولی ہونا چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بڑے بڑے عہدے نااہلوں کے سپرد کیے جائیں گے اور قوموں کا سردار فاسق بنے گا۔

(مشکوۃ ص ۴۷ جلد ۲ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۷ جلد ۱۰، وص ۱۵۷ جلد ۲ وفتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۸ جلد ۱۸)

متولی کی ذمہ داریاں؟

سوال:۔ متولی کے لیے کن امور کا انجام دینا ضروری ہے؟

جواب:۔ مسجد کی آبادی اور تمام ضروریات کا انتظام کرنا، حساب صاف رکھنا، مسجد میں غلط کام نہ ہونے دینا، نمازیوں اور امام کا حسبِ حیثیت مسجد سے متعلق تکالیف کا رفع کرنا، ہر ایک کا اس کی شان کے موافق اکرام کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا، عہدہ کا طالب نہ ہونا، احکامِ شرع کے تحت اپنی اصلاح میں لگے رہنا۔

یہ اوصاف جس متولی میں ہوں وہ قابلِ قدر ہے، اس کو علیحدہ نہ کیا جائے۔ جس

متولی میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ ان اوصاف کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۵ جلد ۱۸، وص ۲۸۳ جلد ۱۲ بحوالہ بحر ص ۳۲۶ ج ۵)

مسئلہ:۔ اگر مسجد میں کام زیادہ ہو، تنہا انجام دینا دشوار ہو تو متولی اپنا نائب رکھ سکتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۸ جلد ۲)

متولی کا ازخود اپنی تولیت رجسٹرڈ کرالینا؟

سوال:۔ ایک مسجد کے متولی نے کسی وجوہات سے دوسرے شخص کو متولی بنا دیا، جدید متولی نے لوگوں کو بتائے بغیر اپنے نام سرکاری طور پر سے جسٹری کرالی کہ پانچ سال تک مجھے کوئی تولیت سے نہیں ہٹا سکتا، میں ہی مسلمانوں کا متولی اور صدر رہونگا۔ کیا متولی کا اس طرح رجسٹری کرانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قدیم متولی صاحب نے بغیر اہلِ الرائے کے مشورہ کے خود بخود ہی نئے آدمی کو متولی بنا دیا، یہ غلطی کی، جس کی وجہ سے اب پریشانی ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے متعلق کوئی کمیٹی بھی نہیں۔ اب جب کہ جدید متولی نے اپنے نام کا رجسٹری کرالی ہے کہ پانچ سال تک مجھ کو کوئی ہٹا نہیں سکتا تو قانوناً اس کو پختگی حاصل ہوگئی۔ اس کا اپنے حق میں اس طرح رجسٹری کرالینا اور اپنے نئے صدر اور متولی ہونے کے اختیارات حاصل کرلینا شرعاً درست نہیں تھا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۴ جلد ۱۸)

غیر مسلم کو مسجد کا متولی بنانا؟

سوال:۔ اگر جائداد وقف کا انتظام مسلمانوں کے سپرد کیا جائے تو ضیاع کا قوی اندیشہ ہے اور یہ کہ غیر مسلم بڑے اعتقاد کے ساتھ انتظام اور آمدنی کی حفاظت کرتا ہے اور مصارف مقررہ مد میں خرچ کرتے ہیں، نیز جنوبی ہند میں ایسی چند مساجد بھی ہیں جن کا باقاعدہ انتظام ہنود چلاتے ہیں مؤذن اور امام نمازیوں کے مشورہ سے رکھتے ہیں اور تمام مصارف بروقت ادا کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ آپ کا خط پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ مسلمان اتنا گر گیا ہے، اس میں نہ

انتظام کی صلاحیت رہی نہ دیانتداری رہی، یہاں تک کہ اس کی عبادت گاہ کا انتظام وہ کرتا ہے جوخود ہی اس عبادت کا قائل نہیں۔

جب ایسی مجبوری ہے کہ وقف کے محفوظ رہنے اور انتظام کے برقرار رہنے کی صرف یہی صورت ہے تو مجبوراً برداشت کیا جاسکتا ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۳ جلد ۱۵)

بے نمازی کا متولی ہونا؟

سوال:۔ جومتولی مسجد نماز نہیں پڑھتا وہ متولی رہنے کے قابل ہے یا نہیں؟

جواب:۔ متولی کی اصل خدمت انتظام واہتمام مسجد ہے، اس میں ماہر ہونا ضروری ہے، لیکن چونکہ متولی کو امین اور دیانتدار ہونا بھی لازم ہے اور جو شخص تارکِ فرائض ہے وہ فاسق ہے اور فاسق کو متولی بنانا جائز نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۵۲ جلد ۲ بحوالہ عالمگیری ص ۹۹۶ جلد ۲)

مسئلہ:۔ بے نمازی کو مسجد کی کمیٹی کا چیئرمین یا صدر یا کوئی ممبر بنانا جائز نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۱۴۱ جلد ۳)

کیا متولی خاندانِ واقف میں سے ہو؟

سوال:۔ جس قوم نے جو مسجد تعمیر کرئی ہے کیا یہ لازمی ہے کہ ہمیشہ کو متولی اسی قوم (وخاندان) سے ہو، اگر چہ کوئی وقف نامہ تحریری ایسی ہدایت کا موجود نہ ہو؟

جواب:۔ جب (وقف کرنے والے) نے کسی کو متولی نہیں بنایا اور موجودہ متولی مال وقف کو صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتا، تو اَرباب حل وعقد کو چاہئے کہ حاکم مسلم کے ذریعہ سے باقاعدہ متولی موجودہ کو معزول کرا کے دوسرے دیانت دار شخص کو متولی بنائیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۰ جلد ۶)

مسئلہ:۔ واقف خود بھی متولی بن سکتا ہے، جو شخص جائدادِ موقوفہ کا حسب شرائط وقف دیانتداری سے انتظام کرسکے وہ اہل ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۷ ج ۱۵)

مسئلہ:۔ وقف صحیح ہونے کے لیے رجسٹری ہونا شرط نہیں ہے، زبانی بھی درست اور کافی ہوتا ہے اور ایسی صورت میں نماز اس مسجد میں درست ہے۔

مسئلہ :۔اگر واقف نے وقف نامہ میں یا زبانی کسی کو متولی نہیں بنایا تو سربرآوردہ مقامی معزز دیندار مسلمان مسجد کی آمدنی کو مصالح مسجد پر صرف کریں اور اس کے محافظ رہیں۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۸ جلد ۶)

مسئلہ :۔ بانی مسجد کے خاندان میں جب تک متولی ہونے کے اہل موجود رہیں، تو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہیں متولی ہونے کے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۵ ج ۱۸)

مسجد کی زائد آمدنی واقف کی اَولاد پر

مسئلہ :۔ جو جائداد مسجد کے لیے وقف کردی گئی ہے اس کی آمدنی مسجد کے علاوہ واقف کے خاندان پر صرف کرنا درست نہیں ہے اگر آمدنی کی رقم زائد ہے تو اس کے ذریعہ دیگر جائیداد خرید کر وقف میں اضافہ کردیا جائے پھر زائد آمدنی دیگر حاجتمند مساجد پر بھی صرف کرنے کی گنجائش ہوسکے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۴ جلد ۱۷)

مسجد کی تولیت میں وراثت؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی روپیہ سے مسجد بنادے اور عام اجازت نماز کی دے دے تو کیا اس کے مرنے کے بعد وُرثاء کو اختیار ہے کہ اس مسجد میں نماز سے لوگوں کو روک دیں؟

جواب:۔ مسجد ذاتی روپیہ سے وقف شدہ زمین میں تعمیر کر کے تمام مسلمانوں کو اجازت دیدی اور وہاں پر اذان و جماعت پنجگانہ اور جمعہ کی نماز شروع ہوگئی کسی پر کوئی روک ٹوک نہیں، اور محکمۂ اوقاف میں اس کا اندراج بھی مسجد ہی کے نام سے ہے تو بلاشبہ وہ شرعی مسجد ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، نہ اس پر کسی کا دعویٰ مِلکیت صحیح ہوگا، نہ وہاں کسی کو نماز پڑھنے سے روکا جائے گا، مسجد قاضیان یا کسی بھی نام سے موسوم ہوجانے کی وجہ سے اس کے مسجدِ شرعی ہونے میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔ مسجدِ اکبری، مسجد عالمگیری، بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں۔ اور بخاری شریف میں مستقل مضمون ہے کہ مسجد بنی فلاں سے موسوم کرنا صحیح ہے۔ جو شخص جس مسجد میں نماز پڑھتا ہے یا جس کے مکان کے قریب جو مسجد ہوتی ہے اس کو اپنی مسجد کہا کرتا ہے، اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مملوکہ مسجد ہے۔

جو جائیداد مسجد کی زمین میں بنائی جائے اور محلّہ والے چندہ کر کے مسجد کے لیے بنائیں، اس پر کسی خاص شخص یا خاندان کا دعویٰ ملکیت ہر گز صحیح نہیں ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۷ جلد ۱۵)

متولی کا شرائطِ واقف کے خلاف عمل؟

مسئلہ:۔ متولی کو واقف کے شرائط کی پابندی لازم ہوتی ہے، جب تک وہ شرائط موافق شرع ہوں، اور وقف کے لیے نافع ہوں، مضر نہ ہوں۔ جو متولی شرائطِ واقف کے خلاف کرتا ہو وہ تولیت سے علیحدگی کا مستحق ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۳۳ جلد ۱۵)

متولی کے اِختیارات

مسئلہ:۔ جو کام مصالحِ وقف کے موافق اور احکامِ شرع کے مطابق ہوں متولی کر سکتا ہے جو کام اس کے خلاف ہوں، ان پر اعتراض کا حق ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۷ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔ عام چندے کی رقم سے مسجد کے کام میں بے جا اور نامناسب خرچ کرنے کا متولی کو اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۹ جلد ۲)

متولی کے عزل کے اَسباب؟

مسئلہ:۔ مصالح وقف کی رعایت نہ رکھنے اور خلافِ شرع عمل کرنے کیوجہ سے متولی مستحق عزل ہوسکتا ہے۔ بعد جماعتِ منتظمہ خود یا کسی وقف بورڈ یا حکومت کے ذریعہ سے اس کو معزول کرایا جاسکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۷ جلد ۱۵ و احسن الفتاویٰ ص ۴۶۵ جلد ۶)

مسئلہ:۔ متولی مسجد اگر مسجد کا انتظام نہ کرے۔ (آمدنی کھالے) تو ایسے متولیوں کو تولیت سے الگ کرنا واجب ہے، دیانت دار متبع شریعت، با اثر، چند حضرات کی کمیٹی بنالی جائے اور موجودہ متولی کو برطرف کر کے وقف بورڈ کو اطلاع کر دی جائے۔ کہ فلاں تاریخ سے فلاں کمیٹی کے سپرد مسجد اور اس کی جائیداد کا انتظام کر دیا جائے اور قانونی طور پر مسجد کی جائیداد اور آمدنی کو ان کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور آمدنی و خرچ کا پورا حساب رکھا جائے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۴ جلد ۱۵)

کیا مسجد کا منتظم مسجد سے تنخواہ لے سکتا ہے؟

سوال:۔ ایک مسجد کے چار منتظم ہیں، مسجد کی کافی جائیداد ہے، اس کا کرایہ وصول کرنے کے لیے ایک ملازم رکھا تھا، اس نے استعفیٰ دیدیا ہے۔ اب ان چار منتظمین میں سے ایک بطور ملازمت کرایہ وصول کرنے کا کام کرے اور مشاہرہ لے تو شرعاً کیا حکم ہے یہ ملازمت کر سکتا ہے؟

جواب:۔ وقف نامہ میں تنخواہ دینے کا ذکر ہو تو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اگر کوئی ذکر نہ ہو اور مذکورہ خدمت مفت انجام دینے کے لیے کوئی منتظم تیار نہ ہو تو جو بھی کما حقہ، خدمت انجام دے سکے اس کو مناسب مشاہرہ طے کر کے دینا درست ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۱ جلد ۶ بحوالہ عالمگیری ص ۲۴۰ جلد ۳)

تبدیلئ تولیت

مسئلہ:۔ مساجد اللہ تعالیٰ کی ہیں، کسی کی کوئی مسجد ذاتی مِلک نہیں۔ ((وان المساجد لله)). (الآیہ) مسجد کے بانی کو حق ہے کہ جس کو مناسب سمجھے انتظام کے لیے متولی بنادے۔ البتہ جو شخص دیانتدار نہ ہو یا انتظام کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اُس کو متولی بنانا درست نہیں ہے۔ اگر بنادیا تو اس کو الگ بھی کیا جا سکتا ہے، بلا وجہ الگ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۴ جلد ۱۸)

مسئلہ:۔ مسجد کا متولی اور مدرسہ کا مہتمم عالمِ باعمل ہونا چاہئے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو نماز وروزہ کا پابند، اَمانت دار، وقف کے مسائل کا جاننے والا، خوش اَخلاق، رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہلِ علم کی تعظیم و تکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اُسی کو متولی و مہتمم بنانا چاہئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۶ جلد ۲)

مسئلہ:۔ شیعہ صاحبان اپنی مسجد سنیوں کو دیں تو قدیم شیعہ منتظم کے ہاتھ سے مسجد کا انتظام نہ لیا جائے کیونکہ جب قدیم زمانہ سے وہ مسجد کے انتظامات کرتے چلے آرہے ہیں اور کوئی نقصان یا خیانت بھی ثابت نہیں ہے تو ان کو انتظام سے الگ نہ کیا جائے، بلکہ ان کے ساتھ

تعاون کیا جائے، ہاں اگر خود ہی وہ انتظام سے دست بردار ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص۱۶۶ جلد ۱۸)

بانیٔ مسجد کون ہوگا؟

سوال:۔کون سا آدمی کس وقت بانیٔ مسجد کہا جا سکتا ہے کیونکہ زید کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے لڑکوں میں سے کسی نے وقف شدہ زمین پر مسجد بنائی، پھر بیس پچیس سال بعد اس کے دوسرے لڑکے نے پہلے مسجد کے سامان کو فروخت کر دیا اور یہ روپیہ اور مزید خود کا روپیہ، نیز دیگر لوگوں سے چندہ وصول کر کے دوسری مسجد (اسی جگہ) بنائی تو ان میں سے مسجد کا بانی کون ہوگا؟

جواب:۔جو آدمی جس وقت مسجد بنائے وہی بانیٔ مسجد ہے، پہلا شخص بانیٔ اول ہے، دوسرا شخص بانیٔ دوم ہے اور جن لوگوں نے اس میں چندہ دیا ہے اور محنت کی وہ بھی بناء میں شریک ہیں۔(فتاویٰ محمودیہ ص۱۹۲ جلد ۱۵)

مسئلہ:۔مسجد کی نسبت کسی شخص کی طرف اس کے بانی کی حیثیت سے یعنی مسجد کو بانی کے نام سے منسوب کرنا جائز ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (جب کہ بانی مسجد نے مکمل خرچہ تعمیر و زمین وغیرہ کا کیا ہو) لیکن جب بانیٔ مرحوم نے اپنی زندگی میں خود اپنے نام کی نسبت پسند نہیں کی تو ان کے لواحقین کو بھی پسند نہیں کرنا چاہئے۔(آپ کے مسائل ص۱۳۵ جلد ۳)

اپنے پیسے سے بنائی مسجد کو اپنی مِلک سمجھنا؟

مسئلہ:۔جو مسجد وقف کر دی گئی خواہ عوام کے پیسے سے اس کی تعمیر ہوئی یا کسی خاندان کے پیسے سے، یا کسی شخص خاص کے پیسے سے، بہر صورت وقف ہو جانے کے بعد اس پر کسی کا دعوئے ملک کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔((وان المساجد لله)).(الآیہ)

جو شخص مسجد کو اپنی ملک سمجھے اس کا سمجھنا غلط ہے، لوگ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا ترک نہ کریں، فتنہ و فساد سے پورا اجتناب رکھیں، اگر وہ شخص یا خاندان (جو مسجد کو اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے) دوسرے آدمیوں کو مسجد میں آ کر نماز پڑھنے سے روکے تو ایسا شخص یا ایسا خاندان

بڑا ظالم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:((ومن اظلم ممن منع مساجدالله ان یذکر فیھا اسمہٗ)) مگر اس حرکت پر بھی لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے کہ سر پھٹول ہو، مقدمہ بازی ہو۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۲۹ جلد ۱۸)

کیا متولی کو مسجد کی اشیاء کے استعمال کا حق ہے؟

سوال:۔ مسجد کے مکانات، سیڑھی اور دوسری اشیاء کے استعمال کا حق کس کو حاصل ہے، امام، مؤذن یا متولی کو؟

جواب:۔ مسجد کے مکانات کے استعمال کی کسی کو بھی اجازت نہیں، جو استعمال کرے وہ معاوضہ دے، امام یا مؤذن کو اگر کوئی مکان یا کمرہ دیا جائے تو وہ حق الخدمت میں دیا جائے یعنی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ آپ کو اتنی تنخواہ دی جائے گی اور رہنے کیلئے کمرہ ملے گا (یا مکان وغیرہ)۔ متولی وغیرا اگر استعمال کریں تو وہ بھی کرایہ ادا کریں۔ سیڑھی اور دیگر اشیاء مسجد بلا معاوضہ کسی کو بھی استعمال کرنے کا حق نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۶ جلد ۱۸)

اگر متولی کی خیانت ثابت ہو جائے؟

مسئلہ:۔ اگر متولی مسجد سے خیانت ثابت ہو جائے تو باقاعدہ حاکمِ وقت کے ذریعہ اس کا ثبوت دے کر تولیت سے علیحدہ کر دیا جائے اور اگر محض شبہ و ظن ہے ثبوت نہیں تو علیحدہ نہ کیا جائے، البتہ متولی کو لازم ہے کہ جملہ حساب و کتاب صاف رکھے، یا اربابِ حل و عقد کی ایک کمیٹی بنا دی جائے تا کہ کسی کو شبہ و اعتراض کی گنجائش نہ ہو۔

سرمایہ مساجد متولی کے پاس امانت ہوتا ہے اُس کو اپنے کام میں لانا یا کسی کو قرض دینا درست نہیں اس کو صرف مسجد کے کام میں خرچ کرنے کا حق ہے۔ ناحق اگر تصرف کرے گا تو ضامن ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۱ جلد ۱۰ بحوالہ عالمگیری ص ۴۲۰ جلد ۲ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۳ جلد ۹)

مسئلہ:۔ متولی کو چاہئے کہ مسجد کی تمام آمدنی اس کی ضروریات میں خرچ کرے اور جو بچ جائے اس کو مسجد کے لیے باقی رکھے، اپنے ذاتی صرف میں لانا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ (ایسا

کرے تو یہ خیانت ہے، اس متولی کو معزول کرنا چاہئے۔ اور مسلمان اہلِ شہر واہل محلہ اس وجہ سے اس کو معزول کر سکتے ہیں اور دوسرے شخص کو متولی بنا سکتے ہیں، وہ شخص بانی کی طرف سے متولی بنایا گیا ہو یا بعد میں متولی ہوا ہو، دونوں صورتوں میں اس کو الگ کر سکتے ہیں اور حساب وکتاب کر سکتے ہیں۔

درمختار میں ہے کہ اگر خود بانی بھی ایسی خیانت کرے تو اس کو معزول کرنا چاہئے۔

(فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۲۴۴ جلد ۵)

متولّی کا امام صاحب کو نوکر سمجھنا

مسئلہ:۔ امام کا منصب بہت بلند ہے، متولّی صاحب کا امام صاحب کو اپنا نوکر سمجھنا اور ذلّت آمیز معاملہ کرنا غلط اور ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۴ ج ۱۸)

مسئلہ:۔ پیش امام کی عزت وتوقیر کرنی چاہئے، اس کی بے عزتی اور توہین اور ہتک کرنا گناہ ہے۔ (کفایت المفتی ص ۹۲ ج ۳ ورحیمیہ ص ۳۵۵ ج ۴)

متولّی اور امام میں سلام وکلام نہ ہونا

مسئلہ:۔ بڑے غضب کی بات ہے کہ دعاء وسلام بالکل بند ہو فوراً دعاء وسلام شروع کر دی جائے۔ دوسرے حضرات دونوں کو ایک جگہ بٹھا کر کوشش کر کے دعاء وسلام کرا دیں۔ جو شخص ابتداء کرے گا وہ قابلِ مبارک باد ہوگا، امام صاحب اگر ابتداء کریں تو یہ ان کی بزرگی کے زیادہ لائق ہے۔ متولی صاحب اگر ابتداء کریں تو یہ ان کے لیے عین سعادت ہے۔

جس امام کے پیچھے نماز ادا کر کے اپنے اللہ کا حق ادا کرتے ہیں اور اپنی آخرت کو درست کرتے ہیں، ان سے ناراض رہنا، دعاء وسلام نہ کرنا اور ان کو ذلیل کرنا بہت بڑی محرومی اور بدقسمتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۵ جلد ۱۸)

(عام طور پر مسجدوں میں ایسے حضرات امام مقرر کیے جاتے ہیں جنہیں دنیا کی تو کیا دین کی بھی پوری واقفیت نہیں ہوتی، کم از کم ایسے شخص کو امام بنانا چاہئے جو لوگوں کی دینی اور اخلاقی اصلاح کر سکے، سماجی اُمور میں لوگوں کی شرعی راہنمائی کر سکے، اختلافی مسائل میں

فیصلہ کر سکے، معاشرہ کی اسلامی خطوط پر شیرازہ بندی کر سکے اور سماج میں اس کا مقام منصب امامت کے شایانِ شان ہو۔

امامت درحقیقت ایک بڑی ذمہ داری ہے، کیونکہ یہ وراثتِ نبوت ﷺ ہے۔ یہ ذمہ داری ان ہی لوگوں کو سونپی جانی چاہئے جو اس کے اہل ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جس کسی کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجتے تو اس کو ہی نماز کی امامت پر مأمور فرماتے تھے اور یہاں تک کہ جب کسی کو شہر کا حاکم بنا کر بھیجتے تو وہی نماز کی امامت کرتے اور حدود نافذ کرتے تھے۔

امام کو مقتدیوں کے حالات، مسائل، مشکلات اور ضرورت سے کس حد تک باخبر ہونا چاہئے اور کیسی وابستگی رکھنی چاہئے اس کا اندازہ ابومسعود الانصاریؓ کی روایت سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ میں نماز باجماعت نہیں پڑھتا ہوں کیونکہ فلاں صاحب بڑی لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ اس قدر خفا ہوئے کہ اس سے پہلے آپ ﷺ اتنا خفا نہیں ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! تم (نماز سے) لوگوں کو دور کرتے ہو۔

یعنی جو شخص نماز پڑھائے وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ جماعت میں مریض، کمزور اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ امت کے ساتھ جو تعلق اور قلبی لگاؤ آپ ﷺ کو ہے وہی تعلق آپ اماموں کا بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ تفصیل دیکھئے مسائل امامت۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

کیا متولی مسجد کا روپیہ معاف کرسکتا ہے؟

سوال:۔ مسجد کے متولی، امام یا مسجد کے کسی خدمتی مؤذن وغیرہ کو مسجد کی بقایا رقم جبکہ مجبوری ہو ادا نہ کرسکتا ہو، معاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ اس روپیہ کو معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، جو لوگ معاف کرانا چاہتے ہیں وہ چندہ کر کے اس کی طرف سے ادا کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۷ جلد ۱۲)

مسئلہ:۔ کسی کے ذمہ مسجد کے حقوق ہوں یعنی رقم وغیرہ تو متولی کو معاف کرنے کا حق

نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۶ جلد۲)

متولی کا امام کو پیشگی تنخواہ دینا؟

سوال:۔ امام صاحب مکان بنانا چاہتے ہیں، کیا منتظمہ کمیٹی انکو پیشگی رقم دیدے اور تنخواہ سے ماہوار کاٹتی رہے؟

جواب:۔ عرفِ عام کے مطابق پیشگی تنخواہ دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ ملازمت چھوڑنے کی صورت میں رقم واپس لینے اور وفات کی صورت میں ترکہ سے وصول کرنے کی قدرت ہو۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۴۷ جلد۴)

مسئلہ:۔ مسجد کی آمدنی سے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا جائز ہے اور کمی وبیشی کا فیصلہ وقف آمدنی سے مقدار لیاقت امام ومؤذن کے لحاظ سے کیا جاسکتا ہے۔ (کفایت المفتی ص ۶۲ جلد۷)

آمدنی کے باوجود متولی کا امام کو کم تنخواہ دینا؟

مسئلہ:۔ جب مسجد کی آمدنی کافی ہے اور امام وخطیب صاحب مدت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جمعہ کے دن بیان بھی کرتے ہیں، نیک اور متقی بھی ہیں اور صاحب عیال بھی ہیں تو مسجد کے متولیوں پر لازم ہے کہ ان کی تنخواہ میں، گرانی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اضافہ کریں، مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کے گھریلو اخراجات کے مطابق تنخواہ نہ دینا ظلم ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۲۶ جلد۹)

مسئلہ:۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسجد کے متولی اور مدارس کے مہتمم کو لازم ہے کہ خادمانِ مساجد ومدارس کو اس کی حاجت کے مطابق اور ان کی علمی قابلیت اور تقوےٰ وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ ومشاہرہ (تنخواہ) دیتے رہیں، باوجود گنجائش کے کم دینا بری بات ہے اور متولی خدا کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔

(درمختار وشامی ص ۳۸۹ ج ۳ وص ۸۷ ج ۳)

کیا متولی وقف کو فروخت کرسکتا ہے؟

سوال:۔ کسی وقف کے متولی نے وقف کے ایک حصہ کو بیچ کر بقایا حصہ کی مرمت پر

خرچ کردیا، کیا متولی کا یہ فعل شرعاً جائز ہے، کیا ایسا شخص متولی رہ سکتا ہے؟

جواب:۔ وقف کے کسی حصہ کی بیع (فروخت کرنا) جائز نہیں ہے، وقف کی آمدنی کرایہ وغیرہ سے مرمت کرنا درست ہے، اگر حاکم مسلم کے ذریعہ سے وقف میں ناجائز تصرف کرنے والے متولی کو علیحدہ کرنا دشوار ہو تو پھر قصبہ کے اربابِ حل وعقد متولی کو علیحدہ کرسکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۶۲ جلد ۶)۔

مسئلہ:۔ اصل یہ ہے کہ جب کوئی چیز شرعی قواعد کے مطابق وقف ہوجائے تو بیچنا ناجائز ہے، جس زمین کو شرعی مسجد بنادیا گیا، اس کی بیع کسی حال میں درست نہیں ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وقف بن چکی، جائیدادِ منقولہ جو کہ مسجد کی مِلک ہے وہ اس بارہ میں مسجد کے حکم میں نہیں ہے، جب مسجد غیرآباد ہوجائے اور کوئی توقع اس کی آبادی کی نہ رہے اور اس کی جائیداد ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی بیع درست ہے اور ایسی حالت میں بہتر ہے کہ بعینہ اس جائیداد کو کسی قریبی مسجد میں صرف کیا جائے، اگر یہ دشوار ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو دوسری مسجد میں خرچ کیا جائے، اور غیرآباد مسجد کا احترام باقی رکھنے کے لیے اگر اس کی چہاردیواری نہ ہو تو اس کا احاطہ بنایا جائے۔

اور جو جائیداد غیرمنقولہ زمین وغیرہ مسجد کے لیے خریدی گئی، مسجد کے غیرآباد ہونے یا ضرورت شدید پیش آنے کے وقت اس کی بیع اہلِ محلّہ کی رائے سے درست ہے۔

اور جو جائیداد غیرمنقولہ خود وقف کرنے والے نے وقف کی ہے اس کی بیع درست نہیں ہوئی بلکہ مسجد کے غیرآباد ہونے کی صورت میں اس جائیداد کی آمدنی کو دوسری قریبی مسجد پر اہلِ محلّہ کی رائے سے صرف کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۹۱ جلد ۶)

کیا متولی مسجد میں نماز پڑھنے سے عوام کو روک سکتا ہے؟

سوال:۔ اگر کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ ہو اور متولی نمازیوں کو دیکھ کر یہ کہے کہ شہر کے اندر بہت سی مساجد ہیں یہیں کوئی ضروری ہے؟ تو کیا اس کے یہ کہنے سے اس مسجد میں نماز ہوسکتی ہے؟

جواب:۔ شرعی مسجد سے کسی نمازی یعنی نماز پڑھنے والے کو نماز سے روکنے کا حق

کسی کو نہیں ہے، جو شخص روکتا ہے وہ غلطی پر ہے، اس کے روکنے کی وجہ سے وہ مسجد اس کی ملکیت نہیں ہو جائے گی، بلکہ اس کا رُکنا غلط ہوگا، اور نماز اس مسجد میں درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۹ جلد ۱۰)

مسئلہ :۔ جب کوئی شخص اپنی زمین میں مسجد بنا دے یا مسجد بنانے کے لیے زمین دیدے تو اس کو یہ حق نہیں کہ کسی بھی مسلمان کو وہاں نماز پڑھنے سے روکے، نماز پڑھنے سے روکنا بڑا ظلم ہے۔ ((وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ)) الخ۔ (سورۃ بقرہ پارہ ۱)۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۹۷ جلد ۱۰ و کفایت المفتی ص ۱۲۱ ج ۳)

مساجد میں نماز سے روکنا؟

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾

آیت کا شانِ نزول تو مفسرین کے نزدیک ان دونوں واقعوں میں سے کوئی خاص واقعہ ہے مگر اس کا بیان عام لفظوں میں ایک مستقل ضابطہ اور قانون کے الفاظ میں فرمایا گیا ہے تا کہ یہ حکم انہیں نصاریٰ یا مشرکین وغیرہ کے لیے مخصوص نہ سمجھا جائے بلکہ تمام اَقوام عالم کے لیے عام رہے، یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں خاص بیت المقدس کا نام لینے کے بجائے ''مساجد اللہ'' فرما کر تمام مساجد پر اس کے حکم کو عام کر دیا گیا، اور آیت کا مضمون یہ ہو گیا، کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی مسجد میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے روکے، یا کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد ویران ہو جائے تو وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

مساجد اللہ کی عظمت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان میں جو شخص داخل ہو ہیبت، وعظمت، اور خشوع وخضوع کے ساتھ داخل ہو، جیسے کسی شاہی دربار میں داخل ہوتے ہیں۔

اس آیت سے جو چند ضروری مسائل واحکام نکلے، ان کی تفصیل یہ ہے:

اول یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آدابِ مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں، جیسے بیت المقدس، مسجد حرام یا مسجد نبوی ﷺ کی بے حرمتی ظلمِ عظیم ہے، اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اگر چہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی وعظمت اپنی جگہ مسلم ہے کہ

مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی ﷺ و نیز بیت المقدس میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے، ان تینوں مساجد میں نماز پڑھنے کی خاطر دور دراز ملکوں سے سفر کر کے پہنچنا موجبِ ثوابِ عظیم اور باعث برکات ہے۔ بخلاف دوسری مساجد کے کہ ان تینوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل جان کر اس کے لیے دور سے سفر کر کے آنے کو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز و تلاوت سے صراحۃً روکا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور وشغب کر کے یا اس کے قرب و جوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز و ذکر وغیرہ میں خلل ڈالے، یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

اسی طرح اوقاتِ نماز میں جب کہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح وتلاوت میں مشغول ہوں، مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے، تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے، اسی لیے حضرات فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے، ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو، اس وقت ذکر یا تلاوت جہر کا مضائقہ نہیں۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس وقت لوگ نماز و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا یا کسی دینی کام کے لیے چندہ کرنا بھی ایسے وقت ممنوع ہے۔

تیسرا مرحلہ:۔ یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں، اس میں جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے، اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہیں جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے، اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لیے لوگ نہ آئیں، یا کم ہو جائیں، کیونکہ مسجد کی تعمیر و آبادی دراصل در و دیوار یا ان کے نقش و نگار سے نہیں، بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ﴾ (سورۃ بقرہ پ۲)۔ یعنی اصل میں مسجد کی آبادی ان لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور روزِ قیامت پر، اور نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔

اسی لیے حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قربِ قیامت میں مسلمانوں کی مسجدیں بظاہر آباد اور مزین وخوب صورت ہونگی، مگر حقیقتاً ویران ہونگی کہ ان میں حاضر ہونے والے نمازی کم ہو جائیں گے۔

اور اگر آیت کا شانِ نزول واقعۂ حدیبیہ اور مشرکینِ مکہ کا مسجد حرام سے روکنا ہے تو اسی آیت سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مساجد کی ویرانی صرف یہی نہیں کہ انہیں منہدم کر دیا جائے، بلکہ مساجد جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہیں یعنی نماز اور ذکر اللہ، جب وہ نہ رہے یا کم ہو جائے تو مساجد ویران کہلائیں گی۔

حضرت علیؓ کے اس ارشاد میں مسجدوں کے آباد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہاں خشوع وخضوع کے ساتھ حاضر بھی ہوں، اور وہاں حاضر ہو کر ذکر وتلاوت میں مشغول رہیں، اب اس کے مقابلہ میں مسجد کی ویرانی یہ ہوگی کہ وہاں نمازی نہ رہیں یا کم ہو جائیں۔

(معارف القرآن ص ۲۴۳ جلد اول تفسیر۔ سورۂ بقرہ پارہ ۲)

مسجدوں کا ایک اور نظام عیدگاہ کے نام سے

اس ہفتہ وار اجتماع کے علاوہ سال میں دو مخصوص اجتماع اور بھی ہوا کرتے ہیں۔ ایک کو عید الفطر کہتے ہیں اور دوسرا عید الاضحیٰ کے نام سے قائم ہے۔ اس کو مسجدوں سے بڑا گہرا تعلق ہے اور یہ مسجدوں کے نظام سے الگ نہیں کیا جا سکتا، عیدگاہ بہت سے شرعی احکام میں مسجد کے تابع ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ عموماً یہ اجتماع مسجد میں بھی ہوتا رہتا ہے، فرق یہ ہے کہ یہ پنج وقتہ نمازوں میں داخل نہیں ہے، بلکہ علیحدہ ہے اور سال میں یہ دو نمازیں روزانہ نماز سے زیادہ پڑھی جاتی ہیں۔ شریعت میں ان نمازوں کو وجوب کا درجہ حاصل ہے، اسی وجہ سے اس کے لیے نہ اذان ہوتی ہے نہ تکبیر بقیہ شرائط تقریباً وہی ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں۔

یہ اجتماع ہفتہ وار اجتماع کی نسبت سے ذرا شاندار ہوتا ہے، اس میں اہتمام کچھ

زیادہ ہوتا ہے اور عموماً اس کی ادائیگی بجائے مسجد کے باہر میدان میں ہوتی ہے، ایک میں صدقہ فطر کا حکم ہے اور دوسرے میں قربانی کا جس سے غرباء وفقراء کی تھوڑی بہت امداد ہو جاتی ہے، اور اس طرح وہ بھی اس مسرت میں برابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔

ذخیرۂ احادیث کو سامنے رکھ کر جب غور کیجئے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس موقع سے جہاں اور بہت سے فائدے اور مصالح مقصود ہیں وہ شکوہِ اسلام اور شوکت مسلمین کا اظہار بھی ہے اور غالباً اسی وجہ سے حکم ہے کہ ایک راستہ سے جائے اور واپسی دوسرے راستہ سے ہو، بلکہ ایک میں تو بآواز بلند تکبیر کا بھی حکم ہے۔

کتب حدیث میں یہ واقعہ بھی مندرج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عید کے موقع پر عورتوں کے اجتماع کا بھی حکم دیا ہے حتیٰ کہ ان عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم ہے جو نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ اس کی وجہ بعض علماء یہی بتاتے ہیں کہ شروع اسلام میں اس سے بڑی حد تک اظہارِ شان وشوکت تھا اور اب چونکہ یہ ضرورت اس پیمانہ پر باقی نہیں رہی اس لیے عورتوں کا اجتماع ناپسند کیا جاتا ہے۔

اجتماع عیدین کی اہمیت

ان اجتماع عیدین سے بھی خیر القرون میں کام لیا گیا ہے اور آج بھی ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم دین کی ان حکمتوں سے واقف نہیں اور یہ کہ اس اجتماع سے کام لینا چھوڑ دیا، آج بھی اگر ارباب فضل وکمال اس طرف توجہ دیں تو ان اجتماعات سے ایک بہت بڑی کانفرنس کا کام لیا جا سکتا ہے، دین کی باتوں کی اشاعت بسہولت ہو سکتی ہے، بہت سے ان مسلمانوں کو جو دین سے ناآشنا ہیں انہیں دین کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔

بہر حال آج ہم اپنی غفلتوں کی وجہ سے جو بھی کریں، مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان اجتماع دینی سے بڑا کام لیا۔ تبلیغ واشاعت میں ان سے آپ ﷺ کو بڑی مدد ملی ہے، جہاد جیسا اہم کام بھی اس موقع سے آپ ﷺ نے انجام دیا ہے بلکہ حدیث میں اس کا کچھ خصوصیت سے ذکر ملتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عید گاہ تشریف لاتے، سب سے پہلے نماز

ادا فرماتے، پھر فارغ ہوکر لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور لوگ اپنے جگہ بیٹھے ہوتے۔ان کو نصیحت فرماتے اور تاکیدی حکم دیتے۔اگر لشکر اسلام کی روانگی کا ارادہ ہوتا تو اس کو روانہ فرماتے، یا کسی ضروری کام کا انجام دینا منظور ہوتا تو اس کے متعلق حکم نافذ فرماتے، پھر واپس ہوتے۔(بخاری باب الخروج الی المصلی)

ملکی اور دینی کام

یہ حدیث کتنی واضح ہے، الفاظِ حدیث میں اس اجتماع کے مہتم بالشان ہونے پر کس قدر زور معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کتنا عظیم الشان مصرف لیا، مجاہدین کی روانگی کا کام کوئی معمولی کام نہیں ہے۔کاش اس سے ہم سبق حاصل کریں اور ملکی یا دینی جس طرح کا کام درپیش آئے اس سے مدد لیں، اس وجہ سے اور بھی کہ اس طرح کا اجتماع آج کل آسان کام نہیں اور غالباً اسی حکمت کے پیش نظر عید کا خطبہ نماز کے بعد رکھا گیا ہے کہ باطمینان تبلیغ واشاعتِ دین کا کام انجام پا سکے، بخلافِ جمعہ کے کہ وہ نسبۃً جلد جلد ہوتا ہے خطبہ نماز سے پہلے رکھا گیا ہے، بلاشبہ یہ بھی بات ہے کہ جمعہ کے بعد نوافل وسنن ہیں، جو عید کے بعد نہیں ہیں۔

اشاعت وتبلیغ کا موقع

آج بھی ہم اس اجتماع سے دینی اور دنیاوی فائدہ سے حاصل کر سکتے ہیں، یہاں اشاعت دین کا بڑا اچھا موقع ہے لوگ سب سے علیحدہ ہوکر صرف دین کے لیے جمع ہوتے ہیں اور سب سے کٹ کر ایک مقصد کے لیے دور، دراز سے چل آتے ہیں، خدا کرے مسلمانوں کی سوئی ہوئی بستی جاگے اور ''نظام مساجد'' کے ان اہم شعبوں پر غور وفکر کرے۔

(اسلام کا نظام مساجد ص۸۶ تا ص۸۸)

عیدگاہ اور مسجد میں فرق کیا ہے؟

سوال:۔عیدگاہ کا حکم شرعاً مسجد کی طرح ہے یا کچھ فرق ہے اور عیدگاہ کی حدود کے اندر اسکول یا دینی مدرسہ قائم کرنا کیسا ہے نیز عیدگاہ کی حدود کے اندر مویشیوں اور انسانوں کا

راستہ چلنا، بچوں کا کھیل کود کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عیدگاہ کے بالمقابل بلا حائل قبرستان ہو تو ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ جواز اقتداء میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے، اور بقیہ احکام میں مسجد کے حکم میں نہیں بلکہ فناء مسجد اور مدرسہ وغیرہ کے حکم میں ہے جو چیزیں فناء مسجد و مدرسہ وغیرہ میں جائز ہیں، وہ عیدگاہ میں جائز ہیں، اور جو وہاں ناجائز وہ یہاں بھی ناجائز ہیں۔ ظاہر ہے کہ مدارس اور فناء مسجد مویشیوں یا عوام کے راستہ کے لیے نہیں ہوتے، پس عیدگاہ کی اس سے حفاظت چاہئے۔ بچوں کا کھیل کھیلنا گنجائش رکھتا ہے، لیکن مستقل کھیل کے لیے عیدگاہ کو مقرر کرنا یا اس کو فیلڈ بنانا نہیں چاہئے۔

اگر قبریں بالکل متصل ہیں اور سجدہ کے سامنے ہیں تو وہاں نماز مکروہ تحریمی ہے اگر دائیں یا بائیں یا پیچھے ہیں تو اس ترتیب سے کراہت میں کمی ہے، اگر فاصلہ زیادہ ہے، تو کراہت نہیں (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۶ جلد ۸، کفایت المفتی ص ۱۲۹ جلد ۳ و احسن الفتاویٰ ص ۲۲۸ جلد ۶)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں نمازِ جنازہ جائز ہے۔　(کفایت المفتی ص ۱۴۳ جلد ۳)

مسئلہ:۔ عیدگاہ جوازِ اقتداء کے حق میں مسجد کے حکم میں ہے، بقیہ امور میں مسجد کے حکم میں نہیں، جیسا کہ بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے، اس طرح عیدگاہ میں ممنوع نہیں۔　(درمختار ص ۶۸۴ جلد اول)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں بطورِ تشکر نماز ادا کرنے کے لیے اجتماع ہوتا ہے، لہٰذا نمازِ عید اور عید کے مختلف احکام اور مواعظ بیان کیے جائیں۔ مسلم لیگ اور کانگریس رسوم (سیاسی) کے لیے علیحدہ اجتماع کیا جائے تو بہتر ہے۔

مسئلہ:۔ فٹ بال کھیلنا بھی وہاں غرضِ واقف کے خلاف ہے، اس سے بھی احتراز کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۱ جلد ۱۰ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۷ جلد ۶)

مسئلہ:۔ عیدگاہ بہت سے اُمور میں مسجد کے حکم میں ہے اس لیے عیدگاہ میں کھیل تماشہ اور کشتی وغیرہ کا کرنا اور ہارمونیم باجہ بجانا اور گانا یہ جملہ امور محرمہ حرام اور ناجائز ہیں۔ متولی عیدگاہ ہرگز ان اُمور کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا اور بلا اجازت یا با اجازت متولی بھی کسی کو

بھی ان امور کا ارتکاب عید گاہ میں کرنا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۵ جلد ۵ بحوالہ درمختار ص ۶۱۵ جلد اول)

مسجد کو عید گاہ بنانا؟

سوال:۔ ایک گاؤں میں ایک مسجد تھی، محلّہ والوں نے مشورہ کر کے دوسری مسجد بنائی، اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ پہلی مسجد کی جگہ میں کچھ جگہ چاروں طرف سے ملا کر عید گاہ بنالیں، دریافت طلب بات یہ ہے کہ پہلی مسجد کی جگہ کے ساتھ اور کچھ جگہ ملا کر عید گاہ بنائی جائے یا نہیں؟

جواب:۔ جس مقام پر عید گاہ کی نماز جائز ہے وہاں عید کی نماز مسجد میں بھی جائز ہے اور عید گاہ میں بھی جائز ہے، لیکن اگر عذر قوی نہ ہو تو عید گاہ میں جا کر پڑھنا سنت ہے پس اگر وہ گاؤں ایسا بڑا ہے کہ جس میں جمعہ و عیدین کی نماز درست ہے یعنی اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہے جس کی آبادی کم از کم تین ہزار ہو تو وہاں مسجد اور عید گاہ دونوں جگہ نماز درست ہے۔ اگر وہ گاؤں ایسا نہیں بلکہ چھوٹا گاؤں ہے، تو عید کی نماز نہ مسجد میں درست ہے اور نہ عید گاہ میں۔

مسجد کو عید گاہ بنانے کا مطلب اگر یہ کہ اس میں نمازِ پنجگانہ بھی ہوتی رہے اور وہ جگہ اس قدر وسیع ہو کہ ضرورت کے وقت عید کی نماز بھی ہو سکے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ اس وقت ہے جب کہ وہاں عید کی نماز درست ہو جاتی ہو، اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس کو صرف عید کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور نمازِ پنجگانہ اس سے موقوف کر دی جائے تو یہ قطعاً ناجائز ہے، خواہ وہاں عید کی نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، کیونکہ اس سے مسجد معطل ہو جائے گی۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۶۹ جلد ۲)

رفعِ فساد کے لیے دوسری عید گاہ بنانا؟

مسئلہ:۔ فساد و تفرقہ پیدا کرنے کے لیے دوسری عید گاہ بنانا ناجائز ہے، البتہ اگر فساد کسی وجہ سے پیدا ہو گیا اور اس کا دفعیہ بجز دوسری عید گاہ بنانے کے دشوار ہے تو دوسری عید گاہ بنانا

درست ہے، بہرحال جب وہ عیدگاہ بن چکی اور باقاعدہ وقف کردی گئی تو اس میں اور پہلی عیدگاہ میں دونوں جگہ نماز درست ہے۔ عیدگاہ مستحق تقدیم ہے، حتی الوسع رفعِ فساد ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۰۷ جلد ۲)

مسئلہ:۔ جب کہ ایک عیدگاہ کافی ہے تو بلاضرورتِ شرعی دوسری عیدگاہ بنانا شریعت کی منشاء کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۶ جلد ۶)

مسئلہ:۔ شہر وسیع ہو، دور دور تک مسلمان آباد ہوں اور عیدگاہ تک پہنچنا دشوار ہو تو ضرورت اور دفع حرج کے پیشِ نظر ایک سے زائد عیدگاہ ہیں بنانا درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۷ جلد ۶)

چھوٹی بستی میں عیدگاہ بنانا؟

مسئلہ:۔ جبکہ بستی اتنی چھوٹی ہے کہ وہاں نمازِ جمعہ قائم کرنے کی شرائط نہیں پائی جاتیں تو وہاں عید کی نماز بھی ادا کرنا صحیح نہیں۔ اور جب ان پر عید کی نماز نہیں ہے تو عیدگاہ بنانا بھی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا یہ (چھوٹی بستی والے) تارکِ سنت نہ ہوں گے۔ البتہ قصبہ میں (جہاں پر نماز جمعہ جائز ہے) اگر عیدگاہ نہیں ہے تو ان پر عیدگاہ بنانا ضروری ہے، نہ بنائیں گے تارکِ سنت ہونگے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۶ جلد ۶)

کیا عیدگاہ بنانا ضروری ہے؟

مسئلہ:۔ آبادی سے باہر صحراء (جنگل) میں جا کر نمازِ عید ادا کرنا افضل ہے اور سنت ہے۔ خواہ عیدگاہ ہو یا نہ ہو، عیدگاہ مستقل بنا لینا قرین مصلحت ہے تا کہ کسی کو یہ اعتراض نہ ہو کہ ہماری زمین اور ہمارے کھیت میں کیوں نماز پڑھتے ہیں، نیز ممکن ہے کہ نماز کے وقت جگہ خالی نہ ملے، کھیتی کھڑی ہو، (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۳۶ جلد ۱۶ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۶۷۶ جلد ۱)

مسئلہ:۔ نمازِ عید کے لیے (عیدگاہ کا) وقف ہونا اور لوگوں کا وہاں نماز ادا کرنا بس اتنا ہی کافی ہے۔ (وقف ہونے کے لیے) تحریری ثبوت لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۳۰ جلد ۱۶)

عیدگاہ آبادی میں ہونے کی وجہ سے فروخت کرنا؟

سوال:۔ عیدگاہ آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس کو توڑ کر آبادی کے باہر منتقل کرنا چاہتے

ہیں تو کیا عیدگاہ کو توڑ کر اس کی زمین میں دوکان و مکان بنا کر فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر وہ عیدگاہ وقف ہے تو اس کی زمین فروخت کرنا جائز نہیں ہے محض آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس میں کسی قسم کے تغیر کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکو اپنے حال پر رکھیں۔

مسئلہ:۔ موجودہ عیدگاہ اگر ناکافی ہے اور آبادی سے باہر عیدگاہ بنانے کی ضرورت ہے تو دوسری عیدگاہ بنانے کی ممانعت نہیں ہے، بنالی جائے، ضعفاء اور کمزورں، بیماروں کے لیے موجودہ عیدگاہ کو باقی رکھا جائے، پنج گانہ نماز بھی اس میں درست ہے۔

عیدگاہ کی زمین جب وقف ہے تو اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، وقف زمین مِلک سے خارج ہے۔ بیع اپنی مِلک کی ہوسکتی ہے اس لیے اس کی بیع درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۳۷ جلد ۱۶)

رنجش کی وجہ سے دوسری عیدگاہ بنائی گئی، صلح ہونے پر اس کا حکم؟

مسئلہ:۔ اگر چندہ کی رقم سے زمین خریدی گئی اور وہاں عید کی نماز ادا کی گئی ہے اور اس زمین کو نماز عیدین کے لیے وقف کر دیا گیا ہے تو اب اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اب مذکورہ خرید کردہ زمین میں نمازِ عیدین ہی ادا کی جائے وقف کرنے سے پہلے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔

اگر اس کو وقف نہیں کیا گیا، بلکہ وقف کرنے کا ارادہ تھا اور محض عارضی طور پر وہاں نماز ادا کر لی گئی تو پھر چندہ دینے والوں کی اجازت سے وہاں مکان، دوکان، باغ لگانا، کاشت کرنا سب کچھ درست ہے بلکہ فروخت کرنا بھی درست ہے۔ اس کی قیمت یا آمدنی کو بہتر تو یہ ہے کہ سابقہ (پرانی) عیدگاہ یا دیگر مساجد اور دینی کاموں میں حسب مشورہ صرف کرلیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۰ جلد ۱۵)

☆☆

ناموری کے لیے عیدگاہ بنانا؟

سوال:۔ متولی صاحب کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں اپنے ہی پیسے سے بنواؤں گا مگر میرا نام عیدگاہ پر درج کرا دینا۔ تو عیدگاہ پر تعمیر کرانے والے کا نام درج کرانا کیسا ہے؟

جواب:۔ عیدگاہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے بنانا بہت ثواب کا کام ہے۔ اس پر بنانے والے کا اپنا نام درج کرانا یا اس کی پابندی لگانا شہرت اور ناموری کے لیے اس کے ثواب کو برباد کر دے گا۔ متولی صاحب کو چاہئے کہ ایسا نہ کریں اور ایسے ارادہ سے توبہ واستغفار کر کے اللہ تعالیٰ سے اخلاص کی دعاء کریں، جس کام میں اخلاص نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۸ جلد ۱۵)

عیدگاہ کو قبرستان بنانا؟

مسئلہ:۔ اگر وہ جگہ وقف ہے اور نمازِ عید کے لیے وقف ہے تو اس کو توڑ کر وہاں میت دفن کرنا درست نہیں ہے بلک اس کو عیدگاہ ہی رکھا جائے (اگر چہ وہ جگہ نماز عید کے لیے کم پڑ جاتی ہو، اور) اس کے آس پاس جو قبرستان ہے وہ اگر پرانا ہو گیا، اب وہاں میت دفن نہیں کی جاتی بلکہ دوسری جگہ دفن کی جاتی ہے تو عیدگاہ کی توسیع کے لیے اس قبرستان سے جگہ لی جا سکتی ہے جبکہ قبروں میں میت مٹی بن چکی ہو ورنہ تو یہ بھی درست ہے کہ نمازِ عید کا دوسری جگہ انتظام کر لیا جائے اور دو جگہ نماز ہو جایا کرے (تنگی کی وجہ سے) یا پھر دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جائے۔ اور موجودہ عیدگاہ (چھوٹی) میں نماز پنج گانہ ادا کی جائے۔ الحاصل موجودہ عیدگاہ توڑ کر نماز کے علاوہ دوسرے کام میں نہ لایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۱ جلد ۱۵)

قبرستان کی آمدنی عیدگاہ میں خرچ کرنا؟

مسئلہ:۔ موقوفہ قبرستان کی آمدنی کو کسی اور کام (مدرسہ عیدگاہ) میں صرف کرنا درست نہیں ہے ہاں اگر قبرستان میں کوئی ضرورت نہ ہو مثلاً حفاظت کے لیے چہار دیواری کی ضرورت نہ ہو، (حفاظت کے لیے) آدمی رکھنے کی ضرورت نہ ہو وغیرہ وغیرہ تو پھر باہمی مشورہ سے مدرسہ وعیدگاہ میں جہاں ضرورت ہو، تعمیر تنخواہ، وظیفہ، خرید کتب وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں

تاکہ آمدنی کی رقم ضائع نہ ہو جائے اور اس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اور غاصبانہ قبضہ نہ ہو جائے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۶ جلد ۱۵)

ایک سے زائد جگہ عید کی نماز؟

مسئلہ:۔ نمازِ عید بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ پڑھی جائے لیکن عوارض کی وجہ سے مثلاً جگہ تنگ ہو یا امامت پر جھگڑا ہوتا ہو وغیرہ وغیرہ تو ایک سے زائد جگہ پڑھنے میں بھی کچھ حرج نہیں، بلکہ اگر ایک جگہ فتنہ وفساد کا خوف ہو تو بہتر یہ ہے کہ الگ الگ پڑھی جائے۔ تاہم تقلیل افضل واجب ہے۔ اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا گناہ ہے اس سے اجتناب اور توبہ لازم ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۶ جلد ۶ بحوالہ درمختار ص ۱۱۶ جلد ۱)

مسئلہ:۔ اگر چہ بوقت ضرورت ایک سے زائد جگہ بھی پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۴۰ جلد ۱۶)

دو منزلہ عید گاہ

سوال:۔ عید گاہ آبادی میں آ گئی اور نمازیوں کے لیے ناکافی ہوتی ہے۔ آبادی سے باہر دوسری عید گاہ بنانا اولیٰ ہے یا اسی کو دوسری منزل کر دیا جائے؟

جواب:۔ عید گاہ کو دو منزلہ بنا سکتے ہوں تو دو منزلہ بنا لیں۔ اگر آبادی سے باہر دوسری عید گاہ بنائیں تو موجودہ عید گاہ کو پنجگانہ نماز کے لیے مسجد قرار دے لیں۔

اور یہ بھی کر سکتے ہیں کہ موجودہ عید گاہ کو عید گاہ ہی رکھیں اور اس میں معذورین نماز عید ادا کر لیا کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۶ جلد ۷ و امداد الاحکام ص ۴۵۴ ج ۱)

عید گاہ میں چھت ڈالنا اور غیر آباد میں ہسپتال وغیرہ کی تعمیر

سوال:۔ (۱) کیا عید گاہ مسجد ہے۔ (۲) کیا عید گاہ صرف اس مخصوص وقت کے لیے مسجد کے حکم میں آتی ہے جب عیدین کا اجتماع ہوتا ہے۔ (۳) عیدین کے اجتماع کے علاوہ عید گاہ کا مقام کیا ہے اور ایسے وقت میں کیا جنگل کی تعریف میں آتی ہے جہاں پر کام کیا جا سکتا ہے؟

جواب:۔ نمازِ عیدین آبادی سے باہر جا کر کھلے میدان (غیر مسقف) میں ادا کرنا

مسنون و مستحب ہے۔اس میں شوکتِ اسلام کا اظہار زیادہ ہے دھوپ تیز ہونے سے پہلے ادا کر لی جائے۔شدید بارش کے وقت جامع مسجد میں ادا کی جائے۔ ایسی حالت میں (یعنی شدید بارش وغیرہ میں) نماز عید الفطر دو تاریخ کو اور عید الاضحیٰ گیارہ بارہ تاریخ کو بھی درست ہے۔

عید گاہ کو مسقّف کرنا زمانۂ سلف میں نہیں تھا اور اب بھی عموماً نہیں ہے۔عید گاہ کا میدان ادب واحترام کے لحاظ سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔اس لیے وہاں نمازِ جنازہ مکروہ نہیں ہے۔جو جگہ نمازِ عید کے لیے وقف کر دی گئی اس کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنے کا حق نہیں رہا۔جو جگہ مصارفِ عید گاہ کے لیے وقف کر دی گئی اب اس کے مصارف تبدیل کرنے کا حق نہیں رہا۔

علاوہ ازیں دیگر اقوام پر اس کے غلط اثرات بھی پڑ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی عبادت گاہ کو رہائش گاہ یا دفتر یا ہسپتال یا بینک یا زچہ خانہ وغیرہ بنالیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں ضرورت کے وقت اس قسم کا تصرف درست ہے، پھر غیر آباد مساجد میں اس کی اجازت کیوں نہ ہوگی۔اب تک حکومت کو بھی یہی معلوم ہے کہ عبادت خانہ کسی دوسرے کام میں نہیں آسکتا۔ اس پر بیشمار مقدمات فیصل کیے گئے ہیں۔اگر میرٹھ میں مسئولہ تصرفات کیے گئے تو یہ تمام ملک میں نظر بنیں گے اور فتنوں کا نیا باب کھل جائے گا اور گورنمنٹ بھی سماج کی ضرورت کے پیش نظر قبضہ کرنا شروع کر دے گی اور اس کو خلافِ مذہب تصور نہیں کیا جائے گا۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۳ جلد ۱۸)

رہن شدہ زمین پر عید گاہ بنانا؟

سوال:۔اگر کسی نے وقتِ معینہ کیلئے زمین فروخت کی پھر جب وقت معینہ واپسی کا آیا تو مشتری (خریدار) نے اس پر عید گاہ بنادی اور بیچنے والا بار بار تقاضہ کرتا ہے کہ عید گاہ توڑ دی جائے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ایسی بیع شرعاً رہن کا حکم میں ہے جس سے انتفاع ناجائز ہے، اسکا وقف کرنا اور عید گاہ وغیرہ بنادینا بھی درست نہیں ہے بلکہ مالک کو واپس کر دینا ضروری ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۱ جلد ۱۵ بحوالہ مع الانہر ص ۷۳۸ جلد ۱)

عیدگاہ شہید کر کے اسکول بنانا؟

مسئلہ:۔ عیدگاہ کو توڑ کر اس کی جگہ اسکول بنانا ہرگز جائز نہیں، یہ غرض واقف کے خلاف ہے۔((مشروط الواقف کنص الشارع))۔(درمختار)۔ منتظمین کو مسئلہ بتا کر روکا جائے کہ وہ ایسا نہ کریں۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۷ جلد ۱۵ و احسن الفتاویٰ ص ۴۲۴ جلد ۶)

عیدگاہ کا تبادلہ کرنا؟

سوال:۔ پرانی عیدگاہ سے کچھ فاصلہ پر دوسری زمین جو رقبہ میں تین گنی ہے بدلہ میں مفت مل رہی ہے اگر جدید عیدگاہ کو بنایا جائے تو ہر طرح کی سہولت (وسعت وغیرہ ہے) تو کیا تبادلہ اراضی قدیم و جدید صحیح ہے؟

جواب:۔ اگر سابق عیدگاہ وقف ہے تو اس کے تبادلہ کی اجازت نہیں، اگر نمازِ عیدین ادا کرنے کے لیے دوسری وسیع جگہ عیدگاہ بنالی جائے تو یہ سابق عیدگاہ بھی وقف رہے گی، اس میں باغ لگا کر جدید عیدگاہ کی ضرورت میں اس کی آمدنی صرف کی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۲۴ جلد ۱۵)

(یا کمزور، بیمار اور ضعفاء کے لیے چھوٹی عیدگاہ نماز کے لیے رکھی جائے یا پنجگانہ نمازوں کے لیے مسجد بنادی جائے، اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو باغ وغیرہ لگا کر اس کی آمدنی جدید عیدگاہ میں صرف کی جائے۔رفعت)

نمازِ عید کا عیدگاہ میں سنت ہونا؟

مسئلہ:۔ عیدگاہ جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے تکبیر پڑھنا مستحب ہے، عیدگاہ میں پہنچ کر تکبیر موقوف کر دینی چاہیے، اگر عیدگاہ میں تکبیر آہستہ کہے تو گنجائش ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۳ جلد ۱۰ بحوالہ مراقی الفلاح ص ۱۰۶ جلد ۱)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں جا کر نمازِ عید ادا کرنا مندوب ہے، اگرچہ جامع مسجد میں وسعت ہو۔

(طحطاوی ص ۲۹۰)

مسئلہ:۔ اگر عیدگاہ میں جا کر لوگ نماز ادا کرلیں اور کچھ لوگ شہر کی جامع مسجد میں پڑھ لیں

تب بھی مستحق ملامت نہیں ہیں۔ سب لوگ اگر مسجد ہی میں پڑھیں تو خلافِ مندوب ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص۵۰۳۵ جلد۱۶)

مسئلہ:۔ عیدین کی نمازیں عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ متوارثہ ہے۔ آنحضرت ﷺ مسجدِ نبوی کی فضیلت کے باوجود علیٰ سبیل المواظبۃ بر سبیل عبادت عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا فرماتے رہے، صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے آپ ﷺ نے مسجد میں پڑھی ہے۔

نیز عیدین کے لیے عیدگاہ جانا سنت ہے، بلا عذر اس کا تارک لائقِ ملامت اور مستحقِ عتاب ہے اور ترک کرنے کا عادی گنہگار ہوتا ہے، درمختار میں ہے کہ مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی گنہگار ہوتا ہے جس طرح ترک واجب سے گنہگار ہوتا ہے اور سنتِ مؤکدہ کا بھی یہی حکم ہے۔ (شامی ص ۲۹۵ جلد۵)

مسئلہ:۔ شہر سے عیدگاہ دور ہونے کی وجہ سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لیے مسجد میں عیدین کی نماز کا انتظام کرنے کی اجازت فقہاء کرامؒ نے دی ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۴ جلد۱۰ وفتاویٰ رحیمیہ ص۳۵۴ جلد۶ وکفایت المفتی ص۲۴۹ جلد۳)

عیدگاہ کو مسجد بنانا؟

مسئلہ:۔ ہر شہر سے متعلق آبادی کے باہر (فنائے شہر میں) عیدگاہ ہونا ضروری ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں اداء کرنا سنتِ مؤکدہ ہے، اس لیے عیدگاہ کو قائم اور باقی رکھتے ہوئے کسی اور جگہ مسجد بنائی جائے۔

اگر عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہو تو پوری جماعت متفقہ طور پر (عیدگاہ کو) مسجد بنانے کی نیت کرلیں تو مسجد شرعی بن جائے گی مگر عیدگاہ بنانے کی ذمہ داری باقی رہے گی، بانی سے مراد وہ شخص ہے جس نے مسجد کے لیے زمین وقف کی ہو، اور اگر چند اشخاص چندہ کرکے زمین خریدیں اور وقف کرکے مسجد بنالیں تو پوری جماعت کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۸۳ جلد۶)

☆☆

مسجد کا فرش ومنبر عیدگاہ میں لے جانا؟

مسئلہ :۔ مسجد کا فرش عیدگاہ میں لے جانا درست نہیں ہے، ہاں ایک روایت میں منبر کا لے جانا جائز ہے۔ اور دوسری میں مکروہ ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ممبر بھی نہ لے جائیں۔

(امدادالاحکام ص ۴۶۲ ج ۱)

مسئلہ :۔ جب عیدگاہ میں صفیں اس نیت سے دی جائیں کہ عیدین کے موقع پر عیدگاہ میں استعمال ہوں اور بقیہ دنوں میں مسجد میں تو مضائقہ نہیں، اسی طرح مسجد میں دیتے وقت یہ کہا جائے کہ عید کے موقع پر عیدگاہ میں استعمال کی جائے تب بھی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۰ جلد ۶) (اگر صفیں دیتے وقت کوئی قید نہیں لگائی تو جس جگہ کیلئے دیں وہاں پر ہی استعمال کریں محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں آواز ملا کر زور سے تکبیر کہنا درست نہیں ہے. (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱۷ جلد ۵) (بعض جگہ عیدگاہ میں سب لوگ مل کر زور زور سے تکبیرات پڑھتے ہیں جماعت ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، یہ غلط ہے، اگر پڑھنی ہے تو خود آہستہ پڑھیئے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ :۔ سیلاب کی وجہ سے عیدگاہ کے معدوم ہو جانے کا یقین ہے تو مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے کہ اس کا تمام سامان منتقل کر کے دوسری جگہ عیدگاہ تعمیر کرلیں۔ لیکن یہ پہلی عیدگاہ بھی اگر بچ گئی تو بدستور وقف رہے گی، اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم ۲۲۴ جلد ۵ بحوالہ ردالمختار ص ۵۱۴ جلد ۳)

مسئلہ :۔ عیدین کی نماز مسجد میں ہو جاتی ہے مگر عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے۔ عیدگاہ میں بلاعذر نمازِ عیدین نہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۶ ج ۵)

مسئلہ:۔ عیدین کی نماز جامع مسجد میں بھی ادا کرنا درست ہے لیکن مسنون وافضل صحراء (جنگل) میں ادا کرنا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۹ جلد ۵)

احتجاجاً عیدگاہ میں نماز نہ پڑھنا؟

سوال:۔ حکومت یا غیر مسلموں کے نازیبا رویے کی مذمت میں احتجاجاً عیدگاہ میں

نماز نہ پڑھنے کی کیا گنجائش ہے؟

جواب:۔کوئی خطرہ لاحق ہو، یا یہ اندیشہ ہو کہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے پر خواتین، بچوں، بیماروں اور ضعیفوں کو پریشانی ہوگی تو عیدگاہ چھوڑنا درست ہے، محض احتجاجاً عیدگاہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، احتجاج کیلئے دوسرے جائز اور مناسب طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں نیز اظہارِ ناراضگی کیلئے دوسری جائز صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ سیاہ پٹی لگا کر نماز پڑھنے میں تشبہ لازم آئے گا، یہ غیروں کا شعار ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۷ جلد ۶)

(سیاہ پٹی نماز میں تو اتار دیں، پہلے یا بعد میں باندھ لیں، کیونکہ آج کل بغیر احتجاج کے کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ :۔ جہاں اجازت کی ضرورت معلوم ہو وہاں اجازت کے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہوگا اور جس جگہ (زمین) کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ ناراض نہ ہونگے۔ بلکہ خوش ہونگے تو وہاں اجازت کے بغیر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۷ جلد ۶)

عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا؟

سوال:۔عیدگاہ کی زمین دو تین بیگہ پڑی ہے جس کو لوگ استعمال کرتے ہیں کیا اس زمین میں دینی مدرسہ بنا سکتے ہیں؟

جواب:۔اگر وہ زمین عیدگاہ کی ہے اور عیدگاہ میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تو وہاں دینی مدرسہ بنا دیں مگر زمین کا کرایہ عیدگاہ کے لیے تجویز کردیں۔ زمین عیدگاہ کی رہے گی، جس کا کرایہ مدرسہ دیتا رہے گا اور عمارت مدرسہ کی رہے گی۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۴ جلد ۴ و احسن الفتاویٰ ۴۳۳ جلد ۶)

مسئلہ :۔ وقف مسجد سے حاصل شدہ روپیہ سے عیدگاہ بنانا، اور وقف عیدگاہ سے حاصل شدہ روپیہ سے مسجد بنانا درست نہیں۔ نیز عیدگاہ اور مسجد کا روپیہ قرض دینا جائز نہیں ہے۔ وہ امانت ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۹ جلد ۱۰)

☆

پرانی عیدگاہ پر مدرسہ بنانا؟

سوال:۔ نئی عیدگاہ بننے کے بعد پرانی عیدگاہ بالکل ویران ہے تو کیا اس کو مفت یا قیمتاً خرید کر مدرسہ میں داخل کرنا جائز ہے؟

جواب:۔ اس میں اختلاف ہے کہ عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں، ایسی ضرورت کے موقع پر قولِ ثانی انسب ہے اور وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال قاضی کی اجازت سے جائز ہے۔

تحقیق مذکورہ کے مطابق معطل عیدگاہ کی جگہ مدرسہ بنانے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس عیدگاہ کے عوض اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ قیمتی زمین کسی قریب تر شہر میں عیدگاہ کے لیے وقف کی جائے۔ اور یہ بدلنا قاضی کی اجازت سے ہو، اگر قاضی نہ ہو تو باتفاق جماعتِ مسلمین۔ (احسن الفتاویٰ ص ۴۶۱ جلد ۶)

عیدگاہ میں دوبارہ جماعت کرنا؟

مسئلہ :۔ عیدگاہ میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے، جن کی نمازِ عید فوت ہوئی ہو وہ اس مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کریں جہاں نمازِ عید ادا نہ کی گئی ہو۔

مسئلہ :۔ نماز عید الفطر و عید الاضحیٰ کے لیے عیدگاہ میں جانا سنت ہدیٰ اور سنتِ مؤکدہ ہے، بلا عذر نہ جانے والا تارکِ سنت، قابلِ ملامت و لائق عتاب ہے اور عادی اس کا گنہگار ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۷ جلد ۱ بحوالہ طحطاوی ص ۲۶۰ جلد ۱ و کبیری ص ۵۲۹ و شامی ص ۲۹۵ جلد ۲)

مسئلہ:۔ شہر سے عیدگاہ دور ہونے کی وجہ سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لیے مسجد میں فقہاء نے انتظام کرنے کی عیدین کی نماز کے لیے اجازت دی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۶ جلد ۱)

عیدگاہ میں امام صاحب کے لیے چندہ کرنا؟

مسئلہ :۔ عید کے موقع پر امام صاحب کو چندہ کر کے دے دینا بھی درست ہے اور اس مقصد کے لیے عیدگاہ میں چندہ کرنا بھی درست ہے، مگر خطبہ کے وقت چندہ نہ کیا جائے، خطبہ سننا

واجب ہے اس میں خلل نہ آئے۔

مسجد میں مسجد و مدرسہ یا اور دینی ضرورت کے لیے چندہ کرنا درست ہے۔ کسی کی نماز میں تشویش نہ ہو، اس کا لحاظ ضروری ہے، نیز شور و شغب سے پرہیز لازم ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۲۸ جلد ۱۶ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۸ جلد ۵)۔

مسئلہ:۔ دوران خطبہ لوگ خطیب کو روپیہ دینے کے لیے اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ اُٹھ کر جاتے ہیں اور خطیب کے لیے کچھ لوگ روپیہ لینے کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوران خطبہ اس قسم کے کاموں کی اجازت نہیں، ادب کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ کر خطبہ سننا لازم ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۳۱ جلد ۱۶)

عید گاہ کے درخت کٹوا کر مسجد میں صرف کرنا؟

مسئلہ:۔ جو باغ عید گاہ کے لیے وقف ہے اس کے درخت نہ کٹوائے جائیں، البتہ جو درخت خشک ہو گئے اور ان سے کوئی نفع نہیں، ان کو کٹوا کر عید گاہ کے لیے عمارت میں صرف کر دیا جائے، اگر عید گاہ میں ضرورت نہ ہو، اور نہ آئندہ ضرورت کی اُمید ہو تو پھر وہاں کی مسجد کی تعمیر میں صرف کی اجازت ہے اور جس قدر ضرورت ہو وہ چندہ سے پوری کر لی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۷ جلد ۱۵)

(وقف کرنے والے نے جو وقف جس مقصد کے لیے کیا ہے اس میں ہی صرف کیا جائے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

عید گاہ میں نمازیوں کا انتظار کرنا

(۱) نمازِ عید کا وقت ایسا ہونا چاہئے کہ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر بطریق مسنون لوگ تیاری کر کے عید گاہ پہنچ جائیں۔

(۲) عید کے موقع پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔ لہٰذا امام اور حاضرین کو چاہئے کہ عجلت نہ کریں، وقتِ مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھہر کر نماز شروع کی جائے۔

حاضرین کو ایسے موقع پر ذرا ضبط اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ امام صاحب کو مشورہ

دے سکتے ہیں لیکن نماز شروع کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ اور امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قرأت خطبہ میں اختصار کر کے تلافی مافات کرلے۔ سال میں دو موقعے آتے ہیں کہ بے نمازی بھی اس میں شرکت کرتے ہیں۔ ضعیف، بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں، نماز فوت ہوگی تو بڑی برکتوں سے محروم رہیں گے۔ لہٰذا قدرے انتظار کیا جائے۔ البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عادی ہیں انکو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے اور اپنی نماز کی بھی فکر نہیں ہے۔ اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ ایسے غافل، کاہل اور سست لوگوں کا انتظار کرنا، ان کی عادت کو بگاڑتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۷ جلد ۳)

عیدگاہ سے متعلق مسائل

مسئلہ:۔ شریعت میں عیدگاہ کے لیے تخصیص کسی جانب کی نہیں ہے۔ بلکہ مسنون صرف یہ ہے کہ شہر سے باہر جا کر نماز، عیدین ادا کی جائے۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ عیدگاہ بنائی جائے۔ (غرضیکہ) عیدگاہ کے لی کوئی جانب (دائیں، بائیں یا کسی اور جانب) شہر کی مقرر نہیں ہے۔ جس طرف سہولت ہو اور موقع ہو، اسی طرف عیدگاہ بنائی جائے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۳۰ وص ۲۳۳ جلد ۵ بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب العیدین ص ۱۲۵ جلد ۱)

مسئلہ:۔ جس جگہ عیدگاہ میں حرام پیسہ لگا ہو، اس میں (نماز پڑھنا) مکروہ ہے، اس سے بہتر ہے کہ میدان میں نماز پڑھے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۵۷۹ جلد ۱)

مسئلہ:۔ عیدگاہ کی زمین فروخت نہیں کی جاسکتی ہے، عیدگاہ وقف ہوتی ہے اور مسجد کے حکم میں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱۴ جلد ۵ بحوالہ ردالمختار کتاب الوقف ص ۵۰۷ جلد ۱)

مسئلہ:۔ عیدگاہ وقف ہے۔ اس میں کوئی تصرف تعمیر مکان وغیرہ درست نہیں، البتہ اگر نمازیوں کے آرام کے لیے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے کوئی حصہ مسقف (پاٹ) کردیا جائے، مسجد کی طرح، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱۴ جلد ۵)

مسئلہ:۔ ایک شہر میں دو عیدگاہ ہونے میں اور دو جگہ نمازِ عیدین ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۰۸ جلد ۵ بحوالہ ردالمختار ص ۸۳۷ جلد ۱)

مسئلہ:۔ عیدین مختلف مسجدوں میں پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں ایک جگہ جمعہ و عیدین جائز ہیں وہاں چند جگہ بھی جائز ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ جمعہ و عیدین پڑھیں اور عید کی نماز باہر صحراء (جنگل) میں پڑھنا مسنون ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۸) (مطلب یہ ہے کہ چند جگہ بھی جائز ہے۔ اگر ضرورت ہو کہ جگہ کی تنگی یا دوری کی وجہ سے یا فسادات وغیرہ کی وجہ سے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ اگر عیدگاہ میں امام بدعتی ہے، دوسری جگہ صحراء میں اس سنت کو ادا کریں۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۹ جلد ۵ بحوالہ درمختار ص ۱۱۱۴ جلد ۱)

مسئلہ:۔ مشترکہ زمین پر بغیر مالکوں کی رضامندی کے عیدگاہ بنانا جائز نہیں اور قریۂ صغیرہ (جہاں پر نمازِ جمعہ جائز نہ ہو) میں عید کی نماز پڑھنا اور وہاں پر عیدگاہ بنانا ناجائز ہے اور نہ عیدگاہ بنانے کی قریۂ صغیرہ میں ضرورت ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۵۷۹ جلد ۱)

مسئلہ:۔ جو نشہ کی حالت میں عیدگاہ میں آئے اور لوگوں کو بدبو کی وجہ سے تکلیف ہو۔ اگر لوگ اس کو نکال دیں تو یہ نکالنا شرعاً جائز ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۸ جلد ۱)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۷۵ ج ۲)

مسئلہ:۔ وہ جگہ جو نمازِ جنازہ اور عید کے لیے بنائی گئی ہے وہ صرف اقتداء کے جائز ہونے کے اندر مسجد کے حکم میں ہے اگرچہ اس کی صفوں میں دوری واقع ہو، یہ لوگوں کی آسانی کے لیے کیا گیا، اقتداء کے سوا اور کسی حکم میں مسجد نہیں ہے۔ اسی پر فتویٰ بھی ہے (گویہ جگہ مسجد نہیں ہے مگر چونکہ ایک خاص کام کے لیے ہے۔ اور وہ نماز ہی ہے، اس لیے اُسے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے)۔ مگر اس عیدگاہ اور نمازِ جنازہ پڑھانے والی جگہ میں ناپاک اور حائضہ کا داخل ہونا جائز ہوگا۔ (درمختار ص ۶۰۰ جلد ۱)

بعض امور مثلاً وقف وغیرہ میں مسجد کے حکم میں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں جا کر اس طور پر تکبیر کہنا کہ اول ایک شخص تکبیر کہے، اس کے بعد اور لوگ آواز ملا کر متفقہ طور پر تکبیر کہیں، اسی طرح نماز تک یہ سلسلہ جاری رکھیں یہ جائز نہیں ہے اور اس میں کراہت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۷ ج ۵)

(اور مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۷ جلد اول پر حدیث سے بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ عیدین کے دن عیدگاہ میں کوئی آواز اور تکبیر وغیرہ لوگوں کو بلانے کی غرض سے نہ کہی جائے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ غیر قصابان کی نماز عیدین اس عیدگاہ میں درست ہے جو قصابان نے بنائی ہو۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۸ جلد ۵)

مسئلہ :۔ عورتوں کا عیدگاہ جانا اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے عورتوں کا جماعت میں شرکت کے لیے مسجد وعیدگاہ میں جانا ممنوع ومکروہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہی یہ ممنوع ہو چکا تھا۔ (الدر المختار ص ۸۳ جلد ۱) (تفصیلی حکم ملاحظہ ہو مکمل ومدلل مسائل نمازِ جمعہ ص ۱۲۷ تا ۱۳۰)۔

مسئلہ :۔ (۱) جب کہ ایک عیدگاہ کافی ہو تو بلا ضرورت شرعی دوسری عیدگاہ بنانا شریعت کی منشاء کے خلاف ہے۔

(۲) جب بستی اتنی چھوٹی ہو کہ وہاں جمعہ قائم کرنے کی شرائط نہیں پائی جاتیں تو وہاں عید کی نماز بھی ادا کرنا صحیح نہیں۔ جب ان پر عیدین کی نماز نہیں ہے تو عیدگاہ بنانا بھی ضروری نہیں ہے، لہٰذا یہ تارکِ سنت نہ ہونگے۔ البتہ اگر قصبہ میں (جہاں پر نمازِ جمعہ جائز ہے) عیدگاہ نہ ہو تو ان پر عیدگاہ بنانا ضروری ہے۔ نہ بنائیں گے تو تارکِ سنت ہونگے۔

(۳) اگر کوئی خطرہ لاحق ہو یا اندیشہ ہو کہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے پر خواتین اور بچوں کو، بیماروں اور ضعیفوں کو پریشانی ہوگی تو عیدگاہ چھوڑنا درست ہے۔ محض احتجاجاً عیدگاہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ احتجاج کے لیے دوسرے جائز اور مناسب طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔

(۴) شہر وسیع ہو اور دور دور تک مسلمان آباد ہوں اور عیدگاہ تک پہنچنا دشوار ہو تو ضرورت اور دفع حرج کے پیشِ نظر ایک سے زائد عیدگاہ بنانا درست ہے۔

(۵) عذر کی وجہ سے اصل عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عید کی نماز ادا کرنے میں واقعی مجبوری ہو تو انشاء اللہ سنت کا ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۸ جلد ۶)

مسئلہ :۔ دیہاتوں میں (جہاں پر نمازِ جمعہ جائز نہ ہو) عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عیدین کی نماز پڑھنا ایسی نمازوں میں مشغول ہونا ہے جو دیہات میں درست نہیں ہے اس کی

وجہ یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے لیے شہر شہر ہونا شرط ہے۔ دیہات (چھوٹے گاؤں قریہ) درست نہیں ہے۔ (درمختار ص ۷۸۵ جلد ۱)۔

مسئلہ:۔ جو عید گاہ آبادی کے بڑھ جانے سے آبادی کے اندر آ گئی، وہ صحراء کے حکم میں نہیں رہی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۵ جلد ۵ بحوالہ غنیۃ المستملی باب العیدین)

مسئلہ:۔ عید گاہ بہت سے امور میں مسجد کے حکم میں ہے۔ اس لیے عید گاہ میں کھیل تماشہ اور کشتی وغیرہ کا کرنا اور ہارمونیم باجہ بجانا، یہ جملہ امور محرمہ حرام اور ناجائز ہیں۔ متولی عید گاہ ہرگز ان امور کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا۔ اور بغیر اجازت یا با اجازت متولی بھی کسی کو ارتکاب ان امور کا کرنا عید گاہ میں درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۵ جلد ۵ بحوالہ شامی احکام المسجد ص ۶۱۵ جلد ۱)

مسئلہ:۔ قبرستان میں جو عید گاہ بنی ہو، اس میں نماز جائز ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۴ جلد ۵ بحوالہ ردالمختار ص ۲۵۳ جلد ۱)

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے قبر ہو تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ (قبر کے سامنے ہونے کا) یہ مطلب ہے کہ خشوع کے ساتھ (نظریں جھکائے ہوئے) نماز پڑھنے کی حالت میں نظر قبر پر پڑتی ہو۔ اگر قبر پیچھے کی جانب یا اوپر ہو، یا جہاں نماز پڑھی جا رہی ہے۔ اس کے نیچے ہو تو اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ کراہت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ قبرستان میں نماز کے لیے کوئی مخصوص جگہ ایسی نہ مہیا ہو جو نجاست اور گندگی سے پاک ہو۔ اگر ایسا ہو تو نمازِ مکروہ نہیں ہے۔ لیکن انبیاءؑ کے مقبرے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ وہاں پر قبر سامنے ہو تو تب بھی نماز مکروہ نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۴۴۱ جلد ۱)

مسئلہ:۔ عید گاہ میں فاصلہ اگر دو صفوں کے برابر یا اس سے زیادہ ہے اقتداء جائز ہوگی۔

(عالمگیری ص ۶۲ جلد ۱)

مسئلہ:۔ عید کی نماز کے بعد اسی عید گاہ میں زوال کے بعد نمازِ جمعہ ادا کرنا درست ہے اور نماز ہو جاتی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ حسبِ معمول نمازِ جمعہ جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ

عیدگاہ میں جا کر عیدین کی نماز پڑھنا اور اس کا مستحب ہونا خاص عیدین کے لیے ہے۔
(عزیز الفتاویٰ ص ۴۵ جلد ۳)

مسئلہ:۔ جامع مسجد کا فرش، چٹائی وغیرہ عیدگاہ میں بچھانا درست نہیں ہے۔
(عزیز الفتاویٰ ص ۵۹۲ جلد ۱)

مسئلہ:۔ جوجگہ نمازِ عیدین کے لیے وقف ہے جو کہ عیدگاہ کے نام سے موسوم ہے اس میں تصرفات کرنا، تعمیرِ مدرسہ کتب خانہ وغیرہ اور کھیل کود ورزش وغیرہ اور مجلس خورد ونوش اس کو قرار دینا جائز نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۹۱ جلد ۱) بلاضرورت محض ذاتی رنجشوں کی بناء پر دوسری عیدگاہ بنانا فضول خرچی اور تفرقہ کی بنیاد ڈالنا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۴۰۸ جلد ۲)

مسئلہ:۔ شہر، قصبہ اور وہ بڑا گاؤں جو مثل قصبہ کے ہو، اور وہاں نمازِ جمعہ وعیدین وغیرہ پڑھنے کی علماء نے اجازت دی ہو وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عیدگاہ بنانا ضروری ہے۔ لہٰذا جس طرح ہو جلد سے جلد عیدگاہ بنالیں اور جب تک عیدگاہ نہ بنے اس وقت تک کے لیے آبادی سے باہر کوئی جگہ تجویز کرلیں۔ تمام مسلمان اسی میں نماز پڑھیں اور اجرِ عظیم کے حقدار بنیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۷۶ جلد ۳)

﴿رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

«وتقبل منی هذاالعمل وجنبنی فيه عن الخطاء والنسيان واجعله ذريعة للفلاح والنجاح فی الدنيا و وسيلة للنجاة فی الآخرة»

محمد رفعت قاسمی

مدرس دارالعلوم دیوبند۔

۵/شوال ۱۴۲۱ھ یکم جنوری ۲۰۰۱ء۔

☆تمت بالخیر☆

مآخذ ومراجع کتاب

نام کتاب	مصنف ومؤلف	مطبع
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	ربانی بک ڈپو دیوبند
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم	الفرقان بک ڈپو ۳۱ نیا گاؤں لکھنؤ
فتاویٰ دار العلوم	مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دار العلوم دیوبند	مکتبہ دار العلوم دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	مولانا سید عبد الرحیم صاحب مدظلہم	مکتبہ منشی اسٹریٹ راندیو سورت
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند	متکبہ محمودیہ جامع مسجد شہر میرٹھ
فتاویٰ عالمگیری	علماء وقت عہد اورنگ زیبؒ	شمس پبلشرز زردیوبند
کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
علم الفقہ	مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی	ایضاً
عزیز الفتاویٰ	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب	ایضاً
امداد المفتین	مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	ایضاً
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب	ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند
فتاویٰ رشیدیہ کامل	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	علامہ عبد الرحمٰن الجزریؒ	اوقاف پنجاب لاہور پاکستان
غنیۃ الطالبین	شیخ عبد القادر جیلانیؒ	مسلم اکیڈمی سہارنپور
حجۃ اللہ البالغہ	شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ	دار الکتاب دیوبند

نام کتاب	مصنف ومؤلف	مطبع
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	پاکستانی
در مختار	علامہ ابن عابدینؒ	مکتبہ تھانوی دیوبند
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی تھانویؒ	مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ
معارف مدینہ	افادات مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی	ندوۃ المصنفین
الترغیب والترہیب	مولانا زکی الدین عبد العظیم المنذری	ایضاً
احسن الفتاویٰ	فقیہ العصر مفتی رشید احمد صاحبؒ	سعید کمپنی کراچی پاکستان
مظاہر حق جدید	نواب قطب الدین خاں صاحب	ادارۂ اسلامیات دیوبند
آپ کے مسائل اور انکا حل	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
امداد الاحکام	مرتبہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی و مولانا عبد الکریم صاحب	مکتبہ دار العلوم کراچی کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
طہور المسلمین	حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ	
الجواب المتین	ایضاً	ایضاً
احیاء العلوم	حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ	ادارہ رشیدیہ دیوبند
ایضاح المسائل	حضرت مولانا مفتی محمد شبیر صاحب مدظلہ (مفتی شاہی)	جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد
کیمیائے سعادت	حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ	ادبی دنیا دہلی

☆تمت بالخیر☆

مکمل و مدلل

مسائلِ شرک و بدعت

قرآن و سنت کی روشنی میں

دار العلوم دیوبند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

تالیف

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی و مدرس دار العلوم دیوبند

ناشر

وحیدی کتب خانہ

میونسپل کابلی پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

☆ کتابت کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں ☆

نام کتاب: مکمل ومدلل مسائل شرک وبدعت

تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

کمپوزنگ: دارالترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیرنگرانی ابوبلال برہان الدین صدیقی)

تصحیح ونظر ثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب

سٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی ووفاق المدارس ملتان وخرتج مرکزی دارالقراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور،ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔

منجانب: عبدالوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی
: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی
راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
کوئٹہ : مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان
پشاور : حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور
: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور
: المیزان اردو بازار لاہور
صوابی: تاج کتب خانہ صوابی
اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر
سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات
تیمرگرہ: اسلامی کتب خانہ تیمرگرہ
باجوڑ: مکتبۃ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین

.....تمت بالخیر.....

انتساب

میں اپنی کاوش
''مسائل شرک وبدعت'' کو
حضرت مجدد الف ثانی احمد بن عبد الاحد سرہندیؒ
ومحدث ہند حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ
وحضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ
وقطب عالم،
امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
وجامع شریعت وطریقت محی السنۃ
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
وشیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب دیوبندیؒ رحمہم اللہ تعالیٰ
کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں
جن کی مخلصانہ، مجددانہ اور مجاہدانہ زندگیاں،
خاص طور پر علم حدیث کو فروغ دینے
اور شرک وبدعت وغلط رسومات
کے خاتمہ کے لیے
وقف تھیں۔

(محمد رفعت قاسمی)

(خادم التدریس، دارالعلوم دیوبند)۔
۱۰/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ،
۱۴ مارچ ۲۰۰۳ء، یوم جمعہ۔

عرض مؤلف

((الحمدلله رب العالمین. والصلوٰة والسلام علیٰ خاتم الانبیاء وسیدالمرسلین، محمدو علیٰ آله واصحابه وازواجه اجمعین))

امابعد! اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ مسائل کے انتخاب کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ ان ہی منتخبہ مسائل کی سترہویں کتاب ''مسائل شرک وبدعت'' پیش ہے۔ جس میں کفروشرک، نذرونیاز، منت، بدشگونی، تعزیہ داری، میلاد، تیجہ، چالیسواں، عرس، صندل، قبر پرستی، قبر بوسی، دست بوسی، رواج قبیحہ، عقائد باطلہ، رسومات جاہلیت اور مختلف کثیر تعداد میں ضروری مسائل جمع کردیئے گئے ہیں، نیز بدعات ورسوم کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ ان کی کوئی خاص شکل عموماً عالمگیر نہیں ہوتی، کیونکہ ان کی بنیاد قرآن وسنت میں نہیں ہے۔ اس لیے ہر علاقے کے لوگ اپنی اپنی طبیعت کے مطابق کچھ رسمیں گھڑ لیتے ہیں۔ جن کی دوسرے علاقے میں بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی اور وہاں کے لوگ کچھ اور طرح کی رسم کے پابند ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہر علاقے میں اس کی الگ الگ صورتیں نظر آتی ہیں۔

بہرحال یہ سب فضل خداوندی، فیض دارالعلوم اور مفتیان کرام (دامت برکاتہم) دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی کا ثمرہ ہے۔

یااللہ! ان حضرات کا سایہ عاطفت تادیر صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھئے اور سابقہ کتابوں کی طرح اس کو بھی قبول عام عطا فرما کر، زاد آخرت بنایئے اور آئندہ بھی دینی کا کرنے کی توفیق عنایت فرمایئے۔ آمین۔

((ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم))۔

محمد رفعت قاسمی

(خادم التدریس، دارالعلوم دیوبند)

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ،

۱۴/ مارچ ۲۰۰۳ء، یوم جمعہ۔

تقریظ

فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری

محدث کبیر دارالعلوم دیوبند

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم

دارالعلوم کے استاذ جناب مولانا رفعت قاسمی صاحب موفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اب سے کام لے رہے ہیں۔ ان کی متعدد وقیع تالیفات معصہ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں، اور خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ اب موصوف نے ایک نئی کتاب تیار کی ہے، جو ان کی سترہویں کتاب ہے۔ اس کا نام ہے: ''مسائل شرک وبدعت'' موضوع نام سے ظاہر ہے، شرک، انسانوں کی وہ گمراہی ہے جس کے ساتھ مغفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور حدیث صحیح میں اس کو اکبر الکبائر شمار کیا گیا ہے۔ پھر شرک کی مختلف صورتیں ہیں، شرک فی الذات اور شرک فی الصفات وغیرہ، حتیٰ کہ ریا وسمعہ کو بھی شرک کے دائرہ میں لایا گیا ہے۔ اس لیے ایک مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرک کی تفصیلات سے آگاہ ہو، تاکہ اس سے بالکلیہ احتراز کر سکے۔

اسی طرح بدعت کا معاملہ بھی نہایت سنگین ہے، حدیث نے قطعی ممانعت کی ہے کہ کوئی بے اصل بات دین میں داخل نہ کی جائے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے، اور وہ دین جو بدعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین نہیں ہے۔ وہ جاہلوں کی اختراعات ہیں۔ ان پر عمل کر کے کوئی نہ دیندار ہو سکتا ہے نہ ناجی! پس بدعات کی معرفت بھی اشد ضروری ہے، تاکہ ان سے دامن کشاں زندگی گزارے۔

مولانا قاسمی کی کتاب انشاء اللہ دونوں مقاصد کے لیے کافی وافی ہے، قارئین کرام توجہ سے اس کا مطالعہ کریں گے تو ان کو وافر معلومات حاصل ہونگی۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو بھی ان کی دیگر کتابوں کی طرح قبول فرمائیں، اور امت کے لیے ذریعہ اصلاح اور مصنف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ (آمین)۔

کتبہ: سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

تصدیق

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم
مفتی دارالعلوم دیوبند، ومرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسلمانوں میں دینی زندگی کروٹ لے رہی ہے۔ اور وہ دینی احکام ومسائل سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔اسی کے ساتھ عمل کا جذبہ بھی پیدا ہو رہاہے۔اقوام وملل میں مسلم قوم زندگی کے میدان میں اس سب سے آگے ہے، عبادت خانے ہر جگہ آباد نظر آتے ہیں۔ جائز وناجائز پر ان کی پوری نظر ہے۔

جماعت علماء میں بھی علمی زندگی عروج پر ہے، عوام وخواص سے جس قدر احکام ومسائل متعلق ہیں، ان تمام کو الگ الگ کرکے کتابی شکل دے رہے ہیں، تاکہ مسائل کی تلاش میں ان کو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

دارالعلوم دیوبند جوایشیا: بلکہ پورے عالم میں اپنی ممتاز دینی حیثیت رکھتاہے۔ اور جہاں کتاب وسنت کی دن رات تعلیم ہوتی ہے۔اس کے اساتذہ تعلیم وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔اور قوم وملک کی تمام شعبوں میں رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں۔

مولانا قاری محمد رفعت صاحب کی متعدد کتابیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور لوگ ان کتابوں سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔اسی کے ساتھ ملک کی مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے بھی ہو کر شائع ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انکی خدمت قبول فرمائے۔

اس وقت ان کی نئی کتاب ’’مسائل شرک وبدعت‘‘ خاکسار کے سامنے ہے، میں نے بڑے شوق کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا، دل خوش ہوا کہ قاری صاحب نے دسیوں فقہ وفتاویٰ کی کتابوں سے ان تمام مسائل کو یکجا کردینے کی سعی کی ہے، جو شرک وبدعت اور غلط رسوم پر کیے گئے ہیں، اور ہر ایک مسئلہ کا باضابطہ حوالہ بھی درج کیا گیا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور علمی کاموں میں محنت کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ وہ برابر اس لائن پر چلتے رہیں۔ ((ربّنا تقبّل منّا انک انت السّمیع العلیم))

طالب دعاء: محمد ظفیر الدین غفرلہٗ (مفتی دارالعلوم دیوبند) ۱۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ۔

ارشادِ گرامی قدر!

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی مفتی دارالعلوم دیو بند، نبیرہ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ

علمی اور کتابی حلقہ میں جناب مولانا محمد رفعت قاسمی استاذ دارالعلوم دیو بند کی شخصیت ایک مقبول مؤلف ومصنف کی حیثیت سے کسی تعارف کی محتاج نہیں، اس سے قبل موصوف کی سولہ کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکیں اور خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔

مولانا کی کتابوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ مستند حوالوں کا اہتمام کرتے ہیں۔اس سے جہاں کتاب پر اعتماد بڑھتا ہے وہیں افادیت بھی بڑھ جاتی ہے، عوام کے علاوہ خواص واہل علم کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے حوالہ کے باعث بآسانی اصل ماخذ سے رجوع کرلیتے ہیں۔

زیرِنظر کتاب ''مسائل شرک وبدعت'' اپنے موضوع پر پوری طرح حادی وجامع ہے، شرک وبدعت، فاتحہ مروجہ، میلادِ مروجہ، تیجہ، چالیسواں، نذرونیاز، تعزیہ داری، قبر پرستی وغیرہ شرک وبدعت کے ہر گوشہ پر کتاب محیط ہے اور حسبِ روایتِ سابق معتبر حوالے کتاب کی زینت ہیں، موصوف نے ایک طرح دریا کو کوزہ میں سمیٹ کر اور شرک وبدعت کے موضوع پر کثیر مواد یکجا کرکے بلاشبہ بڑی عرق ریزی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب بھی مؤلف کی دیگر کتابوں کی طرح عوام وخواص میں یکساں مقبول ہوگی۔اللہ تعالیٰ موصوف کو مزید نافع ترین تالیفات کے لیے بیش از پیش توانائی قلم اور سازگار ماحول عطا فرمائے۔آمین۔

کفیل الرحمٰن نشاط

۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ﴾

بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ۔

﴿لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْماً عَظِيماً﴾

جس کے چاہے، اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا۔

خلاصۂ تفسیر: بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو (سزا دے کر بھی) نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے (بلکہ ہمیشہ دائمی سزا میں مبتلا رکھیں گے) اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں (خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ) جس کے لیے منظور ہوگا (بلا سزا) وہ گناہ بخش دیں گے، (البتہ اگر وہ مشرک مسلمان ہو جائے تو پھر مشرک ہی نہ رہا، اب وہ سزا دائمی بھی نہ رہے گی) اور (وجہ اس شرک کے نہ بخشنے کی یہ ہے کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا۔ (جو اپنے عظیم ہونے کی وجہ سے قابل مغفرت نہیں).

معارف ومسائل

شرک کی تعریف اور اس کی چند صورتیں:

قول تعالیٰ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو عقائد ہیں، اس طرح کا کوئی عقیدہ کسی مخلوق کے لیے رکھنا یہ شرک ہے، اس کی کچھ تفصیلات یہ ہیں:

علم میں شریک ٹھہرانا

یعنی کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے، نجومی، پنڈت سے غیب کی خبریں، دریافت کرنا یا کسی بزرگ کے کلام میں فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی، یا کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

☆☆

اشراک فی التصرف

یعنی کسی کو نفع یا نقصان کا مختار سمجھنا۔ کسی سے مرادیں مانگنا، روزی اور اولاد مانگنا۔

عبادت میں شریک ٹھہرانا

کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت ماننا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول یا رسم کو ترجیح دینا، کسی کے روبرو رکوع کی طرح جھکنا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا اور کسی مہینہ کو منحوس سمجھنا وغیرہ۔ (معارف القرآن: جلد دوم، ص ۴۳۰)

توحید کے معنی وتعریف

مسئلہ :۔توحید کے معنی ہیں۔خدا کو ذات وصفات میں واحد، کامل و یکتا اور بے نظیر سمجھنا، شریعت میں توحید سے محض وحدت، عدد یہ اعتراف اہل حساب مراد نہیں، بلکہ وحدتِ عرفیہ مراد ہے، اور عرف میں وحدت کا مفہوم یہی ہے کہ کوئی ذات وصفات میں کامل و یکتا اور بے نظیر ہو، اور جو شخص قرآن کریم کو کلام الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کو رسول اللہ نہیں سمجھتا، وہ نعوذ باللہ خدا کو کاذب سمجھتا ہے: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اپنا کلام اور سیدنا محمد ﷺ اور جملہ ابنیاء جن کا ذکر قرآن (وحدیث) میں آیا ہے، ان کو اپنا نبی اور رسول فرمایا ہے۔اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ خدا کی تکذیب کرتا ہے، اور جو شخص خدا کو ایک مانے مگر اس کے ساتھ اس کو کاذب (جھوٹا) بھی کہے وہ ہرگز موحد نہیں ہوسکتا۔ (یعنی وہ کافر ہی ہے) (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۳۵)

کفر کیا ہے؟

مسئلہ :۔جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک بات کو بھی نہ ماننا کفر ہے۔ مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو نہ مانے، یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرے۔ یا دو تین خدا مانے، یا فرشتوں کا انکار کرے، یا اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا انکار کرے، یا کسی پیغمبر کو نہ مانے، یا تقدیر سے منکر ہو، یا قیامت کے دن کو نہ مانے، یا اللہ تعالیٰ کے قطعی احکام

میں سے کسی حکم کا انکار کرے، یا رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی کسی خبر کو جھوٹا سمجھے، تو ان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا۔ (تعلیم الاسلام: ج ۴، ص ۱۸)

شرک کیا ہے؟

مسئلہ :۔شرک کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، ذات میں شرک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دو یا تین خدا ماننے لگے جیسے عیسائی کہ تین خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہیں۔ اور جیسے آتش پرست کہ دو خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہوئے اور جیسے بت پرست کہ بہت سے خدا مان کر مشرک ہو گئے ہیں۔

مسئلہ :۔صفات میں شرک کرنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی صفات کی طرح کسی دوسرے کے لیے کوئی صفت ثابت کرے، یہ شرک ہے۔ کیونکہ کسی مخلوق میں خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی، ولی ہو یا شہید، پیر ہو یا امام، اللہ تعالیٰ کی صفتوں کی طرح کوئی صفت نہیں ہو سکتی ہے۔

مسئلہ :۔شرک کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں :۔

۱۔شرک فی القدرت: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح صفت قدرت کسی دوسرے لیے ثابت کرنا، مثلاً یہ سمجھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی شہید وغیرہ پانی برسا سکتے ہیں یا بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں، یا مرادیں پوری کر سکتے ہیں یا مارنا، جلانا ان کے قبضہ میں ہے یا وہ کسی کو نفع ونقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ یہ تمام باتیں شرک ہیں۔

۲۔شرک فی العلم: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کے لیے صفت علم ثابت کرنا، مثلاً یوں سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح فلاں پیغمبر یا ولی وغیرہ غیب کا علم رکھتے تھے یا خدا کی طرح ذرہ ذرہ کا انہیں علم ہے یا وہ ہمارے تمام حالات سے واقف ہیں یا دور ونزدیک کی چیزوں کی خبر رکھتے ہیں، یہ سب شرک فی العلم ہے۔

۳۔شرک فی السمع والبصر: یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت سمع یا بصر میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا پیر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور ونزدیک سے سن لیتے ہیں یا ہمیں اور ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں، یہ سب شرک ہے۔

۴۔شرک فی الحکم: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی اور کو حاکم سمجھنا اور اس کے حکم کو خدا کی

طرح ماننا، مثلاً پیر صاحب نے حکم دیا کہ یہ وظیفہ نمازِ عصر سے پہلے پڑھا کرو تو اس حکم کی تعمیل کو اس طرح ضروری سمجھے کہ وظیفہ پورا کرنے کی وجہ سے عصر کا وقت مکروہ ہو جائے یا نماز قضا ہو جانے کی پرواہ نہ کرے، یہ بھی شرک ہے۔

۵۔ شرک فی العبادت: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کو عبادت کا مستحق سمجھا، مثلاً کسی قبر یا پیر کو سجدہ کرنا یا کسی کے لیے رکوع کرنا، یا کسی پیر، پیغمبر، ولی، اور امام کے نام کا روزہ رکھنا یا کسی کی نذر اور منت ماننا یا کسی قبر یا مرشد کے گھر کا خانہ کعبہ کی طرح طواف کرنا، یہ سب شرک فی العبادت ہیں۔ (تعلیم الاسلام: ج۴، ۲/ آپ کے مسائل: ج۱، ص۴۱)

تفصیل کے لیے دیکھئے قرآنِ کریم پارہ پانچ سورۂ نساء، بخاری شریف ج۲، ص۳۳۶۔ کتاب الرقاق، مشکوٰۃ شریف: ج۲، ص۸۲۷ و مظاہر حق: ج۴، ص۳۳۴، مسلم شریف: ج۱، ص۱۶، کتاب الایمان و ترمذی شریف ج۲، ص۱۰۳۔

<u>مسئلہ</u>:۔ شرک کے معنی ہیں حق تعالیٰ کے الوہیت میں یا اس کی صفاتِ خاصہ میں کسی دوسرے کو شریک کرنا اور یہ جرم بغیر توبہ کے ناقابل معافی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۴۳)

<u>مسئلہ</u>:۔ شرک کی باتوں کے قریب مت جاؤ، اولاد کے ہونے یا زندہ رہنے کے لیے ٹونے ٹوٹکے مت کرو، فال مت کھلواؤ، فاتحہ و نیاز ولیوں کی مت کرو، بزرگوں کی منت مت مانو، شب برأت، محرم، عرفہ تبارک کی روٹی، تیرہ تیزی کی گھونگنیاں کچھ مت کرو، اور جہاں رسومات وغیرہ ہوتی ہوں وہاں پر مت جاؤ۔ (بہشتی زیور: ج۷، ص۶۲)

شرک کی قسمیں

سوال:۔ وہ شرک جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿**إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ**﴾ الخ۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور آیا اس شرک کا کوئی مرتبہ ایسا بھی ہے کہ بعض غیر اللہ کو اس درجہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا منافی نجات نہ ہو؟ اور بعض کو شریک کرنا منافی نجات ہو؟ مثلاً ایک تو بزرگوں کی قبروں یا تعزیہ وغیرہ کو خاص نیت واعتقاد کے ساتھ سجدہ کرنا ہے، حاجت مانگنا ہے، یا ان پر حلوہ، مالیدہ، شیرینی وغیرہ چڑھانا ہے، دوسرے بتوں یا پیپل کے درخت کو اسی نیت واعتقاد کے ساتھ سجدہ کرنا، حاجت مانگنا یا ان

پر حلوا وغیرہ چڑھانا ہے، تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ان بزرگوں کی مقبولیت عنداللہ ہونے کی وجہ سے سجدہ وغیرہ کرنا منافی نجات نہ ہو اور بتوں اور پیپل کے ساتھ وہی برتاؤ منافی نجات ہو؟

اور اگر یہ نہیں ہوسکتا بلکہ شرک کا ہر درجہ اور ہر مرتبہ منافی نجات ہے، تو کیا وجہ ہے کہ بزرگوں کی قبروں یا تعزیہ وغیرہ کو سجدہ کرنے اور ان سے مرادیں مانگنے، حلوہ، مالیدہ چڑھانے کو شرک منافی نجات نہ کہا جائے، اور پیپل کے درخت، بتوں وغیرہ کے ساتھ وہی برتاؤ، شرک منافی نجات سمجھا جائے؟ حالانکہ مشرکین مکہ بھی بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ماتحت بلکہ وسیلۂ قرب الی اللہ سمجھتے تھے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ اور جس طرح تعزیوں کی نسبت حضرات شہداءِ کربلا کی طرف کی جاتی ہے، ایسے ہی بتوں کو بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، چنانچہ کوئی حضرات ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نامزد تھا، اور کوئی حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ، پس شرک کی حقیقت کیا ہے؟ جو اول میں پائی جاتی ہے اور دوسرے میں نہیں؟

جواب:۔ وہ شرک جس پر عدم نجات وخلودِ نار مرتب ہے، اس کی تعریف یہ ہے، جو حاشیہ خیالی میں شرح مقاصد سے نقل کی گئی ہے۔ ((**ان الکافر ان اظہر الایمان فھو المنافق وان طرا کفرہٗ بعدالایمان فھو المرتد وان قال بالشریک فی الالوھیّۃ فھوَ المُشرِک**))۔ (ص ۱۳۴)

پس اب سمجھنا چاہئے کہ مشرکین عرب جو اصنام کی عبادت کرتے تھے۔ اور قبر پرستِ مسلمان جو قبروں اور تعزیتوں کو سجدہ کرتے ہیں دونوں میں فرق ہے، مشرکین عرب ان کو شریک فی الالوہیۃ کرتے تھے اور زبان سے بھی ان کو شریک خدائی کہتے تھے، ((**دل علیہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا﴾ وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ﴾ وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَيَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا﴾ وغیر ذالک من الایات**)) اور گو وہ لوگ اس میں تاویلیں کرتے تھے مگر اسی کے ساتھ کلمۂ توحید سے متوحش بھی ہوتے تھے، اور کہتے تھے: ((**لبیک لاشریک لک الاشریکا ھو لک تملکہ**

وماملک))اور قبر پرست یا تعزیہ پرست ایسے نہیں ہیں نہ وہ کلمۂ توحید کے منکر ہیں نہ اس سے متوحش ہیں: بلکہ بلا استثناء خدا تعالیٰ کو معبود واحد کہتے اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور ہنود اپنے دیوتاؤں کو شریکِ الوہیت مانتے ہیں اور کلمۂ توحید سے منکر ومتوحش ہیں جیسا کہ مشرکین عرب کی حالت اوپر معلوم ہوئی ہے، پس دونوں میں فرق یہ ہے کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں کا شرک عملی ہے جب تک کہ وہ اپنے کو مسلم وموحد کہتے رہیں اور ہنود کا شرک اعتقادی وعملی دونوں سے مرکب ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ سجدہ غیر اللہ کو کرنا مطلقاً شرک نہیں بلکہ بعض صورتوں میں امارت شرک ہے، باقی حقیقتِ شرک وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

((ای القول بالشریک فی الالوهیة قلباًو لسانا،قال فی شرح العقائد ولانزاع فی ان من المعاصی ماجعله الشارع امارة للتکذیب وعلم کونه کذلک بالادلة الشرکیة کسجود الصنم والقاء دالمصحف فی القاذورات والتلفظ بالفاظ الکفر))۔(ص ۱۴۸)

باقی قبروں اور تعزیوں کو سجدہ کرنا یہ علامت تکذیب شرع نہیں، کیونکہ کفار میں ان کی عبادت رائج نہیں، ہاں جس چیز کی عبادت کفار میں رائج ہے، اس کو سجدہ کرنا قضاء حکم کفر کو مستلزم ہوگا۔ **(کماصرح به فی حاشیة شرح العقائد،ص مذکور)**

اور دیانۃً اگر تصدیق وایمان قلبی میں خلل نہ ہوا تو عند اللہ مؤمن ہوگا، علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب ''صراط مستقیم'' (ص ۱۵۰ سے ۱۶۵ تک) ملاحظہ ہو، علامہ نے اس میں تعظیم قبور اور سجدہ قبور کے متعلق سخت تہدیدی کلام فرمایا ہے: مگر ان لوگوں کا فر ومشرک نہیں کہا جو اس میں مبتلا ہیں، ہاں مشابہ مشرکین ضرور کہا۔ نیز حدیث میں ہے: **((لعن الله اقواماتخذوا قبور انبیاء هم مساجد، اللهم لاتجعل قبری وثنایعبد.الخ))** مگر اس سے فقہاء نے سجدۂ قبر کی حرمت ہی مستنبط کی ہے، کسی نے ساجد قبر کو محض سجدہ کی وجہ سے کافر نہیں کہا:

((اللهم الاان یقربانه علی طریق العبادة وان صاحب القبر معبود ای شریک فی الالوهیة فافهم والله تعالیٰ اعلم۔))

ان عبارات کا مقتضا یہ ہے کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں میں جو لوگ اہل قبور یا تعزیہ کی نسبت تاثیر غیبی کے معتقد ہیں، وہ مشرک ہیں اور جو محض ظاہری تعظیم کے طور پر ان کو

سجدہ وغیرہ کرتے ہیں اوران کی تاثیر کے معتقد نہیں وہ شرک عملی کی وجہ سے فاسق ہیں کافر نہیں، اور حضرت شیخ نے اعتقاد تاثیر وعدم اعتقاد تاثیر کے معیار کا یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اس کی مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع وضرر کی اس طرح سے عطا فرمادی ہے کہ اس کا اپنے معتقد ومخالف کو نفع یا ضرر پہنچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں گو اگر روکنا چاہے تو پھر قدرتِ حق ہی غالب ہے، جیسے سلاطین اپنے نائبین حکام کو خاص اختیارات اس طرح دے دیتے ہیں کہ ان کا اجراء اس وقت سلطان اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا، گو روکنا چاہیے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا۔ سو یہ عقیدہ تو اعتقاد تاثیر ہے، (اور مشرکین عرب کا اپنے آلہۂ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا) اور بعض کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایسی قدرت مستقلہ تو کسی مخلوق میں نہیں: مگر بعض مخلوق کو قرب وقبول کا ایسا درجہ عطا ہوتا ہے کہ یہ اپنے متوسلین کے لیے سفارش کرتے ہیں پھر اس سفارش کے بعد بھی انکو نفع وضرر کا اختیار نہیں دیا جاتا: بلکہ حق تعالیٰ ہی نفع وضرر پہنچاتے ہیں: لیکن اس سفارش کے قبول میں تخلف کبھی نہیں ہوتا اور اس سفارش کی تحصیل کے لیے اس کے ساتھ بلاواسطہ معاملہ مشابہ عبادت کرتے ہیں، یہ عقیدۂ اعتقاد تاثیر نہیں ہے: لیکن بلا دلیل شرعی بلکہ خلافِ دلیل شرعی ایسا عقیدہ رکھنا معصیت اعتقادیہ ہے اور مشابہ عبادت معاملہ کرنا معصیت عملیہ ہے، اور اسی مشابہت کے سبب اطلاقات شرعیہ میں اس کو مشرک کہہ دیا جاتا ہے: ((قال الشیخ اشرف علی ھٰذاماسنع لی واللہ اعلم، ومن ھٰھنالم یکفر مشائخنا واکابرنا عابدی القبور والساجدین لھا وامثالھم لحملھم حالتھم علی الصورۃ الثانیۃ دون الاولیٰ وقرینۃ دعویٰ ھٰؤلآء الاسلام والتوحید والتبری من الشرک بخلاف مشرکی العرب والھند فانھم یتوحشون من التوحید ومن نفی القدرۃ المستقلۃ عن الھتھم وقالوا اجعل الألھۃ الھا واحدا. واللہ اعلم))۔ (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۱۸ تا ص ۱۲۳)

امورِ غیر عادیہ اور شرک؟

سوال:۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء اولیاء اور فرشتوں کو اختیارات اور قدرتیں بخشی

ہیں؟ جیسے کہ انبیاء نے مردوں کو زندہ کیا اور فرشتے ہوائیں چلاتے ہیں، کوئی پانی وغیرہ برساتے ہیں: مگر توحید کی کتاب میں ہے کہ بھلائی برائی، نفع ونقصان کا اختیار اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں، خواہ نبی ہو یا ولی، اللہ کے سوا کسی اور میں نفع نقصان کی قدرت ماننا شرک ہے؟

جواب:۔ جو امور اسباب عادیہ سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً کسی بھوکے کا کسی سے روٹی مانگنا یہ تو شرک نہیں، باقی انبیاء و اولیاء کے ہاتھ پر جو خلاف عادت واقعات ظاہر ہوتے ہیں، وہ معجزات و کرامات کہلاتے ہیں، اس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے، مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ، کرنا، یہ ان کی قدرت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا تھا، یہ بھی شرک نہیں، یہی حال فرشتوں کا ہے جو مختلف کاموں پر مامور ہیں۔ امورِ غیر عادیہ میں کسی نبی یا ولی کا متصرف ماننا شرک ہے (آپ کے مسائل: ج۲، ص۴۳)

کافر اور مشرک میں کیا فرق ہے؟

مسئلہ:۔ آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین میں سے کسی بات سے جو انکار کرے وہ ''کافر'' کہلاتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات میں، صفات میں، یا اس کے کاموں میں کسی دوسرے کو شریک سمجھے وہ ''مشرک'' کہلاتا ہے۔

مسئلہ:۔ کافر اور مشرکوں کے نجس ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں یہ تو قرآنِ کریم کا فیصلہ ہے، لیکن ان کی نجاست ظاہری نہیں، معنوی ہے: اس لیے کافر و مشرک کے ہاتھ منہ اگر پاک ہوں (ظاہری نجاست لگی نہ ہو تو) ان کیساتھ کھانا جائز ہے، آنحضرت ﷺ کے دستر خوان پر کافروں نے بھی کھانا کھایا ہے۔ (آپ کے مسائل: ص۴۳)

مسئلہ:۔ ہر مشرک تو کافر ہے لیکن ہر کافر مشرک نہیں، کافر تو وہ بھی ہوتا ہے جو ضروریاتِ دین، نص قطعی وغیرہ کا انکار کرے، مگر اس کو مشرک نہیں کہتے بلکہ مشرک اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے خواہ ذات میں خواہ صفات و افعال وغیرہ میں، اللہ تعالیٰ نے دونوں کے نہ بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج۱، ص۱۱۷)

☆☆

کسی کو کافر کہنا

مسئلہ:۔حدیث شریف میں ہے کہ جس نے دوسرے کو کافر کہا، ان میں سے ایک کفر کے ساتھ لوٹے گا، اگر وہ شخص جس کو کافر کہا، واقعتاً کافر تھا تو ٹھیک، ورنہ کہنے والا کفر کا وبال لے کر جائے گا۔ کسی کو کافر کہنا گناہِ کبیرہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸ص۳۵۵)

سوال:۔((الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ)) پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:۔اگر آپ اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو حضور ﷺ کی سنت سے منور کر رہے ہیں اور اعلیٰ درجے کا آپ کو سنت سے تعلق ہے، سارا عمل سنت کے موافق ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں آپ کو حضور ﷺ سے محبت ہوگئی اور محبت آگے بڑھ کر عشق کے درجہ تک پہنچ گئی اور یہاں سے مدینہ منورہ تک جتنے حجابات تھے سارے آپ کیلئے اُٹھا دیئے گئے اور آپ کو یہیں سے کھڑے کھڑے روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نظر آرہا ہے، تو بلا تکلف پڑھیے: ((الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ))! کسی کے روکنے سے نہ رکیئے اور حجابات نہیں اٹھے، یہاں سے روضۂ مقدسہ آپ کو نظر نہیں آتا تو معلوم ہوتا ہے عشق میں کمی ہے: لہٰذا آپ یہاں سے پڑھیے:

((اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد))۔(آخر تک)

لہٰذا تکلیف کیجئے اور سفر کیجئے، مدینے پاک پہنچ کر روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت ادب واحترام کے ساتھ دھیمی آواز سے وہاں پڑھیے: ((الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ)) دور سے بڑوں کو چلا چلا کر پکارنا بے ادبی ہے، کھیت والوں کا طریقہ ہوتا ہے، کھیت والے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، اے فلانے! کوئی جواب میں کہتا ہے ہاں بھئی! بڑوں کو اس طرح نہیں پکار سکتے، بڑوں کے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا جاتا ہے۔ (قرآن پاک میں) حضور اقدس ﷺ کے متعلق موجود ہے:﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَکُم﴾۔(الآیۃ) اپنی آواز کو حضور اقدس ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو، بعضے آدمی کی آواز قدر بلند تھی، بات کرنے میں آواز بلند ہو جاتی تھی۔

جیسے وہاں آیت نازل ہوئی اپنی آواز کو حضور ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو:

﴿ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ ﴾ نبی کے سامنے ایسے زور سے نہ بولو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بولا کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے، جو لوگ آواز دھیمی اور ہلکی کرتے ہیں نبی کے سامنے، یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا امتحان لے لیا ہے، ان کے دلوں میں تقویٰ موجود ہے، لہٰذا اس آیت کے نزول کے بعد بعض صحابہؓ تو اس طریقہ سے بولتے تھے کہ بار بار پوچھنے کی نوبت آتی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، ڈر کے مارے کہ زور سے بولنے سے کہیں اعمال حبط نہ ہو جائیں، ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ ﴾ جو دور کھڑے ہو کر چلا کر پکارتے ہیں ان کو قرآن نے بے وقوف کہا ہے: ﴿ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ یہاں سے یا کسی اور مقام سے آواز دے کر چلانا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس طرح سے چلانے والے کو قرآن نے بے وقوف کہا ہے۔

لہٰذا دور سے کھڑے ہو کر چلانا، آواز لگانا، دور سے اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا جیسے اسکول کے بچے پہاڑے پڑھا کرتے ہیں، ایک نے ایک لفظ کہا، پھر سب نے مل کر وہی کہا (یہ طریقہ) غلط ہے، نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث پاک سے، نہ صحابہؓ نے ایسا کیا، نہ ائمہ مجتہدین نے کیا، آپ درود شریف پڑھئے ایک کونہ میں بیٹھ کر پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ ہر طرف سے دل کو ہٹا کر آپ پڑھئے جتنا جی چاہے پڑھئے کوئی آپ کو روک نہیں سکتا، اگر روکے تو نہ رکئے اس کا کہنا وحی تو نہیں ہے، نہ رکیئے، اتنی بات ہوئی۔ اس واسطے صلوٰۃ وسلام صیغۂ خطاب کے ساتھ یا ندا کے ساتھ بنی سلام علیک یا رسول سلام علیک کہے یا رسول اللہ صلوٰۃ علیک یہ زور زور سے چلا کر پڑھنا، ایک آواز ملا کر گا گا کر یہ غلط طریقہ ہے اور یہ بھی ساتھ ساتھ تصور ہو کہ براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما ہیں، اور زیادہ غلط ہے: ((اللھم صل علیٰ سیدنا محمد)) پڑھنا چاہئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں آکر عقائد خراب بھی نہ ہونے پائیں، عقائد کو صاف اور صحیح رکھنا ضروری ہے۔

جوش اور محبت میں آکر صحابۂ کرامؓ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو شانِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو، جس میں عقائد کو خطرہ ہو، اس کی حفاظت بہت ضروری ہے، ورنہ جوش اور محبت ہی

کا نتیجہ تھا جو یہودیوں نے حضرت عزیز کو پوجا تھا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اور جتنے بت پرست ہیں جن چیزوں کو معبود قرار دیتے ہیں جوشِ محبت ہی کا نتیجہ ہے، اس لیے اسلام میں جوش اور محبت کے حدود قائم کر کے ان حدود کو مقید کیا گیا ہے۔

اس واسطے عقائد کی تصحیح کی بہت ضرورت ہے، عقیدے پر مدار نجات ہے، ایمان کا مدار عقیدے کی صحت پر ہے، عقیدہ غلط ہوگا، ایمان خراب ہوگا، نجات نہیں ہوگی۔

(ملفوظات جامع شریعت استاذی حضرت مفتی محمود حسن صاحب ''مفتی اعظم دارالعلوم دیو بند، حوالہ انور، اکتوبر۲۰۰۲)

مسئلہ:۔ جو شخص حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کے قریب سے درود شریف پڑھتا ہے تو آپ ﷺ اس کو سنتے ہیں (چونکہ آپ ﷺ کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے) اور جو شخص دور سے درود شریف پڑھتا ہے تو وہ آپ ﷺ کو فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے (خود نہیں سنتے حدیث سے ثابت ہے۔) پس دور سے ((الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ)) اگر اس نیت اور اعتقاد سے کہتا ہے کہ ملائکہ، صلوٰۃ وسلام کو حضور ﷺ کے پاس پہنچاتے ہیں تو درست ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی کو خط لکھتا ہے اور اس میں صیغۂ (لفظ) خطاب استعمال کرتا ہے، اور جانتا ہے کہ مکتوب الیہ کے پاس میرا خط بذریعہ ڈاک پہنچے گا۔ یہ درست ہے، اور اگر اس نیت اور اعتقاد سے کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود بلا توسط اس کو سنتے ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو یہ اعتقاد احادیث اور شریعت کے خلاف ہے۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں۔ اس اعتقاد سے توبہ فرض ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ شرک ہے، عوام چونکہ اس فرق کو نہیں سمجھتے اس لیے ان کو ایسے موقع پر صیغۂ خطاب استعمال کرنے سے روکنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۶، ص۷۳)

مسئلہ:۔ مصیبت اور حاجت کے وقت انبیاء علیہم السلام یا اولیاء اللہ کو دور سے مدد کے لیے بعض حضرات پکارتے ہیں، یہ عقیدہ بھی اسلام کے خلاف ہے، جب ایسا عقیدہ حضور ﷺ کے متعلق رکھنا کفر ہے تو کسی اور نبی یا ولی کے متعلق کیسے درست ہوگا۔ یارسول اللہ! اس عقیدہ سے کہنا کہ ہر جگہ سے حضور ﷺ اس آواز کو خود سنتے ہیں، ناجائز ہے اور اس

عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع کرتے ہیں درست ہے، لیکن عوام کے عقائد میں ضرور اس سے فساد آتا ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔

مسئلہ:۔ ((ایھا النبی))! نماز میں پڑھنا شرعاً ثابت ہے: لہٰذا اس کو پڑھنا جائز ہے اور عقیدہ یہ رکھنا چاہئے کہ ملائکہ کے ذریعہ سے درود وسلام آپ ﷺ تک پہنچتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۵، ص ۲۷۶، بخاری شریف: ج ۳، ص ۲۶، مظاہر حق، ج ۲، ص ۲۵۷)

یارسول اللہ! کہنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ یارسول اللہ! کہنے میں بڑی تفصیل ہے، بعض طریقے جائز اور بعض طریقے سے ناجائز ہے۔ بے شک آپ ﷺ حیات ہیں، قبر شریف کے پاس درود وسلام پڑھا جاتا ہے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور کسی دور دراز مقام سے صلوٰۃ وسلام بھیجا جائے تو فرشتے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجنے والے کے نام کیساتھ پیش کرتے ہیں اور آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں (یہ حدیث سے ثابت ہے) نزدیک ہو یا دور صحیح عقیدہ کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتے وقت یارسول اللہ! کہا جائے تو وہ جائز ہے: مگر یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ دور سے پڑھے ہوئے درود وسلام آپ ﷺ کو بذریعہ فرشتہ پہنچائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرح بہ نفس نفیس سن لینے کا عقیدہ نہ رکھے، اسی طرح التحیات میں ((السلام علیک ایھا النبی))! کہہ کر سلام پہنچایا جاتا ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، نیز قرآن شریف پڑھتے وقت ((یاایھا المزمل))! عبادت کے طور پر پڑھا جاتا ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس کو حاضر وناظر کی دلیل بنالینا جہالت ہے، حاضر وناظر کے عقیدے کے بغیر فقط جوش محبت میں یارسول اللہ کہا جائے یہ بھی جائز ہے، کبھی غایت محبت اور شدید غم کی حالت میں حاضر وناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لیے لفظ "ندا" بولتے ہیں، یہ بھی جائز ہے، کبھی صرف تخیل کے طریقہ کے ساتھ شاعرانہ وعاشقانہ خطاب کیا جاتا ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہوتا (شعراء تو دیواروں اور کھنڈرات کو بھی مخاطب بناتے ہیں) یہ ایک محاورہ ہے، حاضر وناظر وغیرہ کا کوئی عقیدہ یہاں نہیں ہوتا، البتہ بغیر صلوٰۃ وسلام حاضر وناظر جان کر حاجت روائی کے لیے اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ!، یاعلی!، یاغوث!، وغیرہ کہنا بیشک ناجائز اور ممنوع ہے، خلاصہ یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے چاہے نبی ہو، یا ولی، حاضر وناظر اور حاجت روا ہونے کا عقیدہ بالکل غلط اور باطل ہے، حاضر وناظر صرف خدا کی ذات ہے۔

غرض یہ کہ یارسول اللہ!، یاغوث!وغیرہ اس عقیدہ سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح یہ حضرات بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہیں یا ہماری پکار اور فریاد کو سنتے ہیں اور حاجت روا ہیں، جائز نہیں ہے، اگر اپنا عقیدہ نہ ہو لیکن اوروں کا عقیدہ بگڑنے کا اندیشہ ہو تب بھی جائز نہیں کہ ان کے سامنے ایسے کلمات کہیں (یہ کلمات کفریہ ہو جاتے ہیں جبکہ حاضر وناظر جان کر کہے)۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۴۸، بحوالہ مشکوٰۃ شریف: ج ۱، ص...... فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۹۰)

مسئلہ:۔ علماء دیوبند کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مزار مبارک کی زیارت افضل المستحبات، بلکہ قریب واجب اور بڑی فضیلت اور اجر عظیم کا موجب ہے، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جب مدینہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت کر کے جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱، ص ۶۶، بحوالہ ذبدۃ المناسک: ص ۱۱۳)

یارسول اللہ کہنے کی تفصیل

قرآن کریم کی بہت سی آیات سے بالکل واضح اور قطعی طور پر مندرجہ ذیل امور ثابت ہیں:

☆ ایک یہ کہ صرف خدا ہی وہ ہستی ہے جو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اور نہ صرف پکار کو سنتا ہے بلکہ دل ہی دل میں مانگی جانے ولی دعاؤں کو بھی سنتا ہے اور قلب وذہن کی ہر کیفیت سے باخبر ہے۔

☆ دوسرے یہ کہ تمام انبیاء واولیاء اس کے بندے ہیں اور بشر (انسان) ہیں، ان میں کوئی مافوق البشر طاقت وصلاحیت نہیں ہے ان سے جن معجزات یا کرامات کا ظہور ہوتا ہے وہ اسی وقت ہوتا ہے جب اللہ اسے مناسب سمجھے اور وہ ارادہ فرمالے۔

☆ تیسرے یہ کہ اللہ کے سوا کسی ہستی میں کوئی بھی ایسی صلاحیت فرض کر لینا شرک ہے جو اللہ کے لیے مخصوص ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات ہی میں یکتا نہیں صفات میں بھی یکتا ہے۔ ہر وقت ہر جگہ موجود ہونا اور ہر دعاء وپکار، فریاد وگزارش کو سن کر اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اس کا کام

ہے، یہ وصف کسی اور میں نہیں ہوسکتا اور جو لوگ اس وصف کو کسی اور میں تسلیم کریں گے وہ مشرک ہونگے۔

یہ تینوں باتیں جب قطعی اور اٹل ہوگئیں تو اب کسی بھی دلیل سے ان کے خلاف عقیدہ نہیں رکھا جاسکتا، ہر استدلال کو رد کیا جاسکتا ہے مگر قرآن کو نہیں رد کیا جاسکتا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ خدا کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں اور یا رسول اللہ! کا نعرہ اس عقیدہ کے ساتھ لگانا کہ حضور ﷺ بغیر فرشتوں کے توسل سے خود سن رہے ہیں شرک کی بدترین قسم ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ (محمد رفعت قاسمی)

یاشیخ عبدالقادر شیئاً للّٰہ پڑھنا

سوال:۔یاشیخ عبدالقادر شیئاً للہ لکھنا اور بطور وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:۔اس جملہ میں حضرت سید عبدالقادر صاحبؒ سے کچھ اللہ کے واسطے مانگا گیا ہے، سوال خود ان ہی سے ہے اور اللہ جل جلالہ، وعم نوالہ، کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے، برعکس ہوگیا، مانگنا چاہیئے تھا اللہ تعالیٰ سے پاک مالک الملک سے اور وسیلہ بنالیا جاتا ہے اس کے مقبول بندکو مگر یہاں معاملہ الٹا ہوگیا، اس کا وظیفہ ناجائز ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ص۱۸۱، ص۱۹۸)

مسئلہ:۔ مذکورہ وظیفہ پڑھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ شیخ عبدالقادرؒ ہر جگہ حاضر و ناظر، عالم الغیب وغیرہ وغیرہ ہیں۔ شرعاً کسی طرح جائز نہیں، ایسا عقیدہ حرام بلکہ شرک ہے، کیونکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کیساتھ مخصوص ہیں اور جو شخص کسی اور میں ان صفات کا عقیدہ رکھتا ہو، فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے، پس ایسے وظیفہ کا کتبہ مسجد میں آویزاں کرنا بھی جائز نہیں اور مسجد کی پیشانی پر کندہ (کھدائی) کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور اس کا مٹانا باعث اجر ہے۔

یا شیخ عبدالقادر! کی جگہ یا ((ارحم الراحمین)) پڑھنا چاہیئے، جس کے قبضۂ قدرت میں شیخ عبدالقادرؒ، بلکہ تمام عالم ہے، خلاف شرع عقیدہ رکھنے والوں کو کسی بہتر تدبیر شرعی سے سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لانا چاہیئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۶ ص۵۷، و نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۵۲)

((یاشیخ عبدالقادر شیئاً للہ)) کا وظیفہ ایسا کھلا شرک ہے کہ اگر کہیں بچی

اسلامی حکومت قائم ہوتو وہ ایسا وظیفہ پڑھنے والوں اور ایسا نعرہ لگانے والوں کو مرتد قرار دے کران سے توبہ کا مطالبہ کرے گی۔ اور اگر توبہ نہ کریں تو گردن اڑادے گی، غلط قسم کی تعلیمات کے کوڑے کرکٹ میں اگر قرآن کریم وحدیث شریف کے آب دار موتی چھپا نہ دیئے گئے ہوتے تو بیوقوف سے بیوقوف مسلمان بھی ایسے وظیفوں کے چکر میں نہیں آسکتا تھا، مگر غلط قسم کی پیری ومریدی اور بگڑے ہوئے تصوف نے سادہ دل اور خداپرست مسلمانوں کے دل ودماغ پر چھاپا مار کران کی عقل خراب کردی۔

یاد رکھو! قیامت کے دن جب حساب کتاب ہوگا تو ہمارے سب کے عقائد واعمال بس قرآنِ کریم اور احادیث قویہ ثابتہ کی کسوٹی پر جانچے وپرکھے جائیں گے۔ وہاں پر نہ بڑے پیر صاحب کام آئیں گے نہ چھوٹے، سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ تو صاف کہہ دیں گے، اے اللہ! میری کچھ خطا نہیں، میں تو اپنی قبر میں پڑا تھا اور زندگی بھر میں نے توحید کی تعلم دی، یہ شیطان نے بہکا کر سکھا کر سارا فساد پھیلا دیا ہے، کم عقل لوگ اگر شیطان کے بہکاوے میں آکر مجھ کو دستگیر اور حاجت روا اور نہ جانے کیا کیا سمجھنے لگے، تو میرا اس میں کیا قصور؟ میری تو مغفرت فرمادیجئے ان کا جو چاہیں کریں۔

اور یہ بھی یادرکھنے کی بات ہے کہ شاہ صاحبؒ تو کیا بڑے سے بڑے بزرگ وپیر نے بھی اگر کوئی قول یا فعل ایسا کہا ہوگا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو تو ان سے باز پرس ہوگی، خدا کی عدالت میں سب بندے مسئول ہیں، انبیاءؑ تک اس کے خوف سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ (محمد رفعت قاسمی)

یاغوث الاعظم المدد، پکارنا

سوال:۔ حضرت امام حسینؓ سے "یا حسینؓ امداد کن"، "یا حسینؓ اغثنی" پکار کر مدد طلب کرنا، روزی اور اولاد چاہنا، جائز ہے یا نہیں؟ یاغوث الاعظم دستگیر اغثنی باذن اللہ یا شیخ محی الدین مشکل کشا بالخیر، اس طریقہ سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حضرت امام حسینؓ کو اس طرح پکارنا مدد مانگنے اور مذکورہ وظیفہ پڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں، ممانعت ہے، وسیلہ پکڑنا جائز ہے، مگر اس کا یہ طریقہ نہیں ہے، مذکورہ

طریقہ جاری رہنے سے دوسروں کے بھی عقائد، فاسد ہونے کا خوف ہے، لہٰذا اس وظیفہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے، خدا کو چھوڑ کر دوسروں سے اولاد مانگنا بیمار کیلئے شفا طلب کرنا، اہل قبور سے روزی مانگنا، مقدمہ میں کامیاب کرنے کی درخواست کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مشرکانہ فعل ہے، اس لیے کہ عبادت اور طلب حاجت واستعانت فقط اللہ ہی کا حق ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۷، وج ۱، ص ۱۰۶، بحوالہ مشکوٰۃ شریف: ص ۴۵۳، فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۴۰)

مسئلہ:۔ ان اعتقادات اور اعمال سے ایمان سلامت نہیں رہتا، اس عقیدہ کو (غوث الاعظم وغیرہ سے مانگنے کو) فقہاء نے کفر لکھا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۲۳)

مسئلہ:۔ خدا کو چھوڑ کر دوسرے اہل قبور سے اولاد مانگنا بیمار کے لیے شفا چاہنا اور رزق طلب کرنا مشرکانہ فعل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳، ص ۴، وفتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۴۲، ومحمودیہ: ج ۱، ص ۱۰۸)

مسئلہ:۔ قبرستان بحالت قیام، قبلہ رخ ہو کر اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا آداب میں سے ہے اور مسنون ہے بدعت نہیں ہے، نیز بیٹھے ہوئے بلا ہاتھ اٹھائے ہوئے بھی دعا جائز ہے۔ لیکن دعا کے وقت ایسی ہیئت اختیار نہ کی جائے کہ دیکھنے والے کو شبہ ہو کہ اہل قبور سے حاجت طلب کر رہا ہے، اسی لیے جب ہاتھ اٹھا کر دعا کرے تو قبر کی طرف منہ نہ ہونا چاہئے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳، ص ۱۰۲، بحوالہ مسلم شریف: ج ۱، ص ۳۱۳، عالمگیری: ج ۵، ص ۳۵)

مسئلہ:۔ مراد وحاجت صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے، کسی مرحوم ولی کو مدد کے لیے پکارنا منع ہے، اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہم جہاں سے پکاریں ولی سنتے اور مدد کے لیے آتے ہیں تو یہ عقیدہ قطعاً غلط اور تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہے اور سخت خطرناک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۱۱)

بزرگ کے نام کی چوٹی رکھنا

سوال:۔ ہمارے یہاں دستور ہے کہ بچوں کے سر کے بال نہیں کاٹتے بلکہ بزرگوں کے نام کی چوٹی، ایک مدت تک رکھ کر، پچاس ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ بزرگ کے مزار پر پہنچ کر چوٹی کاٹتے ہیں۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ یہ طریقہ غیر اسلامی ہے، اہل سنت والجماعت کے عقیدے اور طریقے کے خلاف ہے اور بدعت ہے، اسلامی طریقہ تو یہ ہے کہ ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کیا جائے۔

اس کے بجائے کسی بزرگ کے نام کی چوٹی رکھنا اور اس کے مزار پر جا کر کاٹنا، اسلامی طریقے کے خلاف اور ایک قبیح بدعت اور مشرکانہ فعل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳، ص ۱۹۲)

مسئلہ:۔ بزرگوں کے نام بچوں کے سر پر چوٹی رکھنا اور پھر مقررہ وقت پر درگاہوں میں جا کر منڈوانا حرام اور شرک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۰۹)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشا کہنا

سوال:۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے شجرات اور حضرت نانوتویؒ کے قصائد میں ایک دو مقام ایسے ہیں جن کو بریلوی حضرات سامنے رکھ کر ہمارے نوجوانوں کے ذہن خراب کر سکتے ہیں، ہم کو ان اشعار کا مطلب اور حکم مطلب ہے۔

جواب:۔ اصطلاحات کے فرق سے مفہوم میں فرق ہو جاتا ہے۔ ''مشکل کشا'' فارسی کا لفظ ہے۔ اور اس کے معنی ہیں۔ ''مشکل مسائل کو حل کرنے والا'' اور یہ لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عمرؓ نے دیا تھا، عربی میں اس کا ترجمہ ''حل المعضلات'' ہے۔ اور اردو میں آج کل ''مشکل کشا'' کے معنی سمجھے جاتے ہیں، ''لوگوں کے مشکل کام کرنے والا '' حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے شعر میں مشکل مسائل کو حل کرنے والا معنی مراد ہیں، یہ معنی مراد نہیں ہے۔

۲۔ حضرت نانوتویؒ کے قصیدہ میں آنحضرت ﷺ کی روحانیت سے استشفاع ہے۔ ''کرم احمدی'' کو خطاب ہے اور یہ استمداد (مدد) دنیا کے کاموں کے لیے نہیں: بلکہ آخرت میں اور دنیا میں استقامت علی الدین کے لیے ہے۔

جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی آواز ان کے محبوب کے کان تک نہیں پہنچتی، اور واقعتاً ان کو سنانا مقصود بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اظہارِ عشق ومحبت کا ایک پیرایہ ہے اور طلب شفاعت مقصود ہے نہ کہ اس زندگی میں اپنے کاموں کے لیے مدد طلب کرنا۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۲۷۵، تفصیل کے لیے دیکھئے ''اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم'')

مسئلہ:۔ ''مشکل کشا'' صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کسی اور کو (حضرت علیؓ وغیرہ کو مشکل

کشا) کہنا درست نہیں ہے اور حضرت علیؓ کو جو ''مشکل کشا'' بعضوں نے کہہ دیا ہے وہ ''حل المعضلات'' کا ترجمہ ہے جو ان کی شان میں وارِد ہے اور اس کا مفہوم یہ نہیں ہے جو عام طور پر عوام میں مشہور ہو گیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؓ مشکل سے مشکل مقدمات و معاملات کا فیصلہ نہایت آسان فرما دیتے تھے اور یہ معنی صحیح اور درست ہیں۔

(نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۸۸)

مسئلہ:۔ مشکلات حل کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو آواز دینا (یا علی مشکل کشا کہنا) اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس سے مشکلات حل ہوتی ہیں، غلط ہے اور مشابہ کفر ہے، اس سے توبہ اور احتیاط لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۴،ص۸۱)

اولیاء اللہ کو حاجت روا سمجھنا

مسئلہ:۔ اکثر عوام، حضرات اولیاء اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کاروبار میں ترقی ہوگی، مال و اولاد میں زیادتی ہوگی، ہمارا رزق بڑھے گا، اولاد کی عمر بڑھے گی: اس لیے ہر مسلمان کو جاننا چاہئے کہ اس طرح کا عقیدہ محض شرک ہے، تمام قرآنِ کریم اس عقیدہ کے ابطال سے بھرا پڑا ہے، اور بعض لوگ زبردستی تاویل کرتے ہیں کہ ہم قادر مطلق، عالم الغیب، حق تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں سمجھتے ہیں مگر بزرگوں کا توسل تو جائز اور ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ توسل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وسائل کو کارخانۂ تکوین میں کچھ دخیل سمجھا جائے تو خواہ ان کو فاعل (کام کرنے والا) سمجھیں، اس طرح کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کارخانے سپرد کر رکھے ہیں اور خواہ یوں سمجھیں کہ فاعل تو اللہ تعالیٰ ہی ہے: مگر ان حضرات کے عرض و معروض کرنے سے اللہ تعالیٰ کو ضرور ہی ہمارا کام کرنا پڑتا ہے۔ ایسا فعل تو شرک محض ہے۔

مشرکین عرب کے عقائد بھی اسی قسم کے تھے، وہ بھی اصنام (بتوں) و ارواح کو فاعل بالاصالت نہ جانتے تھے، بلکہ اسی طرح کارکن سمجھتے تھے جیسا کہ آیت ﴿ولئن سالتھم﴾ الخ

ترجمہ:۔ اگر آپ ﷺ ان لوگوں سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمان و زمین کو؟

تو وہ کہیں گے: ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ان عقائد کی یہ آیت شاہد ہے۔

یہاں ایک موٹی سی بات سمجھنے کے قابل ہے کہ کسی شخص کی توقع رکھنے کیلئے کئی امر کا جمع ہونا ضروری ہے، (۱) اول:۔ تو اس شخص کو اس کی حاجت کی اطلاع ہو۔ (۲) دوسرے:۔ اس کے پاس وہ چیز بھی موجود ہو، (۳) تیسرے:۔ اس کو دینے کی قدرت بھی ہو، (۴) چوتھے:۔ اس سے بڑا کوئی روکنے والا نہ ہو. (۵) پانچویں:۔ اس کے پاس ذرائع اس چیز کو اس شخص تک پہنچانے کے بھی ہوں۔

اب خیال فرمائیں جو شخص بزرگوں سے اولاد ورزق وغیرہ کی توقع رکھتا ہے۔ مانگنے والوں سے پوچھنا چاہئے کہ اول ان اولیاء کو تمہاری حاجت کی اطلاع کیسے ہوئی؟ اگر کہو کہ ان کو (اولیاء اللہ کو) تو سب کچھ معلوم ہے تو یہ شرک صریح ہے، اور اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کو اطلاع کر دیتا ہے، تو یہ محال تو نہیں، مگر کچھ ضروری بھی نہیں، بلا حجت شرعیہ کسی امر ممکن کے وقوع کا عقیدہ رکھنا محض معصیت وکذب قلب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرآنِ کریم میں فرمان ہے کہ "جس بات کو تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کیا کرو"۔

اور پھر ان اولیاء اللہ کے پاس رزق اور اولاد کہاں جمع رکھا ہے، جو نعمتیں اولیاء کے پاس ہیں وہ اور چیزیں ہیں، بچوں اور روپیوں کا ڈھیر ان کے پاس نہیں لگا ہے، پھر یہ کہ قدرت کو اگر ذاتی ان کا سمجھا جائے تب تو شرک ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تصرف دیا ہے تو اس کے لیے دلیل شرعی کی حاجت ہے اور بغیر اس کے یہ اعتقاد بھی باطل وافتراء (بہتان) محض ہے، بلکہ قرآن وحدیث میں تو ((**لا املک لنفسی نفعا و لا ضرا**)) ہے. جس سے دوسروں سے ایسی قدرت کی نفی ہو رہی ہے، پھر یہ کہ کس طرح معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہیں وہ ہرگز اس تصرف سے نہ روکیں گے، جس طرح چاہتے ہیں وہی ہو جائے گا، اگر ایسا کوئی سمجھے یعنی یہ کوئی سمجھے کہ اولیاء جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں، تو اس نے تمام قرآنِ کریم کی تکذیب کی، پھر وہ ذرائع دریافت کیے جائیں کہ اولاد اس کو کس طرح دی اور کس طرح ان کے پاس بھیجا؟ اور اگر ان تمام اشکالات کے جواب میں کوئی یوں کہے، وہ لوگ یعنی اہل قبور دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ویسا ہی کر دیتے ہیں۔

تواس کا جواب یہی ہے کہ دعا کے لیے اول ان کو اطلاع کی ضرورت ہے اور اس کی دلیل کوئی نہیں، پھر بعد اطلاع اس کی دلیل کیا ہے کہ وہ دعا کر ہی دیتے ہیں؟ پھر دعا کے بعد اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ضروری قبول ہو جاتی ہے؟ غرض توسل کے یہ معنی نہیں ہیں، اور یا الٰہی فلاں مقبول بندہ کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرما دیجئے، جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دعا مانگی تھی، تو ایسا توسل بلاشک جائز ہے اور جیسے جہلاء کا عقیدہ ہے وہ محض شرک ہے، یادرکھو! جن کمالات کا اختصاص حق تعالیٰ کے ساتھ عقلاً ونقلاً ثابت ہے ان کمالات کا کسی دوسرے میں اعتقاد کرنا ''شرکِ اعتقادی'' ہے۔ اور جن معاملات اور افعال کا خاص ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہے، وہ برتاؤ کسی سے کرنا ''شرک فی العمل'' ہے۔

اس قاعدہ کے لحاظ کرنے سے انشاء اللہ کسی بلا میں مبتلا نہ ہونگے۔

(اصلاح الرسوم: از مولانا اشرف علی تھانویؒ)

بزرگوں کو مختارِ کل سمجھنا

مسئلہ:۔ آج کل کثرت سے مسلمانوں کے عقیدے بھی خراب ہو گئے ہیں، بزرگوں کو مختارِ کل سمجھتے ہیں جو عقیدے غیر مسلموں کے تھے وہ مسلمانوں کے بھی ہو گئے، کتنے بڑے ظلم کی بات ہے، یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اگر کسی بزرگ کو اعتقاد سے تو بندہ ہی سمجھے، مگر معاملہ ان کے ساتھ خدا کا سا کرے وہ بھی شرک میں داخل ہے۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۵۵۲)

مسئلہ:۔ بزرگوں کے متعلق اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ان کو ایسا اختیار دیا ہے کہ جب چاہیں اس اختیار سے تصرف کر سکتے ہیں تو حق تعالیٰ کی مشیت جزئیہ کی ضرورت نہیں رہتی، یعنی یہ اعتقاد ہو کہ وہ بزرگ اگر کسی کام کو کرنا چاہیں اور حق تعالیٰ نہ اس کام کو روکیں نہ اس کام کا ارادہ کریں تو ایسی حالت میں اگر وہ بزرگ چاہیں تو اس کام کو کر سکتے ہیں، یہ یقینی کفر اور شرک اکبر ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۴)

مسئلہ:۔ اگر ان بزرگ کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ وہ مشیتِ ایزدی کے محتاج تو ہیں، اور اذنِ جزئی کی (تھوڑی سی اجازت کی) بھی ان کی ضرورت تو ہوتی ہے مگر ان کے چاہنے کے وقت

مشیت ایزدی ہو جاتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو ہی جاتا ہے) تو گویہ شرک وکفر تو نہیں : مگر کذب فی الاعتقاد ومعصیت اور شرکِ اصغر ہے۔ (مآثر حکیم الامت :ص ۱۷۲)

مسئلہ :۔ بعض مریض یا اس کے متعلقین صدقہ کرنے میں ایک یہ غلطی کرتے ہیں کہ بزرگ مرحوم کے نام کا کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں یا کھلاتے ہیں اور اس میں ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ بزرگ خوش ہو کر کچھ سہارا (مدد) لگا دیں گے، یہ عقیدہ شرک ہے۔

مسئلہ :۔ بعض لوگ بجائے مدد کے ان کی دعا کا یقین رکھتے ہیں، وہ بھی اس طرح کہ ان کی دعا رد نہیں ہو سکتی، ایسا اعتقاد بھی خلافِ شرع ہے۔ (اغلاط العوام :ص ۲۳، بحوالہ اصلاح انقلاب :ص ۲۳)

آنحضرت ﷺ کو حاضر وناظر ماننا

سوال :۔ زید کا اعتقاد ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ تصرف عطا فرمایا کہ عالم میں جہاں چاہیں اور جس وقت چاہیں اللہ کے حکم سے تشریف فرما ہو جائیں، زید نے کہا کہ آپ ﷺ کو حاضر وناظر مانتا ہوں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زید کے پیچھے نماز جائز نہیں اسکی وضاحت کریں، اور یہ بھی کہ زید مسلمان ہے یا نہیں؟

جواب :۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو وہ مقام عطا فرمایا جو کسی کو نہیں ملا، اللہ جہاں چاہے اور جب چاہے آنحضرت ﷺ کو پہنچا دے اور جس چیز پر چاہے مطلع فرما دے، اس اعتبار سے حاضر وناظر آپ ﷺ کی صفت نہیں بنے گی، حاضر وناظر وہ ہے جو ہر جگہ، ہر وقت ہر شئی (چیز) کے حق میں حاضر وناظر ہو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، زید نے جو تاویل کی ہے اس تاویل کے اعتبار سے خدا پاک کی دوسری صفات بھی دوسروں کے لیے ثابت کی جا سکتی ہیں، جس میں عقائد کے فساد کا قوی اندیشہ ہے، تاویل مذکور کے اعتبار سے زید پر کفر وارتداد کا حکم نہ لگایا جائے۔ مگر اطلاق کو موجب ضلال کہا جائے گا، زید کو اس سے باز آنا لازم ہے، جب تک وہ باز نہ آئے اس کو امام نہ بنایا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ :ج ۱۵، ص ۱۰۸)

مسئلہ :۔ علم غیب، کلی طریق پر کہ کوئی ذرہ مخفی نہ رہے بلکہ ہر چیز ہر وقت سامنے ہو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، ہر جگہ حاضر وناظر اور ہر چیز سے باخبر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت

خاصہ ہے، کوئی ولی یا نبی یا فرشتہ اس صفت میں شریک نہیں، لہٰذا کسی اور کو اس صفت میں شریک اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۰، ص ۱۲)۔

(تفسیر ابن کثیر پارہ پانچ، سورۂ نساء، بخاری شریف: ج ۲، ص ۴۵۶)

مسئلہ:۔ جس شخص کا عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حاضر و ناظر ہونے کا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا ہے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب جانتا ہے تو یہ عقیدہ شرکیہ ہے، اس کو فوراً توبہ کرنا ضروری ہے، ورنہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۹۴)۔ (بخاری شریف: ج ۲، ص ۱۹۵، و مشکوٰۃ، ج ۱ ص ۳۷۶، کفایت المفتی، ج ۱، ص ۱۶۴)

(فرشتوں کو یا نبیوں کو یا ولیوں کو جو کچھ غیب کی باتیں بتائی گئیں وہ اطلاع علی الغیب ہے اور عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے، ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام زمین و آسمان کے رہنے والوں سے زیادہ علم و عزت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑی ہستی اور سب سے بڑا مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے۔ مگر عالم الغیب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی بھی نہیں ہے، صرف وہ ہی ایک ذات تنہا ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہ تھے؟

مسئلہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بشر (انسان) ہونا قطعی ہے، حدیث و قرآن سے ثابت ہے، اس کا منکر نص قرآنی و احادیث کا منکر ہے، اہل بدعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ہی کے منکر ہیں، حالانکہ قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اعلان کیا گیا ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بشر (انسان) کہیں تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بشریہ کا امت کو علم ہو جائے اور وہ عیسائیوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الوہیت (خدائی) میں داخل کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہوں ﴿قل انما انا بشر مثلکم﴾ (اور بہت جگہ پر یہ الفاظ آئے ہیں) مشکوٰۃ ج ۲، ص ۲۷۹ء میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ نماز میں سہو (بھول) ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی ایک بشر (انسان) ہوں، جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں، میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔

آیات قرآنی واحادیث صحیحہ اوراقوال بزرگان سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بے شک بشراورانسان تھے: لہٰذا آنحضرت ﷺ کی بشریت کے قائل کوکافر سمجھنا، کافر کہنا اورخارج از اسلام بتانا قطعاً غلط اور باطل ہے بلکہ مفتی بغداد علامہ آلوسی نے اپنی کتاب تفسیر روح المعانی میں فتویٰ نقل فرمایا ہے جس میں اس کوکافر قرار دیا گیا ہے جوآنحضرت ﷺ کی بشریت کاانکارکرے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کوبشر جاننااور سمجھنا، صحت ایمان اورشرائط اسلام میں سے ہے۔ (تفسیر روح المعانی: ج ۲، ص ۱۰۱)

آنحضرت ﷺ بشر ہی ہیں: مگر مجموعۂ بشر سے عالی مرتبت، افضل واکمل اوراقدس واطہر ہیں، بہرحال جس طرح آپ ﷺ کوبشر ماننا جزوایمان ہے، ایسے ہی آپ ﷺ کی بشریت کوہر بشر (انسان) سے بالا اورمقدس ماننا ضروری ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۹۵ بحوالہ بخاری ج ۲، ص ۲۳۲، ج ۶۲ ۱۰، عینی شرح بخاری: ج ۱، ص ۲۵۷، وشرح معانی الآثار: ج ۱، ص ۲۸۷ واحسن الفتاویٰ ج ۱، ص ۵۷)

سلام پڑھنے کے وقت آپ ﷺ کی آمد کا عقیدہ رکھنا

سوال:۔ بعض مساجد میں لوگ جمعہ یادوسری نمازوں کے بعد ((یانبی سلام علیک اوریارسول اللہ سلام علیک)) وغیرہ وغیرہ کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں اور یہ عقیدہ بھی ہوتا ہے کہ اس عمل سے رسول اللہ ﷺ خوش ہوکر جواب دیتے ہیں اورمجلس میں تشریف لاتے ہیں۔

اورجولوگ شریک نہیں ہوتے ان کوطرح طرح سے بدنام کرتے ہیں، کیامسجد میں اس طرح سلام پڑھنا درست ہے یانہیں؟

جواب:۔ یہ عقیدہ بدعتِ شنیعہ ہے اوراس کاعقیدہ رکھنا (کہ آپ ﷺ مجلس میں آتے ہیں) شرک کومستلزم ہے، اس سے پرہیز کرنااوراس رواج اورعقیدہ کومٹانا، اس کی اصلاح کرناہر مسلمان پر ضروری ہے۔ بالخصوص بااختیار لوگوں پر، اوران ہی بااختیار لوگوں میں متولیانِ مساجد بھی ہیں، ان پر بھی روکنا زیادہ ضروری ہے، مسجد کے باہر بھی یہی حکم ہے، طریقہ مذکورہ پر سلام بغیر قیام ہویا قیام کے (کھڑے ہونے کے) ساتھ، سب کا یہی حکم ہے

جواوپر مذکور ہوا ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۱۹۲)

مسئلہ:۔ حاضر وناظر فقط اللہ تعالیٰ وتقدس کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کو حاضر وناظر ماننا اور اس کا عقیدہ رکھنا شرک ہے، لہٰذا جو لوگ حاضر وناظر کا عقیدہ حضور ﷺ کے ساتھ رکھتے ہیں، شرک میں مبتلا ہیں، ان کو اس سے توبہ کرنا، بیحد ضروری ہے، وہ عمل کے گناہ کے ساتھ غلط عقیدہ کے اندر بھی مبتلا ہیں اور جو لوگ بغیر اس عقیدہ کے اس پر دوام کرتے ہیں، وہ بھی عاصی (گناہ گار) ہوتے ہیں۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۲۹۳)

مسئلہ:۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا حاضر وناظر نہیں، ایسا عقیدہ شرک ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، حضرت ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ (جہاں پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے) آپ ﷺ تشریف لاتے ہیں، یا جلوہ گر ہوتے ہیں، اس میں آپ ﷺ کی توہین ہے۔ بلکہ جو درود شریف پڑھا جاتا ہے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ ملائکہ (فرشتے) اس کو لے کر جاتے ہیں اور جہاں پر آپ ﷺ آرام فرما ہیں، وہاں پیش کرتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں کا درود شریف ہے، اس نے آپ ﷺ پر پیش کیا ہے۔

(نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۱۹۵ وکفایت المفتی: ج۱،ص۱۵۶)

مکالمہ میں کفریہ کلمات بولنا

سوال:۔ جلسوں میں مکالمے کیے جاتے ہیں، دو بچوں میں سے ایک بچہ خود کو کافر ظاہر کرتا ہے، البتہ اس کا عقیدہ ایسا نہیں ہوتا، صرف جلسوں میں دلچسپی پیدا کرنے یا تعلیم کی غرض سے یہ کیا جاتا ہے۔ کافر کا رول کرنے والا بچہ کہتا ہے کہ میں خدا کا منکر ہوں، خدا کا اقرار حماقت ہے وغیرہ وغیرہ کفریہ کلمات کہتا ہے اور جواب دینے والا لڑکا اس کو ''اے کافر بچہ!، مردود'' وغیرہ کہتا ہے تو ایسے مکالمہ میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ضرورۃً کسی، منکر خدا اور مخالف اسلام کا کفریہ اور عقیدہ نقل کیا جا سکتا ہے کہ فلاں یوں کہتا ہے اور فلاں کا عقیدہ یہ ہے اور حکم بیان کرنے کی غرض سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یوں کہنا کفر ہے اور یوں کہنا کفر نہیں، اسی طرح حالت اکراہ (جان پر بننے پر) اور سخت ترین حالت خوف میں دل سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے صرف زبان سے کلمات کفر بولنے

کی اجازت ہے۔ (سورۂ نحل)

اس کے علاوہ علی سبیل اللہ الاختیار ہنسی مذاق میں یا تعلیمی مقصد سے بے تحاشہ زبان سے کلمات کفر بولنا اور محض ڈھونگ کے لیے کافرانہ اور فاسقانہ لباس پہننا، خود کو غیر مسلم بتلانا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اگر چہ عقیدہ ایسا نہ ہو، ناجائز اور حرام ہے اور بعض صورتوں میں اندیشۂ کفر بھی ہے۔ مجموعہ فتاویٰ ج ۲، ص ۳۶۰ میں ہے کلمۂ کفر بولنا اگر چہ اعتقاد اس پر نہ ہو، کفر ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کفریہ کلمات کا استعمال کرنا اگر چہ عقیدہ نہ ہو، تب بھی حرام اور موجب غضب خداوندی ہے، جیسے کہ کوئی شخص تم کو گدھا یا سوٴر کہے یا کوئی مغلظ گالی دے تو وہ شخص عقیدہ نہیں رکھتا کہ گدھے سوٴر یا ایسے ہو جیسا کہ گالی میں تم کو بتلا رہا ہے صرف زبان ہی سے کہہ رہا ہے، مگر بتلاؤ تو سہی تمہیں اس پر غصہ آئے گا یا نہیں؟ ضرور آئے گا، پس ایسے ہی سمجھو کہ کلماتِ کفر وشرک ضرور موجب غضب خداوندی ہوں گے۔

مطلب یہ کہ مذکورہ طریقہ جائز نہیں، لائق ترک ہے، تعلیم واصلاح اس پر موقوف نہیں ہے، اس کے جائز طریقے بہت سے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱، ص ۴۳، بحوالہ تزکرۃ الرشید: ج ۱، ص ۹۴)

مسئلہ:۔ اگر فرقۂ باطلہ سے مناظرہ سکھایا جائے تو کسی طالب علم کا اپنے آپ کو ان کے فرقوں میں شمار کرنا اور اہل حق کی تضلیل وتکفیر کرنا، ہرگز ہرگز جائز نہیں، سخت معصیت ہے، بلکہ اپنے ایمان کا خطرہ ہے، اقرارِ کفر اور اجراء کلمہ کفر اگر چہ اعتقاداً نہ ہو، استہزاء ہو، اس کو بھی فقہاء نے موجب کفر لکھا ہے۔

اس لیے مناظرہ کا طریقہ اختیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان باطل فرقوں کی طرف سے ایک کہے اگر قادیانی یہ کہے تو آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ اگر رضا خانی یہ کہے تو آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

کفریات کو کبھی بھی اپنا مقولہ بنا کر نہ پیش کرے اگر چہ جعلی وکیل کی نیت سے ہو، ویسے بھی کلمۂ کفر زبان پر لانا موجب ظلمت ہے جب تک کہ اس کی تردید نہ کی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۸، ص ۱۲۴)

اپنے مسلمان ہونے کا انکار کرنا

سوال :۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، حالانکہ وہ نماز وغیرہ کا بھی پابند ہے تو کیا وہ مسلمان شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب :۔ ایسا کہنا نہایت خطرناک ہے، اس کو توبہ واستغفار اور کلمہ پڑھنا لازم ہے، احتیاطاً تجدید نکاح کرے۔

اگر وہ اپنے ایمان کو کمزور سمجھتے ہوئے ایسا کہتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہونا چاہئے اور اس کے احکام کا پابند ہونا چاہئے وہ بات مجھ میں نہیں ہے اور بطور رنج وافسوس کے کہتا ہے گویا اللہ پاک سے قوی ایمان کی تمنا رکھتا ہے تو اس پر تجدید نکاح کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس کے احساس وافسوس کی تعریف کی جائے گی۔ مگر ایسا کہنے سے پھر بھی روکا جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱،ص ۱۲۰)

مفاد کیلئے اپنے کو غیر مسلم کہنا

سوال :۔ رمضان المبارک میں چند ہوٹل دن میں غیر مسلموں کے کھلے رہتے ہیں، ان ہوٹلوں پر غیر مسلموں کے علاوہ مسلمان روزہ خوروں کی ایک بڑی تعداد کھانا وغیرہ چھپ کر کھاتی ہے، اگر کبھی روزہ کے دوران ان ہوٹلوں پر پولیس کا چھاپہ پڑ جائے تو مسلمان روزہ خور بھی پکڑے جاتے ہیں، وہ سزا کے خوف سے پولیس کے سامنے یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں، ان کا زبانی اقرار سن کر پولیس چھوڑ دیتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب :۔ یہ کہنے سے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، آدمی دین سے خارج ہو جاتا ہے، مسلمان نہیں رہتا، ایسے لوگوں کو اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرنی چاہئے اور آئندہ کے لیے ایسی مذموم حرکت سے توبہ کرنی چاہئے۔

روزہ چھوڑنے کے دوسرے عذر بھی تو ہو سکتے ہیں، کسی کو جھوٹ ہی بولنا ہے تو اسے کوئی اور عذر پیش کرنا چاہئے، اپنے کو غیر مسلم کہنا حماقت ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱،ص ۵۱)

سی آئی ڈی کا غیر مسلم بننا

سوال :۔ زید پیشۂ خوردونوش (بہروپیہ) اپنے روپ بدلتا ہے جس سے اس کے ہندو ہونے کا یقین ہوتا ہے مثلاً ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے، گلے میں مالا ڈالتا ہے۔ یہ تو اس کے افعال ہوتے ہیں: مگر بعض مرتبہ وہ خود اپنا ہنود ہونا بیان کرتا ہے اور مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے تو ایسی حالت میں اس کے مسلمان رہنے اور نکاح قائم رہنے کی نیت کا کیا حکم ہے؟

۲۔ بکر ملازمت کی وجہ سے سرکاری سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کے مفرور ملزم کی تلاش یا کسی معلومات واقعہ کے لیے اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے ایسا روپ بھر لے کہ انجان آدمی کو اس کے مسلمان ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوتا بلکہ اس کو ہندو ہونے کا یقین ہوتا ہے، اگر چہ وہ زبان سے ہندو ہونے کا مقر نہیں ہے تو ایسی حالت میں اسلام و نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ بلا ضرورت شدیدہ کفار کا مخصوص لباس استعمال کرنا ممنوع اور ناجائز ہے اور قشقہ لگانا کفر کا مذہبی شعار ہے جیسے زنار پہننا، اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور اپنے ہندو ہونے کا اقرار کرنا خود کفر ہے، اور ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ شخص مسلمان ہو جائے تو اس کا نکاح اس پہلی عورت سے جو اس کے نکاح میں تھی بلا حلالہ کیے شرعاً درست ہے۔

۲۔ اگر محض کفار کا لباس قومی اختیار کیا ہے تو اس سے کفر نہیں: بلکہ گناہ ہوتا ہے، اگر کفار کا شعار مذہبی اختیار کیا ہے تو اس کا جواب وہی ہے جو اوپر نمبر ا میں مذکور ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ٦ ،ص ١١٤، بحوالہ عالمگیری ج ٢، ص ٨٩٤ و قاضی خاں ج ۴، ص ٧٠٧ و شامی ج ٦، ٦۴٣)

مسئلہ :۔ رام اور رحیم کے ایک ہونے کا عقیدہ کفری عقیدہ ہے، جس کا یہ عقیدہ ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہوگی۔ (نظام الفتاویٰ: ج ا، ص ١٠٣)

نشہ کرنے والا کیا کافر ہے؟

مسئلہ :۔ شراب کے نشہ میں مرنے کے بعد ایمان زائل نہیں ہوتا، ایمان کفر سے زائل ہوتا ہے، اور یہ فعل (شراب پینا) کفر نہیں ہے، بلکہ معصیت (گناہ) کبیرہ ہے۔ یہ شخص مسلمان ہے

اوراس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی (اگرچہ نشہ میں مرا) البتہ زجر وتوبیخ کے لیے عالم مقتدا اورامام جامع مسجداس کی نماز نہ پڑھے، عام مسلمان نماز پڑھ کر دفن کردیں اوراگر بغیر نماز پڑھے دفن کیا گیا توسب گنہگار ہونگے۔

مسئلہ :۔ڈاکہ زنی سے بھی ایمان زائل نہیں ہوتا۔اس لیے یہ شخص بھی مسلمان ہے، گوگنہگار ہے، اگرقاطع طریق بحالت ڈاکہ زنی قتل کیا جائے تواس پرنماز نہ پڑھی جائے اوراگر گرفتار ہوکرقتل کیا جائے تواس پرنماز پڑھی جائے گی۔

مسئلہ :۔جومسلمان بحالت زنا مرجائے اس کا حکم وہی ہے جواوپر شراب خور کا حکم مذکور ہوا۔

(امدادالاحکام: ج ا،ص ۱۱۷وعین الہدایہ باب کراہت: ج ۴،ص ۲۸۶)

علماءکوگالی دینے والے کاحکم

مسئلہ :۔کسی خاص عالم کوگالیاں دینے سے کفرنہیں ہوتا،اورمناظرہ وغیرہ کی گفتگومیں عام علماء سے ہی خطاب ہوتا ہے، اس سے مخاطب ہی مراد ہوتا ہے، لہٰذا کفر کا حکم نہیں کیا جاسکتا، البتہ ایسے لوگ جوعلماءکوگالیاں دیں وہ اس قابل نہیں کہ مسلمان ان سے نہ ملیں۔پس ان سے ملنا جلنااوراس کے ساتھ کھاناپینا چھوڑدینا مسلمانوں کے ذمہ ہے، جب تک وہ اس گناہ سے توبہ نہ کرلیں۔(امدادالاحکام: ج ا،ص ۱۱۸)

آنحضرت ﷺ کوگالی دینا

سوال :۔ایک مسلمان نے رسول اللہ ﷺ کوگالی دی، سبب دریافت کرنے پرکہتا ہے کہ میں نے بیوی کودھمکانے کی وجہ سے کہاہے، اس شخص کا کیاحکم ہے؟

جواب :۔ایساشخص (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) بالکل ایمان سے نکل جاتا ہےاوراس کی بیوی بھی اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے، ایسے شخص پرتوبہ اورتجدیدایمان اورتجدیدنکاح ضروری ہے، اگراسلامی حکومت ہوتی توایسےشخص کی سزاقتل تھی۔مگراسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ایسی سزانہیں دے سکتے، البتہ جس طرح ہوسمجھا کریا دباؤڈال کراس سے توبہ کرانا اورتجدیدایمان اورتجدیدنکاح کراناضروری ہے۔(نظام الفتاویٰ: ج ا،ص ۵۳)

روزہ کا مذاق اڑانا

مسئلہ:۔ کار آمد چیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، بہت سے جاہل اتنے ہی پر کفایت کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے، لیکن بہت سے بددین زبان سے بھی اس قسم کے الفاظ بک دیتے ہیں جو کفر تک پہنچادیتے ہیں۔ مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو، یا ہم کو بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اور بہت غور واہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تمسخر اور مذاق اڑانا بھی کفر کا سبب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر روزہ نہ رکھے اور نماز نہ پڑھے، اسی طرح اور کوئی فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اس کا منکر نہ ہو تو وہ کافر نہیں، جس فرض کو ادا نہیں کرتا اس کا گناہ ہوتا ہے۔ اور جو اعمال ادا کرتا ہے اس کا اجر ملتا ہے۔ لیکن دین کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بات کا تمسخر (مذاق) کفر ہے۔ جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز، روزہ نیک اعمال ضائع ہو جائے ہیں۔ بہت زیادہ قابل لحاظ امر ہے، اس لیے روزہ کے متعلق بھی کوئی ایسا لفظ ہرگز نہ کہے، اور تمسخر وغیرہ نہ کرے۔ (فضائل رمضان: ۳۳ وامداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۳۳)

مسئلہ:۔ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا بشرطیکہ نماز کا مذاق (استہزاء) نہ کرتا ہو، حنیفہ کے نزدیک کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے، جس کی سزا یہ ہے کہ (اسلامی حکومت میں) اس کو اتنا مارا جائے کہ بدن سے خون بہنے لگے، پھر قید کر دیا جائے یہاں تک کہ مرجائے یا توبہ کرلے۔

عام مسلمان کو تارکِ صلوٰۃ کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہ کرنے چاہئیں۔ اس کے یہاں کھانا وغیرہ بھی نہ کھائیں تاکہ زجر حاصل ہو۔ (امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۱۳ وج ۱، ص ۱۴۳)

نوٹ:۔ ان سزاؤں کا اختیار عام لوگوں کو نہیں بلکہ اسلامی حکومت ہو تو یہ معاملہ امیر المؤمنین کے سپرد کر دیا جائے یعنی شرعی عدالت میں: البتہ اولاد کو یا غلام کو باپ بھی سزا دے سکتے ہیں: لیکن نابالغ کو ہاتھ سے سزا دی جائے، مارا جائے لیکن لکڑی وغیرہ سے نہیں۔ (محمد رفعت قاسمی)

☆☆

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا

مسئلہ :۔ بعض پیر پرست کہتے ہیں۔ جو کچھ مانگنا ہے بڑے پیر سے مانگو، اور اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں (کفریہ الفاظ) کہ میاں اللہ سے کیا مانگنا، ان کا تو یہ کام ہے کہ اس سے لیا اس کو دیا، اور اس سے لیا دوسرے کو دے دیا، خدا کی پناہ! اللہ تعالیٰ کی عظمت وقعت دل میں بالکل نہیں، جو منہ میں آیا بک دیا، نہ اس کی پرواہ ہے کہ اس بات سے ہمارا ایمان جاتا رہے گا۔ اور نہ اس کا خیال کہ یہ الفاظ کفر کے ہیں۔ (یعنی ایسا کہنے سے ایمان جاتا رہے گا کیونکہ یہ الفاظ کفریہ ہیں)۔ (اغلاط العوام: ص ۹۶)

مسئلہ :۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں محض گستاخی سے بھی ایمان سلب ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینا، بہت ہی سخت گناہ اور نہایت خطرناک وبال میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے اور اس سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۲۵)

نماز کا مذاق اڑانا

سوال :۔ کوئی شخص مثلاً کہے، روزہ رکھے جو بھوکا ہو، یا روزہ رکھے جس کے گھر آٹا نہ ہو، نماز میں اٹھک بیٹھک کون کرے؟ یا اسی طرح کا اور کوئی کلمۂ کفر بولے تو کیا اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے؟

جواب :۔ دین کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے، اس سے ایمان ساقط ہو جاتا ہے، ایسے شخص کو اپنے کلمات کفریہ سے توبہ کر کے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیئے، نکاح بھی دوبارہ پڑھوایا جائے گا، اگر بغیر توبہ یا بغیر تجدید نکاح کے اپنی بیوی کے پاس جائے گا تو بدکاری کا گناہ دونوں کے ذمہ ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۵۰)

مسئلہ :۔ بیوی نے کہا کہ تمہارے قرآن پر پیشاب کرتی ہوں تو تمہاری بیوی ان الفاظ سے مرتد ہوگئی اور نکاح سے نکل گئی، اگر وہ توبہ کرے تو ایمان کی تجدید کے بعد دوبارہ نکاح تمہارے سے ہوسکتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۴۶۳ و نظام الفتاویٰ: ج ۱، ص ۴۸)

مسئلہ :۔ آنحضرت ﷺ کے بالِ مبارک کی توہین بھی کفر ہے، فقہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے

کہ اگر کسی نے آنحضرت ﷺ کے بال مبارک کے لیے تصغیر کا صیغہ استعمال کیا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۵۲ و کفایت المفتی: ج ۱، ص ۳۱)

ضروریاتِ دین کا مذاق اڑانا

مسئلہ:۔ حدیث کے نہ ماننے والوں کا لقب منکرین حدیث ہے، نماز پنجگانہ بھی اسی طرح متواتر ہیں، جس طرح قرآن کریم متواتر ہے، جو شخص پانچ نمازوں کا منکر ہے وہ قرآن کریم کا بھی منکر ہے، رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام کا بھی منکر ہے۔

ایسے تمام دینی امور جن کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے قطعی تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جن کا دین محمدی میں داخل ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہے۔ انکو ''ضروریاتِ دین'' کہا جاتا ہے، ان تمام امور کو بغیر تاویل کے ماننا شرطِ اسلام ہے، ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا یا اس میں تاویل کرنا کفر ہے، اس لیے جو فرقہ صرف تین نمازوں کا قائل ہے، پانچ نمازوں کو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۴۹)

صحابہؓ کا مذاق اڑانا

مسئلہ:۔ جو شخص کسی خاص صحابیؓ کا مذاق اڑاتا ہے وہ بدترین فاسق ہے، اس کو اس سے توبہ کرنی چاہئے، ورنہ اس کے حق میں برے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اور جو شخص تمام صحابہ کرامؓ کو معدودے چند کے سوا گمراہ سمجھتے ہوئے ان کا مذاق اڑاتا ہے، وہ کافر اور زندیق ہے اور یہ کہنا کہ میں فلاں صحابیؓ کی حدیث کو نہیں مانتا، نعوذ باللہ، اس صحابیؓ پر فسق کی تہمت لگانا ہے، ان کی روایات کو قبول کرنے سے انکار کرنا، نفاق کا شعبہ اور دین سے انحراف کی علامت ہے۔

مسئلہ:۔ صحابیؓ کو کافر کہنے والا خود کافر اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔

مسئلہ:۔ کوئی ولی، غوث قطب، امام، مجدد، کسی ادنیٰ صحابیؓ کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، نبیوں کی تو بڑی شان ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۴۹، ۳۰، و کفایت المفتی: ج ۸، ص ۴۱)

مسلمان کا غیر مسلم گروجی کو جھک کر سلام کرنا

سوال:۔ پادری کو جو لوگ اپنے گھر بلا کر اس کے پاؤں کے سامنے سر خم کر کے اس کو

کچھ رقم دیتے ہیں اسی طرح ایک مسلمان نے بھی اس کو اپنے گھر بلا کر اس کے پاؤں پر جھک کر رقم اس کے قدموں پر رکھی، سر سجدہ کی طرح جھکایا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کسی کے سامنے (چاہے پیر ہو یا پیغمبر و بادشاہ وغیرہ) سجدہ کرنا، غیر اللہ کے سامنے زمین پر سر ٹیکنا شریعت محمدی میں قطعی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اگر عبادت کی نیت ہو تو موجب کفر ہے اور اگر تعظیم مقصود ہو یا کوئی نیت نہ ہو پھر بھی بہت سے علماء کے نزدیک موجب کفر ہے در مختار مع الشامی: ج ۵، ص ۳۳۷ میں ہے، جو لوگ عالم یا بادشاہ وغیرہ کے سامنے زمین چومتے ہیں یہ حرام ہے، چومنے والا اور پسند کرنے والا دونوں گنہگار ہیں کیونکہ یہ طریقہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور یہ بات کہ کیا اس کو کافر قرار دیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عبادت اور تعظیم مقصود ہو تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر بطور سلامی کے ہو تو کافر نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ (در مختار) صورت مسئولہ میں جین گرو جی کے سامنے عبادت کی غرض سے نہیں بلکہ تعظیم کی غرض سے سجدہ کی طرح سر خم (جھکایا) کیا ہو، پھر بھی اس کے لیے توبہ واستغفار اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۷۸)

رکوع کی طرح جھک کر تعظیم یا شکریہ ادا کرنا

مسئلہ:۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ ہی سب سے زیادہ قابل تعظیم ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اس قابل ہے کہ انسان اس کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکائے اِسی وجہ سے اسلام میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح اس صورت کو بھی فقہاء نے مکروہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے رکوع کی مانند جھک کر سلام کرے یا اس کی تعظیم بجالائے، اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا حدیث شریف سے بھی ثابت ہے، اپنے محسن ہونے کے اعتبار سے شکریہ ادا کریں، چاہے جس زبان میں بھی ہو، اگرچہ سب سے بہتر الفاظ یہ ہیں کہ "جزاک اللہ" کہے، لیکن جس طرح غیر اللہ کو سجدہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح رکوع کے بقدر جھکنا بھی ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۲۹۰ و شامی: ج ۵، ص ۲۳۸ و ترمذی شریف: ج ۲، ص ۷ او عالمگیری، ج ۶ ص ۲۴۴)

مسئلہ:۔ تعظیم کے لیے ماں کے پیر کو چھونا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے، یہ اسلامی تعظیم

نہیں ہے، بلکہ غیروں کا طریقہ ہے جس سے بچنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵،ص۳۵۳)

مسئلہ:۔ جھک کرکسی کی قدم بوسی کرنا اور قبر بوسی کرنا نہیں چاہئے: کیونکہ جھک کر سلام کرنا بھی جب درست نہیں ہے تو جھک کر قدم بوسی کرنا جو کہ سجدہ کے مشابہ ہے، کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اور قبر بوسی اس وجہ سے حرام ہے کہ یہ تقبیل ارض یعنی زمین چومنا ہے، اور اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ اس میں تشبہ بالسجود ہے، اور نیز اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ اس میں تعظیم غیر اللہ ہے((وکل منھا حرام))۔ (عزیز الفتاویٰ: ج۴،ص۱۴)

مسئلہ:۔ اگر از راہِ عبادت و تعظیم علماء وعظماء کے سامنے سر جھکایا ہے اور زمین بوسی کی ہے تو کافر ہوجاتا ہے اور بطریق سلام اور تحیۃ ایسا کیا ہے تو کافر نہیں ہوتا، البتہ گناہ گار اور مرتکب کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ج۱،ص۱۶)

کلمۂ کفر والے کے ذبیحہ کا حکم

مسئلہ:۔ مسلمان کی زبان سے اگر کوئی کلمہ ایسا نکلے جس سے کفر لازم آتا ہو، اور اس کے اندر تاویل کرکے کفر سے بچایا جاسکتا ہو تو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا اور ایسے شخص کا ذبیحہ ناجائز نہیں ہوتا، البتہ ایسا کلمہ کہنے سے اس کو پوری قوت کے ساتھ روکا جائے گا۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج......،ص۳۵۳)

بزرگوں کے پیروں کو بوسہ دینا

مسئلہ:۔ احتیاط اس میں ہے کہ بزرگوں کے پیروں کو بوسہ نہ دیا جائے، کیونکہ یہ بوسہ دینا (چومنا) وتعظیم، سجدہ کرنا اور زمین اور مشائخ اور علماء کے ہاتھوں کو چومنا بالاتفاق حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ بلکہ بعض فقہاء نے اس میں کفر کا حکم بھی دیا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ج۱،ص۱۵)

مسئلہ:۔ سجدۂ تعظیم مرشد حرام ہے۔ (امداد الاحکام: ج۱،ص۱۱۴)

مسئلہ:۔ سجدۂ تعظیمی کو مطلقاً سب علماء کفر فرماتے ہیں۔ یہ سجدہ خاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اور اپنے پیر کی تصویر کو سجدہ کرنا (لعنت ہے) اور وہ لوگ جو تصاویر کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں ملعون ومردود ہیں ان کے کفر اور مرتکب افعال شرک وکفر ہونے میں کچھ تردد معلوم نہیں ہوتا۔ (عزیز الفتاویٰ: ج۱،ص۱۷)

قبر بوسی کرنا

مسئلہ :۔ جھک کر کسی کی قدم بوسی (پیروں کو چومنا) اور قبر بوسی کرنا نہیں چاہئے، جب کہ جھک کر سلام کرنا درست نہیں ہے، تو جھک کر قدم بوسی کرنا جو مشابہ بالسجود ہے، کیسے درست ہوسکتا ہے، اور قبر بوسی اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ اس میں تشبہ بالسجود ہے اور اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ اس میں تعظیم غیر اللہ ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ج ا، ص ۱۴)

مزار سے متعلق عقیدہ کا حکم

سوال :۔ اولیاء کرام کے نام سے نیاز، نذر اور منتیں و مرادیں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کے مزار پر پھول اور چادر وغیرہ چڑھانا درست ہے یا نہیں؟

جواب :۔ اولیاء کرام کے لیے نذر ماننا اور ان کے مزارات پر چڑھاوے چڑھانا حرام ہے، اگر یہ عقیدہ بھی ہو کہ وہ صاحب مزار ہماری مرادیں پوری کرتے ہیں اور دنیا کی سب چیزیں ان کے تصرفات سے ہوتی ہیں تو شرک ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ا، ص ۱۲۲ بحوالہ مراقی ص ۳۳۸)

مسئلہ :۔ مسجد یا مکان کے طاق میں یہ کہہ کر کہ یہاں شہید بابا ہیں، اس پر چڑھاوے چڑھانا مشرکانہ حرکت ہے، (جس سے) توبہ لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ا، ص ۲۳۲)

مسئلہ :۔ مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے اور اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہو کر ان بزرگوں کو آواز دیتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لیے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں ہے، بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے، اس سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ا، ص ۲۰۶ و احسن الفتاویٰ: ج ا، ص ۳۶)

مسئلہ :۔ مزار کے دروازے پر جا کر سر رکھنا، سجدہ کی ہیئت بنانا اگر بہ قصد تعظیم ہو تو حرام ہے اور اگر بہ قصد عبادت ہو تو شرک ہے، قبر کو بوسہ دینا یا مزار کے درو دیوار کو چومنا بھی حرام ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۰، ص ۶۱ بحوالہ فقہ اکبر ص ۲۳۸)

مسئلہ :۔ مصنوعی قبر بنا کر کسی ولی کا مزار قرار دینا مخلوق کو دھوکہ دینا ہے، لہٰذا یہ قطعاً ناجائز ہے۔ اور چراغ جلانا، منت چڑھانا، مزار کو سجدہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہیں اگر واقعی کسی بزرگ کی قبر ہو تب بھی افعال مذکورہ کا ارتکاب ناجائز ہوگا اور قبر کو سجدہ کرنا عبادت کی نیت سے شرک ہے، اگر تعظیم کی نیت سے ہو تو حرام ہے، مشابہ بالشرک ہے، اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائے اور اس کا کھانا مزار کے فقراء کو کھلایا جائے تو وہ کھانا فقراء کے لیے جائز ہے، اور اگر نذر صاحبِ مزار کے لیے کی جائے تو حرام ہے، اس کا کھانا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۵، ص ۳۲۲)

مسئلہ :۔ اکثر حضرات اولیاء اللہ کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کاروبار میں ترقی ہوگی، مال و اولاد میں زیادتی ہوگی، ہمارا رزق بڑھے گا اور اولاد کی عمر بڑھے گی، اس طرح عقیدہ شرک ہے، تمام قرآن کریم اس عقیدہ کے ابطال سے بھرا ہوا ہے۔

مسئلہ :۔ بعض لوگ قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، چونکہ مقصود اس سے تقرب و رضامندی اولیاء اللہ کی ہوتی ہے اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں یہ اعتقاد شرک ہے، اور چڑھاوا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ اسی طرح عرس کے زمانہ میں، بلکہ غیر عرس میں بھی اولیاء اللہ کے مزارات پر چادر چڑھاتے ہیں جو مکروہ و اسراف ہے اور عوام کا اس میں جو اعتقاد ہے وہ بالکل شرک ہے، پھر غضب یہ کہ اس کی نذر و منت مانی جاتی ہے، بعض لوگ دور دراز علاقہ سے سفر کر کے اپنے بچوں کا چلہ چھٹی کرتے ہیں اور یہ نذر پوری کرتے ہیں اور بعض آسیب اتروانے کے لیے آتے ہیں، بعض وہاں پر چراغ روشن کرتے ہیں، قبریں پختہ بناتے ہیں، جبکہ قرآنِ کریم میں صاف صاف ان امور سے توبہ کا حکم ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۳)

مزار پر جا کر عقیقہ کرنا

سوال :۔ ہمارے یہاں پر عورتیں یہ کہتی ہیں کہ اگر انکے لڑکا پیدا ہوا تو وہ اس کے سر کے بال مخصوص جگہ پر جا کر اتروائیں گی اور قربانی بھی وہاں جا کر کرتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

جواب:۔ یہ ایک ہندوانہ رسم ہے جو مسلمانوں میں آگئی ہے اور چونکہ اس میں فساد عقیدہ شامل ہے، اس لیے اعتقادی بدعت، جو بعض صورتوں میں کذب و شرک تک پہنچ سکتی ہیں، چنانچہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ بچہ فلاں بزرگ نے دیا ہے، اس لیے وہ اس بزرگ کے مزار پر نیاز چڑھانے کی منت مانتے ہیں اور منت پوری کرتے ہیں، مسلمانوں کو ایسی خرافات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴، ص ۲۳۹)

بارش نہ ہونے پر چندہ کا بکرا صدقہ کرنا

مسئلہ:۔ ایسے موقع پر چندہ کر کے بکرا خرید کر اس کے گوشت کو واجب سمجھنا غلط ہے، ایسے وقت جس کے پاس جو کچھ ہو حسب حیثیت اللہ کے لیے مستحق کو دے دے، بکرے کے کاٹنے کی رسم غلط ہے (کیونکہ یہ سمجھنا کہ گوشت ہی کا صدقہ ہوتا ہے، غلط ہے) اور صدقات نافلہ غیر مسلم کو بھی دے سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳، ص ۲۰۴)

مسئلہ:۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں کہ بارش نہ ہونے پر گاؤں سے، خاندان سے پیسے، چاول وغیرہ جمع کر کے پکا کر سب بچوں کو بلا امتیاز غریب و امیر کھلانا اور خود بھی کھانا، صدقہ تو غریبوں کا حق ہے، غریبوں کی حاجتیں مخفی طریقہ پر پوری کی جائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۳۶۷)

کیا اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حلول ہے؟

مسئلہ:۔ خداوند کریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا (غیر مسلموں کی طرح) کہ وہ ہر چیز میں حلول کیے ہوئے ہے، کفر ہے، اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عرش پر یا کسی اور مکان میں ہے جس طرح کہ بادشاہت وغیرہ میں ہے، یہ بھی کفر ہے، ان دونوں عقیدوں سے توبہ اور اجتناب (بچنا) واجب ہے، خدا تعالیٰ کسی مکان میں محدود نہیں، وہ مکان سے منزہ (پاک) اور بالاتر ہے، شرح عقائد ص ۳۴ میں ہے کہ البتہ عرش پر اس کا خاص تسلط اور استیلاء ہے، اور اس کی کیفیت کو وہی خوب جانتا ہے اور اپنے علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط (گھیرے ہوئے) ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۲۲، بحوالہ عالمگیری: ج ۲، ص ۸۸۱ و مدارک: ص ۱۱۷)

☆☆

جان بچانے کے لیے کفر کا اقرار کرنا

مسئلہ:۔ جب کوئی مسلمان کفار ومشرکین میں پھنس جائے اور جان چھڑانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو بجز اس کے کہ وہ جھوٹ کہہ دے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، اور جب امان کی جگہ پہنچ جائے تو اس جھوٹ سے توبہ کرلے، ایسا وقتی طور پر صرف زبان سے کہہ دینے سے وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا، البتہ ایسا کہنا جان کے خوف کے وقت ہی بہتر ہے، حضرت عمارؓ بن یاسر کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴، ص ۹۱ بحوالہ قرآن کریم)

کلماتِ کفر سے نکاح کا حکم

مسئلہ:۔ کفریہ کلمہ بولنے سے نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے یعنی جس بات سے یا کام کی وجہ سے ایک آدمی کا ایمان ختم ہوجاتا ہے اس کیوجہ سے نکاح بھی ختم ہوجاتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴، ص ۷۹)

مسئلہ:۔ تجدید ایمان توبہ واستغفار کے ساتھ تجدید نکاح کا بھی حکم ہے، دو گواہوں کے سامنے مہر جدید سے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے، خطبۂ نکاح اور اعلان فرض نہیں، سنت ہے، تجدید نکاح کے لیے عدت لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۸، ص ۱۱۰)

تجدید ایمان کا طریقہ

مسئلہ:۔ کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرنا ہوگا اور دل سے اس کی تصدیق کرے اور جس چیز کے انکار کی بنا پر ایمان سے خارج ہوگیا تھا اس کا اقرار کرے، اگر اسلام سے خارج ہوکر عیسائیت کو اختیار کرلیا تھا تو اس سے بیزاری اور برأت کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۲، ۱۱۶)

مسئلہ:۔ ارتداد بہت بڑا گناہ اور جرم عظیم ہے، مگر جب مرتد نے صدق دل سے توبہ کرلی ہے تو اسلام میں داخل ہوگیا، مسلمان (اسے) اپنے میں شامل کرلیں۔ (کفایت المفتی: ج ۱، ص ۴۶)

منکرین حدیث کیا مسلمان ہیں؟

مسئلہ:۔ مدعیان اہل قرآن جو احادیث کا انکار کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں۔ اور نماز کی

تضحیک کرتے ہیں اور پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفنا نا ان سے شادی بیاہ وغیرہ، کسی قسم کے تعلقات رکھنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱،ص۲)

مسئلہ:۔ جو شخص خدا کے وجود کا انکار کرنے لگے تو ایسا شخص بدعقیدہ، ملحد اور بددین ہے، اس پر توبہ، تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱،ص۱۳)

کیا استاد کی توہین کفر ہے؟

مسئلہ:۔ والدین یا استاد کی بلاوجہ شرعی توہین کرنا گناہ ہے، مگر کفر نہیں، نہ اس سے ایمان جاتا ہے اور نہ نکاح ٹوٹتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص حرام لعینہ (یعنی جس کی حرمت قطعی ہو) کو حلال اعتقاد کرے تو یہ کفر ہے، اس سے ایمان سلب ہو جاتا ہے اور نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۰،ص۶۱)

مسئلہ:۔ یہ کلمہ بولنا کہ ''اللہ تعالیٰ بہت بے انصاف ہے، کسی کو اولاد دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا'' یہ کلمہ کفر ہے، نعوذ باللہ منہ استغفر اللہ! کہنے والے کے ذمہ ضروری ہے، کہ توبہ واستغفار کرے، تجدید ایمان کرے اور نکاح بھی دوبارہ پڑھوائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۶،ص۷۹)

گناہوں پر فخر کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو اعلانیہ گناہوں میں مبتلا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے اپنے گناہوں پر فخر ہے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ احکام شریعت کی مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر فخر کرنا بلاشبہ کفر ہے۔ لہٰذا ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے، حاکم وقت پر فرض ہے کہ اسے توبہ اور تجدید ایمان کی تلقین کرے، اگر خدانخواستہ توبہ نہ کرے تو اس کے قتل کا حکم دے۔ جب مزاحاً کلمۂ کفر کہنے والے اور اعلانیہ گناہ کرنے والے کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے، تو گناہوں پر فخر کرنے والے کے کفر میں کیا شبہ؟۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص۴۰)

بتوں کو سجدہ کرنا

سوال:۔ زید کی بیوی نے مندر میں جا کر بت کے آگے اپنے ہاتھ جوڑے اور سجدہ بھی کیا بت کو، اور اس سے منت و مراد بھی طلب کی تو کیا یہ مسلمہ ہے؟

جواب:۔ یہ عورت بت کو سجدہ کرنے کی وجہ سے کافر ہوگی۔ (امداد المفتین: ج ۸، ص ۳)

مسئلہ:۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو تو کفر صریح اور ارتداد محض ہے، اور اگر بہ نیت عبادت نہ بلکہ قصد تعظیم معروف ہو تو ارتداد اور کفر کو نہیں، سخت تر گناہ اور شرک کے قریب ہے۔ (امداد المفتین: ج ۸، ص ۱۷)

غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا

مسئلہ:۔ غیر مسلم سے ایک تو علاج کرانے کی یہ صورت ہے کہ وہ فن معالجہ کا ماہر ہے جیسے ڈاکٹر و حکیم وغیرہ کہ اس میں محض مہارت فن سے فائدہ حاصل کرنا ہے، جیسے کہ کسی وکیل غیر مسلم سے مقدمہ کی پیروی کرائی جائے تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے، دوسری صورت معالجہ کی یہ ہے کہ اس کو مقبول بارگارہِ الٰہی تصور کیا جائے اور یہ عقیدہ ہو کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بابرکت و مقبول ہیں، جب وہ دم کرے گا تو اللہ تعالیٰ مرض کو ختم فرمادینگے۔ اس صورت میں غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا گویا کہ اس کو مقبولِ بارگاہ الٰہی قرار دینا ہے، حالانکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس کا مستحق نہیں ہے، اس سے عقائد فاسد ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴، ص ۶۳)

مشرکانہ منتر سے علاج کرانا

سوال:۔ ایک شخص جس منتر سے جھاڑتا ہے اس میں غیر اللہ سے اعانت لی جاتی ہے، خدا کا بالکل ذکر نہیں کرتا، تو جھاڑ پھونک کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایسے شخص سے بذریعۂ جھاڑ پھونک علاج کرانا جائز نہیں، اس میں دیوی دیوتا کو شافی اور متصرف مانا گیا ہے، اور اس جھاڑنے والے کو اس دیوی دیوتا کا مقرب تسلیم کیا گیا ہے، ایسا عقدہ بھی اسلام کے خلاف اور کفر ہے اور ایسے شخص سے جھاڑ پھونک کرانے

میں اس کے عقیدہ کی تصدیق اور اس کا اعزاز ہے، شافیٔ مطلق، حاجت روا متصرف صرف اللہ پاک ہے، اس سے بغاوت کر کے زندگی بھی وبال اور موت بھی عذاب۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۰، ص۱۱۵)

مسئلہ:۔ کفریہ الفاظ سے جھاڑ پھونک کرنا یا کرانا کسی طرح جائز نہیں اور ان الفاظ (کفریہ) کو حق اور صحیح سمجھنا تو کفر ہے اور اس سے بیوی نکاح سے نکل جائے گی اور ایمان ختم ہو جائے گا (جھاڑنے والا کفریہ الفاظ) خواہ بسم اللہ پڑھ کر ہی کیوں نہ شروع کرے، اور اس سے لوگ شفایاب بھی کیوں نہ ہوتے ہوں، ایسے شخص کو جو جان بوجھ کر اس طرح (کفریہ) جھاڑ پھونک کرتا ہے، اس کو توبہ کے بعد تجدید ایمان و تجدید نکاح ضروری ہے۔

(نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۵۱)

درود تاج پڑھنا کیسا ہے؟

سوال:۔ درود پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس درود میں ((دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم)) کے الفاظ ہیں یعنی حضور ﷺ کو ان تمام چیزوں کے دور کرنے والے فرمایا۔

جواب:۔ درود تاج کے الفاظ قرآن پاک اور حدیث شریف کے نہیں ہیں، اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وسلف صالحینؒ وغیرہ سے درود تاج پڑھنا ثابت نہیں ہے، یہ درود تاج سینکڑوں سال بعد کی ایجاد ہے، جس درود شریف کے الفاظ آنحضرت ﷺ نے اصحاب کرامؓ کو سکھلائے ہیں (جیسے درودِ ابراہیم وغیرہ) کوئی دوسرا درود جس کے الفاظ ایجاد کردہ ہوں، اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا، آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے صادر شدہ الفاظ اور کسی امتی کے ایجاد کردہ الفاظ کی برکت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

خلاصہ یہ کہ حتی الامکان وہی درود شریف پڑھا جائے جو حدیث شریف سے ثابت ہو، اور جس درود کے الفاظ حدیث سے ثابت نہ ہوں، اس کو مسنون نہ سمجھے، مذکورہ کلمات پڑھنے کی محققین علماءؒ اجازت نہیں دیتے، کیونکہ مشکلات کا حل کرنے والا خداوند قدوس ہی ہے، مخلوق میں کسی کو بھی حقیقتاً دافع البلاء وغیرہ ماننا، اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۲۹۸ بحوالہ ترمذی شریف: ج۲، ص۷۵ و فتاویٰ رشیدیہ: ص۱۶۲)

مسئلہ :۔ درود تاج کے فضائل جو جہلاء میں مشہور ہیں وہ بے اصل و بے بنیاد ہیں۔ حدیث شریف سے ثابت نہیں ہیں، فضائل و مقدار ثواب آنحضرت ﷺ کے بیان کیے بغیر جاننا محال ہے، یہ درود سینکڑوں سال بعد کی ایجاد ہے تو اس کے پڑھنے کی فضیلت اور مقدار ثواب کس نے اور کب بتائی ؟

حدیث شریف سے جس درود کے الفاظ ثابت ہیں انہیں چھوڑ کر غیر مسنون الفاظ پر بڑے بڑے ثواب کے وعدوں کا عقیدہ رکھ کر اس کا وظیفہ ضروری اور لازم کر لینا بدعت ہے، نیز اس میں دافع البلاء وغیرہ الفاظ کی نسبت کا فرق عوام نہیں جانتے۔ لہٰذا اس کو پڑھنے کا حکم دینا ان کو شرک میں مبتلا کرنے کے برابر ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۰۱ بحوالہ مجمع البحار، ج ۲، ص ۲۲۴ و فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۲۲)

خلاصہ: درود تاج کے بارے میں یہ بات نوٹ فرمالیں: یہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، نہ ہی اس کا پڑھنا صحابہ کرامؓ کے معمولات میں شامل رہا ہے، یہ درود بعد کے کاریگروں نے ایجاد کیا ہے، اس میں جو الفاظ موجود ہیں، ان سے شرک کی بو آتی ہے، لہٰذا اس سے احتراز کرنے میں ہی خیر ہے۔

آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا اہتمام نہایت مبارک اہتمام ہے۔ لیکن اس اہتمام کو نبھاتے وقت ان ہی درود کو زبان پر رکھنا چاہئے، جو احادیث صحیحہ و سنن سے ثابت ہیں۔ دوسرے لوگوں کے تصنیف کردہ درود خواہ بظاہر اپنے اندر کتنی ہی کشش کیوں نہ رکھتے ہوں، لیکن ان کے پڑھنے میں وہ سعادت اور برکت حاصل نہیں ہو سکتی ہے جس کی تعلیم خود رسول اللہ ﷺ نے دی اور اس پر تمام صحابہ کرامؓ کا عمل رہا ہو۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ :۔ آنحضرت ﷺ کے نام کے ساتھ "سیدنا" کا لفظ بولنا بدعت نہیں ہے، یہی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳، ص ۳۰۹)

وسیلہ سے دعا کرنا

سوال :۔ توسل بالانبیاء والاولیاء جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ توسل خواہ زندوں سے ہو یا مردوں سے، ذات سے ہو یا اعمال سے،

اپنے عمل سے ہو یا غیر کے عمل سے، بہر حال اس کی حقیقت اور ان سب صورتوں کا مرجع توسل برحمۃ اللہ تعالیٰ ہے، بایں طور کے فلاں مقبول بندہ پر جو رحمت ہے اس کے توسل سے دعا کرتا ہوں، یا فلاں نیک عمل اپنا یا غیر کا جو محض آپ کی عطا اور رحمت ہے اس کے توسل سے کرتا ہوں، چونکہ توسل بالرحمۃ کے جواز بلکہ ارجی للقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور یہ سب صورتیں، مذکورہ توسل کو شامل ہیں: لہٰذا توسل کی مذکورہ صورتیں جائز ہیں، اور اس کی حقیقت بھی یہ ہے کہ یا اللہ! آپ کی جس رحمت نے ہمیں فلاں فلاں عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے ہے، ہم اس رحمت کے توسل سے دعا کرتے ہیں۔ توسل کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اس کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج۱،ص ۳۳۲ و آپ کے مسائل: ج۱،ص ۳۲)

وسیلہ کی قسمیں اور ان کا حکم

مسئلہ:۔ وسیلہ کی پوری تفصیل تو اختلاف امت اور صراط مستقیم میں ملاحظہ فرمائیں۔ بزرگوں کو مخاطب کر کے (وہ خواہ زندہ ہو یا مردہ) ان سے مانگنا تو شرک ہے، مگر اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور یہ کہنا کہ یا اللہ! بہ طفیل اپنے نیک اور مقبول بندوں کے میری فلاں مراد پوری کیجئے، یہ شرک نہیں ہے۔ (اس لیے کہ اس صورت میں جس شخصیت سے توسل کیا جائے اسے بطور شفیع پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص ۱۳۱ و فتاویٰ عبدالحیٔ: ص ۳۴۹ و ۳۹۵)

مسئلہ:۔ توسل لوگ دو طرح سے کرتے ہیں (۱) یہ کہ (کہے) اے فلاں پیر صاحب! آپ اللہ تعالیٰ سے میری مراد پوری کرا دیجئے، یا اپنے پیر یا بزرگوں کو مدد کے لیے بلانا، ان سے اپنی مرادیں مانگنا یا انکو خدا کے کاموں میں دخیل سمجھنا، جیسے ''یا بڑے پیر صاحب! المدد'' کہنا یا کسی صاحب مزار سے کہنا کہ میرا فلاں کام بنا دیجئے، وغیرہ وغیرہ، یہ توسل ناجائز بلکہ شرک ہے، یہ اگر چہ استمداد ہے مگر عوام اس کو وسیلہ ہی سمجھتے ہیں: اس لیے (اس میں) مبتلا ہوتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم توسل یہ ہے کہ اس طرح وسیلہ بنایا جائے اور توسل کیا جائے کہ اے اللہ! میں آپ کے فلاں بندے کی برکت سے اور وسیلے سے آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں، ان کی مقبولیت کے اور محبت کے طفیل میری دعا قبول فرمالیجئے، یہ توسل وسیلہ

جائز ہے اوراس کے جواز پہ بہت سی دلیلیں ہیں، مثلاً خود آنحضرت ﷺ نے انبیاء سابقین سے توسل فرمایا ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۷۰ وجمع الفوائد: ص۲۶۴)

نبی یا ولی کے طفیل سے دعا کرنا

مسئلہ :۔ہاں اگر محض خدا ہی سے دعا مانگی جائے، ولی یا نبی سے نہ مانگی جائے۔ بلکہ ان کو محض وسیلہ قرار دیا جائے مثلاً یوں کہے۔ یا اللہ! فلاں نبی یا ولی آپ کے مقبول و بزرگ بندے ہیں، ان کے وسیلہ سے ہماری دعا قبول فرمالیجئے، تو یہ جائز ہے۔

(نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۲۷ بحوالہ شامی: ج۵)

رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا

سوال :۔ایک صاحب آنحضرت ﷺ کے طفیل سے دعا مانگنے میں متفق نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ بھی طلب کرنا ہے صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کریں، بغیر وسیلہ کے کام چل جاتا ہے تو گویا ہم وسیلہ طلب کرنے میں شرک کررہے ہیں؟

جواب :۔اگر کوئی شخص حق تعالیٰ سے بغیر وسیلہ کے دعا مانگتا ہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ! میری فلاں حاجت حضرت محمد ﷺ کے طفیل پوری فرمادے، تو یہ بھی جائز ہے، اس کو شرک کہنا غلط ہے، اس طرح خود آنحضرت ﷺ نے تعلیم دی ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷،ص۲۹۹ وترمذی شریف: ج۱،ص۹۹ ومشکوٰۃ شریف: ص۱۹۶)

علم الاعداد کا سیکھنا

مسئلہ :۔ان علوم کے بارے میں چند باتوں کو سمجھ لینا ضروری ہے:

(۱) مستقبل بینی کے جتنے طریقے ہیں، سوائے انبیاء علیہم السلام کی وحی کے، ان میں سے کوئی بھی قطعی و یقینی نہیں، بلکہ وہ اکثر حساب اور تجربہ پر مبنی ہیں اور تجربہ وحساب کبھی صحیح ہوتا ہے، کبھی غلط، اس لیے ان علوم کے ذریعہ کسی چیز کی قطعی پیشین گوئی ممکن نہیں کہ وہ لازماً صحیح نکلے، بلکہ وہ صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔

(۲)　کسی غیر یقینی چیز کو یقینی اور قطعی سمجھ لینا عقیدہ اور عمل میں فساد کا موجب ہے، اس لیے ان علوم کے نتائج پر سو فیصد یقین کر لینا ممنوع ہے کہ اکثر عوام ان کو یقینی سمجھ لیتے ہیں۔

(۳)　مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیاں دو قسم کی ہیں؟ بعض تو ایسی ہیں کہ آدمی ان کا تدارک کر سکتا ہے اور بعض ایسی ہیں کہ ان کا تدارک ممکن نہیں۔

ان علوم کے ذریعہ اکثر پیشنگوئیاں اسی قسم کی کیجاتی ہیں جن سے سوائے تشویش کے اور کوئی نفع نہیں ہوتا (بعض حضرات اس سے مایوسی کا شکار ہو کر غلط اقدامات کر بیٹھتے ہیں) ان علوم کو علوم غیر محمودہ میں شمار کیا گیا ہے۔

(۴)　ان علوم کی خاصیت یہ ہے کہ جن لوگوں کا ان سے اشتغال بڑھ جاتا ہے خواہ تعلیم و تعلم کے اعتبار سے یا استفادہ کے اعتبار سے، ان کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق نہیں رہتا، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً ہمارے آنحضرت ﷺ نے امت کو ان علوم میں مشغول نہیں ہونے دیا: بلکہ ان کے اشتغال کو ناپسند فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے سچے جانشین بھی ان علوم میں اشتغال کو پسند نہیں کرتے تھے، پس ان علوم میں سے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مباح ہوں، وہ ان عوارض کی وجہ سے لائق احتراز ہونگے۔

(آپ کے مسائل: ج۸، ص۲۶۷)

علم الاعداد پر یقین کرنا

سوال:۔ آپ نے ہاتھ دکھا کر قسمت معلوم کرنے پر جو کچھ لکھا ہے میں اس سے بالکل مطمئن ہوں، مگر علم الاعداد اور علم نجوم میں بڑا فرق ہوتا ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص کے نام کے بحساب ''ابجد'' ایک عدد کی سورت میں سامنے لایا جاتا ہے اور پھر جب ''عدد'' سامنے آجاتا ہے تو علم الاعداد کا جاننے والا اس شخص کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ کر سکتا ہے، اگر اس علم کو محض علم جاننے تک لیا جائے اور اگر اس میں کچھ غلط باتیں لکھی ہوں تو ان پر یقین نہ کیا جائے تو کیا یہ بھی گناہ ہی ہوگا؟

جواب:۔ علم نجوم اور علم الاعداد میں مآل اور نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، وہاں ستاروں کی گردش اور ان کے اوضاع (اجتماع افتراق) سے قسمت پر استدلال کیا جاتا ہے

اور یہاں بہ حساب جمل اعداد نکال کران اعداد سے قسمت پر استدلال کیا جاتا ہے، گویا علم نجوم میں ستاروں کوانسانی قسمت پراثرانداز سمجھا جاتا ہے اور علم الاعداد میں نام کے اعداد کی تاثیرات کے نظریہ پرایمان رکھا جاتا ہے، اول توان چیزوں کومؤثر حقیقی سمجھنا ہی کفر ہے، علاوہ ازیں محض اٹکل پچو سے اتفاق امور کوقطعی ویقینی سمجھنا بھی غلط ہے، لہٰذااس علم پر یقین رکھنا گناہ ہے۔اگرفرض کیجئے کہ اس سے اعتقاد کی خرابی کا اندیشہ نہ ہو، نہ اس سے کسی مسلمان کونقصان پہنچے، نہ اس کویقینی اور قطع سمجھا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا سیکھنا گناہ نہیں، مگران شرائط کے باوجوداس کے فعل عبث (بے کارکام) ہونے میں توکوئی شبہ نہیں، ان چیزوں کی طرف توجہ کرنے سے دین ودنیا کی چیزوں پرتوجہ نہیں کرسکتا ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۷۱)

مستقبل معلوم کرنے کے لیے ہاتھ دکھلانا

سوال:۔کیا آئندہ کا حال جاننے کے لیے اس فن کے کسی ماہر کوہاتھ دکھلانا جائز ہے؟اگرشوقیہ دکھلائے اور ماہرفن کی باتوں پریقین نہ کرے،توکیاحکم ہے؟

جواب:۔ناجائز ہے،جس کا عقیدہ پہلے سے خراب ہواسکوعقیدہ صحیح کر کے توبہ کرنا لازم ہے،اور جس کا عقیدہ پہلے سے خراب نہ ہو، بلکہ تجربہ کے لیے دکھلاتا ہو،اس کے لیے بھی قطعاً اجازت نہیں، کیونکہ خوداس کے عقیدہ کے خراب ہونے کا خطرہ ہے اورفاسدالعقیدہ لوگوں کے لیےفسادِعقیدہ کی اس سے تائید ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۸،ص۷۷)

نجوم پراعتقاد کفر ہے

سوال:۔میں نے اپنے لڑکے کارشتہ ایک عزیز کے یہاں دیا،انہوں نے کچھ دنوں بعد جواب دے دیا کہ میں نے علم الاعداداورستاروں کا حساب نکلوایا ہے، میں مجبور ہوں کہ بچوں کے ستارے آپس میں نہیں ملتے،شریعت میں یہ فعل کہاں تک درست ہے؟

جواب:۔نجوم پراعتقاد کفر ہے۔

مسئلہ:۔نجومی کوہاتھ دکھانے کاشوق بڑاغلط ہے،اورایک بےمقصد کام بھی ہے اوراس کا گناہ بھی بہت بڑا ہے،جس شخص کوہاتھ دکھانے کی لت پڑجائے وہ ہمیشہ پریشان رہے گااورلوگوں

کی انٹ شنٹ باتوں میں الجھا رہے گا۔

مسئلہ :۔اسلام کی رو سے دست شناسی (ہاتھ دکھانا) اوران چیزوں پراعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ :۔قرآن وحدیث کی روشنی میں ہاتھ کی لکیروں پر یقین رکھنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ہاتھ دیکھ کر جولوگ باتیں بناتے ہیں ایسے لوگوں کے پاس جانا گناہ ہے اوران کی باتوں پر یقین کرنا کفر ہے، صحیح مسلم شریف کی حدیث میں آنحضرت ﷺ فرمایا ''جو شخص کسی پنڈت، نجومی، یا قیافہ شناس کے پاس گیا اوراس سے کوئی بات دریافت کی، تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔'' مسند احمد اور ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین شخصوں کے بارے میں فرمایا کہ محمد ﷺ پر نازل شدہ دین سے بری ہیں، ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی کاہن کے پاس جائے اور اسکی بات کی تصدیق کرے۔

(آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۷۳ بحوالہ مسلم: ج۲،ص۲۳۳و بہشتی زیور: ج۷،ص۳۹و بخاری شریف ج۳،ص۹۷باب طلاق، وترمذی، ج۱،ص۳۹۱)

مسئلہ :۔اپنی قسمت کا حال دریافت کرنا یا اخبارات وغیرہ میں جو کیفیات یا حالات درج کیے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں برج والے کے ساتھ یہ ہوگا، وہ ہوگا، پڑھنا یا معلوم کرنا اوراس بات پر یقین رکھنا کہ فلاں تاریخ کو پیدا ہونے والے کا برج فلاں ہے، یہ گناہ ہیں، کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک نہ تو کوئی شخص کسی کی قسمت کا صحیح صحیح حال بتا سکتا ہے اور نہ برجوں اور ستاروں میں کوئی ذاتی تاثیر ہے، ان باتوں پر یقین کرنا گناہ ہے، ایسے لوگ ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور توہم پرست بن جاتے ہیں۔

مسئلہ :۔ستاروں کا علم یقینی نہیں اور پھر ستارے بذات خود مؤثر بھی نہیں: اس لیے اس پر یقین کرنے کی ممانعت ہے۔(آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۷۳ وامداد الاحکام: ج۱،ص۱۱۸ومشکوٰۃ شریف: ج۲،ص۴۴۲)

مسئلہ :۔فال اور نجوم پر اعتماد واعتقاد رکھنا جائز نہیں ہے، اعتقاد محض خدا ہی پر رکھنا ضروری ہے، ان چیزوں کی سچائی کا اعتقاد شرک ہے، سچا سمجھنے سے ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے، نیز فال نکالنا بھی منع ہے۔(نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۸۲)

جنتری کی پیشینگوئیاں

سوال:۔ تاریخوں کی جنتریاں جس میں پیشینگوئیاں لکھی رہتی ہیں، اس کو دیکھنا اور اس پر اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ اس میں بعض چیزیں تو حساب سے متعلق ہیں (شرعی نہیں) جیسے ریلوے ٹائم ٹیبل کو دیکھ کر کوئی بتائے کہ فلاں گاڑی فلاں اسٹیشن پر اتنے بجے پہنچے گی، بعض چیزیں صرف عوام کو مائل کرنے کے لیے ہیں، غرض شرعی طریقہ سے ان پر اعتماد و یقین نہیں کیا جاسکتا، نہ اس مقصد کے لیے دیکھا جاتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ١۵، ص ١١٣)

زمانہ کو برا کہنا

مسئلہ:۔ زمانۂ جاہلیت میں عام طور پر لوگوں کی عادت تھی کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی یا کسی آفت و مصیبت میں مبتلا ہوتے تو زمانہ کو برا بھلا کہتے تھے (جیسا کہ اب بھی جاہلوں کی عادت ہے، وہ بات بات پر زمانہ کو برا بھلا کہتے ہیں) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ زمانہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہے، حالات میں الٹ پھیر اور زمانہ کے انقلاب مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ جس بھلائی و برائی اور مصیبت و راحت کی نسبت زمانہ کی طرف کی جاتی ہے حقیقت میں وہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور وہی فاعل حقیقی ہے۔ پس زمانہ کو برا کہنا دراصل اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے۔ (جو کہ کفریہ کلمات ہیں اس سے پرہیز لازم ہے)

اُلّو کو منحوس سمجھنا

مسئلہ:۔ بعض اُلّو کو منحوس سمجھتے ہیں اس کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ جس مکان پر بولتا ہے وہ اجاڑ ہو جاتا ہے، اس لیے وہ منحوس ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

نہ اُلّو منحوس ہے نہ اس کے بولنے سے کوئی جگہ اجاڑ ہوتی ہے۔ یاد رکھو! وہ جو بولتا ہے خدا کی یاد کرتا ہے، کیا خدا کی یاد کرنے سے نحوست آئی؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اُلّو ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جہاں تنہائی ہو، اور اس کو کسی کا اندیشہ

نہ رہے، اس لیے وہ ویرانیوں یعنی اجڑی ہوئی جگہوں میں بیٹھتا ہے، اب یہ دیکھئے کہ وہ اجڑی ہوئی جگہ کس وجہ سے اجاڑ ہوئی ؟ اُلوتو اجاڑ ہونے کے بعد آیا ہی ہے، اس لیے اس کی وجہ سے تو وہ جگہ اجاڑ ہوئی نہیں، بس وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے اجاڑ ہوئی تو اب اجاڑنے والے ہمارے گناہ ہوئے نہ کہ اُلو۔

اور جب یہ بات ہے تو منحوس ہم گنہگار ہوئے، اُلو کیوں منحوس ہوا؟ بس یہ اعتقاد کرنا کہ بعض چیزوں میں نحوست ہے سراسر غلط ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۳۰)

مسئلہ:۔ اگر کسی کے مکان پر اُلو بیٹھ جائے یا کوئی شخص اُلو کو دیکھ لے تو اس پر مصیبتیں اور تباہیاں آنا شروع ہو جاتی ہیں، یہ محض توہم پرستی ہے جو کہ غلط ہے۔

نحوست کا اسلام میں تصور نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اُلو ویرانہ چاہتا ہے جب کوئی قوم یا فرد اپنی بدعملیوں کے سبب اس کا مستحق ہو کہ اس پر تباہی نازل ہو تو الو کا بولنا اس کی علامت ہو سکتا ہے، خلاصہ یہ کہ الو کا بولنا تباہی ومصیبت کا سبب نہیں ہے، بلکہ انسان کی بدعملیاں اس کا سبب ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۵۸)

جانوروں کو منحوس سمجھنا

مسئلہ:۔ بعض حضرات گھوڑوں وغیرہ کو منحوس سمجھتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، یعنی یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے، سب واہیات ہیں، لوگوں کو اپنے عیوب دوسروں میں نظر آتے ہیں، مصیبت تو آتی ہے اپنے معاصی (گناہ) کی نحوست سے اور منسوب کر دیتے ہیں بے گناہ جانوروں کی طرف کہ فلاں گھوڑا ایسا منحوس آیا، فلاں بیل وغیرہ منحوس آیا، یا فلاں جانور فلاں وقت بولا اس لیے کام نہ ہوا، یا اس کے بولنے سے وباء بیماری وغیرہ آئی (یا بلی وغیرہ راستہ کاٹ کر چلی گئی) یہ بھی بدعقیدگی اور بدشگونی ہے۔ (شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے)

مسئلہ:۔ بعض عورتیں کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتی ہیں، یہ بھی بدعقیدگی اور بدشگونی ہے، شرعی چیز نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۳۱)

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ زمین پر نمک گرا دینے سے قیامت دن پلکوں سے اُٹھانا پڑے گا، یہ بھی محض بے اصل ہے نیز یہ بھی مشہور ہے کہ اگر زمین پر کھولتا ہوا گرم پانی ڈال دیا جائے تو

قیامت کے دن زمین بدلہ لے گی، یہ بھی بے اصل ہے، اس کی شرعی حیثیت کوئی نہیں۔
(اغلاط العوام: ص ۴۸)

انگلیاں چٹخانے کو منحوس سمجھنا

مسئلہ:۔ اسلام نحوست کا قائل نہیں، البتہ نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے اور نماز سے باہر بھی انگلیاں چٹخانا پسندیدہ نہیں، فعل عبث ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۱۳۴)

نقصان ہونے پر کہنا کہ کوئی منحوس صبح ملا ہوگا

مسئلہ:۔ جب کسی شخص کو کسی کام میں نقصان ہوتا ہے یا کسی مقصود میں ناکامی ہوتی ہے تو وہ یہ جملہ کہتا ہے کہ ''آج صبح سویرے نہ جانے کس منحوس کی شکل دیکھی تھی'' جبکہ انسان صبح سویرے بستر پر آنکھ کھلنے کے بعد سب سے پہلے اپنے گھر کے کسی فرد کی شکل دیکھتا ہے، تو کیا گھر کا کوئی آدمی اس قدر منحوس ہوسکتا ہے کہ صرف اس کی شکل دیکھنے سے سارا دن نحوست میں گزر جائے؟ اسلام میں نحوست کا تصور نہیں، یہ محض توہم پرستی ہے۔
(آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۷۵)

کیا جھلی میں پیدا ہونے والا بچہ خوش نصیب ہے؟

سوال:۔ بعض بچوں کی پیدائش ایک خاص جھلی میں ہوتی ہے، بعض کا کہنا ہے کہ اس جھلی کو سکھا کر رکھ لیا جائے، یہ بہت نیک فال ثابت ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب:۔ یہ جھلی عموماً دفن کردی جاتی ہے، اس کو رکھنے اور ایسے بچے کے خوش نصیب ہونے کا قرآن وحدیث شریف میں کہیں ثبوت نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۱۴۰)

کسی جگہ کو منحوس سمجھنا

سوال:۔ کیا خاص خاص جگہوں میں بھی نحوست کا اعتقاد درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے گاؤں میں چند گھر رہ گئے ہیں جن میں ترقی تو کیا ہوتی؟ کیا تبدیلی جگہ کی رائے درست ہے؟

جواب:۔ نحوست کا اعتقاد تو جائز نہیں، ہاں یہ اعتقاد جائز ہے کہ اس جگہ کی آب وہوا اچھی نہیں، اس لیے دوسری جگہ جہاں امراض کم ہوں اور سلسلہ ولادت زیادہ ہو، منتقل ہو جانا جائز ہے۔ (امداد الاحکام: ج۱،ص ۱۳۹، ومظاہر حق جدید: ج۵،ص ۳۰۱)

نظر لگنے کی حقیقت

سوال:۔ بڑے بوڑھوں سے اکثر سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص کو نظر لگ گئی، اور اس طرح اس کی آمدنی کم ہوگئی یا کاروبار میں نقصان ہوگیا یا ملازمت ختم ہوگئی وغیرہ وغیرہ۔ براہِ کرم وضاحت فرمائیں کہ نظر لگنے کی کیا حقیقت ہے؟

جواب:۔ صحیح بخاری شریف کتاب الطب، باب العین کی حدیث میں ہے کہ ''العین حق'' یعنی نظر لگنا برحق ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد۱۰،ص ۲۰۴ پر اس کے ذیل میں مسند بزار سے حضرت جابرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''قضا و قدر کے بعد اکثر لوگ نظر لگنے سے مرتے ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ نظر لگنے سے بعض مرتبہ آدمی بیمار بھی ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ بیماری موت کا پیش خیمہ بھی بن جاتی ہے، دوسرے نقصانات کو اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''جو شخص کسی چیز کو دیکھے اور وہ اس کو بہت ہی اچھی لگے تو اگر وہ ''ماشاء الله لاقوة الابالله'' کہہ دے تو اس کو نظر نہیں لگے گی۔'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج۱،ص ۳۷۸)

مسئلہ:۔ بچے کی پیدائش پر مائیں اپنے بچوں کو بدنظری سے بچانے کے لیے اس کے گلے یا ہاتھ کی کلائی میں کالے رنگ کی ڈوری باندھ دیتی ہیں، یا بچے کے سینے یا سر پر کاجل سے کالا رنگ کا نشان (تل) لگا دیا جاتا ہے، یہ محض توہم پرستی ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص ۲۷۲)

مسئلہ:۔ اگر (اس ٹیکہ لگانے سے) اعتقاد کی خرابی نہ ہو تو جائز ہے، مقصود یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو بدنما کر دیا جائے (کالا ٹیکہ وغیرہ لگا کر) تا کہ نظر نہ لگے۔ (آپ کے مسائل: ج۸،ص ۱۲۵)

مسئلہ:۔ نظر لگنا برحق ہے اور اس کا اتارنا جائز ہے، بشرطیکہ اتارنے کا طریقہ خلاف شریعت نہ ہو۔ (آپ کے مسائل: ج۸،ص ۴۵۳)

نظر بد کے لیے مرچیں جلانا

سوال:۔ بچہ کو یا کسی جانور وغیرہ کو نظر بد لگ جانے پر عورتیں سات مرچیں یا سات کپڑے کی کتریں بچہ وغیرہ پر سات مرتبہ اشارہ کر کے جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیتی ہیں، اس طریقہ سے نظر جھاڑنا کیسا ہے؟

جواب:۔ نظر بد اتارنے کے لیے مرچیں وغیرہ پڑھ کر آگ میں جلانا درست ہے، جبکہ کوئی خلاف شرع چیز ان پر نہ پڑھی جائے، مثلاً کسی دیوی دیوتا وغیرہ کی دہائی یا کسی جن وشیطان سے مدد (استعانت) وغیرہ مانگنا نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۳۵۰)

نظر بد اور جدید سائنس

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے گھر میں ایک لڑکی دیکھی، اس کے چہرہ میں سفعہ (یعنی زردی) تھی، حضور ﷺ نے فرمایا اس کو دم کراؤ، کیونکہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔ (بخاری مسلم)

حدیث پاک میں حضور ﷺ نے فرمایا "العین حق" یعنی بد نظر حق ہے۔ (رہبر زندگی)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنوں کے شر اور انسانوں کی نظر لگ جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے، یہاں تک کہ معوذتین نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو لے لیا اور ان دونوں کے ماسوا کو ترک کر دیا (ترمذی۔ ابن ماجہ)

بد نظری اور اس کی کارفرمائی نفس الامر میں موجود ہے اور حق تعالیٰ نے بعض آنکھوں میں ایسی خاصیت پیدا فرمائی ہے کہ جب وہ نظر بھر کر کسی چیز کی طرف دیکھتے ہیں تو اس چیز کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی چیز قضا وقدر سے سبقت لے جاتی تو نظر ہوتی۔

بعض ایسے لوگ دیکھے گئے ہیں جن کی صرف ایک نگاہ انسان، جانور، حتیٰ کہ بے جان چیز کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے، اس ضمن میں قرآن کا پڑھنا نفع ہے، کیا جدید سائنس نظر بد کی قائل ہے؟ اور سائنس نے اس ضمن میں کیا انکشافات کی ہیں؟

پیراسائیکالوجسٹ کی تحقیق

نظر نہ آنے والے علوم یعنی مخفی علوم کی تحقیق کا نام پیراسائیکالوجی ہے، ماہرین کے مطابق دراصل ہر انسان کی آنکھ سے غیر مرئی لہریں نکلتی ہیں، جن میں ایموشنل انرجی کی بجلی بھری ہوئی ہوتی ہے، یہ بجلی جلدی مسامات کے ذریعہ جسم میں جذب ہو کر جسم کی تعمیر یا تنزلی کا باعث بنتی ہے۔

اگر ایموشنل انرجی کی بجلی یا لہریں مثبت ہوں تو اس سے انسان کو نفع پہنچتا ہے اور اگر یہ لہریں منفی ہوں تو مسلسل نقصان ہوتا ہے۔

اب بدنظر کی آنکھ سے نکلنے والی لہریں دراصل منفی ہوتی ہیں اور ان کے اندراتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ جسم کے نظام کو درہم برہم کردیتی ہیں۔

ایک بدنظر شخص نے حسین چہرے کو دیکھ کر اپنی غیر مرئی لہریں چھوڑ دی تو دوسرے شخص کا چہرہ سیاہ ہوگیا تو اس بدنظر کی لہروں نے اس کے خون میں میلانن کو زیادہ کردیا جس سے جلد کی رنگت سیاہ ہوگئی۔

الغرض نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان حق ہے، بدنظری کا رد قرآن ہے اور اس میں معوذتین منفی لہروں کا رد ہیں۔ (سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس: ص ۲۶۷)

وباء زدہ آبادی کو چھوڑنا

سوال:۔ (۱) جہاں بیماری پھیلی ہوئی ہو، وہاں سے چلے جانا چاہیے یا نہیں۔

(۲) مثلاً کسی شہر گئے. اور وہاں پر وباء شروع ہوگئی اور ہم کام سے فارغ ہوگئے، اب گھر لوٹنا ہے تو وہاں سے آسکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہاں وباء دفع ہونے تک ٹھہرنا ضروری ہے؟

(۳) وہاں کا باشندہ کسی کام کے لیے باہر جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) ہوا پانی بدلنے کے لیے وبائی جگہ چھوڑ کر جنگل کی طرف جاسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ وبائی اور طاعونی جگہ سے اس خیال سے اور ایسے عقیدے سے بھاگنا کہ اس سے ہم بیماری اور موت سے بچ جائیں گے ورنہ بیماری میں پھنس کر مر جائیں گے، ناجائز

اور سخت گناہ کا کام ہے، موت اپنے وقت اور خدا کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور وقت اگر آگیا تو ٹل بھی نہیں سکتی۔ (تفسیر مظہری: ج۱، ص۳۴۳)

زمانۂ جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ جو کوئی بیمار کے پاس بیٹھے یا اس کے ساتھ کھائے تو اس سے اس کی بیماری اس کو لگ جاتی ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لاعدویٰ)) یعنی بلا تقدیر اور بلا حکم خداوندی کے ایک بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک جذامی (برص کے مریض) کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھانے کے برتن میں شریک کرلیا، مطلب یہ کہ خدا کے حکم اور تقدیر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، مگر عقیدہ کی حفاظت کے لیے شریعت نے تعلیم دی ہے کہ وبائی جگہوں میں بلا ضرورت نہ جائے اور نہ وہاں سے بھاگے: کیونکہ اگر وہاں جا کر بیماری میں مبتلا ہو جائے گا تو طبیعت کے کمزور اور ضعیف العقیدہ لوگ سمجھیں گے کہ وہاں جانے سے یہ ہوا اور بھاگنے والا یہ سمجھے گا کہ بھاگنے سے بچ گیا، ورنہ ضرور مبتلا ہو جاتا، بھاگنے والا دوسروں کے لیے بھی زیادہ پریشانی اور کم ہمتی کا باعث بنتا ہے، اس لیے ایسی بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ: کسی جگہ وباء پھیلی ہو مت جاؤ اور جہاں تم ہو وہاں وباء پھیل جائے تو بھاگنے کے ارادہ سے وہاں سے مت نکلو۔

(بخاری شریف: ج۲، ص۸۵۳ و مسلم شریف: ج۲، ص۲۹)

شریعت نے دور رہنے کی ہدایت محض حفاظت عقیدہ اور سلامتی ایمان کے لیے کی ہے، نہ اس لیے کہ وہ مرض سے بچے اور وہ بھی ہر ایک کے لیے ہر حال میں حکم وجوبی نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے: ((فرارًامنہ)) (وباء سے بھاگنے کے ارادہ سے نکلو) کے الفاظ ہیں، اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر وباء سے بھاگنے کے علاوہ کوئی دوسری وجہ اور غرض ہو تو وہاں سے جانے میں اور بہ ضرورت وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عقیدہ میں پختہ اور مضبوط ہو، ڈانواڈول نہ ہو۔ (فتح الباری)

درمختار مع شامی: ج۵، ص۶۶۱ پر ہے جو شخص وبائی شہر سے نکلے لیکن اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز تقدیر الٰہی سے ہے، خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، تو اس کو نکلنے اور وہاں

جانے کی اجازت ہے۔ اور اگر اعتقاد ایسا نہیں ہے تو نکلنے اور جانے کی اجازت نہیں تا کہ اس کا عقیدہ محفوظ رہے۔"

(۲) ہاں! آسکتے ہیں دفع وباء تک وہاں قیام کرنا لازم نہیں قیام کے مقصد سے وہاں نہیں گئے تو کام سے فارغ ہوکر واپس آنا فرار شمار نہ ہوگا، تاہم نیت کی درستی ضروری ہے۔

(۳) ہاں تبدیلی آب وہوا کی غرض سے شہر کی حدود میں جنگل ومیدان میں جاسکتے ہیں مگر نیت یہ ہونی چاہئے کہ تبدیلی آب وہوا بھی ایک علاج ہے۔

غرض یہ کہ وبائی جگہ سے بہ ارادۂ فرار نہ نکلے، خدا پر بھروسہ کر کے صبر وہمت سے رہے، تقدیر میں ہوگی تو آئے گی اور درجۂ شہادت حاصل ہوگا، جب موت بھاگنے سے نہیں ٹلتی تو بھاگ کر ایمان کیوں خراب کرے؟ ڈاکٹر وحکیم بعض امراض کو متعدی مانتے ہیں، اس کے جراثیم ثابت کرتے ہیں، ہم کو اس کی تردید کی ضرورت نہیں مگر ان کو بھی ماننا چاہئے کہ بیماری ازخود متعدی اور مؤثر نہیں ہوتی، بلکہ بحکم خدا اور تقدیر سے ہوتی ہے، جس کے لیے حکم خدا نہ ہوتو ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲،ص ۳۷۱، بحوالہ نووی شرح مسلم: ج ۲،ص ۲۲۸ وفتح الباری: ج......،ص ۱۵۹)

مجذوم بیمار سے تعلق رکھنے کا حکم

مسئلہ:۔ اس کا جواب سمجھنے کے لیے دو باتوں کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے، ایک یہ کہ بعض لوگ قوی المزاج ہوتے ہیں، ایسے مریضوں کو دیکھ کر اس کے ساتھ مل کر ان کے مزاج میں کوئی تغیر نہیں آتا اور بعض کمزور طبیعت کے ہوتے ہیں۔ (اور اکثریت اسی مزاج کے لوگوں کی ہے) ان کی طبیعت ایسے موذی امراض کے مریضوں کو دیکھنے اور ان سے میل جول رکھنے کی متحمل نہیں ہوتی۔

دوم یہ کہ شریعت کے احکام قوی وضعیف سب کے لیے ہیں، بلکہ ان میں کمزوروں کی رعایت زیادہ کی جاتی ہے، چنانچہ امام کو حکم ہے کہ نماز پڑھاتے ہوئے کمزوروں کے حال کی رعایت رکھے۔

یہ دو باتیں معلوم ہوجانے کے بعد اب سمجھئے کہ آنحضرت ﷺ نے خود بہ نفس نفیس

مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے سالن کے برتن میں داخل کیا اور فرمایا ''کھا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہوئے۔''

(ترمذی شریف: ج۲،ص۴)

امام ترمذیؒ نے اسی نوعیت کا واقعہ حضرت عمرؓ کا بھی نقل کیا ہے، گویا آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے واضح فرمادیا کہ نہ مجذوم قابل نفرت ہے اور نہ وہ اچھوت ہے، لیکن چونکہ ضعفاء کی ہمت وقوت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی، اس لیے ان کے ضعف طبعی کی رعایت فرماتے ہوئے ان کو اس سے پرہیز کا حکم فرمایا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۲۲ و نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۱۲ و مظاہر حق جدید: ج۵،ص۲۹۶)

پتھروں کا انسانی زندگی پر اثر انداز ہونا

سوال:۔ ہم جو انگوٹھی وغیرہ پہنتے ہیں اور اس میں اپنے نام کے ستارے کے حساب سے پتھر لگواتے ہیں مثلاً عقیق، فیروزہ، وغیرہ وغیرہ کیا یہ اسلام کی رو سے جائز ہے؟

جواب:۔ پتھر انسان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتے، انسان کے اعمال اثر انداز ہوتے ہیں۔

مسئلہ:۔ پتھروں سے آدمی مبارک نہیں ہوتا، انسان کے اعمال اس کو مبارک یا ملعون بناتے ہیں، پتھروں کو مبارک ونامبارک سمجھنا عقیدے کا فساد ہے، جس سے توبہ کرنی چاہئے۔

(آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۷۶)

فیروزہ پتھر کی اصلیت

مسئلہ:۔ پتھروں کو کامیابی وناکامی میں کوئی دخل نہیں ہے، حضرت عمرؓ کے قاتل کا نام فیروز تھا، اس کے نام کو عام کرنے کے لیے سبائیوں نے ''فیروزہ'' کو متبرک پتھر کی حیثیت سے پیش کیا۔

پتھروں کے بارے میں نحس وسعد (یعنی انداز اور غیر مؤثر) سبائی افکار کا شاخسانہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۷۷)

پتھروں کے اثرات کا عقیدہ رکھنا

سوال:۔ اکثر لوگ مختلف ناموں کے پتھروں کی انگوٹھیاں پہنتے ہیں یا گلے میں ڈالتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ فلاں پتھر میری زندگی پر اچھے اور برے اثرات ڈالتا ہے اور ساتھ ساتھ ان پتھروں کے اپنے حالات کو اچھے اور برے کرنے پر یقین رکھتے ہیں، شرعی لحاظ سے ان پتھروں پر یقین رکھنا اور سونے میں ڈالنا کیسا ہے؟

جواب:۔ پتھر انسان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتے، انسان کے نیک یا بد عمل اس کی زندگی کے بننے اور بگڑنے کے ذمہ دار ہیں۔

پتھروں کو اثر انداز سمجھنا مشرک قوموں کا عقیدہ ہے، مسلمانوں کا نہیں اور سونے کی انگوٹھی مردوں کو حرام ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۷۸)

انگوٹھی کا پتھر اور جدید سائنس

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔ (ترمذی، شمائل ترمذی)

آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی پہنی جس کا نگینہ چاندی ہی کا تھا، عقیق کے نگینے والی بھی پہنی، کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں، لیکن زیادہ دائیں ہاتھ میں پہنتے اور نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھتے۔ (تنویر الازہار، رہبر زندگی)

حضور اقدس ﷺ نے عقیق کا نگینہ استعمال کیا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے، لیکن آپ ﷺ نے عقیق کا نگینہ اس لیے استعمال نہیں کیا کہ اس سے تمام مشکلات آسان ہوں گی، بلکہ علماء حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے زینت کے لیے یہ نگینہ استعمال فرمایا۔

(سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس: ص ۳۶۷)

انگوٹھی کا پہننا

مسئلہ:۔ بعض لوگ اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں انگوٹھیاں پہنتے ہیں اور انگوٹھیوں میں پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لگے ہوتے ہیں، جن کو اکثر لوگ تو بے سمجھے بوجھے شوقیہ پہنتے ہیں

اور بعض لوگ اس نیت سے پہنتے ہیں اور گلے میں بھی لٹکاتے ہیں کہ یہ کارآمد ہیں ان سے نفع ہوتا ہے اور نقصان سے انسان بچ جاتا ہے۔

یاد رکھئے ! مستقل تاثیر کا اعتقاد کر کے جو لوگ پہنتے ہیں تو یہ حرام ہے، بلکہ ایک طرح کا شرک ہے، اور اگر یہ اعتقاد نہیں ہے تو اس کی اجازت ہے، مگر ایک ہی انگوٹھی ہو اور چاندی کی ہو اور اس میں ایک ہی نگینہ ہو (اور پہننے کے وقت نگینہ مرد نیچے کی طرف یعنی ہتھیلی کی طرف اور عورتیں اوپر کی طرف رکھیں)۔

مسئلہ :۔ بعض پیروں کے انگوٹھوں میں یا انگلیوں میں تانبے، پیتل کا تار باندھتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، (اگر کوئی طبیب حاذق بطور علاج رگ، نس وغیرہ دبانے کے لیے بتائے تو الگ بات ہے)۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ :۔ اسی طرح کچھ لوگ لوہے کی یا تانبے کی انگوٹھی بھی پہنتے ہیں اور اس سے نفع تندرستی کی امید رکھتے ہیں، یہ ناجائز ہے، اور اس عقیدہ سے پہننا کہ اس سے ہی ہمارا کام ہوگا، کفر ہے، اگر کوئی بیماری ہے تو علاج کرانا جائز ہے: اس لیے تانبہ، پیتل اور لوہا پہننا بذات خود منع ہے۔

مسئلہ :۔ بعض مرد یا عورتیں ہاتھ یا پیر میں لوہے یا پیتل یا تانبے کا کڑا پہنتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ غریب نواز کی درگاہ سے آیا ہے اور اس کو بابرکت سمجھ کر پہنتے ہیں، یہ بھی جہالت ہے۔

مسئلہ :۔ بادشاہ قاضی اور وقف مال کے متولی کے علاوہ دوسروں کو انگوٹھی کا ترک (نہ پہننا ہی) افضل ہے۔

مسئلہ :۔ انگوٹھی کے مسئلے سے عموماً لوگ واقف نہیں ہیں، رواجی طور پر پہنتے ہیں اور اگر کسی نے اتفاقیہ پوچھ لیا کہ انگوٹھی کا پہننا کیسا ہے؟ تو یہ انگوٹھی پہننے والے جواب میں کہتے ہیں کہ سنت ہے، حالانکہ انگوٹھی کا پہننا سنت نہیں ہے، اگر انگوٹھی کا پہننا سنت ہوتا تو تمام صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں میں انگوٹھی ہوتی (آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی صرف مہر لگانے کے لیے پہنی تھی) جن تین آدمیوں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں ان کے علاوہ اگر دوسرے لوگ بھی انگوٹھی پہنیں تو جائز ہے منع نہیں ہے، لیکن انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف ہونا چاہئے اور انگوٹھی صرف ایک ہونی چاہئے دو نہیں۔

انگوٹھی کا نہ پہننا افضل اس لیے بتایا گیا ہے کہ غسل کرنے کے وقت انگوٹھی کے نیچے ایک بال کے برابر خشک رہ گیا تو غسل اور وضو صحیح نہ ہوگا اور جب غسل و وضو نہیں ہوگا تو نماز بھی نہ ہوگی۔ اس لیے انگوٹھی کا ترک افضل ہے۔

مسئلہ:۔ بعض مرد اپنے کان یا ناک میں سونے، چاندی و پیتل وغیرہ کی بالیاں اولیاء اللہ کے نام کی پہنتے ہیں، یہ بھی حرام اور شرک ہے، یاد رکھو! جب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ نفع ونقصان کے مالک نہیں تو پھر پتھر کے ٹکڑے لوہے، تانبے، پیتل کی کیا حقیقت ہے؟

یاد رکھو! جب اللہ کے ولی کفر و شرک کے شائبہ سے بالکل پاک وصاف تھے اور اس کی تعلیم ساری مخلوق کو دیتے رہے، تو کیا یہ بزرگ ایسی حرکتیں پسند کریں گے؟ ہرگز نہیں، یہ صرف جہالت کی وجہ سے ہے، سوچتے نہیں کہ کل قیامت کے دن اس کا انجام کیا ہوگا؟ (شریعت یا جہالت: ص ۵۰۰ بحوالہ مسلم: ج ۲، ص ۱۱۶ او، ومشکوٰۃ: ج ۲، ص ۶۶۶، شمائل: ص ۸۲ فتاویٰ عالمگیری؛ ج ۴ ص ۲۹۵، عین الہدایہ: ج ۴، ۲۳۳)

کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟

مسئلہ:۔ علم الٰہی میں ہر چیز کے لیے ایک نقشہ ہے کہ اس کا اس طرح ظہور ہوگا۔ اس کو تقدیر کہتے ہیں، اس نقشہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ مگر کوئی چیز مطلق ہوتی ہے جس کا اظہار پہلے سے کارکنانِ قضاء وقدر پر بھی بسا اوقات نہیں ہوتا، اور قلوب قدسیہ پر بھی انکشاف نہیں ہوتا ہے اور وہ عدم ظہور تعلیق کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کو لوگ مبدل سمجھ جاتے ہیں، تعلیق کبھی دعاء کی ہوتی ہے کبھی کسی اور چیز کی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۱۲۶)

عقائد کی خرابیاں

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ جو شخص نیا مسلمان ہو اس کو دست آور دوا دینا چاہئے ورنہ وہ پاک نہیں ہوتا، یہ بات بے اصل ہے۔

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ گالی دینے سے چالیس روز تک ایمان سے دور ہو جاتا ہے، اگر اس مدت میں مرجائے تو بے ایمان مرتا ہے، یہ محض غلط ہے، ہاں گالی دینے کا گناہ الگ چیز ہے۔

مسئلہ :۔ مشہور ہے کہ سوتے میں قطب شمالی کی طرف پاؤں نہ کرے، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ بعض جاہلوں کا دستور ہے کہ جس دن گھر سے بونے کے لیے اناج لے جاتے ہیں، اس دن دانے نہیں بھناتے، ایسا عقیدہ بالکل گناہ ہے، اس خیال کو ختم کردینا چاہئے۔

مسئلہ :۔ بعض حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ دن میں کہانیاں مت کہو (سناؤ) نہیں تو مسافر راستہ بھول جائیں گے، یہ سب باتیں واہیات اور بے اصل ہیں، ایسا اعتقاد رکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ :۔ بعض عورتیں چیچک کی بیماری کو کوئی آسیب بھوت کا اثر سمجھتی ہیں اور اس وجہ سے اس گھر میں بہت سے بکھیڑے کرتی ہیں، یہ سب واہیات خیال ہیں، ان سے توبہ کرنی چاہئے۔

(اغلاط العوام: ص ۱۹)

مسئلہ :۔ اکثر عوام خصوصاً عورتیں مرض چیچک اور کنٹھی میں علاج کرانے کو برا سمجھتے ہیں اور بعض اس مرض کو بھوت پریت کے اثر سمجھتے ہیں، یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مسئلہ :۔ بعض عورتوں مرض چیچک میں گھر میں سالن بنانا، بھگارنا برا سمجھتی ہیں اور مرض کے بڑھ جانے میں مؤثر سمجھتی ہیں، سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، ہاں کسی طبیب (حکیم وڈاکٹر) کی رائے سے احتیاط کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۷)

مسئلہ :۔ بعض عورتیں اس عورت کے پاس کہ جس کے بچے اکثر مر جاتے ہیں خود جانے اور اس کے پاس بیٹھنے سے رُکتی ہیں اور اپنے بچوں کو بھی ایسی جگہ سے روکتی ہیں اور یوں کہتی ہیں کہ "مرت بیائی لگ جائے گی" یہ بہت بڑی بات ہے (شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے) ایسا کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۶)

جان کے بدلہ بکرا ذبح کرنا

سوال :۔ جانور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ جان کے بدلہ جان ہو جائے، جانور کی جان چلی جائے اور انسان کی جان بچ جائے، اللہ تعالیٰ جانور کی جان قبول فرما کر بندے کی جان نہ لیں، کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

جواب :۔ (۱) زندہ جانور کا صدقہ کردینا زیادہ بہتر ہے، شفائے مریض کی غرض

سے ذبح کرنا اگر محض لوجہ اللہ ہو تو مباح ہے، لیکن اصل مقصد بالاراقۃ صدقہ ہونا چاہئے نہ کہ فدیۂ جان بہ جان۔

(۲) یہ خیال تو بے اصل ہے، اباحت صرف اس خیال سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے جان کی قربانی دی جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ جیسے صدقہ مالیہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرتا ہے، اسی طرح یہ قربانی جالب رحمت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مریض کو شفاء عطا فرمائے (تو درست ہے)۔ (کفایت المفتی: ج۵،ص ۸۵۵)

مسئلہ:۔ بعض لوگ صدقہ میں جان کا بدلہ جان ضروری سمجھتے ہیں اور بکرے وغیرہ کو تمام رات مریض کے پاس رکھ (باندھ) کر اور بعض لوگ مریض کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں یا مریض کے پاس بکرے کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے بعد خیرات کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مریض کا بکرے پر ہاتھ لگانے سے تمام بلائیں گویا اس کی طرف منتقل ہو گئیں، پھر خیرات کرنے سے وہ بھی چلی جاتی ہیں اور جان کے بدلے جان دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی، یاد رکھئے! ایسا اعتقاد خلافِ شرع ہے۔

مسئلہ:۔ یہ ایک عام رسم ہے کہ بیماری میں اکثر بکرا ذبح کرتے ہیں، حالانکہ جان کا بدلہ جان یعنی فدیہ ذبح کرنا بجز عقیقہ کے کہیں ثابت نہیں، اگر چہ کہا جائے کہ جان کا بدلہ جان سمجھ کر ذبح نہیں کرتے۔ بلکہ مقصد صدقہ کرنا ہے۔ جس کو رد بلاء یعنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے حدیث شریف میں بتایا گیا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہی خیال ہے تو صرف بکرے کی قیمت صدقہ کر دینے کو دل کیوں گوارہ نہیں کرتا؟

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں ضرور چور ہے اور ذبح ہی کو دفع بیماری میں زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے اور یہی فاسد عقیدہ دل میں جمع ہوا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے گا، بعض لوگ وباء یا ویسی بیماری میں بہ اعتقاد بھینٹ بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ شرک ہے، یا بعض حضرات با اعتقاد فدیہ بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ محض کذب و باطل ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۳)

مسئلہ:۔ بیماری سے شفاء کے لیے اللہ سے منت ماننا جائز ہے، مگر اس سے بہتر یہ ہے کہ بغیر منت کے صدقہ و خیرات کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے صحت کی دعاء کی جائے۔

(آپ کے مسائل: ج۳،ص ۴۲۱)

بیماری سے شفا کے لیے بکرا ذبح کرنا

سوال:۔ زید سخت بیمار ہے، اگر اس کی طرف سے بکرا ذبح کر کے گوشت فقیروں کو تقسیم کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کی وجہ سے اس پر رحم کرے یا آسانی سے روح نکل جائے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:۔ آفات اور بیماری سے حفاظت کے لیے صدقہ وخیرات کی ترغیب آئی ہے، مگر عوام کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہو گیا ہے کہ کسی جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے، جان کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ عوام کی خودساختہ بدعت ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو تو بھی اس میں چونکہ اس عقیدے کی خرابی اور بدعت کی تائید ہے، لہٰذا ناجائز ہے، اور کسی قسم کا صدقہ وخیرات کر دے۔ (صدقہ میں اخفاء یعنی پوشیدگی مطلوب ہے، بکرے کے ذبح میں یہ نہیں ہوگا اور نقد صدقہ میں فقیروں محتاجوں کا پوشیدگی مطلوب ہے، بکرے کے ذبح میں یہ نہیں ہوگا اور نقد صدقہ میں فقیروں، محتاجوں کو زیادہ فائدہ ہے اور بکرے کے قیمت ہی سے ضرورت مندوں کی کافی حاجت روائی ہو سکتی ہے) (محمد رفعت قاسمی)

شریعت میں قربانی اور عقیقہ کے سوا اور کہیں بھی جانور کا ذبح کرنا ثابت نہیں، یہ غلط عقیدہ اچھے دیندار لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے، اس لیے علماء پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح پر توجہ یں اور جن مدارس دینیہ میں اس قسم کے بکرے دیئے جاتے ہیں، ان کو ہرگز قبول نہ کریں، علماء کی چشم پوشی اور ایسے بکروں کو قبول کر لینے سے اس گمراہی کی تائید ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص ۳۶۷)

چیلوں کو گوشت ڈالنا

مسئلہ:۔ کسی بیمار کی طرف سے بکرا صدقہ کرنا اواس کا گوشت چیلوں کو پھینکنا کہ جلدی آسانی سے روح نکل جائے یا صدقہ کی برکت سے خدا شفاء عنایت فرمائے، یہ جاہلوں کی خرافات میں سے ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اس قسم کے ٹوٹکے ہندوؤں (غیر مسلموں) سے لیے گئے ہیں، اس کا بہت سخت گناہ ہے، البتہ مطلق صدقہ سے آفت ٹلتی ہے اور صدقہ

بصورتِ نقد زیادہ افضل ہے یعنی کچھ رقم کسی مسکین کو دیدی جائے یا کسی کارخیر میں لگادی جائے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص ۳۶۶)

مسئلہ :۔ بعض لوگ صدقہ میں گوشت وغیرہ چیلوں کو دینا ضروری خیال کرتے ہیں یہ بھی غلط ہے، شریعت نے صدقہ کا مصرف مقرر کردیا ہے، چنانچہ مسلمان مساکین اس کا بہترین مصرف ہیں، چیلیں اس کا مصرف نہیں ہیں۔ (اغلاط العوام :ص ۲۳ بحوالہ اصلاح انقلاب)

مسئلہ :۔ جاہلوں میں ایک رواج یہ ہے کہ کسی بیماری کا اتار سمجھ کر چیل وغیرہ کو گوشت کھلاتے ہیں، چونکہ اکثر یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ بیماری اس گوشت میں لپٹ کر چلی جائے گی اور اسی لیے اس گوشت کو آدمی کے کھانے کے قابل نہیں سمجھتے ہیں، ایسے اعتقاد کی شرح میں کوئی سند نہیں ہے۔ اس لیے یہ بھی بالکل خلاف شرع ہے۔ (بہشتی زیور: ج۶ص ۵۲)

مسئلہ :۔ چیلوں کو گوشت ڈالنا اور اس کو جان کا صدقہ سمجھنا بھی فضول بات ہے، ہاں اگر کوئی جانور بھوکا ہو تو اس کو کھلانا پلانا بلاشبہ موجب اجر ہے، لیکن ضرورت مند انسان کو نظر انداز کرکے چیلوں کو گوشت ڈالنا لغو حرکت ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳،ص ۴۳۰)

بیمار کے لیے بکرا آزاد کرنا

مسئلہ :۔ ایک رواج یہ بھی ہے کہ بیمار آدمی کے لیے جانور بازار سے لے کر اس کو (جنگل وغیرہ میں آزاد) چھوڑ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک جان کو آزاد کیا ہے، اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ) ہمارے بیمار کی جان کو مصیبت سے آزاد کردیں گے۔ سو یہ اعتقاد کرنا کہ جان کا بدلہ جان ہوتا ہے، شرع میں اس کی بھی کوئی سند نہیں ہے، ایسی بے سند بات کا اعتقاد کرنا خود گناہ ہے۔

مسئلہ :۔ ایک رواج اس سے بڑھ کر غضب کا یہ ہے کہ کوئی چیز کھانے پینے کی چوراہے (راستہ میں) رکھوا دیتے ہیں، یہ بالکل کافروں کی رسم ہے، (وہ غیر مسلم ہولی و دیوالی کے موقع پر خاص کر راستوں میں ٹوٹکے کے طور پر رکھتے ہیں)۔

ویسے بھی غیر مسلموں کا طریقہ منع ہے اور جب اس کے ساتھ عقیدہ بھی خراب ہو تو اس میں شرک اور کفر کا بھی ڈر ہے، اس کام کے کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ مریض پر سی

جن بھوت یا پیر کا دباؤ، یا ستاؤ ہو گیا ہے، ان کے نام کی بھینٹ دینے سے وہ خوش ہو جائیں گے اور یہ بیماری یا مصیبت جاتی رہے گی۔ سو یہ بالکل مخلوق کی پوجا ہے، جس کا شرک ہونا صاف ظاہر ہے اور اس میں جو رزق کی بے ادبی اور راستہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس کا گناہ الگ رہا۔

صدقہ وخیرات کا سیدھا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میسر کیا (دیا) ہے خواہ وہ کوئی چیز ہو، چپکے سے کسی محتاج کو یہ سمجھ کر دے دیا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوں گے اور اس کی برکت سے بلاء اور مرض کو دفع کر دیں گے، اس سے زیادہ سب فضول پاکھنڈ، بلکہ گناہ ہیں۔ (بہشتی زیور: ج ۶ ص ۵۳)

صدقہ کے لیے خاص چیزیں مقرر کرنا

مسئلہ:۔ بعض لوگوں نے صدقہ کے لیے خاص چیزیں مقرر کر رکھی ہیں مثلاً ماش کی دال (اڑد کی کالی) سیاہ رنگ کی چیزیں گویا بلاء کو کالی سمجھ کر اس کو دور کرنے کے لیے بھی کالی چیزیں منتخب کی گئی ہیں، یہ سب من گھڑت باتیں ہیں اور خلاف شرع ہیں۔ شریعت میں مطلق صدقہ دافع بلاء ہے، کوئی خاص چیز یا خاص رنگ بالکل (شریعت میں) طے نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۲۳)

شیخ احمد نامی کے خواب سے متعلق عقیدہ

سوال:۔ گذارش ہے کہ ایک طبع شدہ پرچہ بھیج رہا ہوں، ایسے پرچے بکثرت چھپے اور لکھے ہوئے تقسیم ہو رہے ہیں، جیسا کہ پرچہ کے آخر میں بانٹنے والے کے لیے مالی منفعت اور جھوٹ سمجھنے والے کے لیے تباہی کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ کارِ خیر ہے تو روپے کے لالچ میں اس کا کرنا جائز ہے۔ یا نہیں؟

پرچہ طبع شدہ کی نقل

''بسم اللہ الرحمن الرحیم''، حضرت رسول اللہ ﷺ کا فرمان، حضرت رسول اللہ ﷺ کے ایک خادم کو مدینہ منورہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے بشارت دی ہے کہ

قیامت آنے والی ہے، توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے، غافل مت رہو، گناہو سے توبہ کرو، پیر کے دن سے چار روزے رکھو نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، جو شخص ایسے تین پرچے بانٹ دے گا، اس کو چودہ دن میں خوشی ہوگی، بمبئی میں ایک شخص نے تین پرچے بانٹ دیئے تھے، اسے ڈھائی ہزار کا فائدہ ہوا اور ایک شخص نے اس پرچہ کو جھوٹ جانا اس کو اپنے بیٹے سے ہاتھ دھونا پڑا، جو شخص تقسیم نہیں کرے گا غم ضرور دیکھے گا۔ بندۂ خدا ایک یا دو پرچے لکھ کر ضرور تقسیم کرے گا جو زیادہ چھپوا کر بانٹے گا زیادہ فائدہ ہوگا۔

بھائیو! یہ بات یقین جانو اور پہچانو، خدا ہم سب کو نیک ہدایت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ:۔ یہ پرچہ پاس رکھنا گناہ ہے۔

جواب:۔ حامداً ومصلیاً توبہ کا دروازہ بند ہونا اور قیامت کا قریب آنا احادیث میں کثرت سے مذکور ہوا ہے اور جو وقت بھی گزرتا ہے یہ دونوں چیزیں قریب سے قریب تر آرہی ہیں، ان کے لیے کسی کے خواب کی حاجت نہیں، گناہوں سے توبہ کرنے کا حکم قرآن پاک میں زیادہ مذکور ہے، اور ہر وقت ہر آدمی کو توبہ کرتے ہی رہنا چاہئے دنیا میں جس قدر مصائب اور فتنے ہیں اور آخرت میں جو سزائیں ہیں وہ سب گناہوں کی وجہ سے ہیں، اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمائے اور آئندہ کو بچائے نفلی روزہ رکھنے کی بھی فضیلت ثابت ہے، پیر اور جمعرات کا روزہ بھی روایات میں بکثرت آیا ہے، نماز اور زکوٰۃ دونوں اسلام کے مستحکم ارکان میں سے ہیں۔

غرض ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا ثبوت کسی کے خواب سے ہو، پیر کے دن سے چار روزہ کا اہتمام کسی روایت سے ثابت نہیں، یہ بالکل بے اصل ہے، محض خواب سے اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

دین تبلیغ کی اور اشاعت امت کا اہم فریضہ ہے، اس سے غفلت برتنے پر سخت وعید آئی ہے، اب باقی رہا، اس کاغذ کے تین پرچے تقسیم کرنا، اور اس پر چودہ دن میں اس کو خوشی کا ہونا اور جو تقسیم نہ کرے اس کا اپنے بیٹے سے ہاتھ دھونا یا غم دیکھنا اور اس کو اپنے پاس رکھنا گناہ ہونا، یہ سب بے اصل، لغو، ڈھونگ ہے، ایک دو پرچہ لکھ کر تقسیم کرنے کو ضروری قرار دینا بھی جہالت ہے۔

اس سے قبل بھی مدت دراز سے ہر سال اس قسم کا اشتہار چھپتا رہا، اس میں خواب دیکھنے والے خادم کا نام بھی شیخ احمد درج ہوتا تھا اور خرافات درج ہوتی تھیں، مثلاً یہ کہ امسال اتنے مسلمان مرے جن میں فقط ایک یا دو جنت میں رہ گئے، باقی سب جہنم میں گئے، اس وقت اکابر نے تحقیق کی۔ نہ مدینے میں شیخ احمد نامی کوئی خادم تھا، نہ وہاں کسی نے خواب کا تذکرہ سنا گیا، درحقیقت یہ کسی دشمن اسلام کی ایک چال تھی، جس کے ذریعہ وہ اسلام سے بدظن کرتا تھا کہ اتنے مسلمانوں میں سے جب فقط ایک یا دو جنت میں گئے باقی سب جہنم میں گئے تو ایسے اسلام سے کیا فائدہ؟ تذکرہ الخلیل فتاویٰ دارالعلوم، دینی کتب میں ایسا ہی درج ہے۔

ہم نے ہمیشہ اس اشتہار کو چاک کر دیا ہے، خدا کے فضل سے کوئی غم نہیں ہوا اور نہ اپنے سے نہ اپنی اولاد سے ابھی تک ہاتھ دھوئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۵، ص۳۵۰)

استخارہ کی اغلاط

مسئلہ:۔ بعض کو خاص استخارہ اس غرض سے بتلاتے دیکھا ہے کہ اس سے کوئی واقعہ ماضیہ یا مستقبلہ معلوم ہو جائے گا، سو استخارہ اس غرض کے لیے شریعت میں منقول نہیں: بلکہ وہ تو محض کسی امر (یعنی کام) کے کرنے نہ کرنے کا تردد رفع کرنے کے لیے ہے، نہ کہ واقعات معلوم کرنے کے لیے، بلکہ ایسے استخارہ کے ثمرہ (نتیجہ) پر یقین کرنا بھی ناجائز ہے۔

استخارہ کی حقیقت

مسئلہ:۔ عموماً لوگ استخارہ کی حقیقت نہیں جانتے، سو استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعاء ہے، اس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے، یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو اور جو کام میرے لیے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، پس جب وہ استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت ہے کہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے، پھر جس بات کی طرف رجحان ہو اس پر عمل کرے، اور اسی کے اندر اپنے لیے خیر کو مقدر سمجھے، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ دوسرے مصالح کی بنا پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے اندر خیر سمجھے کیونکہ پہلی صورت

میں الہام کا حجت شرعیہ ہونا لازم آتا ہے اور لازم صحیح نہیں، بلکہ ملزم بھی صحیح نہیں، پس اگر یہ سمجھے ہوئے ہے تو وہ اپنے غلط خیال کی اصلاح کرے کیونکہ یہ اعتقاد بالکل باطل ہے۔

مسئلہ :۔ تنبیہ (۱) یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اس سے واقعہ گذشتہ نہیں معلوم ہوتا اسی طرح واقعہ آئندہ بھی (کہ فلاں بات یوں ہوگی) معلوم نہیں کی جاسکتی ہے، پس استخارہ کا صرف اتنا اثر ہے کہ جس کام میں تردد ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا؟ تو اس عمل مسنون (استخارہ) سے (جس کا حاصل دعا ہے اس امر کی کہ جو میرے لیے مصلحت ہو میرا قلب اس پر مطمئن ہو جائے اور ویسا ہی سامان غیب سے ہو جائے تو اس سے) دو اثر ہوتے ہیں: (۱) قلب کا اس شق پر مجتمع ہو جانا (۲) اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا۔ (بس اس کے علاوہ اور کوئی اس کا فائدہ واثر نہیں) بلکہ خواب نظر آنا بھی ضروری نہیں۔ (اصلاح انقلابِ اول)

تنبیہ :۔ بعض بزرگانِ دین سے جو بعضے "استخارے" اس قسم کے منقول ہیں جس سے واقعتاً صراحتاً یا اشارہ خواب میں نظر آجائے سو وہ استخارہ نہیں: بلکہ خواب نظر آنے کا عمل ہے، پھر یہ اثر بھی اس "عمل" کا لازمی نہیں۔ (چنانچہ) خواب کبھی نظر آتا ہے کبھی نہیں، پھر خواب بھی اگر نظر آیا تو محتاجِ تعبیر ہے، اگرچہ صراحت سے نظر آئے۔ پھر تعبیر بھی جو کچھ ہوگی وہ ظنی ہے یقینی نہیں تو اس میں اتنے شبہات تو بتو (تہ بہ تہ) ہیں۔

پس اس کو استخارہ کہنا یا تو مجاز ہے اگر ان بزرگوں سے یہ تسمیہ (استخارہ) منقول ہو، ورنہ اغلاط عامہ سے ہے۔

مسئلہ :۔ استخارہ میں ضروری چیز دو رکعت نماز اور دعائے استخارہ ہے، باقی سونا اور خواب کا دیکھنا ہرگز شرط نہیں، یہ سب کچھ عوام نے تصنیف کر رکھا ہے، ہاں! یہ ممکن ہے کہ بعض اوقات استخارہ کا اثر خواب کی شکل میں ظاہر ہو جائے۔ لیکن اس میں اشتراط بالکل نہیں۔
(الفصل والوصل: ص ۴۰۰)

مسئلہ :۔ بعض لوگ کسی نئے کام کرنے کے لیے ہر حال میں استخارہ کے لیے کہہ دیتے ہیں سو یہ صحیح نہیں بات یہ ہے کہ استخارہ (ہر شخص کے لیے نہیں بلکہ استخارہ کرنا) اس شخص کا مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو، ورنہ جو خیالات دماغ میں بھرے ہوتے ہیں ادھر ہی قلب مائل ہو جاتا ہے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات مجھ کو استخارہ سے معلوم ہوئی ہے حالانکہ خواب میں متخیلہ

میں اس کے خیالات ہی نظر آئے ہیں۔ (الافاضات: ص ۴۳۵)

مسئلہ :۔ یہ طریقہ استخارہ کا نہیں ہے کہ ارادہ بھی کرو، پھر برائے نام استخارہ بھی کرلو، استخارہ ارادہ سے پہلے چاہئے تاکہ ایک طرف قلب کو سکون پیدا ہو جائے اور اسی طرف کا ارادہ کیا جائے، اس میں لوگ غلطی کرتے ہیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ ارادہ سے اول استخارہ کرنا چاہئے، پھر استخارہ سے جس طرف قلب میں ترجیح پیدا ہو جائے وہ کام کرنا چاہئے۔

مسئلہ :۔ رات کا وقت ہونا استخارہ کے لیے ضروری نہیں، یہ صرف ایک رسمِ ڈال لی ہے، صلوٰۃ الاستخارہ کے بعد نہ سونا ضروری ہے نہ رات کی قید ہے، کسی وقت مثلاً ظہر کے وقت دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مسنونہ پڑھے اور تھوڑی دیر قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔

تنبیہ :۔ ایک دن میں چاہے کتنی بار استخارہ کرے اور ایک دفعہ بھی کافی ہے، حدیث میں تو ایک دفعہ ہی آیا ہے، (ہاں کئی دفعہ کی بھی ممانعت نہیں آئی ہے)۔

مسئلہ :۔ استخارہ ہوتا ہے تردد کے موقع پر، اور تردد کے معنی یہ ہیں کہ مصالح طرفین کے برابر ہوں اور جب ایک جانب کی ضرورت متعین ہو تو استخارہ کا کیا معنیٰ؟

مسئلہ :۔ پہلے سے اگر کسی جانب اپنی رائے کو رجحان ہو تو اس کو فنا کردے، جب طبیعت یکسو ہو جائے تب استخارہ کرے اور یوں عرض کرے کہ اے اللہ! جو میرے لیے بہتر ہو وہ ہو جائے اور یہ دعا مانگنا اردو میں بھی جائز ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے الفاظ بہتر ہیں۔

(اغلاط العوام، از مولانا تھانویؒ: ص ۱۱۲ تا ۱۱۴)

قرآن کریم سے فال نکالنا

سوال :۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ فال کا بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے، جبکہ حدیث شریف سے فال لینا ثابت ہے اور بعض بزرگوں سے قرآن کریم یا کلام عرفاء سے تفاول یعنی فال لینا منقول ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟

جواب :۔ جواب اس کا یہ ہے کہ منشاء اس شبہ کا اشتراک لفظی ہے، ایک شریعت کی اصطلاح ہے وہ ثابت، اور ایک غلاۃ کی (شریعت کی حد سے تجاوز کرنے والوں) اصطلاح، وہ غیر ثابت، اس ثابت بالسنہ وعن الاکابر (یعنی بزرگوں سے اور سنت سے جو ثابت ہے اس)

کی اصل اتنی ہے کہ کسی شخص کو کچھ تشویش یا فکر ہے اس وقت اتفاق سے یا کسی قدر قصد سے کوئی لفظ خوشی وکامیابی کا اس کے کان میں پڑا، یا نظر سے گزرا تو رحمت الٰہیہ سے جو امید ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس (فال دیکھنے والے) کو بھی پہلے سے تھی وہ اس لفظ سے اور قوی ہوگئی۔

پس حاصل اس کا تقویت رجاء رحمت (اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید) ہے، اس سے آگے اختراع اور ابتداع ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنی چاہئے اور اس سے آگے کی تمام باتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ (اغلاط العوام: ص۳۲)

مسئلہ:۔ بعض فال دیکھنے والوں کا یا اکثر ان عام لوگوں کا جو جلسہ فال میں موجود ہوں یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن سے یہ خبر دی ہے، تو اب اس میں اس کے خلاف کا احتمال ناممکن ہے، اور نہایت جرأت سے کہتے ہیں کہ واہ صاحب! کیا قرآن میں غلط لکھا ہے۔ (اغلاط العوام: ص۳۱، مظاہر حق جدید: ج۵، ص۲۹۲)

عملیات کی کتابوں سے فال نکالنا

مسئلہ:۔ نیک فال لی جاسکتی ہے، اس کو یقینی چیز نہ سمجھا جائے البتہ نجومی اور کاہن کے پاس جاکر فال نکلوانا اور ان سے غیب کی باتیں معلوم کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”جو نجومی کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی، پس تحقیق کہ وہ اس چیز سے بیزار ہوا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی“، یعنی کافر ہوا، اور یہ محمول ہے حلال جاننے پر، یا تغلیظ وتشدید ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۷۰۴، بحوالہ مظاہر حق: ج۴، ص۳۰ وفتاویٰ محمودیہ: ج۱۸، ص۱۶)

مسئلہ:۔ قرآن شریف سے فال دیکھنا حرام اور گناہ ہے اور اس فال کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھنا نادانی ہے: کیونکہ قرآن مجید کے صفحے مختلف ہوسکتے ہیں۔ ایک شخص فال کھولے گا، تو کوئی آیت نکلے گی اور دوسرا کھولے گا تو دوسری آیت نکلے گی۔ جو مضمون میں پہلی آیت سے مختلف ہوگی۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ قرآن کریم سے فال نکال کر کسی شخص نے کوئی کام کیا اور اس کا انجام اچھا نہ نکلا، تو قرآن کریم سے بدعقیدگی پیدا ہوگی، جس کا نتیجہ کفر تک نکل سکتا ہے۔

بہر حال علمائے امت نے قرآن کریم سے فال نکالنے کو ناجائز اور گناہ فرمایا ہے چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے مجموعہ کفایت المفتی میں ہے کہ ایک لڑکی کے کچھ زیور کسی

نے اٹھالیے، لوگوں کا خیال ایک شخص کی طرف گیا، اور قرآن سے فال نکالی گئی تو اس شخص کا نام نکلا جس کی طرف خیال کیا گیا تھا، اس کو جب معلوم ہوا تو اس نے مسجد میں جا کر قرآن مجید کے ورق کو پھاڑ کران پر پیشاب کر کے (نعوذ باللہ) کہنے لگا: قرآن مجید بھی جھوٹا اور مولوی سالا بھی جھوٹا، تو سائل نے معلوم کیا یہ شخص اسلام میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ شریعت میں فال نکالنا منع ہے اور اس کے منع ہونے کی دو وجہیں ہیں: اول تو یہ کہ علم غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ممکن ہے نام غلط نکلے اور پھر جس کا نام نکلے خدانخواستہ کہیں وہ ایسی حرکت کر نہ بیٹھے جس طرح اس شخص نے کی، شریعت کی خلاف ورزی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے جو آپ نے دیکھا، جس شخص نے کلام مجید اور مولویوں کے ساتھ ایسی گستاخیاں کی ہیں وہ کافر ہے، لیکن ایسا کافر نہیں کہ کبھی اسلام میں داخل نہ ہو سکے، بلکہ جدید توبہ سے اسلام میں داخل ہوسکتا ہے، آئندہ فال نکالنے سے احتراز چاہئے، تاکہ فال نکال کر نکالنے والے اس شخص کی طرح خود بھی اور جس کا نام نکلا تھا اسے بھی گنہگار نہ کریں۔

(کفایت المفتی: ج۹،ص۱۲۹، آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۶۵)

مسئلہ:۔ قرآن مجید سے فال نکالنی نائز ہے، فال نکالنی اور اس پر عقیدہ کرنا کسی اور کتاب مثلاً دیوان حافظ، یا گلستان وغیرہ سے بھی ناجائز ہے، مگر قرآن کریم سے نکالنی تو سخت گناہ ہے کہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین یا اس کی جانب سے بدعقیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ (کفایت المفتی: ج۹،ص۲۲۱)

مسئلہ:۔ فال دیکھنے والوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے یہ خبر دی ہے، اب اس کے خلاف کرنا ناممکن ہے، اور نہایت جرأت سے کہتے ہیں (جب ان سے کہا جائے کہ ایسا نہ کرو، کہتے ہیں) کہ واہ صاحب! کیا قرآن میں غلط لکھا ہے؟ (اغلاط العوام: ص۳۱)

مسئلہ:۔ سنت طریقہ کے مطابق استخارہ تو مسنون ہے، حدیث شریف میں اس کی ترغیب آئی ہے، لیکن فال کھلوانا ناجائز ہے، (آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۶۳)

تعویذ گنڈے کی شرعی حیثیت

مسئلہ:۔ تعویذ گنڈے کا اثر ہوتا ہے مگر ان کی تاثیر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے، کسی

کونقصان پہنچانے کے لیے جوتعویذ گنڈے کیے جاتے ہیں ان کا حکم تو وہی ہے جو جادو کا ہے، انکا کرنا اور کرانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، بلکہ اس سے کفر کا اندیشہ ہے، اور اس کے اثر ہونے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی پر گندگی پھینک دے تو ایسا کرنا تو حرام اور گناہ ہے اور یہ نہایت کمینہ حرکت ہے مگر جس پر گندگی پھینکی گئی ہے اس کے کپڑے اور بدن ضرور خراب ہونگے اور اس کی بدبو بھی ضرور آئے گی، پس کسی چیز کا حرام اور گناہ ہونا دوسری بات ہے اور اس گندگی کا اثر ہونا فطری چیز ہے، تعویذ اگر کسی جائز مقصد کے لیے کیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ اور شرک کی بات لکھی ہوئی نہ ہو، پس تعویذ گنڈے کے جواز کی تین شرطیں ہیں:

(اول) کسی جائز مقصد کے لیے ہو، ناجائز مقصد کے لیے نہ ہو۔

(دوم) اس کے الفاظ کفر وشرک پر مشتمل نہ ہوں، اور اگر وہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہو، جس کا مفہوم معلوم نہیں تو وہ بھی ناجائز ہے۔

(سوم) تعویذ کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۵۱)

دفع طاعون کے لیے ''خمسة اطفى بها'' الخ۔ پڑھنا یا بطور تعویذ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ:۔ یہ تعویذ لگانا ناجائز اور شرک ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص۴۸)

مسئلہ:۔ بعض تعویذ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قابل منع کرنے کے ہیں، ایک طاعون کا تعویذ یہ مشہور ہے۔ (جو کہ ناجائز ہے، بلکہ شرکیہ الفاظ بھی ہیں)۔

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمة

المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناهما والفاطمة

یہ حضرات پنج تن کے نام مبارک ہیں، اگر کچھ تاویل نہ کی جائے تو اس کا مضمون شرک ہے۔

مسئلہ:۔ ایک بات اور بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ شیعہ حضرات تو عموماً اور سنی حضرات بھی بہت سے ''ناد علی'' کا مضمون چاندی کے تعویذ پر نقش کرا کر بچوں کے گلے میں ڈالتے ہیں، تو یاد رکھو ''ناد علی'' کا مضمون بھی شرک ہے، اس کو چھوڑنا چاہئے، وہ مضمون یہ ہے:

نادعلیھا مظھر العجائب تجدہ عونالک فی التوائب

کل ھم وغم سینجلی بنبوتک یامحمد!اوبولایتک

یاعلی! یاعلی! یاعلی

یہ معلوم نہیں کہ کونسی بحر ہے، نہ بحر طویل ہے نہ بحر قصیر، اول کے مصرعے تو چھوٹے چھوٹے اوراخیر کا مصرعہ بہت طویل، غرض بعض سنی بھی گلے میں اس کو بڑے شوق سے ڈالتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۱۱ بحوالہ الافاضات: ص ۶۶۶)

تعویذ پر معاوضہ لینا

مسئلہ:۔ قرآنی آیت پڑھ کر دم کرنے کا احادیث طیبہ میں ذکر ہے، آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ اور بعد کے صلحاء کا یہ معمول رہا ہے، تعویذ بھی اسی کی ایک شکل ہے، اس لئے اس کے جواز میں شبہ نہیں: البتہ تعویذ کی حیثیت کو سمجھ لینا چاہئے، بعض لوگ تعویذ کی تاثیر کو قطعی یقینی سمجھتے ہیں، یہ صحیح نہیں: بلکہ تعویذ بھی منجملہ اور تدابیر کے ایک علاج اور تدبیر ہے، اس کا مفید ہونا نہ ہونا، اللہ تعالیٰ کی مشیت (مرضی) پر موقوف ہے۔

بعض لوگ تعویذ "روحانی" عمل سمجھتے ہیں، یہ خیال بھی قابل اصلاح ہے، روحانیت اور چیز ہے، جبکہ تعویذ وغیرہ محض دنیوی تدبیر وعلاج ہے، اس لیے جو شخص تعویذ کرتا ہے اس کو بزرگ سمجھ لینا غلطی ہے: بعض لوگ دعا پر اتنا یقین نہیں رکھتے جتنا تعویذ پر، یہ بھی قابل اصلاح ہے، دعا عبادت ہے اور تعویذ کرنا کوئی عبادت نہیں ہے اور کسی ناجائز مقصد کے لیے تعویذ حرام ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۵۲)

مسئلہ:۔ دعا تو ایک عبادت ہے اور اس کا معاوضہ طلب کرنا غلطی ہے، باقی وظیفہ، تعویذ جو کسی دنیوی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے (بطور علاج) اس کی حیثیت عبادت کی نہیں: بلکہ دنیوی تدبیر اور علاج کی ہے، اور اس کا معاوضہ لینا دینا جائز ہے۔ باقی ایسے لوگوں کے وظیفے اور تعویذ کارگر بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۵۳)

مسئلہ:۔ ایسی انگوٹھی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام یا آیت قرآن کندہ ہوں، اس کو پہن کر بیت الخلاء میں جانا مکروہ لکھا ہے۔ (عالمگیری مصری: ج ۱، ص ۵۰)

آیت الکرسی پڑھ کر تالی بجانا

سوال:۔ میرے گھر سونے سے پہلے روزانہ آیت الکرسی پڑھ کر زور سے تالی بجائی جاتی ہے، عقیدہ یہ ہے کہ تالی کی آواز جتنی دور جائے گی، گھر ہر بلاء اور چور سے اتنا ہی محفوظ رہے گا، تالی کا اس سے کیا تعلق ہے، مطلع فرمائی۔

جواب:۔ اس طرح تالی بجانا حرام ہے، اور یہ عقیدہ کہ تالی کے بجانا سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور چور بھاگ جاتے ہیں، جاہلانہ توہم پرستی ہے، آیت الکرسی پڑھنا صحیح ہے اور حفاظت کا ذریعہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۲۷۲)

الترغیب والترہیب: ج ۳، ص ۲۴۹ پر حدیث ہے کہ ''آیت الکرسی جس گھر میں پڑھی جائے اور وہاں شیطان (شیطانی اثرات) ہوں تو دور ہو جائیں گے۔''

(اس کے متعلق یہ بات تجربات میں آئی ہوئی ہے کہ اگر رات کو اس کو پڑھ کر سو جائیں تو گھر میں چور، آچکے اور ناگہانی آفتیں نہیں آتیں۔ لیکن تالی بجانا حدیث سے ثابت نہیں ہے، اگر یہ عقیدہ نہ ہو اور اپنے تجربات و عملیات کے اعتبار سے بجائے تو اور بات ہے)۔

(محمد رفعت قاسمی)

بدشگونی اور اسلام

سوال:۔ اسلام میں نحوست کی کیا اہمیت ہے؟ بعض لوگ پاؤں پر پاؤں رکھنے کو نحوست سمجھتے ہیں، اور کچھ لوگ انگلیاں چٹخانے کو، بعض جمائیاں لینے کو نحوست سمجھتے ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ فلاں دن منحوس ہے وغیرہ وغیرہ ان سب کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اسلام میں نحوست اور بدشگونی کا کوئی تصور نہیں، یہ محض توہم پرستی ہے، حدیث شریف میں بدشگونی کے عقیدہ کی تردید فرمائی گئی ہے، سب سے بڑی نحوست انسان کی اپنی بدعملیاں اور فسق و فجور ہے جو آج مختلف طریقوں سے گھر گھر میں ہو رہے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ اور یہ بدعملیاں اور نافرمانیاں خدائی قہر اور لعنت کی موجب ہیں، ان سے بچنا چاہئے، نیز اسلام نحوست کا قائل نہیں ہے: اس لیے کسی کام یا دن کو منحوس سمجھنا غلط ہے، انگلیاں چٹخانا

نا مناسب ہے اور اگر جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔

مسئلہ:۔لڑکوں کی پیدائش پر زیادہ خوشی ایک طبعی امر ہے، لیکن لڑکیوں کو یا ان کی ماں کو منحوس سمجھنا اور ان کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرنا گناہ ہے۔

مسئلہ:۔مختلف رنگ کی چوڑیاں اور کپڑے پہننا جائز ہے اور یہ خیال کہ فلاں رنگ سے مصیبت آجاتی ہے، محض توہم پرستی ہے، رنگوں سے کچھ نہیں ہوتا، اعمال سے انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول یا مردود ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ماہ محرم، صفر، شعبان، شوال، ذالقعدہ اور ذی الحجہ وغیرہ کے مہینوں میں شادی نہ کرنا، اس عقیدے پر مبنی ہے کہ یہ مہینے منحوس ہیں: اسلام اس نظریہ کا قائل نہیں ہے، ماہِ محرم میں امامِ حسینؓ کی شہادت ہوئی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مہینہ میں عقد نکاح ممنوع ہوگیا، ورنہ ہر مہینے میں کسی نہ کسی شخصیت کا انتقال ہوا جو حضرت حسینؓ سے بھی بزرگ تر تھے، اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے کسی میں بھی نکاح نہ کیا جائے، پھر شہادت کے مہینہ کو سوگ اور نحوست کا مہینہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔

مسئلہ:۔ہفتہ کے سارے دنوں میں سرمہ لگانے کی اجازت ہے کسی خاص دن کی تخصیص نہیں ہے۔

مسئلہ:۔عصر و مغرب کے درمیان کھانے پینے میں کوئی کراہت نہیں ہے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں کہ عصر و مغرب کے درمیان کچھ نہ کھانے پینے سے روزہ کا ثواب ملتا ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج۱ص ۳۵۸)

بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے

مسئلہ:۔لوگوں میں مشہور ہے کہ شام کے وقت مرغا اذان دے تو اس کو فوراً ذبح کردو، کیونکہ یہ اچھا نہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ مرغی اذان دے تو اس کو بھی فوراً ذبح کردو، کیونکہ اس سے وبا پھیلتی ہے، سو یہ غلط ہے، شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مسئلہ:۔بعض جگہ غیر شادی شدہ لڑکے یا لڑکی کے چمچہ، ڈوئی، چاٹ لینے سے ان کی شادی میں بارش کا گمان کر لیتے ہیں یہ بھی لغو اور مہمل بات ہے۔

مسئلہ:۔اکثر لوگ ومدار ستارے کے ظاہر ہونے کو منحوس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:"جب یہ ستارہ ظاہر ہوتا ہے تو انسانوں پر مصیبت اور بلائیں آتی ہیں اور ملک میں جنگیں شروع ہو جاتی ہیں"۔یہ بالکل غلط ہے، محض نجومی خیال ہے، شریعت اسلام اس قسم کے خیالات کو باطل ٹھہراتی ہے۔

مسئلہ:۔بعض حضرات منگل کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ بھی بالکل غلط ہے، کسی بھی دن کو منحوس سمجھنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔چڑیوں کے ریت میں نہانے سے بارش کا گمان کر لینا، اسی طرح مور کے بولنے کو بارش ہونے کی علامت قرار دینا بے اصل ہے۔

مسئلہ:۔صبح سویرے کسی کو گالی دینے، ٹھوکر لگ جانے یا اور کوئی ضرر پہنچ جانے پر شام تک اسی طرح ہوتے رہنے کا شگون لینا، بے اصل اور خلاف شرع ہے۔

مسئلہ:۔رات کو کتے کے رونے سے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کل صبح اس بستی میں موت ہونے والی ہے، یہ خیال غلط ہے۔

مسئلہ:۔مشہور ہے کہ جب ہچکی آتی ہے تو قبر یاد کرتی ہے، یہ بھی غلط ہے ہچکی آنے کا یہ سبب نہیں ہے۔

مسئلہ:۔جب کسی شخص کا غائبانہ تذکرہ ہو رہا ہو اور تذکرہ کے دوران یا کچھ دیر بعد وہ آدمی آجائے تو کہا جاتا ہے کہ یہ شخص لمبی عمر والا ہے، شریعت میں اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

بدشگونی سے متعلق مسائل

مسئلہ:۔بعض عوام سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کوئی مصیبت، رنج وغم اور اس کے برعکس ہونے سے خوشی پیش آتی ہے، یہ خیال بالکل غلط ہے، اس کی بھی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

مسئلہ:۔اکثر عوام کہتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے سے یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر درپیش ہوتا ہے، یہ سب لغو اور مہمل باتیں ہیں، بدشگونی ہے۔

مسئلہ :۔ بعض عورتیں مکان کے منڈیر پر کوے کے بولنے سے کسی مہمان کی آمدنی کا شگون لیتی ہیں، یہ خیال کرنا گناہ ہے۔

مسئلہ :۔ بعض صبح کے وقت کسی خاص مقام کے نام سے یا کسی جانور جیسے سانپ، سؤر وغیرہ کے نام لینے کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ سب بالکل لغو باتیں ہیں۔

مسئلہ :۔ عوام میں رائج ہے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے جھاڑو لگ جائے تو معیوب سمجھا جاتا ہے اور برا مان کر کہتا ہے کہ میں کنوئیں میں نمک ڈال دوں گا جس سے تیرے منہ پر جھائیاں پڑ جائیں گی، یہ بھی محض بے اصل ہے، نیز یہ خیال کرتے ہیں کہ جس کے جھاڑو ماری گئی ہے اسکا جسم جھاڑو کی وجہ سے سوکھ جاتا ہے، اس لیے جھاڑو پر تھوک دو یعنی تھتکار دو،، یہ بھی بے اصل ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ڈوئی مارنے میں بھوکا ہو جاتا ہے یعنی جس کے ڈوئی ماری جائے، وہ کھانا زیادہ کھانے لگتا ہے، یہ بات بھی بالکل بے اصل ہے۔

مسئلہ :۔ بعض حضرات کے یہاں مروج ہے کہ جب کہیں کوئی آدمی جا رہا ہو اور اس کو پیچھے سے بلا جائے تو وہ لڑائی لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے کہ مجھے پیچھے سے تم نے کیوں بلایا ہے؟ کیونکہ میرا کام نہیں ہوگا، اس بات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ بعض کا دستور کہ جب کوئی کہیں جا رہا ہو اور کوئی چھینک دے تو جانے والا واپس چلا جاتا ہے یعنی لوٹ جاتا ہے، اور کہتا ہے کہ اب میرا کام نہیں ہوگا، یہ بھی غلط اور بے اصل ہے۔

مسئلہ :۔ بعض لوگ کسی کام کے لیے جاتے وقت بلی کے سامنے سے گزر جانے سے اس کام میں ناکامی ہونے کا خیال کرتے ہیں، یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۵)

مسئلہ :۔ بہت سے دکاندار صبح سویرے سامان ادھار دینے سے اس لیے منع کر دیتے ہیں کہ اگر ہم نے صبح اول ہی ادھار دے دیا تو شام تک ہمارا سامان ادھار ہی فروخت ہوگا، یہ محض بدشگونی ہے، ہاں! اگر کسی مصلحت سے ادھار نہ دیں تو اور بات ہے۔

مسئلہ :۔ مشہور ہے کہ جس گھر میں مکڑی کے جالے ہوتے ہیں تو اس گھر والے، مقروض ہو جاتے ہیں، سو شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں، ہاں! گھر کو مکڑی کے جالوں وغیرہ سے

صاف رکھنا شرعاً محبوب ہے، صفائی اور ستھرائی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے (اغلاط العوام: ص ۳۸)

مسئلہ:۔ اگر کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو آگے جانا خطرے کا باعث نہیں ہوتا، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، محض توہم پرستی کی بات ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص ۳۷۶)

مسئلہ:۔ بعض عوام کسی خاص دن یا خاص وقت میں سفر کرنے کو برا یا اچھا سمجھتے ہیں، یہ کفار اور نجومیوں کا اعتقاد ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دلہن اپنے گھر میں یا صندوق میں تالہ وغیرہ لگادے تو اس کے گھر تالہ لگ جاتا ہے (یعنی گھر بند ہوجاتا ہے) ویران ہوجاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے.

(اغلاط العوام: ص ۲۷)

مسئلہ:۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے کہ جھاڑو نہیں کھڑی کرنی چاہئے، یا رات کے وقت جھاڑو نہ دو، یا چارپائی پر چادر لمبائی والی جانب کھڑے ہوکر بچھانی چاہئے، یا چپل پر چپل نہیں رکھنی چاہئے، یا رات کے وقت ناخن نہ کاٹو، منگل کو بال وناخن جسم سے الگ نہ کردیا کرو کھانا کھا کر جھاڑو نہ دو، یہ ساری باتیں شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، ان کی حیثیت توہم پرستی کی ہے یعنی شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ غروب آفتاب کے بعد فوراً لائٹ یا چراغ جلانا ضروری نہیں ہے، یہ توہم پرستی ہے، یعنی شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ بچے کے دانت اگر الٹے نکلتے ہیں تو بعض کہتے ہیں کہ ننھیال یا ماموں پر بھاری پڑتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، محض توہم پرستی ہے۔

مسئلہ:۔ عوام میں غلط فہمی یہ ہے کہ جائے نماز (مصلیٰ) کا کونا الٹنا شیطان کو عبادت سے روکنے کے لیے ہے، یہ قطعاً غلط ہے۔ مصلیٰ کا کونا الٹنے کا رواج تو اس لیے ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلا ضرورت جائے نماز بچھی نہ رہے اور خراب نہ ہو، عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جائے نماز نہ الٹی جائے تو شیطان نماز پڑھتا ہے، یہ بالکل مہمل اور لایعنی بات ہے، اس رواج کی کوئی اصل نہیں اور یہ اعتقاد بالکل غلط ہے۔

مسئلہ:۔ نمک زمین پر گرنے سے کچھ نہیں ہوتا، قصداً گرانا برا ہے، کیونکہ نمک بھی خدا کی نعمت

ہے، اس کو جان کر زمین پر نہیں گرانا چاہئے، لوگوں میں یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ قیامت کے دن پلکوں سے اٹھانا پڑے گا، نیز زمین پر گرم ڈالنے سے کچھ نہیں ہوتا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمین کو تکلیف ہوتی ہے، یہ محض غلط خیال ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۱۱۱)

مسئلہ:۔ جس عورت کا پہلا بچہ ضائع ہو جاتا ہے اس کے لیے شگون کرتے ہیں کہ زچہ (عورت) کے پاس تلوار یا چھری حفاظت بلیات کے لیے رکھ دیتے ہیں، یہ بھی محض ٹوٹکا اور شرک کی بات ہے۔ (جو کہ نہیں کرنی چاہئے)۔ (بہشتی زیور: ج ۶، ص ۸)۔

قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص صحیح العقیدہ ہے، نماز روزہ وغیرہ کا پابند ہے، لیکن دنیوی تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ایسا شخص جو نماز و روزہ کا پابند ہے: لیکن اسکے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں اگر وہ دل سے بھی ان کو اچھا سمجھتا ہو تو وہ مرتد ہے، اس سے تعلقات رکھنا ناجائز ہے، اگر وہ قادیانیوں کے عقائد سے متفق نہیں اور نہ ہی ان کو اچھا سمجھتا ہے، بلکہ صرف تجارت وغیرہ، دنیوی معاملات کی حد تک ان سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ وہ قادیانی جس سے ان کے تجارتی تعلقات ہیں اگر پہلے سے مسلمان تھا بعد میں العیاذ باللہ مرتد ہوا یا اس کا باپ مرتد ہوا تو وہ قادیانی چونکہ خود اپنے مال کا مالک نہیں ہے اور اس کا عقیدہ صحیح نہیں ہے، اس لیے یہ شخص اگر ان سے تجارت کرتا ہے تو یہ تجارت ہی صحیح نہ ہوگی۔

(شامیہ: ج ۳، ص ۳۱۱)

اگر وہ قادیانی مرتد یا مرتد کا بیٹا نہیں: بلکہ باپ دادا ہی سے باطل عقیدہ پر ہے تو ایسے قادیانی سے تجارت کرنے سے مال کا مالک تو ہو جائے گا، لیکن ایسے لوگوں سے تجارت کا معاملہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے ان کے ساتھ ایک قسم کا تعاون ہو جاتا ہے، نیز اس قسم کے معاملات میں یہ قباحت بھی ہے کہ عوام قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں، علاوہ ازیں اس طرح قادیانیوں کو اپنا جال پھیلانے کے مواقع ملتے ہیں، اس لیے قادیانی سے لین دین اور دیگر قسم کے معاملات میں قطع تعلق رکھنا ضروری ہے، ان سے

تعلقات رکھنے والا آدمی اگر چہ ان کو برا سمجھتا ہو، قابل ملامت ہے، ایسے شخص کو سمجھانا دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۱، ص ۴۶)

مسئلہ:۔ قادیانی کا حکم مرتد کا ہے، ان کے گھر جانا ہی درست نہیں نہ کسی قسم کا تعلق رکھنا۔

(آپ کے مسائل: ج ۱ ص ۱۷)

منت کیا ہے؟

بعض مسلمان مرد اور عورتوں کی جہالت کی کوئی حد نہیں رہی ہے۔ مثلاً لڑکا بیمار ہوا تو اس کی نذر (منت) مانی جاتی ہے کہ اے فلاں ولی اللہ! اگر میرے لڑکے کو آرام ہو جائے گا تو تیرے نام کی اتنی نذر یعنی منت کرینگی، اب اگر اس لڑکے کو اللہ تعالیٰ نے رحم و کرم سے آرام دے دیا تو نذر و نیاز لے کر بڑی خوشی سے اس درگاہ پر کفر و شرک کرنے لگتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کو دنیا سے اٹھا لیا یعنی موت دے دی تو ساری بدنامی اللہ تعالیٰ کے سر پڑتی ہے، اور اس ولی پر کچھ بھی نہیں، اگر کوئی پوچھے کہ تمہارے لڑکے کو آرام نہیں ہوا، آپ لوگوں نے تو کوششیں بہت کیں، یعنی کفر بھی کیا، شرک بھی کیا اور بدعت باقی نہیں چھوڑی پھر بھی آپ کے بچے کو آرام نہیں ہوا؟ تو جواب میں کہیں گے کہ بھائی اللہ کو منظور ہی نہیں تھا تو پھر ہمارے حیلوں سے آرام کیسے ہوتا؟

دیکھئے کہ کس قدر بے وقوفی اور جہالت ہے، جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی آرام نہیں دے سکتا ہے۔

سینکڑوں جاہل حضرات اولیا علیہم السلام اور فرشتوں اور دیگر غیر محسوس چیزوں کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری ضرورت کو پورا کرتے ہیں، اگر ہم ان کی پرستش نہ کریں تو ہمارے کاروبار میں فرق آجائے گا اور وہ ہم کو نقصان یا تکلیف پہنچائیں گے، اور اس پر اتفاقاً مراد کا حاصل ہو جانا، یا پرستش (پوجا) میں کمی سے اتفاقاً کوئی حادثہ پیش آنا، ان کے خیال باطل کی اور بھی قوی دلیل ہو جاتی ہے، درحقیقت یہ قوت وہمیہ کی کاری گری ہے اور کچھ نہیں، جس طرح تنہا مقام یا مکان میں عوام کو مردے سے ڈراتی ہے اسی طرح ان لوگوں کو نفع و نقصان کا وہم بھی یہی قوت وہمیہ دلاتی ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی نذر یعنی منت ماننی جائز نہیں ہے، چاہے فرشتہ ہو یا نبی ہو یا ولی ہو۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ نذر یعنی منت ماننی کسی کی سوائے اللہ تعالیٰ کے جائز نہیں، نہ نبی کی، نہ فرشتے کی، نہ ولی کی، نہ اور کسی کی۔ (مظاہر حق: ج ۳، ص ۲۲۳، نذر کا بیان)

مسئلہ:۔ شرک کی قسموں میں سے ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے اپنی حاجتوں میں مدد طلب کریں جیسے مریض کے لیے شفاء یا محتاج کے لیے مالداری اور اس کی نذر اور منت مانیں اور امید رکھیں کہ ہماری نذر سے مرادیں پوری ہونگی یا ان کے ناموں کا وظیفہ بنالیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ص ۶۲، اقسام شرک، وفتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۴۷)

منت کی شرائط

مسئلہ:۔ شرعاً منت ماننا جائز ہے مگر منت ماننے کی چند شرطیں ہیں:

(۱) اول یہ کہ منت اللہ تعالیٰ کے نام کی مانی جائے، غیر اللہ کے نام کی منت جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے۔ (۲) یہ کہ منت صرف عبادت کے کام کی صحیح ہے، جو کام عبادت نہیں اس کی منت بھی صحیح نہیں۔ (۳) سوم یہ کہ عبادت بھی ایسی ہو کہ اس طرح کی عبادت کبھی فرض، یا واجب ہوتی ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور قربانی وغیرہ، ایسی عبادت کہ اس کی جنس کبھی فرض یا واجب نہیں، اس کی منت بھی صحیح نہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۱۹)

مسئلہ:۔ صرف کسی بات کا دل میں خیال آنے سے منت نہیں ہوتی۔ بلکہ زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۵)

کام ہونے سے پہلے منت ادا کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص منت مانے کہ فلاں کام ہونے پر روزے رکھوں گا، یا نفل پڑھوں گا تو وہ شخص کام ہونے پر منت پوری کرے یا اس سے پہلے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی منت جائز ہے اور کام ہونے کے بعد منت کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے، پہلے نہیں، اور کام پورا ہونے سے پہلے اس منت کا ادا کرنا بھی صحیح نہیں،

پس اگر منت کا روزہ پہلے رکھ لیا، اور کام بعد میں پورا ہوا، تو کام ہونے کے بعد دوبارہ روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۵، وفتاویٰ رشیدیہ: ص ۵۴۷)

مسئلہ:۔ اگر کسی نے منت مانی کہ میرا بھائی آجائے تو دس روپے خیرات کروں گا، پھر آنے کی خبر پا کر آنے سے پہلے ہی دس روپے خیرات کر دیئے، تو یہ منت پوری نہیں ہوئی، بھائی کے آنے کے بعد پھر خیرات کرے۔ (بہشتی زیور: ج ۳، ص ۵۰)

مسئلہ:۔ منت ماننا جائز ہے مگر آنحضرت ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا، اس لیے بجائے منت ماننے کے نقد صدقہ کرنا چاہیے، مگر صدقہ پاک مال سے ہونا چاہیے، ناپاک اور حرام مال میں سے کیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۰)

مسئلہ:۔ حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا، بلکہ الٹا موجب وبال ہے، حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک چیزیں قبول کرتے ہیں، حرام اور ناجائز مال سے صدقہ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گندگی کا ٹوکرا کسی بادشاہ کو ہدیہ کے طور پر پیش کرے، ظاہر ہے کہ اس سے بادشاہ خوش نہیں ہوگا، بلکہ الٹا ناراض ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۲)

نذر اور منت کی تعریف

مسئلہ:۔ نذر کے معنی ہیں کسی شرط پر کوئی عبادت اپنے ذمہ لے لینا، مثلاً اگر فلاں کام ہو جائے تو میں اتنے نفل پڑھوں گا، اتنے روزے رکھوں گا، بیت اللہ کا حج کروں گا یا اتنی رقم فقراء کو دوں گا وغیرہ، اسی کو منت بھی کہا جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۱۹)

صدقہ اور منت میں فرق

سوال:۔ صدقہ اور منت میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ نذر اور منت اپنے ذمہ کسی چیز کو لازم کرنے کا نام ہے، مثلاً کوئی شخص منت مان لے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنا صدقہ کروں گا، کام ہونے پر منت مانی ہوئی چیز واجب ہو جاتی ہے، اور اگر کوئی شخص بغیر لازم کیے ہوئے اللہ کے راستے میں خیر خیرات کرے تو اس کو صدقہ کہتے ہیں، گویا منت بھی صدقہ ہی ہے، مگر وہ صدقہ واجبہ ہے۔ جبکہ عام صدقات واجب نہیں ہوتے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۲۱۸)

خیرات، صدقہ اور نذر میں فرق

مسئلہ:۔صدقہ خیرات تو ایک ہی چیز ہے یعنی جو مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کسی خیر کے کام میں خرچ کیا جائے وہ صدقہ و خیرات کہلاتا ہے، اور کسی کام کے ہونے پر کچھ صدقہ کرنے کی یا کسی عبادت کے بجالانے کی منت مانی جائے، تو اس کو ''نذر'' کہتے ہیں، نذر کا حکم زکوٰۃ کا سا حکم ہے، اس کو صرف غریب غرباء ہی کھا سکتے ہیں، مالدار نہیں کھا سکتے، نیاز کے معنی نذر ہی کے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۱۸)

صدقہ کی تعریف اور اقسام

مسئلہ:۔جو مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اللہ کی راہ میں غرباء اور مساکین کو دیا جاتا ہے، یا خیر کے کسی کام میں خرچ کیا جاتا ہے، اس کو ''صدقہ'' کہتے ہیں۔صدقہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) فرض : جیسے زکوٰۃ۔ (۲) واجب: جیسے نذر، صدقۂ فطر اور قربانی وغیرہ۔

(۳) نفلی صدقات: جیسے عام خیر خیرات۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۱۸)

غلط نذر کا حکم

مسئلہ:۔بعض گناہ کی منت (نذر) مان لیتے ہیں مثلاً کسی نے منت مانی کہ میرا بیٹا ہو جائے تو ناچ کا جلسہ کروں گا، یہ بیہودہ نذر ہے، اس کا پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ (فروع الایمان: ص ۴۱)

مسئلہ:۔بعض حضرات مکروہ اور بدعت کی نذر مان لیتے ہیں، مثلاً اپنے بیٹے کو امام حسینؓ کا فقیر بنانا، کسی کے نام کی چوٹی رکھنا، یا کان میں بالی پہننا، یا کسی مزار پر غلاف بھیجنا، یا شیخ سدو کا بکرا کرانا، خدائی رات کرنا، مشکل کشا کا روزہ رکھنا، اور بہت سی غلط باتیں مشہور ہیں، جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، بلکہ کلیاً یا جزئیاً ممانعت آئی ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۴۱)

مسئلہ:۔نہ تو مزار پر سلامی کی منت ماننا جائز ہے اور نہ اس کا پورا کرنا، اگر کسی نے مزار پر سلام کرنے کی منت مانی تھی تو ایسی منت ماننا صحیح نہیں ہے، اور اس کا پورا کرنا بھی درست نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۱)

مسئلہ:۔خاتونِ جنت کی کہانی من گھڑت ہے، نہ اس کی منت درست ہے نہ اس کو پورا کرنا

جائز ہے۔(آپ کے مسائل: ج ۳،ص ۴۲۱ وفتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴،ص ۳۱۶)

مسئلہ:۔بعض عورتیں منت مانتی ہیں کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہوجائے تو مسجد میں جاکر سلام کرونگی، یا بعض کہتے ہیں کہ مسجد کا طاق (مٹھائی وغیرہ سے) بھروں گی، مراد پوری ہونے پر مسجد میں جاکر اپنی منت پوری کرتی ہیں، یہ غلط ہے، مسجد کا سلام یہ ہی ہے کہ کچھ نوافل پڑھ لو اور دل سے شکر ادا کرلو، اور یہ کام گھر میں بھی ممکن ہے، اور طاق بھرنا یہ ہی ہے کہ جو توفیق ہو محتاجوں کو تقسیم کردو، اور یہ کام گھر میں بیٹھے بھی ہوسکتا ہے۔(اغلاط العوام:ص ۱۱۸)

مسئلہ:۔بعض حضرات نذر غیر اللہ کی کرتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ! اگر ہمارا کام ہوگیا تو آپ کے نام کا کھانا کریں گے، یا آپ کی قبر پر غلاف چڑھائیں گے، یا آپ کی قبر پختہ بنادیں گے، یہ بالکل شرک جلی ہے۔(اغلاط العوام:ص ۱۴۰)

نذر کے مسائل

مسئلہ:۔کسی کام پر عبادت کی کوئی منت مانی (بشرطیکہ وہ عبادت ایسی جنس سے ہو جس کا کرنا کسی وقت میں فرض یا واجب ہوتا ہے)۔ پھر وہ کام پورا ہوگیا، جس کے واسطے وہ منت مانی تھی تو اب منت کا پورا کرنا واجب ہے، اگر منت پوری نہ کرے گا تو بہت گناہ ہوگا، لیکن اگر کوئی واہیات منت ہو جس کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں تو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ:۔کسی نے کہا کہ اللہ! اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو پانچ روزے رکھوں گا تو جب کام ہوجائے تو پانچ روزے رکھنے پڑیں گے، اور اگر کام نہ ہوا تو نہیں رکھنے پڑیں گے۔

مسئلہ:۔اگر فقط اتنا ہی کہا کہ پانچ روزے رکھوں گا تو اختیار ہے کہ چاہے پانچوں روزے ایک دم سے لگاتار رکھے اور چاہے ایک ایک دو دو کر کے پورے پانچ کرلے، دونوں باتیں درست ہیں، اگر نذر کرتے وقت یہ کہہ دیا کہ پانچوں روزے لگاتار رکھوں گا یا دل میں یہ نیت تھی تو سب ایک ساتھ ہی (لگاتار) رکھنے پڑیں گے، اگر بیچ میں ایک آدھ چھوٹ جائیں تو پھر سے رکھنے پڑیں گے۔

مسئلہ:۔اگر کسی نے ایک رکعت پڑھنے کی نیت مانی تو پوری دو رکعت پڑھنی ہوں گی، اور گر تین کی نیت کی تو چار پڑھنی پڑیں گی۔ اور اگر پانچ کی منت کی تو چھ رکعتیں پڑھے، اسی طرح

آگے کا بھی حکم ہے۔

مسئلہ :۔اگر کسی نے یہ منت مانی کہ فلاں کام ہو جائے تو فلاں کے مزار پر جا کر چادر چڑھاؤں گا، یہ منت بھی نہیں ہوئی، اور پوری کرنا بھی ضروری نہیں ہے، یا بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کی منت مانی صحیح نہیں ہوئی، اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ :۔مولیٰ مشکل کشا کا روزہ کی منت یا کونڈے وغیرہ کی منت یہ سب واہیات وخرافات ہیں، نیز مشکل کشا کا روزہ ماننا شرک ہے۔(غرض یہ ہے کہ حرام وناجائز کام کی منت ماننا ہی صحیح نہیں ہے تو اس کا ادا کرنا کیسے ضروری ہوگا؟)

مسئلہ :۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے منت ماننا مثلاً یوں کہنا: اے بڑے پیر! اگر میرا کام ہو جائے تو تمہاری میں فلاں بات پوری کروں گا، چادر وغیرہ چڑھاؤں گا، ایسی درخواست کرنا حرام اور شرک ہے: بلکہ اس منت کی چیز کا کھانا بھی حرام ہے۔(بہشتی زیور: ج۳،ص۵۰)

منت کا مصرف کیا ہے؟

سوال :۔میری بہن نے منت مانی تھی کہ اگر میرا کام ہو گیا تو اللہ کے نام پر بکرا ذبح کروں گی، کام ہو گیا، اب منت پورا کرنا چاہتی ہے تو کیا اس بکرے کا گوشت عزیز ورشتہ دار اور گھر والے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب :۔منت کی چیز کو صرف غریب غرباء کھا سکتے ہیں، عزیز واقارب اور کھاتے پیتے لوگوں کو اس کا کھانا جائز نہیں، ورنہ منت پوری نہیں ہوگی۔

مسئلہ :۔منت کا پورا کا پورا گوشت اللہ تعالیٰ کی راہ میں تقسیم کرنا چاہیے، یہ خود کھانا یا رشتہ داروں کو کھلانا جائز نہیں۔

مسئلہ :۔اگر کوئی بکرے کے علاوہ کسی چیز کی منت مانتا ہے تو وہ بھی ساری کی ساری اللہ کی راہ میں تقسیم کرنی چاہیے، غرض یہ کہ نذر کی تمام چیزوں کا یہی حکم ہے کہ ان کو غریب وغرباء پر تقسیم کر دیا جائے، مالداروں کو اس کا کھانا جائز نہیں ہے اور نذر ماننے والا اور اس کے اہل وعیال خود بھی نہیں کھا سکتے ہیں۔(آپ کے مسائل: ج۳،ص۴۲۶)

مسئلہ :۔بعض حضرات نذر کے مصرف میں مالداروں کو بھی شامل کر لیتے ہیں یہ غلط ہے۔

(جو مصرف فطرہ، صدقہ اور زکوٰۃ کا ہے وہی نذر کا بھی ہے)۔ (اغلاط العوام: ص ۱۴۱)

مسئلہ:۔ نذر کا مال فقراء کو دینا واجب ہے، اگر دوست و احباب کو دے گا تو ان کے لیے اس کا کھانا حرام ہے، اور نذر کرنے والے کے ذمہ سے نذر ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میرا فلاں عزیز اچھا ہو جائے تو جانور ذبح کر کے اللہ کے نام پر دوں گا، تو اس نذر و منت کی جو بھی چیز ہو اس کو خود کھانا حرام ہے، اور کسی مالدار کو بھی نہ دینا چاہئے اور نہ نذر کرنے والے کے ماں باپ، بیٹا، بیٹی کو اس میں سے کھانا درست ہے، یہ صرف فقراء کا ہی حق ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ج۱، ص ۵۴۸)

مسئلہ:۔ اگر نذر میت کے لیے مانی گئی تو وہ حرام ہے، اس کا کھانا کسی کے لیے جائز نہیں ہے، اگر نذر خدا کے لیے اور ثواب میت کے لیے مانی ہے تو فقراء کو اس کا کھانا شرعاً درست ہے، مالدار اور عہدہ دار علماء کو ایسا کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص ۱۲۴)

صدقہ کا مصرف

سوال:۔ ایک شخص صدقہ میں بکرا کرتا ہے اور وہ گوشت آس پاس پڑوس میں بانٹتا ہے اور گھر میں بھی استعمال کرتا ہے تو کیا صدقہ کے بکرے کا گوشت گھر میں بھی استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بکرا ذبح کرنے سے صدقہ نہیں ہوگا، بلکہ فقراء و مساکین کو دینے سے صدقہ ہوتا ہے، اس لیے جتنا گوشت محتاجوں کو تقسیم کر دیا اتنا صدقہ ہو گیا اور جو گھر میں کھا لیا وہ نہیں ہوا، البتہ اگر نذر مانی ہوئی تھی تو اس پورے بکرے کا محتاجوں پر صدقہ کرنا واجب ہوگا، نہ مالدار پڑوسیوں کو دینا جائز ہے اور نہ گھر میں کھانا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۳، ص ۴۲۵)

صدقہ غریب کے بجائے کتے کو ڈالنا

سوال:۔ میں شام کو اللہ کے نام کا کھانا روٹی یا ایک پلیٹ چاول کتے کو ڈلوا دیتی ہوں، فقیر کو نہیں دی کیونکہ آج کل فقیر تو بناوٹی ہوتے ہیں تو کیا یہ کھانا کتے کو ڈال کر صحیح کرتی ہوں؟

جواب:۔ جو فرق انسان اور کتے میں ہے وہی انسان اور کتے کو دی گئی ''خیرات''

میں ہے، اور آپ کا یہ خیال کہ آج فقیر بناوٹی ہوتے ہیں، بالکل غلط ہے، اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ضرورت منداور محتاج ہیں، مگر کسی کے سامنے اپنی حاجت مندی کا اظہار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو صدقہ دینا چاہئے، دینی مدارس کے طلبہ کو دینا چاہئے، اسی طرح ''فی سبیل اللہ'' کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مگر آپ کے صدقہ کا مستحق صرف کتا ہی رہ گیا؟

(آپ کے مسائل: ج۳،ص ۴۲۸)

ولی کے نام سے بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا

مسئلہ:۔ اس طرح منت ماننا کہ ''اے بزرگ! میرا فلاں کام ہو جائے تو آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، (یہ غیر اللہ سے مانگنا ہوا) یا آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا، سخت گناہ اور حرام ہے اور مشرکانہ فعل ہے، یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی (کیونکہ منت میں ضروری ہے کہ جو چیز منت میں مانی جائے وہ فی نفسہٖ گناہ نہ ہو، اگر وہ گناہ کا فعل ہے تو منت کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے) یہ چیز جہالت سے سرزد ہوتی ہے۔ اس لیے توبہ واستغفار لازم ہے۔

(فتاوی رحیمیہ: ج ٦، ص ٦٩ وشامی: ج ۳، ص ۳۹۹)

روزہ کی نذر کی صورت میں فدیہ دینا

سوال:۔ زید نے نذر مانی کہ بھائی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو میں تیس روزے رکھوں گا، زید تاجر ہے، اس کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہے، کیا وہ فدیہ دے سکتا ہے؟

جواب:۔ طبیعت ٹھیک ہو جانے پر زید پر ایک ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہیں، مسلسل رکھنا ضروری نہیں متفرق بھی رکھ سکتا ہے، کفارہ کافی نہ ہوگا، جس چیز کی نذر مانی ہے وہ پورا کرنا لازم ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ٦، ص ۱۷، بحوالہ فتاویٰ عالمگیری: ج ۲، ص ۴۲ وہدایہ: ج ۱، ص ۴٦۳)

اللہ کے سوا کسی کی نذر کرنا

سوال:۔ کسی بزرگ اور ولی کی زیارت کو جانا اور مدد اور حاجت روائی چاہنا اور نذر کرنی کہ اگر یہ کام ہو جائے تو اتنی رقم خیرات وصدقہ کروں گا، جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بزرگوں کی زیارت درست ہے، مگر سنت طریقہ سے جائے (قبر پر ہاتھ

رکھنا اور اس کو چھونا اور چومنا سجدہ وغیرہ کرنا نصاریٰ کی عادت ہے) اور مدد مانگنا اولیاء سے حرام ہے، مدد حق تعالیٰ سے مانگنی چاہئے، اللہ کے علاوہ کوئی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، پس غیر اللہ سے مدد مانگنا، اگر چہ ولی ہو یا نبی، شرک ہے اور یہ نذر کرنا کہ اللہ تعالیٰ میرا کام کردے تو میں اتنی رقم اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ کرونگا، درست ہے، اور اگر یوں کہے کہ اگر میرا کام ہوگیا تو (فلاں) ولی کے نام پر دس روپے (یا اتنی رقم) دوں گا تو یہ نذر حرام اور ناجائز ہے، اور اگر یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرا کام کردیں تو دس روپے (یا اتنی رقم) کا ثواب اللہ تعالیٰ کے واسطے فلاں بزرگ کو پہنچاؤں گا تو مضائقہ نہیں کہ اس میں نذر غیر اللہ کی نہیں ہے صرف غیر کو ثواب کا پہنچانا ہے، نذر اللہ تعالیٰ کی ہے (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۵۵۰ وصحیح بخاری: ج ۱، ص ۱۳۱)

<u>مسئلہ</u>:۔ اکثر عوام کی طرف سے مردوں کی خاطر جو نذر چڑھائی جاتی ہے اور بزرگوں کے مزارات پر جو موم بتی، خوشبودار اور روپیہ پیسہ چڑھایا جاتا ہے، جس کا مقصد بزرگوں کو خوش کرنا اور ان کا تقرب حاصل کرنا ہے، یہ سب باتفاق ائمہ حرام اور باطل ہیں، اور ان کے حرام اور ناجائز ہونے کی کئی وجہیں لکھی ہیں: ایک تو یہ کہ یہ مخلوق کے لیے نذر ماننا ہے، حالانکہ نذر عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے یہ کہ جس کے لیے نذر مانی ہے وہ مردہ ہے تو بھلا وہ کسی چیز کا کیسے مالک ہوسکتا ہے، اور تیسرے یہ کہ اس میت کے ساتھ یہ اعتقاد بھی کیا جاتا ہے کہ وہ عالم میں تصرف کرتا ہے، یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۱۵ بحوالہ درمختار)

مندر اور قبر کا چڑھاوا خریدنا

<u>مسئلہ</u>:۔ جو مرغ، بکرا و کھانا کفار اپنے معابد (مندر) پر چڑھاتے ہیں اور کافر مجاور لیتا ہے تو اس کا خریدنا درست ہے۔ کیونکہ کافر مالک ہوجاتا ہے اور جو مسلمان مجاور ایسی چیز لیتا ہے وہ مالک نہیں ہوتا، اس لیے اس کا خریدنا درست نہیں، اور یہ جب ہے کہ خریدنے والے کو علم ہو اس کے چڑھاوا ہونے کا اور بغیر علم کے تو مباح ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۴۹۰)

<u>مسئلہ</u>:۔ اگر بکرے غیر اللہ کے نام پر چڑھائے گئے تو ان کو خریدنا اور گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۲۹۸)

مسئلہ :۔ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ قسم کھاتے وقت بائیں ہاتھ کا انگوٹھا موڑ لیا جائے تو قسم نہیں ہوتی، یہ غلط ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۲۸)

بتوں کے نام کا پرشاد کھانا

سوال :۔ غیر مسلموں کے تہواروں پر "پرشاد" تقسیم کی جاتی ہے، جس میں پھل اور پکے پکائے کھانے بھی ہوتے ہیں اور یہ مختلف بتوں کی نذر کر کے تقسیم کی جاتی ہے، تو کیا اس کا کھانا حرام ہے؟

جواب :۔ بتوں کے نام کی نذر کی ہوئی چیزیں شرعاً حرام ہے، کسی مسلمان کو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱ ص ۱۷)

مزارات پر جو تیل جمع ہو اس کو کیا کریں؟

مسئلہ :۔ قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں، اس لیے جو تیل درگاہ کی روشنی کے لیے دیا جاتا ہے اس کو اصل مزار پر جلانا نہیں چاہئے، البتہ اگر مزار کے متعلق کمرے ہوں، یا راستہ پر روشنی کی ضرورت ہو، تو وہاں جلایا جا سکتا ہے اور اگر کوئی مسجد درگاہ ہی کے متعلقات میں سے ہو تو اس میں بھی جلایا جا سکتا ہے، اسی طرح امام صاحب کا کمرہ اگر متعلقات درگاہ میں ہو تو اس میں بھی جلا سکتے ہیں، ورنہ بلا اجازت مالک دوسری جگہ استعمال کرنا جائز نہیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ تیل بطور نذرانہ مزار پر چڑھایا ہے تو کسی جگہ بھی اس کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے، جس کو نذر کی گئی ہے۔
(امداد المفتین: ج ۱ ص ۱۸)

مسئلہ :۔ بعض لوگ قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، یہ تو بالکل حرام ہے اور اس چڑھاوے کا کھانا بھی درست نہیں ہے، نہ خود کھاؤ، نہ دوسروں کو دو، کیونکہ جس کا کھانا درست نہیں ہے اس کا دینا بھی درست نہیں۔ (بہشتی زیور، ج ۶، ص ۵۲)

مسئلہ :۔ قبر پر چادر چڑھانا خود بھی ناجائز ہے اور نذر اس کی کرنا دوسرا گناہ ہے، یہ نذر صحیح بھی نہیں ہوئی، لہٰذا منت پوری ہونے پر چادر چڑھانا جائز نہیں ہے، ہاں! اگر بطور شکرانہ کے (فقیروں کو) صدقہ کر دے تو بہتر ہے۔ (امداد المفتین: ص ۱۹، ج ۱)

مسئلہ :۔ بعض حضرات مزاروں پر چادریں اور غلاف بھیجتے ہیں اور اس کی منت مانتے ہیں، تو یاد رہے کہ چادر چڑھانا منع ہے اور جس عقیدے سے لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ شرک ہے۔
(بہشتی زیور، ج ۶، ص ۵۲)

قبر پر بکرا نذر کرنا

سوال :۔ عوام قبروں پر بکرا چڑھاتے ہیں اور نذریں مانتے ہیں، یا یہ کہتے کہ یہ بکرا فلاں پیر کا ہے، پھر اس کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتے ہیں، ایسے جانور کا کھانا حلال ہے یا حرام؟
مسئلہ :۔ ہاں جانور کو تعظیماً اور تقرباً الیٰ غیر اللہ ذبح کیا جائے، اگرچہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام اس پر لیا جائے، اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم قدیم: ج ۳، ص ۱۲)

کسی کے نام پر ذبح کرنا

سوال :۔ کسی کے نام کا بکرا یا مرغ ذبح کرنا کیسا ہے؟ کیونکہ زید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر ہو حرام ہے، ایسے اور عمر کہتا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کے نام کے سوا کسی کا نام لیا جائے تو حرام ہوتا ہے اور غیر وقت میں نام لینے سے حرام نہیں ہوتا، اگر غیر نام لینے سے حرام ہو جایا کرتا تو سب بیل بکری وغیرہ حرام ہوتے ہیں، کیونکہ جو کوئی بکرا پالتا ہے تو لوگ کہتے ہیں فلاں کا بکرا، اس پر بھی اللہ کے سوا غیر کا نام آگیا، تو اس کا جواب کیا ہے؟

جواب :۔ جو جانور غیر کے نام کا ہو اُس کو اُس ہی نیت سے ذبح کرنا، بسم اللہ کہہ کر بھی حرام ہے، اور جانور حرام ہی رہتا ہے، جانور کو ذبح نہ کرے، اور کسی کا بکرا کہنا مالک ہونے کی وجہ سے درست ہے، مگر کسی کے تعظیم اور قربت کا کہنا حرام ہے اور اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے تو اُس میں کچھ حرج نہیں، تعظیم غیر پر ذبح سے حرام ہوتا ہے، نہ کہ مالک ہونے سے کسی شخص کے، دونوں میں فرق ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۴۹، وفتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۸۸)

صدقہ میں رنگ کی قیود لگانا

سوال :۔ کیا صدقہ میں کالا مرغا یا کسی رنگ ونسل کا مرغا ضروری ہے؟

جواب :۔ جو چیز رضائے الٰہی کے لیے فی سبیل اللہ دی جائے وہ صدقہ کہلاتی ہے۔ نفلی صدقہ کم یا زیادہ اپنی توفیق کے مطابق آدمی کرسکتا ہے، صدقہ سے بلائیں دور ہو جاتی ہیں، صدقہ میں بکرے یا مرغ کا ذبح کرنا کوئی شرط نہیں اور نہ کسی رنگ ونسل کی قید ہے، بعض لوگ جو اس قسم کی قیود لگاتے ہیں وہ اکثر بددین ہوتے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۳۳)

مسئلہ :۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جو بھی مال خرچ کیا جائے وہ صدقہ ہے، وہ کسی محتاج کو نقد روپیہ پیسہ دے دے، یا کھانا کھلادے یا کپڑا دیدے یا کوئی اور چیز دیدے، لیکن کالا بکرا یا کالی مرغی کی کوئی خصوصیت نہیں، نہ صدقہ کے لیے بکرا یا مرغی ذبح کرنا ہی کوئی شرط ہے، بلکہ اگر ان کی نقد قیمت ہی محتاج کو دیدے تو اس کا بھی اتنا ہی ثواب ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۳۰)

مسئلہ :۔ کام ہونے پر اگر مٹھائی کی منت مانی تھی تو مٹھائی تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اتنی رقم کسی محتاج کو دے دی جائے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۴)

بھینٹ کے مرغ کا حکم

سوال :۔ کسی جانور مثلاً مرغا وغیرہ کو جانوروں کے اوپر سے پھیر کر یا کسی انسان کے سر پر سے پھیر گھما کر رکھا جائے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

جواب :۔ یہ مشرکانہ طریقہ ہے، اس کو بھینٹ چڑھانا کہتے ہیں، یہ غیر اللہ کے لیے نذر ہوتی ہے جو کہ مردار کے حکم میں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۳۹۴)

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم

سوال :۔ غیر اللہ کے نام پر بیل بھینسا چھوڑے جاتے ہیں، اگر اس کا کھانا درست نہیں تو اس سے گابھن کرانا اور بچہ پیدا کرنا کیا درست ہے؟

جواب :۔ غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام ہیں، ان کا کھانا ہرگز جائز نہیں، لیکن اگر ایسے جانور سے گائے وغیرہ گابھن ہو کر بچہ دے تو وہ بچہ مردار نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۳۹۱)

کالی بکری کو مخصوص طور پر ذبح کرنا

سوال :۔ ایک شخص رمضان کی ۲۷/ تاریخ کو ایک سیاہ رنگ کی گہری بکری ذبح کرتا ہے اور تمام گھر کے آدمی ہلدی میں ہاتھ رنگ کر اس پر لگاتے ہیں، پھر امام صاحب سے ذبح کراتے ہیں، اس کے سری پائے چوراہے پر دفن کرتے ہیں، گوشت پکا کر کھلاتے ہیں اور وہ بکری کالی کے نام کی ذبح کرتے ہیں، اس بکری کا کھانا کیسا ہے؟

جواب :۔ یہ فعل سخت گناہ، قریب شرک ہے اور اس بکری کا کھانا حرام ہے، وہ بالکل مردار ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۰، ص ۸۵)

دریا کے نام پر ذبح کرنا

مسئلہ :۔ کوئی چیز بغیر حکم خداوندی کے نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان، دریا کا زمین کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی حکم خداوندی کے تحت ہے، پس دریا کے نام پر یا دریا کے لیے بکرا ذبح کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ دریا بکرا لے کر خوش ہو جائے گا، اور ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا، یا حضرت خضر علیہ السلام کے لیے بکرا ذبح کرنا، اس اعتقاد سے کہ وہ خوش ہو کر زمین کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، ناجائز ہے، ایسا عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں ہے، اس فعل سے بچنا چاہئے، اس عقیدہ سے توبہ واجب ہے، ہاں! اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ وہ دریا کے نیز اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھے درست، نافع اور مستحسن ہے، اور نقصان سے بچنے کے لیے حسب قدرت اللہ تعالیٰ کے نام پر خیرات کرنا بھی مفید اور مؤجب ثواب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۵، ص ۲۸۹)

غیر اللہ کی نیاز کا حکم

سوال :۔ بزرگوں کے مزارات پر جو نذر و نیاز چڑھائی جاتی ہے، ان بزرگوں کو خوش کرنے کے لیے کہ ان پر مرغ وغیرہ ذبح کرتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جو عوام بزرگوں کے نام کی نذر و نیاز مانتے ہیں اور مزارات پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، وہ سخت گنہگار ہیں اور وہ نذر حرام ہے، اس کا کھانا بالکل ناجائز ہے، اور مرغ وغیرہ جو جانور بزرگوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں، وہ بالکل مردار ہے، اگر نذر مانتے وقت

بزرگوں کے نام کی نذر مانی جائے ،لیکن اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے ،وہ بھی حرام ہے۔(اگر ذبح اللہ کے لیے اور ثواب میت کے لیے کیا جائے تو جائز ہے)۔

مسئلہ :۔وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے بارے میں یہ اعلان اور شہرت دیدی گئی ہو کہ یہ غیر اللہ کے واسطے ہیں خواہ وہ غیر اللہ بت ہوں یا خبیث روح، جیسا کہ بت وغیرہ کے نام پر بھوگ چڑھاتے ہیں،اور خواہ روح کسی ایسے جن کی ہو جو کسی مکان پر مسلط ہو اور خواہ بغیر اس جانور کے بھینٹ چڑھائے وہ جن اس گھر کے رہنے والوں سے دست بردار نہ ہو،اور ایسے ہی کسی پیر پیغمبر کے واسطے کوئی زندہ جانور موسوم کر دیا جائے۔یہ سب شکلیں حرام ہیں،اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ ’’جو شخص کسی جانور کو ذبح کر کے غیر اللہ کا تقرب کرنا چاہے،وہ ملعون ہے‘‘ خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے یا نہ لے،کیونکہ وہ جانور غیر اللہ کی طرف منسوب ہو ہی چکا ہے،اور اس نسبت کی وجہ سے اس میں ایسی برائی پیدا ہوگئی جو مردار کی برائی سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ مردار میں صرف یہی برائی ہے کہ اس کی موت بغیر اللہ کے نام لیے ہوئے واقع ہوئی ہے اور اس جانور کی جان اس غیر اللہ کے لیے مقرر کر کے لی گئی ہے، جو عین شرک ہے اور جب یہ برائی اس میں سرایت پذیر ہوگئی تو اب خدا کا نام لینے سے یہ حلال نہیں ہو سکتا، جیسا کہ کتا اور سور اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال نہیں ہو جاتے ہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۱۶)

مسئلہ :۔غیر اللہ کے نام جو نیاز دی جاتی ہے،اگر اس سے مقصود اس بزرگ کی روح کو ایصال ثواب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو صدقہ کیا جائے اس کا ثواب اس بزرگ کو بخش دینا مقصود ہو تو یہ صورت جائز ہے،اور اگر محض اس بزرگ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کے نام کی نذر و نیاز دی جائے ،تا کہ وہ خوش ہو کر ہمارے کام بنائے تو یہ نا جائز اور شرک ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۰)

بکری کسی زندہ یا مردہ کے نام کرنا

سوال :۔ایک بکری کسی زندہ یا وفات کے نام کر دیں اور پھر اس کو ذبح کریں تو اس کا کھانا جائز ہے؟ یا ایسا کہے کہ میرا یہ فلاں کام ہو گیا تو میں یہ بکری اس بزرگ کے نام پر ذبح کرونگا؟

جواب :۔ بکری کسی بزرگ کے نام کردینے سے اگر یہ مراد ہے کہ اس صدقہ کا ثواب اس بزرگ کو پہنچے، تو ٹھیک ہے اور اس بکری کا گوشت حلال ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کی گئی ہو، اور اس بزرگ کے نام چڑھاوا مقصود ہو تو یہ شرک ہے اور وہ بکری حرام ہے، اِلا یہ کہ نذر ماننے والا اپنے فعل سے توبہ کر کے اپنی نذر سے باز آجائے۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۱)

منت کا پورا کرنا واجب ہے

سوال :۔ میری والدہ بیمار تھیں، میں نے منت مانی تھی کہ آپریشن ٹھیک ہونے پر سو نفل نماز پڑھوں گا، مگر میں نے ٹھیک ہونے پر ۴۸ نفل پڑھے باقی نہیں، کیا کروں؟

جواب :۔ اگر آپ کی والدہ صاحبہ کا آپریشن ٹھیک ہوگیا تھا تو سو نفل آپ کے ذمہ واجب ہوگئے، اپنی منت کو پورا کرنا واجب ہے، اس لیے باقی بھی پڑھ لیجئے۔

(آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۷)

مسئلہ :۔ اگر منت ماننے والا نفل کی تعداد بھول جائے کہ کتنے بولے تھے، تو حافظے پر زور ڈال کر یاد کیا جائے، جتنے نفلوں کا خیال غالب ہو، اتنے پڑھ لیے جائیں، اور نفل ہی پڑھنا واجب ہوگا، ان کی جگہ صدقہ دینے سے وہ منت پوری نہیں ہوگی (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۷)

مسئلہ :۔ جس کام کے لیے آپ نے منت مانی تھی اگر وہ پورا نہیں ہوا تو منت لازم نہیں ہوئی، اگر آپ نے یوں کہا تھا کہ اتنے روزے رکھوں گا یا اتنا صدقہ دونگا، تب تو کام پورا ہو جانے کی صورت میں آپ کو اتنے ہی روزے رکھنے ہونگے، اور صدقہ دینا ہوگا، اور اگر تعداد یاد نہیں تو غور و فکر کے بعد جو مقدار ذہن میں آئے اس کو پورا کرنا ہوگا، اور اگر یوں کہا تھا کہ کچھ روزے رکھوں گا یا کچھ صدقہ دوں گا تو آپ اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۴)

صدقہ کی امانت گم ہوگئی

سوال: میری بہن نے مجھ کو چار سو روپے بکرا صدقہ کرنے کے لیے دیئے، لیکن اتفاق سے وہ روپے میری جیب سے کہیں نکل گئے، تو کیا ایسی صورت میں صدقہ ہوگیا یا نہیں؟

جواب:۔آپ کے ذمہ ان پیسوں کا ادا کرنا لازم نہیں، اگر آپ کی بہن نے نفلی صدقہ کے لیے دیئے تھے تو ان کے ذمہ کچھ لازم نہیں، اور اگر نذر مانی تھی تو ان کے ذمہ نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۲۴)

رسومات کیا ہیں؟

مسئلہ:۔ جتنی رسمیں دنیا میں آنے کے وقت سے مرتے دم تک کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر، بلکہ تمام رسمیں اسی قسم سے ہیں جو بڑے بڑے سمجھدار عقلمند لوگوں میں طوفان عام کی طرح پھیل رہی ہیں، جن کی نسبت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس میں گناہ کی کونسی بات ہے؟ مرد اور عورتیں جمع ہوتے ہیں کچھ کھانا پلانا ہوتا ہے، کچھ دینا دِلانا ہوتا ہے کوئی ناچ نہیں رنگ نہیں، راگ باجہ نہیں، پھر اس میں شرع کے خلاف ہونے کی کیا بات ہے، جس سے روکا جائے؟

اس غلط گمان کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ عام دستور و رواج ہو جانے کی وجہ سے عقل پر پردے پڑ گئے ہیں، اس لیے ان رسموں کے اندر جو خرابیاں اور باریک برائیاں ہیں، وہاں تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی، جیسے کوئی نادان چھوٹا بچہ مٹھائی کا مزہ اور رنگ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ تو بڑی اچھی چیز ہے اور اس نقصان اور خرابیوں پر نظر نہیں کرتا جو اس کے کھانے سے پیدا ہوں گی، جن کو ماں باپ ہی سمجھتے ہیں اور اسی کی وجہ سے اس کو روکتے ہیں اور وہ بچہ ان خیر خواہوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

حالانکہ ان رسموں میں جو خرابیاں ہیں وہ ایسی زیادہ باریک اور پوشیدہ بھی نہیں، بلکہ ہر شخص ان رسموں کی وجہ سے پریشان اور تنگ ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ اگر یہ رسمیں نہ ہوتیں تو بہت ہی اچھا ہوتا، لیکن یہ دستور پڑ جانے کی وجہ سے سب خوشی خوشی کرتے ہے اور یہ کسی کی بھی ہمت نہیں ہوتی کہ سب کو ایک دم سے چھوڑ دیں، بلکہ طرہ یہ کہ سمجھاؤ تو اُلٹے ناخوش ہوتے ہیں۔

ہر مسلمان مرد و عورت کو لازم ہے کہ ان سب بیہودہ رسموں کے مٹانے پر ہمت باندھے اور دل و جان سے کوشش کرے کہ ایک رسم بھی باقی نہ رہے اور جس طرح آنحضرت ﷺ کے زمانۂ مبارک میں بالکل سادگی سے سیدھے سادھے طور پر کام ہوا کرتے تھے، اسی

کے موافق اب پھر ہونے لگیں، اور جو بھی مرد و عورت یہ کوشش کریں گے انکو بڑا ثواب ملے گا۔
حدیث شریف میں آیا ہے، کہ "سنت کا طریقہ مٹ جانے کے بعد کوئی زندہ کر دیتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے" کیونکہ ساری رسمیں تمہارے ہی متعلق ہیں اس لیے تم اگر ذرا بھی کوشش کرو گے تو بڑی جلدی اثر ہوگا، انشاء اللہ۔ (بہشتی زیور، ج ۶، ص ۷)

شادی میں بھات دینا

سوال:۔ بھانجی کو شادی کے موقع پر سامان ماموں اپنی ہمت کے موافق دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ بھانجی وغیرہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنا امر مباح، بلکہ مستحسن ہے، لیکن جس طرح پر ہندوستان میں بھات دینے کا رواج ہے وہ محض ہندوانہ رسم اور نمائش ہے اور اصل مقصود جو صلہ رحمی ہے، اس کا ذہن میں تصور تک نہیں، بلکہ نام و نمود کی امید اور لوگوں کی طعن و تشنیع اور برادری میں ناک کٹنے کے خوف سے دیا جاتا ہے، اگر پاس موجود نہ ہو تو قرض لے کر دیا جاتا ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے، اگر امورِ مذکورہ نہ ہوں، بلکہ محض صلہ رحمی کی نیت سے کوئی دے تب بھی چونکہ عام رواج پڑ چکا ہے، اس لیے اس طرز پر نہیں دینا چاہئے، بلکہ شادی سے (کافی) پہلے یا کسی دوسرے وقت ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جس چیز کی ضرورت ہو بلا رِکاری اور بغیر کسی اطلاع کیے ہوئے دیدے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۴۳)

<u>مسئلہ</u>:۔ عوام میں مشہور ہے کہ دونوں عیدوں کے درمیان نکاح نہ کیا جائے، کیونکہ میاں بیوی کا نباہ نہیں ہوتا، یہ بالکل غلط اور من گھڑت ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ سے اس ہی ماہِ شوال میں ہوا ہے۔ (اغلاط العوام، ص ۱۶۲)

نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا

<u>مسئلہ</u>:۔ دولہا کو کلمہ پڑھائے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، کیونکہ وہ پہلے سے ہی مسلمان ہے، نکاح کے وقت مسلمان کو کلمہ پڑھانا شرعاً لازم نہیں، پڑھ دیا جائے تو بھی درست ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۱۳۱)

مسئلہ:۔شادی بیاہ کے موقع پرلوگ تاریخ دکھاتے ہیں اور کہتے کہ مہینہ ۳/۱۳/۲۳ تاریخ نہ ہونا چاہئے اور باقی تاریخ کوئی بھی ہوجائیں، یہ رواج شرعاً بے اصل ہے، اس کی پابندی لازم نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۲ص ۱۹۱)

مایوں اورمہندی کی رسموں کا حکم

مسئلہ:۔''مایوں بٹھانے'' کی رسم کی کوئی شرعی اصل نہیں، ممکن ہے جس شخص نے یہ رسم جاری کی ہو، اس کا مقصد یہ ہو کہ لڑکی کوتنہا بیٹھنے، کم کھانے اور کم بولنے، بلکہ نہ بولنے کی عادت ہوجائے اوراس کوسسرال جاکر پریشانی نہ ہو، بہرحال اس کوضروری سمجھااور محارم شرعی تک سے پردہ کرادینا،نہایت بے ہودہ بات ہے،اگرغورکیا جائے تو یہ رسم لڑکی کے حق میں ''قیدتنہائی'' بلکہ زندہ درگورکرنے سے کم نہیں۔تعجب ہے کہ روشنی کے زمانہ میں تاریک دورکی یہ رسم خواتین اب تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں اورکسی کواس کی قباحت کااحساس نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔مہندی کی رسم جن لوازمات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، یہ بھی دورِجاہلیت کی یادگار ہے جوبظاہر بڑی معصوم نظرآتی ہے،مگردرحقیقت بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے،اس کوبند کردیناچاہئے، بچی کے مہندی لگانا توبرائی نہیں ہے،لیکن اس کے لیے تقریبات کامنعقدکرنا اورلوگوں کودعوتیں دینا،نوجوان لڑکوں اورلڑکیوں کاشوخی انگیزاوربھڑکیلے لباس پہن کر بے محابا ایک دوسرے کے سامنے جانا بے شرمی وبے حیائی کامرقع ہے۔(آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۳۲)

سہرا باندھنا

مسئلہ:۔شادی وغیرہ کے موقع پرسہرا باندھنا ہندوانہ رسم ہے جوکہ ہندوستان کے بےعلم یابے عمل مسلم خاندانوں میں بھی ان کے اختلاط (ملنے جلنے کی وجہ) سے باقی رہ گئی ہے،اس کو چھوڑنا لازم ہے، ہندوستان کے اکابرعلماء کرام حضرت مفتی عزیزالرحمٰنؒ ومفتی کفایت اللہ صاحبؒ ومولانا خلیل احمد صاحبؒ اورمولانا تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' کی روسے اس کومنع فرمایا ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ص ۱۵۵، ج۱، وص ۱۹۷، ج۲)

سندور ومہندی لگانا

مسئلہ :۔عورتوں کا سر کی مانگ (بالوں) میں سندور لگانا بھی اسی حکم میں شامل ہے (یعنی یہ غیر مسلموں کے اختلاط کی وجہ سے مسلم عورتوں میں آگیا ہے) بلکہ کچھ بڑھ کر ہے، عورتوں کو مہندی لگانا درست ہے، بلکہ ان کے لیے مخصوص ہے کہ ہاتھ پیروں کومہندی لگائیں، مردوں کوان کی مشابہت اختیار کرنا درست نہیں ہے، حدیث شریف میں لعنت فرمائی گئی ہے۔
((**لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء**)) (مشکوۃ شریف، فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص۱۵۵)

مسئلہ :۔مسلمان عورتوں کا مانگ میں سندور اور پیشانی پر بندی لگانا، یہ غیر مسلم عورتوں کا شعار ہے، اس سے بچنا لازم ہے، ہرگز اس کو اختیار نہ کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷،ص۲۹۴)

سال گرہ منانا

مسئلہ :۔رسم ''سال گرہ'' یہ خالص غیر اقوام کا طریقہ اور انہی کی رسم ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ مذکورہ طریقہ (بچہ کی تاریخ پیدائش پر کیک کاٹنا اور جتنے سال کا بچہ ہے اتنی ہی موم بتیاں جلاکر بجھوانا وغیرہ) سے اجتناب کریں، ورنہ اس کی نحوست سے ایمان خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۷،ص۷۷ وفتاویٰ محمودیہ: ج۱۷،ص۳۶۰ وآپ کے مسائل، ج۸،ص۱۲۷)

مسئلہ :۔چالیس روزہ بچہ کو مسجد میں بھیج کر سجدہ کرانے کی رسم کی بھی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، یہ قابل ترک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۰،ص۸۲)

مسئلہ :۔ایک شخص خود سالگرہ نہیں مناتا، لیکن اس کا کوئی قریبی عزیز سالگرہ میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تو اس میں شرکت نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ فضول چیزوں میں شرکت بھی فضول ہے۔

مسئلہ :۔تحفہ دینا اچھی بات ہے، لیکن سالگرہ کی بناء پر دینا بدعت ہے۔
(آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۲۷)

مسئلہ :۔سالگرہ منانا اور قسم قسم کے خرافات کرنا سب شریعت کے خلاف ہے، یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

مسئلہ :۔نئے عیسوی سال کی آمد پر خوشی منانا عیسائیوں کی رسم ہے اور مسلمان جہالت کی وجہ سے مناتے ہیں (جوکہ جائز نہیں ہے)۔ (آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۲۹)

روزہ کشائی کی رسم کا حکم

سوال:۔ ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ جب بچے کو پہلا روزہ رکھواتے ہیں تو افطار کے وقت اس کے گلے میں ہار پہناتے ہیں، کھانے پکا کر دوست واحباب کو کھلاتے ہیں تو کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟

جواب:۔ اس رسم کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس کو ثواب سمجھ کر کرنا دین میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے، بلکہ ثواب نہ بھی سمجھے تو بھی اس کا ترک لازم ہے، کیونکہ یہ ایسی رسم بن چکی ہے جس کی قباحت اہل عقل پر ظاہر ہے۔
(احسن الفتاویٰ: ج۱،ص ۳۷۱)

مسئلہ:۔ نومولود بچے کی پیدائش پر اسے تحفہ دینا تو بزرگانہ شفقت کے زمرے میں آتا ہے، لیکن اس کو ضروری اور فرض وواجب کے درجہ میں سمجھ لینا اور اس کو بچے کی نیک بختی کی علامت تصور کرنا غلط اور جاہلانہ تصور ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸،ص ۱۴۱)

بسم اللہ خوانی کی تقریب کرنا

سوال:۔ یہاں پر بچہ کی بسم اللہ خوانی کا رواج ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ ایسے موقع پر دعوت وغیرہ کی جاتی ہے تو اس کو قبول کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کسی بزرگ وصالح شخص سے بسم اللہ کرادی جائے اور کچھ غرباء واحباب کو کھلا پلا دیا جائے، تاکہ بچہ کی تعلیم میں برکت ہو تو درست ہے، مگر تکلفات وریاء وفخر سے بچنا لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷،ص ۴۶۲)

مسئلہ:۔ آج کل بسم اللہ کے لیے چار سال کی رسم بھی مسلمانوں میں بہت رائج ہے، حدیث وقرآن میں اس (چار سال کی عمر کی) کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ (اغلاط العوام: ص ۸۱)

مسئلہ:۔ رسومات میں سے ایک بسم اللہ کی بھی رسم ہے جو بڑے اہتمام اور پابندی کے ساتھ لوگوں میں جاری ہے، مثلاً بچہ کا چار سال اور چار مہینے اور چار دن کا ہونا اپنی طرف سے مقرر کرلیا جو محض بے اصل اور لغو ہے اور پھر اس کی اتنی پابندی کہ چاہے کچھ ہو اس کے خلاف نہ

ہونے پائے، اور جاہل لوگ تو اس کو شریعت کی بات ہی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے عقیدہ میں خرابی اور شریعت کے حکم میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا (یا سمجھنا) ہے، اصل تو یہ ہے کہ جب بچہ بولنے لگے تو اس کو کلمہ سکھاؤ، پھر کسی دیندار بزرگ متبرک کی خدمت میں لے جا کر بسم اللہ کہلا دو اور اس نعمت کے شکریہ میں اگر دل چاہے تو بلا پابندی کے جو توفیق ہو چھپا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ خیرات کر دو، لوگوں کو دکھلا کر ہرگز مت کرو۔

مسئلہ:۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب بچے کی زبان کھلنے لگتی ہے تو گھر والے اس سے ابا، اماں، بابا وغیرہ کہلاتے ہیں، اس کی جگہ اگر اللہ اللہ کہلائیں تو کیسا اچھا ہو۔ (بہشتی زیور: ج ٦ ص ١٦)

عید مبارک کہنا

سوال:۔ آج کل عید کے روز بالخصوص عید کی نماز کے بعد ''عید مبارک'' کہنے کا عام رواج ہے، کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟

جواب:۔ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عوام میں اس کا التزام ہونے لگا ہے، اس لیے مکروہ ہے، اور اگر ثواب بھی سمجھا جاتا ہو تو شریعت میں زیادتی اور بدعت ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے۔

۱۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یوم عید کی سنتیں اور مستحبات کی تفصیل بیان فرمائی ہے، اگر ''عید مبارک'' کہنا مستحب ہوتا تو وہ اسے بھی ضرور ذکر فرماتے۔

۲۔ اگر یہ کہنا مستحب ہوتا تو علماء وصلحاء کا اس پر تعامل ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، صرف عوام میں یہ رسم ہے۔

۳۔ مطلقاً دعاء برکت مستحب ہے اور الفاظ مخصوصہ کا التزام بدعت ہے، اگر عید کے روز دعا کو مقصود سمجھ کر کچھ کہہ دیا جائے مثلاً اللہ تعالیٰ عید کی برکات عطا فرمائیں، مبارک فرمائیں، برکت دیں وغیرہ، تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ہمیشہ ہر موقع پر لفظ ''عید مبارک'' ہی کا استعمال اس کی دلیل ہے کہ ان الفاظ ہی کو مقصود سمجھا جانے لگا ہے، لہٰذا یہ دین پر زیادتی ہونے کی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۱ ص ۳۸۴)

مقصد یہ ہے کہ ''عید مبارک'' کہنے کو مسنون یا ثواب سمجھ کر نہ کہے اور اس لفظ کو

ضروری نہ سمجھے، بلکہ متفرق دعائیہ جملہ استعمال کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عیدی مانگنا

مسئلہ:۔عیدی مانگنا(یعنی عیدین کے دن اپنے بڑوں سے زبردستی پیسے لینا) تو جائز نہیں، البتہ خوشی سے بچوں کو، ماتحتوں کو، ملازموں کو، ہدیہ دیدیا جائے تو بہت اچھا ہے، مگر اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے اور نہ اس کو سنت تصور کیا جائے۔ (آپ کے مسائل: ج ۸،ص ۱۲۶)

لباس پہننے کی رسم

مسئلہ:۔بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ عمامہ باندھنے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور بعض بیٹھے ہوئے کھڑے ہوجاتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ:۔بعض عوام سمجھتے ہیں کہ نیا جوتا اور نیا کپڑا پہننے سے اس کے ذمہ حساب ہوجاتا ہے، لیکن ماہِ رجب سے رمضان کے آخری جمعہ تک پہنے ہو تو بے حساب ہوجاتا ہے، یہ سب غلط ہے، غیر شرعی باتیں ہیں۔ (اغلاط العوام:ص ۱۴۹)

سجادہ نشین کی رسم

مسئلہ:۔ایک رسم یہ ہے کہ جب کسی شیخ (پیر) کا انتقال ہوجاتا ہے تو (یہ حماقتیں ہوتی ہیں کہ) اس کے مریدوں نے جمع ہوکر اس کے کسی بیٹے کو یا کسی خادم کو سجادہ نشین کردیا اور سند کے لیے دستار بندی کردی خواہ اس میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ جو لوگ ابھی خود اس راستے سے ناآشنا ہیں انکی اجازت کہاں تک قابل اعتبار ہوسکتی ہے؟ یاد رکھنا چاہئے کہ جتنے لوگ ایسے رسمی سجادہ نشین سے بیعت ہونگے ان سب کی گمراہی کا وبال اس سجادہ نشین کے برابران اربابِ جلسہ کو بھی مل جائے گا کہ یہ لوگ بانی ضلالت ہوئے، حدیث شریف میں علاماتِ قیامت میں سے آیا ہے کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے۔ (اصلاح الرسوم:ص ۱۴۰)

☆☆

حجاج کرام کی دعوت اور ہدیہ کا لین دین کرنا

مسئلہ :۔اس قسم کے رسم و رواج جاری رہیں تو رحمت کے بجائے زحمت اور بجائے نعمت کے نقمت بن جائے گا، براہو ایسی رسومات کا جو رحمت کو زحمت بنادے۔ یہ (رسومات) سوائے فضول خرچی کے کچھ نہیں، لہٰذا ان تمام رسومات کو ختم ہی کرنا چاہئے، ان کو ختم کرنے میں لوگوں کے لیے بڑی سہولتیں ہیں، رسمی لین دین کی فکر نہ ہوگی تو آپس میں ملنا ملانا بھی پورے اخلاص کے ساتھ ہوگا، ممکن ہے کہ اس رسمی لین دین کی حیثیت نہ ہونے کی وجہ سے ملنے ملانے اور دعاؤں کی درخواست کرنے سے محرومی رہے، غرض ان رسومات کی پابندی میں بڑی زحمتیں اور خلافِ شریعت امور کا ارتکاب ہے، اور جن حضرات کو حج کی سعادت نصیب ہورہی ہے، وہ علی الاعلان لوگوں اور رشتہ داروں سے کہہ دیں، رسمی لین دین کی پابندی نہ کریں اور اس کی بالکل فکر نہ کریں، اور جو لوگ ان رسومات کو ختم کریں گے، انشاء اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہونگے، آئندہ بھی جو لوگ اس پر عمل کریں گے، انشاء اللہ ان کو ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰،ص۱۸۳ بحوالہ مشکوٰۃ شریف:ص۳۴)

میت والے گھر عید کے دن کھانا بھیجنا

مسئلہ :۔عید کے روز میت والے کے گھر کھانا بھیجنے کا دستور غلط اور قابل ترک ہے، میت کے گھر کھانا بھیجنا پہلے دن مسنون ہے، اس کے بعد خصوصاً عید کے دن کھانا بھیجنے کی رسم کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے، غیروں کا ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۶،ص۱۷۳)

تبرکات کی زیارت کرانا

مسئلہ :۔کہیں کہیں جبہ شریف یا بالِ مبارک شریف پیغمبر ﷺ یا کسی بزرگ کا مشہور ہے، اس کی زیارت کے لیے یا تو اسی جگہ جمع ہوتے ہیں یا اُن لوگوں کو گھروں میں بلا کر زیارت کراتے ہیں، اور زیارت کرنے والوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔

اول تو ہر جگہ ان تبرکات کی سند نہیں ہے، اور اگر سند بھی ہو تب بھی جمع ہونے میں بہت خرابیاں ہیں، مثلاً شور و غل، اور بے پردگی اور کہیں کہیں تو زیارت کرنے والوں کا گانا

وغیرہ، ہاں اگر اکیلے میں تبرکات کی زیارت کرلے اور زیارت کے وقت کوئی خلافِ شرعی بات نہ کرے تو درست ہے۔

نوٹ:۔ جس چیز کو شرع نے ناجائز کہا ہے اس کو جائز سمجھنا گناہ ہے اور جس کو جائز بتلایا ہو، مگر ضروری نہ کہا ہو اس کو ضروری سمجھ کر پابندی کرنا یا نام کمانے کے لیے کرنا یہ بھی گناہ ہے، اسی طرح جس کام کو شرع نے ثواب نہیں بتلایا، اس کو ثواب سمجھنا گناہ ہے اور جس کو ثواب بتلایا ہو، مگر ضروری نہ کہا ہوا، اس کو ضروری سمجھنا گناہ ہے، اور جو شخص ضروری تو نہ سمجھے، مگر عوام کے طعن کے خوف سے اس کے چھوڑنے کو برا سمجھے یہ بھی گناہ ہے، اسی طرح کسی چیز کو منحوس جاننا گناہ ہے، اسی طرح بغیر شرع کی سند کے کوئی بات تراشنا اور اس کا یقین کر لینا گناہ ہے، نیز خدا کے سوا کسی سے دعا مانگنا یا ان کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا، یہ سب گناہ کی باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ سب سے بچائے، (آمین) یہ سب گُر بتلا دیئے ہیں، اگر ان کا خیال رکھو گے تو سب رسموں کا حال معلوم ہو جائے گا، اور دھوکہ نہ ہوگا۔ (بہشتی زیور: ج ۶، ص ۶۲، اصلاح الرسوم: ص ۱۵۶)

☆ عقیقے کی رسموں کا بیان ☆

عقیقہ کیسے کریں؟

مسئلہ:۔ جس کے کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو بہتر ہے کہ ساتویں دن اس کا نام رکھ دے اور عقیقہ کر دے، عقیقہ کر دینے سے بچہ کی سب بلائیں دور ہو جاتی ہیں اور آفتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

مسئلہ:۔ عقیقہ کا یہ طریقہ ہے کہ اگر لڑکا ہو تو دو بکرے یا دو بھیڑ اور اگر لڑکی ہو تو ایک بکری یا ایک بھیڑ، یا قربانی کے حصہ میں دو حصے اور لڑکی کے لیے ایک حصہ اور سر کے بال کی برابر بال کٹوا کر سونا یا چاندی تقسیم کر دے (یا پیسے) اور اگر دل چاہے تو بچے کے سر پر زعفران لگا دے۔

مسئلہ:۔ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کرے تو جب کرے تو ساتویں دن ہونے کا خیال کرنا بہتر ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو، اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کر دے، یعنی اگر جمعہ کو پیدا ہوا ہو تو جمعرات کو عقیقہ کر دے اور اگر جمعرات کو پیدا ہوا ہو تو بدھ کے دن کر دے، چاہے جب کرے وہ حساب سے ساتواں دن پڑے۔

مسئلہ :۔ یہ جو بعض جگہ دستور ہے کہ جس وقت بچہ کے سر پر اُسترا رکھا جائے اور بال کٹنے شروع ہوں فوراً اسی وقت بکرا وغیرہ ذبح کیا جائے، یہ محض مہمل رسم ہے، شریعت سے سب جائز ہے، چاہے سر کے بال اترنے کے بعد ذبح ہو یا ذبح کر لے تب سر کے بال اتاریں۔

مسئلہ :۔ جس جانور کی قربانی جائز نہیں اس کا عقیقہ بھی درست نہیں ہے اور جس کی قربانی درست ہے، اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔

مسئلہ :۔ عقیقہ کے گوشت کے بارے میں مرضی (یعنی یہ اختیار) ہے چاہے کچا گوشت تقسیم کر دے، چاہے پکا کر بانٹے، چاہے دعوت کر کے کھلا دے، سب درست ہے۔

مسئلہ :۔ عقیقہ کا گوشت باپ، داد، دادی، نانا و نانی وغیرہ سب کو کھانا درست ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کسی کو زیادہ توفیق نہیں اس لیے اس نے لڑکے کی طرف سے ایک ہی بکرا (یا ایک ہی حصہ کا) عقیقہ کیا تو اس کا بھی کچھ حرج نہیں ہے اور اگر بالکل عقیقہ ہی نہ کرے تو بھی حرج نہیں ہے۔ (بہشتی زیور، ج ۳، ص ۴۳)

ملاحظہ :۔ یہ باتیں تو ثواب کی ہیں باقی جو فضولیات اس میں نکالی گئی ہیں اس سے بچنے اور پرہیز رکھنے کے قابل ہیں، کیونکہ رسموں کی پابندی کی مصیبت میں کبھی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے عقیقہ موقوف رکھنا پڑتا ہے اور مستحب کے خلاف کیا جاتا ہے، بلکہ ان رسومات کی وجہ سے بسا اوقات عقیقہ کئی کئی سال بعد ہوتا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے احقر کی مرتب کردہ کتاب، مسائل عیدین وقربانی)

ختنوں کی رسمیں

مسئلہ :۔ ختنہ میں بھی خرافات، رسمیں لوگوں نے نکال لی ہیں، جو بالکل خلافِ عقل اور لغو ہیں، مثلاً لوگوں کو آدمی یا خط بھیج کر بلانا اور جمع کرنا، کہ سنت کے خلاف ہے، کیونکہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ایک صحابیؓ کو کسی نے ختنہ میں بلایا، تو آپؓ نے تشریف لے جانے سے انکار کر دیا، لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہم لوگ تو کبھی ختنہ میں نہ جاتے اور نہ اس کے لیے بلائے جاتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا مشہور کرنا ضروری نہ ہو، اس کے لیے

لوگوں کو بلانا، جمع کرنا سنت کے خلاف ہے، اس میں بہت سی رسمیں آگئی ہیں جن کے لیے لمبے چوڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں، مثلاً بعض جگہ ان رسموں کی بدولت ختنہ میں اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ لڑکا بڑا ہو جاتا ہے اور سب جمع ہونے والے اس کا بدن دیکھتے ہیں، حالانکہ صرف ختنہ کرنے والے کے علاوہ اوروں کو اس کا بدن دیکھنا حرام ہے، اور یہ گناہ اس بلانے اور دیر کرنے کی وجہ سے ہوا، اصل تو یہ ہے کہ جب بچے میں برداشت کی قوت دیکھیں چپکے سے نائی، ختنہ کرنے والے کو بلا کر ختنہ کرا دیں۔ (بہشتی زیور، ج ۶، ص ۱۵)

ختنوں کی دعوت کرنا

مسئلہ:۔ ختنہ کے وقت لوگوں کو دعوت دینا یہ خود ہی بدعت ہے، حضرت عثمانؓ بن العاص کو کسی نے ختنہ میں شرکت کے لیے بلایا، آپؓ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کبھی ختنہ میں نہ جاتے تھے، اور اس دعوت کو اتنا ضروری سمجھنا کہ ختنہ کو بلوغ تک ملتوی کیا جائے، یہ الگ گناہ ہے۔ (امداد المفتین، ج ۱، ص ۲۱)

مسئلہ:۔ ختنہ کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، بچہ کی طاقت پر منحصر ہے، اگر اس میں طاقت ہو تو جلدی کر دیں ورنہ بالغ ہونے تک تاخیر کر سکتے ہیں۔ (رفاہ المسلمین، ص ۲۱)

مسئلہ:۔ جس کے یہاں شادی یا ختنہ میں رسوم وبدعات موجود ہوں اس کے یہاں (دعوت میں) ہرگز شریک نہ ہو، نہ اس کے مکان میں نہ دوسرے کے مکان میں (بعض مرتبہ اپنے مکان میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے کا مکان لینا پڑتا ہے) اگر گھر پر کھانا بھیج دے تو اگر خوف فتنہ کا نہ ہو تو نہ لیوے، اور اگر نہ لینے کے اندر فساد ہو تو دفع فساد کے سبب سے لے لینا چاہئے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۶۳)

مسئلہ:۔ ختنہ وغیرہ کے وقت اگر رسم کے طور پر لازم سمجھ کر مسجد میں کچھ دیا جائے تو نہ لیا جائے، اگر خوشی کے طور پر امام یا مؤذن کو کچھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں، جس کو دیا جائے وہ اس کا ہی حق ہے، اگر مسجد کے لیے کوئی چیز دی جائے تو وہ مسجد کا ہی حق ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۴۰۱)

مسئلہ:۔ شادی وختنہ کی خوشی کے موقع پر لڑکے کو اچھے عمدہ کپڑے پہنانا حدود شرع میں رہتے

ہوئے، درست ہے، ہار گلے میں نہ ڈالیں، سہرا بھی نہ باندھیں، پٹکہ جو کہ ہندوانہ رسم ہے، اس سے بھی پرہیز کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۴۶۳)

مسئلہ:۔ یہ غلط ہے کہ بغیر ختنہ کے نکاح درست نہیں ہوتا ہے، یہ جاہلوں کی باتیں ہیں، بغیر ختنہ کے نکاح درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم: ج ۱، ص ۱۹)

قرآن کریم کا شہید ہو جانا

مسئلہ:۔ یہ عادت بہت شائع ہے کہ اگر نعوذ باللہ قرآن کریم کی بے ادبی ہو جائے (گر جائے) تو اس کے برابر تول کر، اناج خیرات کرے، اس میں اصل مقصود تو مستحسن وقرین مصلحت یہ ہے کہ بطور کفارہ اور جرمانہ کے صدقہ دیا جاتا ہے، اس میں نفس کا بھی انتظام ہے کہ آئندہ احتیاط رکھے، لیکن دو باتیں اس میں قابل اصلاح ہیں، ایک تو یہ کہ قرآن کریم کو ترازو میں اناج کے برابر کرنے کے لیے رکھتے ہیں، دوسرا یہ کہ اس کو واجب شرعی سمجھتے ہیں (جبکہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے) البتہ اگر ایسا کریں کہ محض مصلحت مذکورہ کی بناء پر تخمینہ سے غلہ وغیرہ دیدیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۷۵)

مسئلہ:۔ بعض بے علم لوگ جمعہ کے دن عید واقع ہونے کو نامبارک سمجھتے ہیں، یہ خیال بالکل باطل ہے، بلکہ اس میں تو دو برکتیں جمع ہو جائیں گی۔ (اغلاط العوام: ص ۱۸۸)

(الحمد للہ جس وقت یہ مسئلہ نقل کیا جارہا ہے، تین دن پہلے جمعہ کو ہی عید ہوئی ہے، یعنی یکم شوال ۱۴۲۳ھ مطابق / ۶ دسمبر ۲۰۰۲ء یوم جمعہ۔ رفعت قاسمی)

کھانے کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا کیا مسنون ہے؟

مسئلہ:۔ ہر مسنون اور مستحب دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں ہے، یعنی کھانا کھانے کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں، طواف کرتے وقت دعا مسنون ہے، مگر اس میں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے، نماز کے اندر بھی دعا ہوتی ہے، سوتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت، مجامعت کے وقت، بیت الخلاء میں جاتے اور نکلتے وقت دعا ثابت ہے، مگر ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں، اسی طرح کھانا کھانے کے بعد کی دعا میں بھی ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج ۱۰ ص ۴۵۴، بحوالہ مراقی ص ۱۸۵، واحسن الفتاویٰ، ج ۱، ص ۳۶۶)

حائضہ کے ہاتھ کی چیزیں کھانا

مسئلہ:۔مشہور ہے کہ زچہ جب تک غسل نہ کرے اس کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانا درست نہیں، یہ بھی غلط ہے، حیض ونفاس میں ہاتھ ناپاک نہیں ہوتے۔

مسئلہ:۔بعض عوام سمجھتے ہیں کہ چلے کے اندرزچہ خانہ (پیدائش کی جگہ) میں خاوند کو نہ جانا چاہئے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ:۔عام عورتیں زچگی (پیدائش کے دنوں) میں چالیس روز تک نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتیں، اگرچہ پہلے ہی پاک ہوجائیں، یہ بات بالکل دین کے خلاف ہے، چالیس دن نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے، باقی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں، جس وقت بھی پاک ہوجائیں غسل کرکے فوراً نماز شروع کردے۔

مسئلہ:۔اسی طرح اگر چالیس دن میں بھی خون بند نہ ہوتو چالیس دن کے بعد پھر اپنے آپ کو پاک سمجھ کر غسل کرکے نماز شروع کردے۔ (اغلاط العوام :ص۴۶)

دعائے گنج العرش، دعائے قدح وغیرہ پڑھنا

سوال:۔پنج سورہ (جوتقریباً ہر مسجد میں پایا جاتا ہے) اس میں دعائے گنج العرش اور دعائے قدح وغیرہ ہے، اس کا شرعی ثبوت کیا ہے؟ بعض علماء اس کے پڑھنے سے روکتے ہیں، کیونکہ گنج العرش کا ثبوت صحاح ستہ یا کسی اور صحیح حدیث سے نہیں ہے، پنج سورہ میں دعائے گنج العرش کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دعا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ روحی نازل ہوئی ہے، اور اس دعا کے بڑے فضائل بتلائے ہیں، لہٰذا مندرجہ ذیل امور کے متعلق صحیح رہنمائی فرمادیں۔

۱۔ کیا دعائے گنج العرش کا ثبوت صحیح احادیث سے ہے یا نہیں؟

۲۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں یہ دعا پڑھی یا کسی صحابیؓ کو سکھلائی ہے؟

۳۔ اگر اس کا ثبوت صحیح احادیث سے نہ ہوتو آج تک جو لوگ بغرض ثواب اس دعا کا وِرد کرتے رہے ان کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرما کر مہربانی فرمادیں۔

جواب:۔ ((باسمہٖ تعالیٰ. حامداًو مصلیاًو مسلماً))

(۱،۲،۳،) مذکورہ ادعیہ کی روایات کوموضوع لکھا گیا ہے، کسی معتمد مشہور محدث نے ان روایات کی تصدیق نہیں کی، لہٰذا ان ادعیہ کومستند سمجھنااور لکھے ہوئے فضائل کوصحیح جان کر پڑھناغلط ہے،قرآنِ کریم کی تلاوت اوراحادیث میں واردشدہ ذکرواذکار،درودشریف، پہلا،تیسرااور چوتھاکلمہ،استغفارحصن حصین،حزب الاعظم،مناجات مقبول وغیرہ جوعلمائے کرام کے معمولات میں رہتاہے،اس پراکتفاءکرنے میں بھلائی،برکت اورہدایت ہے۔

دعائے قدح کے متعلق جوروایت پنج سورہ میں ہے وہ بھی موضوع ہے،لہٰذااسے مستنداورصحیح نہ سمجھناچاہئے،اوراس کے مطابق عمل بھی نہ کیاجاوے،قرآن کریم کی تلاوت اللہ سے قرب حاصل کرنے کامضبوط ذریعہ ہے،احادیث میں قرآن کریم اوراس کی تلاوت کے بہت سے فضائل وارِدہوئے ہیں،قرآن کریم کی تلاوت اوراسے سمجھنےاوراس کے مطابق عمل کرنے کی لوگ سعی نہیں کرتے اورغیرمستنداشیاء لے کربیٹھ جاتے ہیں،قرآن کریم کی تلاوت ہمہ تن متوجہ ہوکرشوق سے خوب کی جائے اورمعاًذکراللہ پہلا،تیسرا،چوتھاکلمہ، استغفاراوردرودشریف وغیرہ مستنددعائیں بھی پڑھتے رہناچاہئے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال:۔نورنامہ،عہدنامہ،دعاءگنج العرش،درودتاج،درودلکھی کی اصلیت کیاہے؟ ان کی تعریفات درست ہیں یامبالغہ؟دوسرے ان کاثبوت رسول پاکﷺ سے ہے یا لوگوں نے خودتالیف کیاہے؟ان کے پڑھنے کے بارے میں کیامسئلہ ہے؟

جواب:۔ان کی کوئی سندصحیح ثابت نہیں،جوتعریفیں لکھی ہیں،بےاصل ہیں،بجائے ان کےقرآن پاک کی تلاوت کی جائے،درودشریف،کلمہ شریف اوراستغفارپڑھاجائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ:ج۱۰،ص۴۹۴)

ختم خواجگان کااجتماعی طورپردوامی معمول بنانا

سوال:۔بعض جگہ ختم خواجگان اجتماعی طورپرپڑھاجاتاہے،اس کاکیاحکم ہے؟ کیاہمیشہ پڑھنابدعت ومکروہ نہ ہوگا؟((بینواتوجروا))

جواب:۔اس سلسلہ کا ایک سوال احقر نے حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ (مظاہر علوم سہارنپور) سے کیا تھا، مفتی یحییٰ صاحب نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ سے اس کے متعلق دریافت کیا، حضرت نے اس کا جواب املاء فرمایا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوال وجواب ہی نقل کردیا جائے، انشاء اللہ اس سے آپ کے سوال کا جواب ہوجائے گا۔

سوال:۔ہمارے بزرگوں کے یہاں ختم خواجگان کا معمول ہے اور جو حضرات ان سے متعلق ہیں ان میں سے بعض اپنے مقام پر عمل پیرا ہیں، اسی طرح سورۂ یٰسین شریف کا اجتماعی ختم ہوکر اس کے بعد اجتماعی دعاء ہوتی ہے، اس پر شرح صدر نہیں ہے، آپ کو تو اس کے جواز کے دلائل معلوم ہی ہونگے تحریر فرماکر ممنون فرمائیں، وجہ اشکال حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا وہ واقعہ ہے جو فتاویٰ رحیمیہ ۳۰۶، ۳۰۷ جلد اول میں بحوالہ ازالۃ الخفاء، الاعتصام اور مجالس الابرار مذکور ہے، بعض حضرات نے فتاویٰ رحیمیہ کے مطالعہ کے بعد اشکال کیا کہ آپ کے فتاویٰ رحیمیہ میں یہ لکھا ہوا ہے اور سہارنپور، دہلی وغیرہ مقامات پر ہمارے بزرگوں کے یہاں ختم خواجگان اور ختم سورۂ یٰسین شریف کا معمول ہے، کیا یہ عمل حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے واقعہ کے خلاف نہیں ہے؟ اور یہ التزام مالا یلزم نہیں ہے؟ دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟ اگر یہ علاجاً یا دفع آفات کے لیے تجویز کیا گیا ہے تو علاج یا آفات وقتی چیز ہے، جس طرح قنوتِ نازلہ ہنگامی حالات میں پڑھا جاتا ہے، اس پر مداومت نہیں ہوتی، اسی طرح یہاں بھی ہونی چاہئے۔ فقط والسلام۔((بینوا توجروا))

جواب:۔ ((حامداً و مصلیاً و مسلماً))

دو چیزیں ہیں، ایک تو مداومت اور ایک اصرار، دونوں کا حکم الگ الگ ہے، امر مندوب پر مداومت قبیح نہیں ہے، فقہاء نے امر مندوب پر اصرار کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اصرار یہ ہے کہ کسی عمل کو ہمیشہ کیا جائے اور نہ کرنے والے کو گنہگار سمجھا جائے، اس کی تحقیر وتذلیل کی جائے، تو یہ مکروہ ہے، اگر امر مندوب پر مداومت ہو اصرار نہ ہو تو مندوب مندوب ہی رہتا ہے، مثلاً کوئی شخص وضو کے بعد تحیۃ الوضو پڑھتا ہے اور اس کو ضروری نہیں

سمجھتا اور نہ پڑھنے والوں کو گنہگار نہیں سمجھتا اور ان کو ملامت نہیں کرتا، تو اس میں کوئی کراہت نہیں، اب جو اعمال علاجاً کیے جائیں یا کسی سبب کی وجہ سے کیے جائیں تو جب علاج کی ضرورت ہوگی یا وہ سبب پایا جائے گا اس عمل کو کیا جائے گا۔

قنوتِ نازلہ اول تو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزانہ نماز فجر میں پڑھا جاتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے ابتلائے عام کے وقت اجازت دی ہے، اس کا سبب ابتلائے عام ہے، لہٰذا جب تک ابتلائے عام رہے گا، اس کو پڑھا جائے گا اور جب یہ سبب ختم ہو جائے گا نہیں پڑھا جائے گا۔

ختم خواجگان حصول برکت کے لیے پڑھا جاتا ہے، مشائخ کا مجرب عمل ہے کہ اس کی برکت سے دعا قبول ہوتی ہے اور کون سا وقت ایسا ہے کہ برکت کی خواہش نہیں ہوگی، لہٰذا جب اس کا مقصد حصول برکت ہے تو جب برکت کی خواہش ہوگی اس کو پڑھا جائے گا اور ہر وقت برکت کی خواہش ہوتی ہے اس لیے مداومت کرتے ہیں، مگر اصرار نہیں کرتے ہیں، فقط۔　(فتاویٰ رحیمیہ، ج ۱۵،ص ۴۷۶)

سوا لاکھ کے ختم کا ثبوت

سوال:۔ دفع مصائب اور کسی کی وفات پر کلمہ طیبہ یا آیت الکرسی پڑھی جاتی ہے جس کی تعداد سوا لاکھ کی متعین ہے، اس پر کیا دلیل شرعی ہے؟ اور کیا تعداد متعین کرنا بدعت ہے؟

جواب:۔ دفع مصائب کے لیے جو ختم شریف پڑھا جاتا ہے وہ بطور علاج ہے، اس کے لیے قرآن وحدیث سے ثبوت ضروری نہیں ہے، صرف اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے منافی ومعارض یعنی شرعاً ممنوع ومذموم نہ ہو، جیسا کہ غیر شرعی رقیہ ممنوع ہے، ایسے ہی ختم میں جو تعداد متعین ہے وہ ایسی نہیں جیسی رکعت نماز کی تعداد یا طواف کعبہ کے چکر کی تعداد ہے کہ اس کے لیے صراحۃً ثبوت ضروری ہے، بلکہ وہ ایسی ہے جیسے حکیم نسخہ میں لکھتے ہیں کہ عناب ۵ دانہ، بادام سات دانہ کہ یہ تجربات سے ثابت ہیں، اس کے لیے قرآن وحدیث سے ثبوت طلب کرنا بے اصل ہے اور جب اس ختم کی شان معالجہ کی ہے تو بدعت کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے، تعداد کا تجربہ متعین کر دینا خلافِ شرع نہیں ہے، علاج کے لیے سات کنوئیں

کا پانی سات مشکوں میں منگانا تو خود حدیث شریف سے ثابت ہے (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۲، ۱۲۳)

مصائب کے وقت سورۂ یٰسین کا ختم کرنا

سوال:۔ دفع مصائب و بلیات اور حصول برکات کے لیے یٰسین شریف کا ختم بزرگوں کا مجرب عمل ہے: لہٰذا جب تک مصائب ہوں، بطور عمل اور بطور علاج اس کا ختم کیا جا سکتا ہے، اسے مسنون طریقہ اور شرعی حکم نہ سمجھا جائے اور جو لوگ ختم میں شریک نہ ہوں ان پر کسی طرح کا طعن نہ کیا جائے اور نہ ان کی طرف سے بدگمانی کی جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۷۰)

مسئلہ:۔ ختم خواجگان حصول برکت کے لیے پڑھا جاتا ہے، مشائخ کا مجرب عمل ہے، اس کی برکت سے دعا قبول ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۷، ص ۴۷۶)

دریا میں صدقہ کی نیت سے پیسے ڈالنا

سوال:۔ دریا کے پلوں سے گزرتے ہوئے مسافر پانی میں روپے پیسے بہا دیتے ہیں، کیا یہ عمل صدقہ کی طرح دافع بلا ہے؟

جواب:۔ یہ صدقہ نہیں، بلکہ مال کو ضائع کرنا ہے، اسلئے یہ ثواب کا کام نہیں ہے، بلکہ موجب وبال ہے۔ (آپ کے مسائل، ج ۸، ص ۱۲۹)

مکان کی بنیاد میں خون ڈالنا

مسئلہ:۔ نیا مکان بناتے وقت بنیادوں میں بکرے کو کاٹ کر خون ڈالنا اور گوشت غریبوں میں تقسیم کرنا یا سونا و چاندی بنیادوں میں ڈالنا، ان سب کی کوئی شرعی اصل نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۱۲۸)

نئے مکان یا دکان کی خوشی کرنا

مسئلہ:۔ مٹھائی تقسیم کرنا، نئے مکان کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر شیرینی وغیرہ میں کچھ تفاخر و نمائش کا رنگ نہ آنے پائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۳۳۴)

مسئلہ:۔ شکرانہ میں فقراء کو صدقہ دینا اور احباب کو کھلانا سب کچھ درست اور باعث خیر وبرکت ہے، خواہ کھیت (وباغ وغیرہ) پر ہو، بکرا ذبح کرکے ہو یا گوشت خرید کر ہو۔

(فتاوی محمودیہ، ج ۱۷، ص ۴۰۲)

(بعض جگہ مشرکین فصل کی پیداوار کے وقت بکرا وغیرہ ذبح کرکے پوجا پاٹ کرتے ہیں، اگر یہ شکل ہو تو پھر کھیت وغیرہ کے بجائے گھر پر ہی یا گھر سے پکوا کر دعوت کی جائے، تاکہ غیر مسلم کے مشابہ نہ ہو)۔ (رفعت قاسمی)

چیچک میں تدابیر کرنا

سوال:۔ مرض چیچک میں مریض کے گلے میں چھاؤں کی وجہ سے سونا باندھنا اور گھر والوں کو اس زمانہ میں کپڑے نہ بدلنے دینا، یا کپڑے بدل کر مریض کے گھر نہ جانا، یا باہر سے آئے ہوئے کو فوراً مریض کے پاس نہ جانے دینا اور گوشت وغیرہ نہ پکانا وغیرہ یہ سب شرعاً کیسا ہے؟

جواب:۔ اگر تجربہ کار حکیم بتلائے کہ ایسے مریض کو گوشت کی بو یا دھلے ہوئے کپڑے کی بو مضر ہے، تو اس سے پرہیز کی بناء پر علاجاً احتیاط کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن غیر مسلموں کے اس عقیدہ کے ماتحت ان چیزوں سے بچنا کہ ماتا جی ہے، اور وہ ان (مذکورہ) چیزوں سے ناراض ہوتی ہے۔ (یعنی چیچک) جیسا کہ اسی عقیدہ سے ہندو اس کی بہت خاطر مدارات کرتے ہیں اور پوجتے ہیں، یہ ناجائز اور منع ہے۔ یہ اہل اسلام کا عقیدہ نہیں، خلافِ شرع امور سے بچنا لازم ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ج ۶ ص ۷۷)

پوجا کے لیے چندہ دینا

سوال:۔ میرے دفتر میں ہر جمعرات کو غیر مسلم حضرات پوجا کے لیے چندہ جمع کرتے ہیں، اگر نہ دیں تو دشمن بن جائیں گے، نیز پوجا کی مٹھائی کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر پیسے دیئے بغیر چھٹکارہ نہیں تو جو لوگ مانگتے ہیں ان کو مالک بنانے کی نیت سے دیدیں، پھر وہ اپنی طرف سے جہاں چاہے خرچ کریں، اور مٹھائی وغیرہ بھی اگر لینا

ضروری ہوتو اس کو لے لیں پھر کسی جانور وغیرہ کو کھلا دیں، پوجا اور چڑھاوے کی مٹھائی وغیرہ نہ کھائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۴۸۲)

ملاحظہ:۔ اگر کسی مجبوری سے چندہ دینا پڑ جائے تو اس کو چاہئے کہ جو شخص چندہ لینے کے لیے آئے اس کو دینے کی نیت سے چندہ دیدے، وہ جہاں چاہے خرچ کرے، براہِ راست پوجا وغیرہ کے لیے نہ دے، یعنی لینے والے کو رقم کا مالک بنا دے۔ (رفعت قاسمی)

غیر مسلم کے تہواروں کی مبارک بادی دینا

مسئلہ:۔ غیر مسلموں کے تہوار کے دن ان کو مبارک باد دینے یا خط وغیرہ کے ذریعہ سے بھیجنے میں، اگر کوئی جملہ شرکیہ وکفریہ کا نہیں کرتا تو گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ (نظام الفتاویٰ، ج ۱، ص ۴۸)

غیر مسلم کے تہوار ہولی میں شرکت کرنا

مسئلہ:۔ جب قبر پرستی اور تعزیہ داری میں شریک ہونا اور حصہ لینا جائز نہیں تو ہولی میں شریک ہونا اور عملاً حصہ لینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ (یعنی جائز نہیں ہے) اور ہولی کے (لکڑیوں کے چٹے جلانے کے) اِرد گرد چکر لگانا، سجدہ کرنا، ناریل وغیرہ چڑھانا قطعاً حرام اور مشرکانہ فعل ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج ۱، ص ۱۵، وفتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷، ص ۲۶۹)

مسئلہ:۔ قرآن کریم میں ((انا للہ وانا الیہ راجعون)) کا پڑھنا، مصیبت کے وقت بتایا گیا ہے، اگر کوئی شخص کسی غیر مسلم کے مرنے کو بھی اپنے حق میں مصیبت سمجھتا ہے تو واقعی اس دعا کو پڑھے، مگر حدیث شریف میں تو یہ آیا ہے کہ فاجر کے مرنے سے اللہ کی زمین اور اللہ کے بندے راحت پاتے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۸، ص ۳۰۵)

سورج گہن اور حاملہ عورت

سوال:۔ ہمارے یہاں یہ بات مشہور ہے کہ گہن کے وقت حاملہ عورت یا اس کا خاوند کوئی کام نہ کرے کاٹنے وغیرہ کا، ورنہ اولاد جب ہوگی تو کوئی نہ کوئی حصہ کٹا ہوا ہوگا۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب:۔ حدیث شریف میں اس موقع پر صدقہ وخیرات، توبہ واستغفار، نماز اور دعا

کا حکم ہے، دوسری باتوں کا ذکر نہیں، اس لیے ان کو شرعی چیز سمجھ کر نہ کیا جائے، یہ تو ہم پرستی ہے، جو غیر مسلم معاشرے سے ہمارے یہاں منتقل ہوئی ہے۔ ہاں! اگر حکیم وڈاکٹر وغیرہ تجربات کی روشنی میں کچھ بتائیں تو الگ بات ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۲۲۵)

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ چاند اور سورج کے گہن کے وقت کھانا پینا منع ہے، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ وہ وقت توجہ الی اللہ کا ہے، اس لیے کھانے پینے کا شغل ترک کر دینا اور بات ہے، رہا یہ کہ دنیا کے تمام کاروبار، بلکہ گناہ تک (کے افعال) تو کرتا رہے اور صرف کھانا پینا چھوڑ دے، یہ شریعت کو بدل ڈالنا اور بدعت ہے۔ (اغلاط العوام، ص۱۸۹)

بسم اللہ کے بجائے ۷۸۶ تحریر کرنا

مسئلہ:۔ ۷۸۶، بسم اللہ شریف کے عدد ہیں، بزرگوں سے اس کے لکھنے کا معمول چلا آتا ہے، غالباً اس کو رواج اس لیے ہوا کہ خطوط عام طور پر پھاڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں، جس سے بسم اللہ کی بے ادبی ہوتی ہے، اس بے ادبی سے بچانے کے لیے غالباً بزرگوں نے بسم اللہ شریف کے اعداد لکھنے شروع کیے، البتہ اگر بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو تو بسم اللہ شریف ہی لکھنی چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۳۴۸)

مسئلہ:۔ بسم اللہ کے بدلے ۷۸۶ لکھنے پر بسم اللہ کا ثواب نہیں ملے گا، یہ تو بسم اللہ کا عدد ہے جن سے اشارہ ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۸، ص۳۵)

مسئلہ:۔ بعض لوگ ''السلام علیکم'' کے بجائے خط میں سلام مسنون لکھ دیتے ہیں، اگر خط میں کوئی یہ لکھے کہ ''بعد سلام مسنون عرض ہے'' تو چونکہ شریعت میں یہ صیغہ سلام کا نہیں ہے، بلکہ ''السلام علیکم'' ہے، اس لیے اس صیغہ یعنی ''سلام مسنون'' کا جواب دینا واجب نہ ہوگا، اگرچہ سلام مسنون لکھنا جائز ہے۔

فائدہ:۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض اکابر نے خطوط میں جو بطور سلام، سلام مسنون لکھا ہے، وہ اس لیے ہے کہ انہوں نے مخاطب پر جواب واجب کرنے سے احتیاط فرمائی، جیسے چھینکنے پر الحمد للہ آہستہ کہنے، یا آیت سجدہ کو کھلی آواز سے نہ پڑھنے کی تعلیم فرمائی، تاکہ دوسروں پر واجب نہ ہو۔ (اغلاط العوام: ص۱۳۱)

غمی کی تقریبات اور ضیافتیں

مسئلہ:۔ موت جو غم کا موقع ہوتا ہے اس موقع پر تیجہ، دہم، چہلم، ششماہی برسی وغیرہ کیا جاتا ہے، اور بڑے اہتمام سے اسے ادا کیا جاتا ہے، دعوتیں دی جاتی ہیں، اگر اپنی گنجائش نہ ہو تو قرض لے کر بھی ان رسوم کو ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اس میں شرکت کرنے والے اس طرح شرکت کرتے ہیں، جیسے شادی کی تقریب ہو، خاص کر عورتیں زرق برق لباس کا اہتمام کرتی ہیں، یہ سب چیزیں بدعت اور ناجائز ہیں۔

مسئلہ:۔ کچھ پڑھ کر، یا غرباء کو کھانا کھلا کر، یا کچھ دے کر ایصال ثواب اور میت کے لیے دعائے مغفرت یقیناً ثابت ہے، اور میت کے لیے ایصال ثواب بلاشک وشبہ جائز، مگر اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ میسر ہو صدقہ کرے یا کوئی بدنی عبادت، نوافل، روزہ، قرآن مجید کی تلاوت، درود شریف وغیرہ پڑھ کر جس کو چاہے بخش دے یا اہل میت اپنے خاص اعزہ واقرباء، دوست احباب کو خبر دے کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست کریں اور وہ لوگ کچھ پڑھ کر یا خیرات کر کے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کریں۔

فقیہ حافظ الدین ابن شہاب کردری (المتوفی ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں: ((ویکرہ اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبة لانها ایام غم، فلا یلیق فیها ما یختص باظهار السرور ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا))۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ، ج ۶، ص ۳۷۹، کتاب الکراہیۃ فصل ۹)

ترجمہ:۔ ”ایام مصیبت میں دعوت کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ غم کے دن ہیں، جو کام اظہار خوشی کے لیے مخصوص ہوں وہ ان ایام کے لائق نہیں، اور اگر غرباء کے لیے کھانا تیار کرے تو بہتر ہے۔“

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

جواب:۔ اموات کو ثواب پہنچانا مستحسن ہے، عباداتِ مالیہ وعباداتِ بدنیہ دونوں کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن ایصالِ ثواب کے لیے شریعت مقدسہ نے جو صورتیں مقرر نہیں کیں، ان کو مقرر کرنا اور ایصال ثواب کو شرط سمجھنا یا مفید جاننا بدعت ہے، شرعی صورت اس قدر رہے کہ

اگر کسی میت کو ثواب پہنچانا ہے تو کوئی بدنی عبادت کرو، مثلاً نماز پڑھو، روزہ رکھو، قرآن مجید کی تلاوت کرو، درود شریف پڑھو وغیرہ، اور اس عبادت کا ثواب جس کو پہنچانا ہو اس کو اس طرح پہنچاؤ کہ ''یا اللہ! میں نے جو نماز پڑھی ہے یا روزہ رکھا ہے یا تلاوت کی ہے یا درود شریف پڑھا ہے اس کا ثواب اپنے فضل و رحمت سے فلاں میت کو پہنچا دے''۔ اسی طرح اگر عبادتِ مالیہ کا ثواب پہنچانا ہے تو جو میسر ہو اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرو، یا مسجد بنواؤ، کنواں بنواؤ، سرائے، مسافر خانہ تعمیر کرو، دینی مدرسہ قائم کرو وغیرہ، اور مذکورہ بالا طریقے پر خدا تعالیٰ سے دعاء کرو کہ وہ ان چیزوں کا ثواب اس میت کو پہنچا دے جسے تم پہنچانا چاہتے ہو، یہ تو ایصالِ ثواب کا شرعی طریقہ ہے، اب اس کے لیے کوئی خاص تاریخ یا دن معین کرنا اور اس تعین کو وصول ثواب کی شرط یا زیادت ثواب کے لیے بغیر شرعی دلیل کے مفید سمجھنا یا خاص چیزیں مقرر کرنا یا خاص مقام مثلاً خاص قبر پر صدقہ کرنے کی تعیین یا مردے کے جنازے کے ساتھ لے جانے کو ضروری یا مفید سمجھنا اور بھی اکثر امور جو رسم و رواج کے طور پر قائم ہو گئے ہیں، یہ سب خلافِ شریعت اور بدعت ہیں۔

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی بے اصل ہے، اگر کھانے کا صدقہ کرنا مقصود ہے تو صدقہ کردو، کسی مستحق کو دیدو، اگر تلاوت قرآن مجید یا درود کا ثواب پہنچانا ہے تو وہ بھی کرو، مگر دونوں کا ثواب پہنچنے کی یہ شرط نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ہی پڑھا جائے، یہ اشتراط نہ شریعت سے ثابت ہے اور نہ معقول، کیونکہ کھانے پر فاتحہ دینے والے بھی کپڑے یا پیسے کا ثواب پہنچانا چاہتے ہیں تو اس پر وہ بھی فاتحہ نہیں پڑھے، الغرض ایصالِ ثواب فی حد ذاتہ جائز اور مستحسن ہے، لیکن اس کی اکثر مروج صورتیں ناجائز اور بدعت ہیں۔

(کفایت المفتی: ۱۱۳، ۱۱۲، ج ۴، کتاب الجنائز)

آپ کا دوسرا فتویٰ: ''ایصالِ ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے، مگر اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ میسر ہو صدقہ کردے یا کوئی بدنی عبادت مثلاً نماز نفل، نفل روزہ، تلاوت قرآن مجید کرے اور اس کا ثواب جس کو بخشنا چاہے بخش دے، اس میں کسی دن اور تاریخ یا کسی معین چیز کی تخصیص اور تعین نہ کرے، نہ اس کو لازم اور ضروری قرار دے، تیجہ

اور دسواں اور چہلم ان تخصیصات کی وجہ سے اور ان کو مستقل رسم قرار دے لینے کی وجہ سے بدعت ہیں۔ان کی بطور رسم ادائیگی موجب ثواب ہی نہیں پھر ایصالِ ثواب کہاں؟
(کفایت المفتی، ج۴، ص۱۲۲، کتاب الجنائز)

الغرض تیجہ، دسواں، بارھواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی، یہ اسلامی تقریبات نہیں ہیں، غیر اقوام کی ہمسائیگی اور تقلید کا نتیجہ ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ، ج۱۰، ص۳۹۴ تا ص۳۹۷)

مزارات پر عرس اور قوالی

مسئلہ:۔زیارت قبور یقیناً مسنون ہے، مزارات سے عبرت حاصل کرنا، دعا مغفرت اور فاتحہ خوانی کے لیے جانا اور بخشنا یہ سب جائز ہے، منع نہیں ہے، لیکن رسمی عرس سے جسے شرعی حکم اور ضروری سمجھ کر ہر سال وفات کے دن اجتماعی صورت میں کیا جاتا ہے، یہ ناجائز اور بدعت ہے، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے مبارک دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ اہل کتاب کا (یعنی غیروں کا) رواج ہے، اگر اسلامی حکم اور دینی امر ہوتا تو صحابہؓ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا عرس کرتے، خلفاء راشدینؓ کا عرس کیا جاتا، حالانکہ حدیث سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، ((**لاتجعلوا قبری عیداً**)) کہ میری قبر کو عید (تہوار) مت بناؤ، (مشکوٰۃ شریف، ص۸۶) یعنی جس طرح تہوار میں لوگ ایک ہی تاریخ میں جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر جمع نہ ہونا۔

عید (تہوار) میں یہ تین چیزیں خاص طور پر ہوتی ہے۔(۱) تاریخ متعین کرنا۔ (۲) اجتماع۔(۳) خوشی منانا، لہٰذا اس حدیث سے مزاروں پر ایک متعین تاریخ پر جمع ہونے اور خوشی منانے کی ممانعت ثابت ہوئی، چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ((**لاتجعلوا الزیارته اجتماعکم للعید، فانه یوم لهو وسرور، وحال الزیارة بخلافه، وکان داب اهل الکتاب فاورثهم القسوه**))

یعنی: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے لیے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہئے، کیونکہ عید کا دن تو کھیل اور خوشی (اور کھانے پینے) کا دن ہے، اور زیارتِ قبر کی شان

تو اس سے علیحدہ ہے (زیارت کا مقصد عبرت حاصل کرنا ہے، موت اور آخرت کو اور اپنے انجام کو یاد کرنا ہے) قبر پر عرس منانے کا رواج اہل کتاب کی ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب بھی سخت ہو گئے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا دن یا تاریخ متعین نہیں ہے، سال کے درمیان کتنے ہی عشاق آتے رہتے ہیں اور زیارت کر کے اجر و ثواب سے مالا مال ہوتے ہیں، جب حضور اقدس ﷺ کے روضۂ پر عرس اور اجتماع نہیں، تو دیگر بزرگانِ دین کے مزاروں پر کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اسی لیے بزرگانِ دین، محدثین اور فقہاء کرام نے صریح الفاظ میں رواجی عرس کو ناجائز تحریر فرمایا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۰۹)

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی اپنی کتاب تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ "جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اور اس کا طواف کرنا، اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں پر جمع ہونا جس کو "عرس" کا نام دیتے ہیں، یہ سب امور ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج ۲، ص ۳۱۹)

مسئلہ:۔ عورتوں کو مزار پر جانے کی ممانعت اور مردوں کو خاص عرس کے موقع پر نہ جانے کی ہدایت کی وجہ، اعتقادی اور علمی خرابی ہے۔ (مردوں کو) عرس کے بعد جانا چاہئے، کیونکہ میلوں میں بدعاتِ امور نامشروعہ اکثر ہوتے ہیں اور عام لوگ اپنے نفس پر ان سے بچنے پر قابو نہیں رکھتے اور اولیاء اللہ کے دربار (مزار) میں گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سخت ہے۔

(خلاصۂ فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۰۹، وفتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۵۵)

مسئلہ:۔ بزرگوں کے مزار پر عرس کرنا، چادریں چڑھانا اور ان سے منتیں مانگنا بالکل ناجائز اور حرام ہے، بزرگوں کے عرس کے رواج کی بنیاد غالباً یہ رہی ہوگی کہ کسی شیخ کی وفات کے بعد ان کے مریدین ایک جگہ جمع ہو جایا کریں اور کچھ وعظ و نصیحت ہو جایا کرے، لیکن رفتہ رفتہ یہ مقصد تو غائب ہو گیا اور بزرگوں کے جانشیں باقاعدہ استخوان فروشی کا کاروبار کرنے لگے اور "عرس شریف" کے نام سے بزرگوں کی قبروں پر سینکڑوں بدعات و محرمات اور خرافات کا ایک سیلاب امڈ آیا اور جب قبر فروشی کا کاروبار چمکتا دیکھا، تو لوگوں نے (بعض جگہ) جعلی

قبریں بنانا (بھی) شروع کردیں، ((انا للہ وانا الیہ راجعون))۔

(آپ کے مسائل، ج۱، ص۳۱۶)

مسئلہ:۔ چہلم وبرسی وغیرہ کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ اور دوسرے حضراتِ سلف اس کو نہ چھوڑتے، کیونکہ وہ تو ہر نیک کام کے عاشق تھے، مگر کسی ایک ضعیف روایت میں بھی اس کا ثبوت ان حضرات سے نہیں ہوتا، بلکہ حضرات علماء نے ان کے بدعت وناجائز ہونے کی تصریحات کی ہیں، البتہ اہل میت کی تعزیت وتسلی کے لیے ان کے پاس جانا، قرآن شریف پڑھ کر یا کچھ کھانا وغیرہ کھلا کر میت کو ثواب بخشنا ثواب ہے۔ بشرطیکہ معین تاریخوں میں نہ ہو اور نام ونمود کے لیے نہ ہو۔

(امداد المفتین، ج۱، ص۱۱)

مسئلہ:۔ بعض لوگ قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، چونکہ اس سے مقصود اولیاء اللہ کا تقریب اور ان کی رضامندی ہوتی ہے، اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں، (اس لیے) یہ اعتقاد شرک ہے اور چڑھاوا کھانا بھی جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ((اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ))

مسئلہ:۔ بعض لوگ تاویل کرتے ہیں، کہ ہمارا مقصود اصلی مساکین کو دینا ہے، چونکہ لوگ (غرباء قبر پر) جمع ہوتے ہیں، اس لیے وہاں پر لے جاتے ہیں، مگر یہ محض حیلہ ہے، کیونکہ اگر وہی مساکین اس شخص کو راستہ میں مل جائیں اور سوال کریں، تو ہرگز ان کے اس چڑھاوے میں سے ایک ذرّہ بھی نہ دے، اور یہی جواب ملے کہ جہاں کے لیے لائے ہیں، وہاں تو ابھی پہنچا نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قبر مقصود ہے، مساکین مقصود نہیں، پھر وہاں پر پہنچ کر دیسے بھی تو مساکین کو تقسیم کرسکتے ہیں۔ (سامان، مٹھائی، کھانا وغیرہ کو) تو پھر قبر پر رکھنے کی کیا وجہ ہے؟۔ (اصلاح الرسوم، ص۱۲۵)

مسئلہ:۔ نفس ایصالِ ثواب بلا کسی غیر ثابت شدہ پابندی کے مفید اور نافع ہے اور کتب حدیث وفقہ سے ثابت ہے، کسی دن کی پابندی مثلاً جمعرات کی پابندی ثابت نہیں، بلکہ بدعت ہے، اسی طرح کسی تاریخ کی پابندی، مثلاً ۱۱/ ربیع الاول، ۱۵/ شعبان، ۱۰/ محرم وغیرہ کی پابندی

ثابت نہیں، یہ بدعت ہے، اور نیز اسی طرح کسی چیز کی پابندی مثلاً حلوہ، کھچڑا، شربت، پیڑے وغیرہ بھی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے، اسی طرح کسی جگہ کی ہیئت وغیرہ کی پابندی بھی بدعت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۲۲۰ وامداد الاحکام، ج۱، ۲۰۶)

قبروں پر سجدہ کرنا

مسئلہ:۔ اسی طرح قبر پر سجدہ کرنا حرام ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے آخری ایام میں فرماتے تھے۔ ((**لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياء هم مساجد**))

یعنی: اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (بخاری شریف، ج۱، ۱۷۷، کتاب الجنائز، باب یکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور، ومشکوٰۃ شریف ص۶۹، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

نیز حدیث میں ہے: ((**عن جندبؓ قال سمعت النبی ﷺ يقول: الاوان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيانهم وصالحيهم مساجد، انى انها كم عن ذلك**))۔ (رواہ مسلم) حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے، سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، میں تم کو اس سے روکتا ہوں (کہ تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا)۔

(مشکوٰۃ شریف ص۶۹)

ایک اور حدیث میں ہے: ((**عن عطاء بن يسارؓ قال: قال رسول الله ﷺ لاتجعل قبرى وثنايعبد، اشتدغضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد**))

یعنی: حضرت عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کو پوجا جائے (جس کی عبادت کی جائے یعنی سجدہ کیا جائے) اللہ کا غضب بھڑکتا ہے اس قوم پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔“ (مشکوٰۃ شریف، ص۷۲، باب المساجد)

ایک اور حدیث میں ہے: ((**عن قيس بن سعد**)) الخ۔ حضرت قیس بن سعدؓ

فرماتے ہیں کہ میں حیران رہ گیا، وہاں میں نے لوگوں کودیکھا کہ اپنے سردار کوسجدہ کرتے ہیں، میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کوسجدہ کیا جائے۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جودیکھا تھا وہ بیان کر کے اپنا خیال ظاہر کیا کہ آپ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کوسجدہ کیا جائے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد له؟ فقلت: لافقال: لاتفعلوا، لو کنت آمرا احداً ا ن یسجد لاحد، لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن لماجعل الله لهم علیهن من حق))۔ (رواہ ابوداؤد)

یعنی: دیکھو! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرتے تو کیا تم اس کوسجدہ کرتے؟ میں نے عرض کیا: ہرگز نہیں، تو فرمایا: پھر (زندگی میں بھی سجدہ) نہ کرو، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کوسجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کوسجدہ کریں اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے مردوں کا ان پر رکھا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: ص ۲۸۲، باب عشرۃ النساء)

نیز ایک حدیث میں ہے، ایک موقع پر ایک اونٹ نے آکر آنخضرت ﷺ کوسجدہ کیا، تو صحابہؓ نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کو حیوانات اور درخت سجدہ کرتے ہیں تو ہم زیادہ حقدار ہیں کہ آپ ﷺ کوسجدہ کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اُعبدُوا ربّکم واَکرِمُوا اَخاکُم)) تم اپنے رب کی عبادت کرو، (یعنی سجدہ عبادت ہے اور عبادت کے لائق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے) ہاں! تم اپنے بھائی کا اکرام کرو۔ ((عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ کان فی نفر من المهاجرین والانصار، فجاء بعیر فسجد له، فقال اصحابه: یارسول الله! تسجد لک البهائم والشجر، فنحن احق ان تسجد لک، فقال: "اعبدو ربکم واکرموا اخاکم" ولو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المراة ان تسجد لزوجها)) الخ۔ (مشکوٰۃ شریف: ص ۲۸۳، باب عشرۃ النساء)

ان احادیث مبارکہ میں غور فرمایئے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی امت کے متعلق قبر پرستی کا خطرہ کتنی شدت سے تھا اور کس قدر سختی سے اس کی ممانعت فرمائی؟ جس قبر کوسجدہ کیا جائے اسے بت قرار دے کر سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی اور اسے غضب الٰہی کے

بھڑکنے کا سبب فرمایا۔

قبر پر سجدہ کے متعلق بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ''مالابد منہ'' میں فرماتے ہیں:

''انبیاء اور اولیاء کی قبروں پر سجدہ کرنا اور قبروں پر طواف کرنا اور ان سے دعا مانگنا اور ان کے نام کی نذر ماننا حرام ہے، بلکہ ان میں سے بعض چیزیں کفر تک پہنچادیتی ہیں، پیغمبر ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنالینا'' (یعنی جس طرح کفار بتوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اس طرح میری قبر کے ساتھ معاملہ نہ کرنا)۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۱۴ تا ۴۱۶)

قبروں کا طواف کرنا

مسئلہ:۔ مزارات پر حاضر ہو کر قبروں کا طواف اور سجدے کیے جاتے ہیں، آستانے چومے جاتے ہیں، یہ افعال بھی شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ شرح مناسک کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

سوال:۔ قبر کے گرد اگر تین مرتبہ پھرنے سے، طواف کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یا مشرک یا فاسق ہوتا ہے؟

جواب:۔ قبر کے اردگرد تین مرتبہ پھرے یا تین سے کم یا زائد شرعاً ناجائز اور حرام ہے اور ایسا مرتکب جو حرام پر مصر ہو فاسق ہو جاتا ہے، اور اگر جائز و مستحب سمجھ کر کسی نے طواف کیا ہو، تو یہ موجب کفر ہے۔ ملا علی قاریؒ کی شرح مناسک میں ہے: ولا یطوف، الخ۔ نہ طواف کرے یعنی حضور ﷺ کے مزار مطہرہ کے اردگرد نہ پھرے، اس لیے کہ طواف کعبہ مقدسہ کے لیے مخصوص ہے، پس انبیاء اولیاء کی قبروں کے گرد اگر طواف کرنا حرام ہے۔ الخ (امداد المسائل ترجمہ مائۃ مسائل، ص۷۵، ص۷۶ وفتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۱۳)

قبروں پر چراغ جلانا

مسئلہ:۔ قبروں پر چراغ جلانے سے حضور ﷺ نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے، بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے: لہٰذا یہ حرام ہے، حدیث میں ہے:

((عن ابن عباسؓ قال:"لعن رسول اللهﷺ زائرات القبور المتخذين عليها المساجد والسرج".

(رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی، مشکوٰۃ شریف: ج۱/۷، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، آپؓ فرماتے ہیں کہ:

آنحضرتﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں، اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

ملاعلی قاریؒ حنفی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس لیے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، کیونکہ اس کا کسی کو نفع نہیں اور یا اس لیے کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے۔ (اس کو قبر سے دور رکھنا چاہئے) یا یہ ممانعت قبروں کی (غیر شرعی) تعظیم سے بچانے کے لیے ہے، جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی بناء پر ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۱۳)

قبروں پر پھول چڑھانا

حدیث میں اتنا تو ثابت ہے کہ ایک موقع پر حضور اقدسﷺ کا گذر دو قبروں پر ہوا تو آپﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور آپﷺ نے کھجور کی ایک تازہ ٹہنی لے کر درمیان سے اس کو چیرا اور ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا: امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔

(بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، ص۴۲، باب آداب الخلاء)

اگر حقیقت میں حدیث پر عمل ہی کرنا ہے تو کوئی سبز ٹہنی قبر پر گاڑنا چاہئے جیسا کہ دفناتے وقت تازہ شاخ گاڑی جاتی ہے، اس کو پھولوں کے ساتھ ہی کیوں خاص کر دیا گیا؟ ٹہنی بآسانی اور مفت میسر ہو سکتی ہے، پھولوں کو تو خریدنا پڑے گا، اگر یہی پیسے ایصالِ ثواب کی نیت سے غریب کو دیدیئے جائیں تو مردہ کو زیادہ فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

معلوم ہوتا ہے پھول یا تو تقریب میت کی نیت سے چڑھائے جاتے ہیں جس کا

ناجائز اور حرام ہونا ظاہر ہے، یا صرف رسماً جس میں اضاعت مال اور تشبہ بالہنود ہے۔

"مسلم را تشبہ بالکفار وفساق حرام است"

مسلمان کو کفارہ اور فساق کی تشبہ اختیار کرنا حرام ہے۔ (مالا بدمنہ: ص ۱۳۱)

مسئلہ:۔ مردہ کے ایصالِ ثواب کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر یا صدقہ وخیرات کر کے ایصالِ ثواب اور دعا مغفرت کی جائے، یہ چیز مردوں کے لیے بہت نافع ہے، اس سے ان کی روح بہت ہی خوش ہوگی۔ اور یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بدعتیوں کا حدیث مذکورہ سے استدلال سراسر باطل ہے: کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑے تھے، پھول نہیں ڈالے تھے، پس اگر ان لوگوں کا مقصود اتباع ہوتا تو ان کو چاہئے تھا کہ یہ بھی کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑتے نہ کہ پھول چڑھاتے، تو ثابت ہوا کہ ان کا مقصود ابتداع ہے نہ کہ اتباع۔

دوسرے جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ عمل گنہگاروں کی قبروں پر کیا تھا نہ کہ صلحاء کی قبروں پر، اب اگر ان کا مقصود اتباع ہوتا تو چاہئے تھا کہ وہ فساق وفجار کی قبروں پر پھول وغیرہ چڑھاتے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتے، بلکہ وہ ایسے لوگوں کی قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں جن کے متعلق ان کو عذاب کا احتمال تو کیا امکان بھی نہیں ہوتا، پس ثابت ہوا کہ آپ کو اتباع مقصود نہیں، بلکہ ابتداع مقصود ہے، اور ان کا یہ استدلال از قبیل استنباط احکام نہیں، بلکہ از قبیل تحریف حکم ہے، اعاذنا اللہ من ذالک۔ (امداد المسائل ترجمہ مأۃ مسائل: ص ۸۴، فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۱۵)

مسئلہ:۔ نیز رہی قبروں پر چراغ جلانے کی ممانعت، حضور اقدس ﷺ نے نہ صرف ممانعت فرمائی: بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۲۱، بحوالہ مشکوٰۃ شریف: ج ۱، ص ۷۱)

مسئلہ:۔ قبر کا طواف کرنا یا بوسہ لینا (چومنا) حرام ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۴۴، واحسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۳۷۴، واصلاح الرسوم: ص ۱۲۲)

مسئلہ:۔ دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑک دینا جائز ہے، پھول ڈالنا خلافِ سنت ہے، اور قبر پر آٹا ڈالنا مہمل بات ہے اور اگر بتی جلانا مکروہ وممنوع ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۳۱۶)

☆☆

قبروں پر چادر چڑھانا

سوال:۔ایک شخص کہتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے تو قبروں پر چادر چڑھانے میں کیا حرج ہے؟

جواب:۔حدیث شریف میں دیوار پر چادر چڑھانے کی ممانعت آئی ہے باوجودیکہ اس میں بظاہر کوئی قباحت اور ایہام شرک وغیرہ نہیں، لہٰذا قبروں پر چادر چڑھانا ایہام شرک وتعظیم غیر اللہ کی وجہ سے بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔ (ردالمختار، ج۱،ص ۸۲۹، وامداد: ص ۲۰۱)

بخلاف غلاف کعبہ کے، کہ خود حضور ﷺ نے خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا ہے، کیونکہ اس کی تعظیم مفضی الی الشرک نہیں، اسی لیے اس کی طرف نمازوں میں استقبال ضروری ہے۔ اور قبور کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(احسن الفتاویٰ، ج۱،ص ۳۷۶، وامدادالاحکام: ج۱،ص ۱۸۴)

مسئلہ:۔جنازہ پر پھول کی چادر ڈالنا بدعت ہے، لہٰذا ایسی میت کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کرنا درست ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص ۳۷۸)

مسئلہ:۔میت کو دفن کرتے وقت قبر کے اندر کیوڑہ وغیرہ چھڑکنا ناجائز اور بدعت ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص ۳۷۱)

قبر پر اذان بدعت ہے

سوال:۔تدفین کے بعد قبر پر اذان دیتے ہیں کہ اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے اور مردہ اس کی شرارت سے محفوظ رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔قبر پر اذان دینا بے اصل ہے، اور سنت طریقہ کے موافق نہیں ہے، یہ گھڑی ہوئی بدعت ہے، واجب الترک یعنی اس کو چھوڑنا واجب ہے۔

مسئلہ:۔آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں ہزاروں کی تعداد میں اموات ہوئیں، اور وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے مردوں کو دفناتے تھے، عذابِ قبر اور شیطانی شرارتوں سے واقف تھے، مگر کسی قبر پر اذان دی گئی ہو اس کا ثبوت نہیں، کیا وہ حضرات اپنے مردوں کے خیر خواہ نہیں

تھے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے قبر پر اذان نہیں دی تو کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قبر پر اذان دے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: قبر پر اذان بدعت ہے اور جو شخص نومولود بچے کے کان میں اذان دینے کے مندوب ہونے پر قیاس کرتے ہوئے اذان علی القبر کو سنت کہے تو اس نے غلطی کی اور یہ قیاس صحیح نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۶، ص ۲۰۶، بحوالہ شامی، ج ۱، ص ۸۳۷، وفتاویٰ دار العلوم: ج ۵، ص ۳۸۲)

مسئلہ:۔ تدفین کے بعد انفرادی واجتماعی طور پر میت کے لیے دعا مغفرت کرنے اور منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ثابت قدمی کے لیے دعا کرنے کی ترغیب ابوداؤد شریف ج ۲، ص ۲۰۳ میں آئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۹۶، فتاویٰ رحیمیہ: ج ۶، ص ۲۰۱، وعالمگیری: ج ۱، ص ۱۶۶، وفتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۴۵)

مزار پر پیسے دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ میں جس روٹ پر گاڑی چلاتا ہوں راستہ میں ایک مزار آتا ہے، لوگ مجھ کو پیسے دیتے ہیں کہ مزار پر دیدینا، مزار پر پیسے دینا کیسا ہے؟

جواب:۔ مزار پر پیسے دیئے جاتے ہیں اگر مقصود اس سے وہاں کے فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا ہو تو جائز ہے اور اگر مزار کا نذرانہ مقصود ہوتا ہے تو یہ ناجائز اور حرام ہے، یہ تو میں نے اصول اور ضابطہ کی بات لکھی ہے، لیکن آج کل لوگوں کے حالات کا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ عوام کا مقصد دوسرا ہے، اس لیے اس کو ممنوع کہا جائے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۱، ص ۲۱۵)

میت کو پکارنا

مسئلہ:۔ کسی کے مزار پر جاکے خواہ مزار عالم ہو یا کسی ولی کا ہو، یہ کہنا، اے فلاں شخص! ہمارے واسطے یہ دعا کر کہ اس کام میں کامیاب ہو جائیں، یا یہ کہنا کہ قبر میں سے نکل اسلام کی مدد کر، یا اور اس ہی قسم کے الفاظ استعمال کرنا، پکارنا مکروہ ہے، اور اگر عقیدہ بھی خراب ہو کہ میت (صاحب مزار) کو کارخانۂ خداوندی میں دخیل سمجھتا ہو تو حرام ہے۔

(امداد الاحکام: ج ۱، ص ۲۲۳، وعین الہدایہ: ج ۱، ص ۷۲۲)

روح کا بھٹکنا

مسئلہ :۔ بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی خودکشی کر کے مرجائے تو اس کی روح بھٹکتی پھرتی ہے، اصل روحوں میں جا کر نہیں ملتی، سو یہ بالکل غلط بے اصل بات ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ خودکشی کرنا بڑا گناہ ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۷)

مسئلہ :۔ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ جو حالت حیض میں، اور زچہ میں (پیدائش کے وقت عورت) مرجائے اس کو دوبار غسل دینا چاہئے، یہ بھی غلط ہے اور بے اصل ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۴۶)

مسئلہ :۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب غیر مسلم کے جنازہ پر نظر پڑے تو یہ پڑھنا چاہئے:
((فی نار جهنم خالدین فیها)) شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص ۲۱۸)

مسئلہ :۔ جنازہ کو قبرستان لے جاتے وقت اونچی اونچی نعت خوانی یا درود و کلمہ، جائز نہیں ہے، ہاں خاموشی سے دل میں کلمہ شریف پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔ (اغلاط العوام: ص ۲۱۸)

مسئلہ :۔ بعض عوام لوگ نماز جنازہ کی تکبیرات کہتے وقت آسمان کی طرف منہ اٹھایا کرتے ہیں یہ بھی غلط ہے، اور بے اصل ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۱۶)

مسئلہ :۔ جنازہ کے ساتھ جہراً (زور سے) کلمہ پڑھنا بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱، ص ۳۳۸)

مسئلہ :۔ دفن کے وقت میت کے، اذان کہنا بدعت ہے اور سلف سے منقول نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم قدیم: ج۱، ص ۱۹)

مسئلہ :۔ مشہور ہے کہ جو عورت حیض کی حالت میں مرجائے، ڈائن ہو جاتی ہے اور جو اس کو ملے کھا جاتی ہے، سو یہ شرک ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۱۶)

مسئلہ :۔ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد مزید ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعاء کرنا بدعت ہے اور یہ قابل ترک ہے۔ (امداد الاحکام: ج۱، ص ۱۹۵)

مسئلہ :۔ اگر کوئی (فعل) خلافِ شرع نہ کیا جائے تو بوڑھی عورتوں کو زیارتِ قبور جائز ہے، جوان عورتوں کو نہ جانا چاہئے، کیونکہ اس میں فتنہ ہے۔ (امداد الاحکام: ج۱، ص ۸۱۳)

مسئلہ :۔ مشہور ہے کہ میت گھر میں ہو یا محلّہ میں، اس کے لے جانے تک کھانا پینا گناہ سمجھتے

ہیں، یہ بات بالکل غلط ہے، بے اصل ہے (کھانے پینے کو دل ہی کہاں چاہتا ہے اور اگر طبیعت چاہے اور بھوک لگے تو کھا سکتے ہیں منع نہیں ہے)

مسئلہ :۔ بعض عوام اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ مردے کو گھر کے برتنوں سے غسل نہ دینا چاہئے، بلکہ نئے برتن منگا کر اس سے غسل دے اور پھر ان برتنوں کو مسجد میں بھیج دیں، یہ بھی غلط ہے، بے اصل ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۹۶)

مسئلہ :۔ بعض حضرات جہاں میت کو غسل دیتے ہیں، وہاں تین دن تک چراغ جلاتے ہیں، یہ بے اصل ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۱۶)

مسئلہ :۔ کفن میں یا قبر میں عہدنامہ یا کسی بزرگ کا شجرہ، یا قرآنی آیات یا کوئی دعا رکھنا درست نہیں ہے، نیز کفن یا سینہ پر کافور یا روشنائی وغیرہ سے کلمۂ طیبہ وغیرہ یا کوئی دعا لکھنا بھی درست نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۲۰۸)

ملاحظہ :۔ واضح رہے کہ میت کے گلنے، سڑنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے، اس لیے اس کو چھوڑنا چاہئے، البتہ جس چیز کا ادب شریعت میں اس درجہ کا نہ ہو، اس کا قبر میں رکھ دینا درست ہے، جیسے کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔ (رفعت قاسمی)

مسئلہ :۔ عورتوں میں جو رسم ہے کہ شوہر کے انتقال پر بیوہ کی چوڑیاں اتارنے کے بجائے توڑ ڈالتی ہیں، یہ غیر مسلموں کی رسم ہے اور مالی نقصان ہونے کی وجہ سے اسراف بھی ہے، اس لیے توڑی نہ جائیں، بلکہ اتار لی جائیں، تاکہ بیوی عدت کے بعد پہن سکے، البتہ اگر اتارنے میں کچھ تکلیف ودشواری ہو تو مجبوراً توڑ دی جائیں۔ (اغلاط العوام: ص ۲۱۴، بحوالہ امداد الفتاویٰ)

مسئلہ :۔ مُردوں کی روح کے دنیا میں آنے کا خیال غلط ہے، کیونکہ جو نیک ہیں وہ تو دنیا میں آنا نہیں چاہتے اور جو بد ہیں انہیں اجازت نہیں مل سکتی ہے۔

مسئلہ :۔ بعض جاہل سمجھتے ہیں کہ اگر عورت زچہ خانہ میں (پیدائش کے دوران) مرجائے تو وہ بھوت ہو جاتی ہے، یہ بالکل غلط عقیدہ ہے (یہ ہرگز صحیح نہیں ہے) بلکہ حدیث شریف میں آیا ہے: ایسی عورت شہید ہوتی ہے۔ (اغلاط العوام: ص ۱۹)

مسئلہ :۔ بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برأت وغیرہ میں مُردوں کی روحیں گھر میں آتی

ہیں اور دیکھتی ہیں کہ کسی نے ہمارے لیے کچھ پکایا ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ ایسا امر مخفی بجز دلیل نقلی اور کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا اور یہاں پر ندارد ہے، اس لیے یہ اعتقاد باطل ہے۔

مسئلہ:۔ بعض عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس رات میں مُردوں کو ثواب نہ بخشے تو روحیں کوستی ہوئی جاتی ہیں، یہ سب باتیں بے اصل ہیں یعنی شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص۱۹)

مسئلہ:۔ عوام کا عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو مردوں کی روحیں اپنے گھر میں آتی ہیں اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر دیکھتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے؟ اگر کچھ ثواب مل گیا تو خیر ورنہ مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہیں، یہ خیال غلط ہے اور بُرا عقیدہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (اغلاط العوام: ص۲۰)

قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا

مسئلہ:۔ عرس کرنا یا دن متعین کر کے لوگوں کو قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے مدعو کرنا، خیر القرون سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کو بدعت ممنوعہ فرمایا گیا ہے اور شدت سے منع فرمایا گیا ہے، زیارتِ قبر کی حدیث شریف میں ترغیب آئی ہے، یہ قید نہیں کہ اپنے شہر کی قبر کی ہی زیارت کی جائے، اس کے لیے سفر کرنے کی ممانعت بھی نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰنؓ کی قبر کی زیارت کی ہے، اور ان کی قبر مدینہ طیبہ سے فاصلہ پر ہے، حدیث شریف میں مساجد کی نیت سے سفر کرنے کو منع فرمایا گیا ہے، کہ ایک مسجد کو دوسری مسجد پر فضیلت دے کر سفر مت کرو، صرف تین مساجد۔ (۱) بیت المقدس۔ (۲) بیت اللہ شریف۔ (۳) مسجد نبوی علیہ السلام) ہیں جن کو دیگر مساجد پر فوقیت حاصل ہے، ان کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے سفر کی اجازت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۱۵۶)

اہل میت کی طرف سے دعوت کی رسم

سوال:۔ اس دعوت کے بارے میں کیا حکم ہے جو اہل میت تیار کر کے لوگوں کی دعوت کرتے ہیں، شادی کی طرح اس موقع پر بھی خویش و اقارب اور احباب کا اجتماع ہوتا ہے اور اس رسم کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔

جواب:۔ یہ دعوت مروجہ ناجائز اور بدعت ہے، چند وجوہ کی بناء پر:

۱۔ یہ حقیقت میں ہنود (غیر مسلموں) کی رسم ہے، پس اس میں تشبہ ہنود کے ساتھ ہے۔

۲۔ شریعت میں غمی کے موقع پر دعوت مشروع نہیں، فقہ کی کتابوں میں تصریح موجود ہے۔

۳۔ اس دعوت کو لازم سمجھنا التزام مالا یلزم ہے جو ناجائز ہے۔

۴۔ دعوت پر جو رقم خرچ ہوتی ہے اس میں نابالغ یتامیٰ کا حصہ بھی ہوتا ہے، نابالغ کا مال صدقہ وخیرات میں دینا کسی صورت میں بھی روانہیں ہے۔

۵۔ اس دعوت سے مقصود ایصال ثواب نہیں ہوتا، بلکہ ریاونمود مطلوب ہوتی ہے یا لوگوں کے طعن وتشنیع کے ڈر سے دعوت کی جاتی ہے جو کہ شرکِ اصغر ہے، اور ایصالِ ثواب مقصود نہ ہونے پر چند قرائن ہیں:

(الف) صدقہ میں اخفاء (پوشیدہ) افضل ہے، اس کے باوجود اگر اخفاء کی ترغیب ان لوگوں کو دی جائے تو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

(ب) صدقہ نقد کی صورت میں زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں اخفاء بھی سہل ہے اور فقراء کے لیے نافع بھی زیادہ ہے کہ جیسے ضرورت ہوگی اس نقد رقم سے پوری ہو سکے گی اور اگر کوئی فی الحال ضرورت نہیں تو نقد رقم ضرورت کے وقت کے لیے محفوظ رکھ سکتا ہے، یہ فوائد دعوت میں نہیں، بلکہ بعض دفعہ کھانا مضر بھی ہوتا ہے، حالانکہ نقد صدقہ سے ایصالِ پر کوئی راضی نہیں۔

دوسرے درجہ میں صدقہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ حاجت مند کی ضرورت کے پیش نظر اسے صدقہ دیا جائے۔ یعنی مریض کو دوا، مسافر کو ٹکٹ، کرایہ، راستہ کے لیے کھانا وغیرہ، بھوکے کو کھانا اور برہنہ (ننگے) کو لباس، جوتا، سردی کے موسم میں بے سروسامان کو کمبل لحاف وغیرہ، غرض کہ دفع ضرورت کا خیال رکھا جائے، مگر یہاں تو بہر کیف کھانا ہی کھلانا ہے، خواہ مریض بلا دوا کے کراہ رہا ہو، برہنہ جسم سردی سے ٹھٹھر رہا ہو، یا شدتِ گرمی سے جلا جا رہا ہو، مسافر منزل مقصود تک پہنچنے سے لاچار ومجبور ہونے کی وجہ سے پریشان ہو۔

اگر ان لوگوں کو دعوت کی بجائے صحیح طریق پر صدقہ کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے، جو فقراء کے لیے بھی نافع ہے اور میت کے لیے بھی اور خود صدقہ کرنے والوں کے لیے بھی تو

جواب ملتا ہے کہ دعوت نہ کرنے کی صورت میں برادری ناراض ہو جائے گی، ہماری ناک کٹ جائے گی۔

(ج) اگر ایصالِ ثواب کی نیت ہوتی تو فقراء و مساکین کو مقدم سمجھا جاتا، حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ اقرباء واحباب کا اجتماع ہوتا ہے یا پھر صاحب اقتدار اور سرمایہ دار لوگوں کی دعوت کی جاتی ہے، فقراء تو صرف برائے نام ہی ہوتے ہیں، بلکہ بعض جگہ تو برائے نام بھی فقیر نہیں ہوتے، ان حالات میں اس دعوت کو کون یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ ایصالِ ثواب کے لیے ہے۔ (احسن الفتاویٰ، ج۱، ص۳۵۶، بحوالہ ردالمختار، ج۱، ص۶۶۴)

اہل میت کے گھر کھانا بھیجنا

مسئلہ:۔ شریعت سے صرف اتنا ثابت ہے کہ جس کے گھر میت ہو جائے اسکے پڑوسیوں اور اعزہ واقارب کو چاہئے کہ وہ اس وقت تک، جب تک فرطِ غم والم ہو، میت کے گھر والوں کے کھانے کا انتظام کر دیں اور ان کی دلجوئی کرتے ہوئے ان کو کھلائیں پلائیں، خود اپنے یہاں لا کر یا خود میت کے گھر کھانا وغیرہ لے جا کر اور زیادہ بہتر یہی ہے اور اس دلجوئی کی غرض سے خود بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں، اس سے زیادہ ثابت نہیں، بلکہ اہل میت کے یہاں مثل دعوت سرور و فرح کی دعوت لینا مکروہ ہے۔

شامی میں ہے کہ دفن کے لیے باہر سے آنے والے اگر محض اتفاق سے یا اہل میت کی دلجوئی کے لیے ان کے ساتھ کھانے وغیرہ میں شریک ہو جائیں تو گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن رشتہ داروں کا دور دور سے آ کر قیام پذیر ہونا اور کئی کئی دن رہنا جیسا کہ رواج ہے، خوشی کی دعوت کی طرح جمع ہونا، یہ سب مکروہ اور بدعت ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۴۷)

مسئلہ:۔ میت کے پڑوسیوں اور اعزہ واقارب کے لیے اہل میت کو صرف ایک روز کا کھانا پہنچانا، جو دن رات کے لیے کافی ہو جائے مستحب ہے، ایک روز سے زیادہ کھانا بھیجنا مکروہ ہے، اس رسم میں غیر معمولی حرج اور تکلف میں غلو کے علاوہ یہ قباحت بھی ہے کہ عوام اس کو حکم شرعی سمجھتے ہونگے یا سمجھنے لگیں گے، جو شریعت پر زیادتی اور بدعت ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج۱، ص۲۰۴، بحوالہ ردالمختار، ج۱، ص۸۴۱)

مسئلہ :۔میت کا گھر میں ہوتے ہوئے کھانا نہ کھانے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ خود اہل میت کے لیے بھی کھانے سے پرہیز کا شرعاً کوئی حکم نہیں، صدمہ اور عظیم غم کی وجہ سے کھانا نہ کھا سکیں تو اور بات ہے، آج کل یہ رسم بن گئی ہے اور اس کا ایسا اہتمام ہونے لگا ہے کہ میت کے گھر میں ہوتے ہوئے کھانا کھانا گناہ سمجھتے ہیں، اس لیے اس کا ترک (چھوڑنا) واجب ہے۔ بتکلف کچھ نہ کچھ کھانا چاہئے، عزیز واقارب اور پڑوسیوں پر لازم ہے کہ وہ اہل میت کو ترغیب اور اصرار سے کھلائیں۔ (احسن الفتاویٰ: ج۴، ص۲۱۴)

مسئلہ :۔اہل میت کے گھر کھانا کھانے اور کھلانے کے لیے جمع ہونے کی یہ رسم یقیناً ناجائز ہے اور انتہائی بے غیرتی کی بات ہے، اس گناہ میں کھانے والے اور کھلانے والے سب شریک ہیں، بلکہ قریب کے رشتہ دار بھی، اگر اس رسم کو لازم سمجھتے اور اس میں شریک نہ ہونے کو بُرا مانتے ہوں یا یہ کھلانا اہل میت کی طرف سے ہو تو ان کے لیے بھی یہ فعل ناجائز ہو جائے گا۔

(احسن الفتاویٰ، ج۱، ص۳۸۱، بحوالہ ردالمختار، ج۱، ص۸۴۲)

اہل میت کی تعزیت کرنا

مسئلہ :۔اہل میت کی تعزیت یعنی ان کی تسلی اور دلجوئی کرنا، صبر کی تلقین وترغیب دینا، اس کے اور میت کے حق میں دعا کے الفاظ کہنا مسنون ہے اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، حدیث شریف میں ہے ''جو کوئی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اس قدر ثواب دے گا، جس طرح مصیبت زدہ کو'' (اس کے صبر پر)۔ (ترمذی شریف: ج۱، ص۱۲۷)

مسئلہ :۔تعزیت تین دن تک کرنی چاہئے اس کے بعد مکروہ ہے، ہاں! جس کو اطلاع نہ ہو یا تعزیت کرنے والے یا اہل میت حاضر نہ ہوں تو تین دن کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور مجبوری یا دوری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تو خط کے ذریعہ تعزیت کی جا سکتی ہے، آنحضرت ﷺ سے خط کے ذریعہ تعزیت ثابت ہے۔ (حصن حصین، ص۱۸۰)

مسئلہ :۔تعزیت کے یہ الفاظ حدیث سے ثابت ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ تجھ کو اجر عظیم عنایت فرمائے اور صبر کا بدلہ بہتر عنایت فرمائے اور میت کی بخشش فرمائے۔''

مسئلہ :۔اگر دونوں غیر مسلم ہوں تو یہ الفاظ کہے ''اللہ تعالیٰ تجھ کو بدلہ دے اور تمہارے آدمی نہ

گھٹائے۔“ (عالمگیری: ج۱، ص ۱۶۷)

مسئلہ:۔تعزیت محض رواجِ دنیوی نہیں ہے، بلکہ حدیث شریف سے ثابت اسلامی تعلیم اور فضیلت وثواب کا امر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص ۲۳۲)

مسئلہ:۔تدفین کے بعد اہل خانہ سے مصافحہ کو ضروری قرار دینا سنت کے مطابق نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱، ص ۳۶۹، بحوالہ شامی، ج۱، ص ۴۲۷، مراقی، ص ۱۲۰، واحسن الفتاویٰ؛ ج۴، ص ۲۳۵)

تعزیتی جلسہ کرنا

مسئلہ:۔کسی مسلمان کے انتقال پر میت کے متعلقین کی تعزیت کرنا یعنی تلقین صبر وغیرہ کرنا سنت سے ثابت ہے، اگر وہاں پر خود جا کر تعزیت کا موقع نہ ہو تو خط کے ذریعہ سے بھی سلف صالحین سے تعزیت کرنا منقول ہے۔

جس کے انتقال سے بہت سے لوگوں کو صدمہ ہو یا بہت لوگ تعزیت کی ضرورت محسوس کریں اور سب کا پہنچنا دشوار ہو تو اس کے لیے سہل صورت یہ ہے کہ ایک جلسہ کر کے اس طرح تعزیت کر لے کہ میت کے متعلقین پر کثیر مہمانوں کا بار بھی نہ پڑے، مجمع عظیم کی دعا بھی زیادہ مستحق قبول ہے تو بظاہر اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، لیکن بہت جگہ اس جلسہ نے محض رسم کی صورت اختیار کر لی ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ اخبارات میں نام آجائے گا، اور ہماری شہرت ہو جائے گی، اگر ہم نے تعزیتی جلسہ نہ کیا تو لوگ ملامت کریں گے، وغیرہ وغیرہ، اگر یہ صورت ہو تو اسکو چھوڑ دینا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ج۲، ص ۲۲۵)

ایصالِ ثواب کا غلط طریقہ

مسئلہ:۔ایصالِ ثواب کا طریقہ بہت سہل وآسان ہے، لیکن جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ نے، نہ اس کے رسول اللہ ﷺ نے بتائے، نہ صحابہؓ نے اختیار کیے، اور نہ ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے، اور کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم یہ رسمیں ایصالِ ثواب میں نہیں کریں گے تو برادری ناراض ہو جائے گی، اس لیے ہمیں یہ کرنا پڑتا ہے۔

یہ صرف بدعت ہی نہیں، بلکہ شرک بھی ہے، اس لیے کہ کرنے والے اللہ کی خاطر نہیں

کرتے، بلکہ برادری سے اتنا ڈر ہے کہ اس کو خدا بنا رکھا ہے، یہ شرک ہوگیا ہے کہ غیر اللہ کو راضی کرنے کے لیے کر رہے ہیں، برادری میں ناک کٹ جائے گی، برادری کو خدا بنا رکھا ہے۔

بے غیرتی کی انتہاء

آج کل بے غیرت مسلمان اور بے غیرت برادری کے لوگ کسی کے انتقال پر گدھ کی طرح منڈلاتے ہیں کہ اب کھانے کا ملے گا، اگر دل میں خوفِ خدا نہیں، آخرت کی فکر نہیں، اپنے حساب وکتاب کا ڈر نہیں، اللہ تعالیٰ اور اسلام کا پاس نہیں تو کم از کم کچھ غیرت ہی ہو، یا جس کا عزیز مر گیا ہے اس پر کچھ خدا کے لیے رحم ہی ہو کہ ایک تو وہ صدمہ میں مبتلا ہے، دوسرے یہ کہ علاج پر مرنے والوں کا کافی خرچہ ہوگیا ہے، مگر بے غیرت برادری اسی فکر میں ہے کہ رہا سہا جو کچھ گھر میں بچ گیا، لاؤ! کھالیں۔

اگر واقعتاً ایصالِ ثواب کرنا چاہتے ہیں، واقعتاً مرنے والے کے ساتھ آپ کو حمیت ہے اور واقعتاً آپ کے دل میں رحم کا جذبہ ہے تو پھر محسن اعظم رسول اکرم ﷺ کا بیان فرمودہ طریقہ آپ کے لیے کیوں کافی نہیں؟

سنیے! ایصال ثواب کی حقیقت کیا ہے؟ ہر وہ نیک کام جو انسان اپنے لیے کرتا ہے وہ دوسروں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کرے تو اس کا ثواب دوسروں کو پہنچے گا، مردہ اور زندہ دونوں کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں، اب اپنے لیے نفل نماز پڑھتے ہیں، نفل روزہ رکھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، تسبیحات پڑھتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، نفل حج وعمرہ کرتے ہیں، طواف کرتے ہیں، غرض یہ کہ ہر نفل عبادت جو آپ اپنے لیے کرتے ہیں، اس میں صرف یہ نیت کرلی کہ اس کا ثواب ہمارے فلاں عزیز کو پہنچے، پس وہ ثواب پہنچ جائے گا اور بس یہی ایصال ثواب ہے، وہ ثواب جو آپ کو ملتا تھا وہ آپ کو بھی ملے گا اور جن دوسرے لوگوں کی نیت آپ نے کرلی، ان سب کو بھی پورا پورا ثواب ملے گا، اور ایک غلط فہمی اور ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایصالِ ثواب صرف مردوں ہی کو ملتا ہے، مردوں ہی کو کیا جاتا ہے، آپ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایصالِ ثواب جیسے مردوں کو کیا جاتا ہے، اسی طریقہ سے زندوں کے لیے بھی کر سکتے ہیں، جو عبادت جس طریقہ سے آپ اپنے لیے کرتے ہیں، اس میں نیت کرلیں کہ

اس کا ثواب فلاں کو پہنچے، پہنچ جائے گا۔ (اصلاح الرسوم)

مسئلہ :۔ بعض لوگ کھانا کھلانے ہی کو صدقہ سمجھتے ہیں، اگر ضرورت مندوں کو نقد دیدیا جائے، یا غلہ دیدیا جائے، اس کو صدقہ نہیں سمجھتے، اسی طرح بعض لوگ جمعرات ہی کو کھانا مسجد میں بھیجنا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ صدقہ کے لیے نہ جمعرات شرط ہے اور نہ مسجد میں بھیجنے کی، اور بعض ایصالِ ثواب کے لیے کھانا کھلاتے ہیں کہ جب تک کھانے پر فاتحہ نہ دلائی جائے ایصالِ ثواب ہی نہیں ہوتا، یہ بھی غلط ہے، آپ نے اخلاص کے ساتھ جو کچھ راہِ خدا میں دیدیا قبول ہو جاتا ہے، اگر آپ اس کا ثواب کسی عزیز یا بزرگ کو پہنچانا چاہتے ہیں تو ایصال ثواب کی نیت سے ثواب پہنچ جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۳، ص ۴۳۱)

ایصالِ ثواب میں دعوتیں کیوں؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((سبعة يظلهم الله فی ظله يوم لاظل الاظله))۔ (الحدیث) کہ سات قسم کے وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے، جبکہ کوئی سایہ نہ ہوگا، لوگ گناہوں کی وجہ سے پسینوں میں ڈوب رہے ہونگے، جتنے گناہ زیادہ ہونگے اتنے ہی پسینے زیادہ ہوں گے، کسی کا گھٹنے تک، کسی کا ناف تک، کسی کا سینہ تک، کسی کا لبوں تک، اور بہت سے لوگ ایسے (بھی) ہوں گے جو پسینے میں (پورے) غرق ہونگے۔

ان اقسام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے صدقہ خیرات اتنا مخفی (چھپا کر) کیا کہ دائیں ہاتھ سے دیتا ہے تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا کہ اس نے کیا دیا؟ فرمایا کہ اس کا اتنا بڑا درجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے روز محشر کی تمازت سے محفوظ رکھیں گے، اور اپنی رحمتِ خاصہ کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ اب سوچئے کہ مخفی صدقہ کرنے کا اتنا بڑا اجر ہے تو آپ کسی کے مرنے پر ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کرتے ہیں تو اس میں یہ رسمیں و ہنگامہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ دعوتیں کیوں ہوتی ہیں؟ دعوتوں کی رقم نادار طلبہ پر مخفی طور پر تقسیم کر دیجئے یا پھر محلہ کے مساکین کو دیدیجئے، شریعت صدقہ کرنے سے نہیں روکتی، خوب زیادہ صدقہ کیجئے، مگر سنت کے مطابق کیجئے، مگر بات یہ ہے کہ برادری میں ناک کٹ جائے

گا، برادری کو خدا بنا رکھا ہے، کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ یہ جواب دے کر بچ جائیں گے، جس دن آپ کو سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا؟ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، خدا کے لیے سوچئے کہ یہی برادری جس کو راضی کرنے کے لیے آپ اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں، کیا یہ برادری اس وقت آپ کے کام آئے گی؟ مخفی صدقہ کا اتنا بڑا ثواب ہے، کیا اب بھی آپ کہیں گے، نہیں دعوت ہی کرنی ہے۔

صدقہ میں پیسہ ہی کیوں؟

دوسری بات یہ کہ اگر ذرا بھی انسان میں عقل ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ دعوت کے بجائے نقد پیسہ دینے میں مسکین وغریب کا فائدہ زیادہ ہے، اس لیے کہ پیسہ سے اس کی ہر حاجت پوری ہو سکتی ہے، اس کو کپڑے کی ضرورت ہے، رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہے، سردی میں لحاف کی ضرورت ہے، پڑھنے کے لیے کتاب کی ضرورت ہے، اسکول کی فیس، بیماری میں دوا کی ضرورت ہے، سفر کے لیے کرایہ کی ضرورت ہے، دنیا میں کوئی ضرورت ہو، پیسہ ایسی چیز ہے کہ انسان اس سے ہر ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ اور اگر آج کوئی ضرورت درپیش نہیں تو کل کی ضرورت کے لیے رکھ سکتا ہے، کھانے کی ضرورت بھی پیسوں سے دور ہو سکتی ہے، اس لیے صدقہ وخیرات میں نقد پیسہ دینا ہی سب سے زیادہ افضل ہے، جس چیز میں مسکین وغریب کا فائدہ زیادہ ہو، اس کا ثواب بھی زیادہ ہے، اور نقد دینے میں ایک فضیلت یہ کہ مخفی (چھپا ہوا) ہوگا جس پر خوشخبری ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے'' اور دوسری فضیلت یہ کہ اس میں مسکین کا زیادہ فائدہ ہے تو ثواب بھی زیادہ ہے، مگر شیطان نے سمجھا رکھا ہے کہ کھانا (دعوتیں) ہی کھلاؤ، خواہ پہلے سے اس کے پیٹ میں درد ہو تو بھی کھانا ہی کھلاؤ جب تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں ملے گا، اور سب سے زیادہ مزے کی بات یہ کہ ثواب تو ہے مسکینوں کو، غریبوں کو صدقہ دینے میں، لیکن کھانا کھلانے میں مسکین کو کوئی قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا، سب کا سب سارے عزیز واقارب ہی مل کر کھا جاتے ہیں، اور نام ہو رہا ہے ایصالِ ثواب کا اور کھا جاتے ہیں برادری والے، اور پھر یوں بھی غیرت نہیں آتی کہ ایسے موقعوں پر بڑے بڑے امیر خود کو مسکین بنا لیتے ہیں، انکی غیرت کیسے

گوارا کرتی ہے؟ جہاں تیجہ، دسواں، چالیسواں، اور خدا جانے کیا کچھ خرافات ہوتے ہیں، بڑے بڑے امراء اغنیاء اور اہل ثروت بھی اس طرح شریک ہو جاتے ہیں جیسے یہ بھی مسکین ہی ہیں، سب سے بڑے مسکین وغریب خود بن جاتے ہیں، یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور آپ ﷺ کا کتنا بڑا مقابلہ ہے، کیسا فریب اور کیسی دیدہ دلیری ہے کہ خود مسکین بن بیٹھے اور خود ہی مسکینوں کا حق کھا گئے۔

ایصالِ ثواب میں نقدی ہی بہتر ہے

جب ثواب زیادہ صدقہ دینے میں ہے اور وہ مخفی بھی رہتا ہے اور مسکین کی ہر حاجت وضرورت اس سے پوری ہوتی ہے اور نقد صدقہ جائے گا بھی صرف مسکینوں کے پاس، تو پھر یہ طریقہ کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ اسی پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے دعوت ہی دی جائے، ساتھ میں ایک قباحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کے لیے جو بھی کرسکیں، جتنا بھی کرسکیں، جہاں کرسکیں، جب کرسکیں اور جس حالت میں کریں، اخلاص سے ہونے والی ہر نفل عبادت کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قبول کرتی ہے، وہ ہر جگہ پر موجود ہے، وہ دیکھنے والے ہیں، عبادتوں کو قبول کرنے والے ہیں، وہ سمیع وبصیر ہیں، وہ علیم وخبیر ہیں، مگر شیطان نے کیا پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تیسرے ہی روز مرنے کے تیجہ کیا جائے، آگے پیچھے ہرگز نہیں اور کرنا بھی مردے کے لیے گھر پر ہی جا کر، اگر اپنے گھر ایصالِ ثواب کر لیا تو اللہ میاں قبول نہیں کریں گے، اور دیکھنا الگ الگ نہ کرنا، اکٹھے ہو کر ہی کرنا، اگر الگ الگ کر لیا تو انکا خدا یعنی شیطان قبول نہیں کرے گا، ان کا خدا شیطان ہی ہوا نا؟ جب ہی تو ان کا طریقہ خدا اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر الگ ہے۔

یہ تو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے بغاوت اور ان کا مقابلہ ہو گیا، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ ایصالِ ثواب کا نہیں بتایا تو آپ کون ہوتے ہیں اسے ثواب بتانے والے؟ ایک ناچیز بندہ اور مقابلہ کرے خدا اور رسول ﷺ کا! خدا کے لیے اپنی جانوں پر رحم کیجئے اور کچھ تو سوچئے، اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں، کہ آپ جب چاہیں، جس وقت چاہیں، جہاں چاہیں نفل عبادت ادا کریں

اور جس حال میں چاہیں کریں، مجلس میں، بازار میں، گھر میں چلنے پھرنے، دکانوں پر، مسجد میں، کہیں بھی ہوں خواہ چل ہو رہے ہیں، بیٹھے ہوں، کھڑے ہوں لیٹے ہوں، کسی بھی حالت میں ہوں، آپ جو بھی عبادت کریں اللہ تعالیٰ کے یہاں سب قبول ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ثواب مردے کو پہنچادیتے ہیں، بس صرف آپ کی نیت کرنے کی ضرورت ہے، صرف نیت کرلیجئے کہ اس کا ثواب فلاں کو ملے، مل جائے گا، مگر آپ کو تو شکم پرست ملاؤں نے یہ بتا رکھا ہے کہ جب تک سب اکٹھے ہو کر زور نہیں لگائیں گے ثواب نہیں پہنچے گا، مجمع بھی ہو اور ساتھ ساتھ (پیٹ پجاری ملا) ڈرائیور بھی ہو اور گارڈ بھی ثواب پہنچانے کے لیے، ڈرائیور آگے سے بھی پڑھے پیچھے سے بھی پڑھے، اِدھر اُدھر سے بھی پڑھے تب جا کر ثواب پہنچے گا، معاذ اللہ! گویا اللہ میاں کو پتہ نہیں چلتا، جب تک کہ یہ پہنچانے والا ڈرائیور نہ ہوگا، ثواب نہیں ہوگا، اور ثواب نہیں پہنچے گا ڈرائیور لاؤ تو کام بنے گا، پھر ڈرائیور کی قیمت بھی بہت بڑی زبردست چکانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ پیٹ کے جہنم سے حفاظت فرمائے، (آمین) شکم پرست ملاؤں نے اپنا پیٹ پالنے کے لیے عوام کو بڑے فریب دے رکھے ہیں، یہ بھی سب پیٹ پالنے کا ہی دھندہ ہے، طرح طرح کی پٹی اور سبق پڑھا رکھے ہیں کہ نہ مردے کو ثواب پہنچے، سوائے ملا کے، اور نہ مردے کو غسل دے سکے، سوائے ملا کے۔

اخیر میں ایک اور غلط عقیدہ کی بھی اصلاح ضروری ہے، وہ یہ کہ ایصالِ ثواب کے لیے جو چیز مسکین کو دی جاتی ہے بعینہ وہی چیز مردوں کو ملتی ہے، یہ غلط ہے۔

ایک مسئلہ اور سمجھ لیجئے وہ یہ کہ جس خاندان میں ایصالِ ثواب کے غلط طریقے رائج ہیں، اگر وہاں کسی کو اصلاح وتوبہ کی توفیق ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اپنے خاندان کے ہر فرد کو وصیت کردے کہ اس کے مرنے پر ایسی کوئی بدعت ہرگز نہ کی جائے اور ایصالِ ثواب سنت کے مطابق کیا جائے اور یہ وصیت کرنا اس پر فرض ہے، اگر اس نے وصیت نہیں کی تو اس کے مرنے پر جو بدعات ہونگی اس کا گناہ اور عذاب اس میت پر بھی ہوگا، یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بڑے سے بڑے گناہ سے بدعت کا گناہ اور عذاب زیادہ ہے۔

اور جتنے لوگوں کو بھی ہدایت ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، بدعت کے ماحول میں اتباع سنت پر سو شہیدوں کے برابر ثواب ہے، یا اللہ! ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی صحیح عظمت عطا فرما، صحیح محبت اطاعت عطا فرما، اتباعِ سنت عطا فرما۔ (آمین)۔ (محمد رفعت قاسمی)

کھانے پر فاتحہ پڑھنا

سوال:۔ ہمارے یہاں ایصالِ ثواب کا کھانا غرباء و مساکین کے سامنے رکھ کر ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں، اور اس کے بعد کھانا کھایا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ایصالِ ثواب کے لیے کھانے پر فاتحہ خوانی کا یہ طریقہ بے اصل اور بلا دلیل شرعی اور بدعت ہے، اس کے ثبوت میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ موضوع (من گھڑت اور بنائی ہوئی) ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۳، ص۱۹۴)

مسئلہ:۔ میت کو ثواب ہر نیکی کا پہنچایا جا سکتا ہے اور میت کو ثواب پہنچانے کی نیت کر لی جائے تو اس سے ثواب پہنچ جاتا ہے، لیکن کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہنچتا غلط ہے، کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ: ج۱، ص۲۲۹)

مسئلہ:۔ مرنے کے بعد چالیس روز تک روٹی کی رسم کرنا (کھلانے کو ضروری سمجھنا) بدعت ہے، ایسے ہی گیارہویں بھی بدعت ہے، بلا پابندی رسم و قیود ایصالِ ثواب مستحسن ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ: ص۱۶۱)

مسئلہ:۔ کھانے پر فاتحہ پڑھنا بالکل بے اصل ہے (لیکن اگر ایسا کیا جائے تو یہ کھانا حرام نہیں ہوتا، اس کا کھانا جائز ہے) نہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ و تابعین سے، نہ ائمہ مجتہدین سے، یہ محض بدعت محدثہ ہے۔

سمجھنے کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو صحابہ کرامؓ جو ایسے کاموں کے عاشق تھے کبھی نہ چھوڑتے، کسی سے بھی کھانے پر فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، اس لیے یہ بدعت و ضلالت ہے۔ (امداد المفتیین: ج۱، ص۱۰، و کفایت المفتی: ج۱، ص۲۱۰)

فاتحہ خوانی کی حقیقت

مسئلہ:۔ پہلے یہ سمجھو کہ فاتحہ یعنی مردوں کوثواب پہنچانے کا طریقہ کیا ہے؟اس کی حقیقت شریعت میں فقط اتنی ہے کہ کسی نے کوئی نیک کام کیا، اس پر جو کچھ ثواب اس کو ملا، اسنے اپنی طرف سے وہ ثواب کسی دوسرے کو دیدیا کہ یااللہ! خیر، کا یہ ثواب فلاں کو دید یجئے اور پہنچا دیجئے، مثلاً کسی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ کھانا یا مٹھائی، یا روپے پیسے، کپڑا وغیرہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جو کچھ اس کا ثواب مجھ کو ملا ہے وہ فلاں صاحب کو پہنچا دیجئے گا، یا ایک آدھ پارہ قرآن شریف کا پڑھا یا ایک ہی سورت وغیرہ پڑھی اور اس کا ثواب بخش دیا، چاہے وہ نیک کام آج ہی کیا ہو یا اس سے پہلے عمر بھر میں کبھی کیا تھا دونوں کا ثواب پہنچتا ہے۔

باقی رسمیں من گھڑت ہیں مثلاً: (ا) پہلے تھوڑی سی جگہ لیپتے ہیں، اس میں کھانا رکھتے ہیں، پھر ایک شخص کھانے کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ قرآن کی سورتیں پڑھتا ہے اور نام بنام سب مردوں کو بخشتا ہے اس من گھڑت طریقہ میں بہت سی خرابیاں ہیں، جب تک کوئی اس طرح فاتحہ نہ کردے تب تک وہ کھانا کسی کو نہیں دیا جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے فاتحہ کی ایک اور خرابی ہے، وہ یہ کہ لوگ ان کو حاجت روا اور مشکل کشا (پریشانیوں کو دور کرنے والے) سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کام نکلیں گے، حاجتیں پوری ہونگی اور اولاد ہوگی، اولاد کی عمر بڑھے گی۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس طرح کا عقیدہ صاف شرک ہے۔ (اللہ تعالیٰ بچائے)
غرض ان سب رسموں اور عادتوں کو چھوڑ دینا چاہئے، اگر کسی کو ثواب بخشنا منظور ہو تو بس جس طرح شریعت کی تعلیم ہے اس طرح سیدھے سادھے طور پر بخش دینا چاہئے، سب لغویات کو چھوڑ دینا چاہئے، بس بلا پابندی رواج جو کچھ توفیق میسر ہو پہلے محتاج (ضرورت مندوں) کو دیدو پھر اس کا ثواب بخش دو۔ (بہشتی زیور: ج ٦، ص ۵۲)

فاتحہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

سوال:۔ فاتحہ جو قبر پر پڑھی جاتی ہے اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ (۲) فاتحہ قبر پر ہی جا کر کیوں؟ گھر پر پڑھ دی جائے تو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

جوب :۔ فاتحہ جو قبر پر پڑھی جاتی ہے اس کا باقاعدہ مسنون یہ ہے کہ قبرستان جا کر پہلے ((**السلام علیکم یااھل الدیار من المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات! انتم لنا سلف ونحن بالاثر یغفر الله لنا ولکم اجمعین**)) کہے، یہ سب مردوں کو سلام اور دعا ہوئی، اس کے بعد سورۂ تکاثر ایک بار سورۂ اخلاص یعنی ((**قل ھو اللہ احد**)) گیارہ بار اور اگر ہمت زیادہ ہو تو سورۂ یٰسین بھی ایک بار پڑھ لے، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، اس تلاوت کا ثواب فلاں فلاں کو اور یہاں پر جتنے مسلمان مدفون ہیں سب کو پہنچا دیا جائے۔

۲۔ قرآن کریم گھر پر بھی پڑھ کر بخش دیں تو ثواب پہنچ جائے گا، اگر صرف ثواب پہنچانے کا ارادہ ہے تو اس کے لیے قبرستان جانے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر ثواب پہنچانے کے ساتھ میت کی تانیس ودلداری بھی مقصود ہو تو قبر پر جانے اور وہاں جا کر قرآن پڑھنے سے میت کو انس ومسرت زیادہ ہوتی ہے۔ (امداد الاحکام: ج۱،ص ۱۹۳)

مسئلہ :۔ ایصالِ ثواب کا جو قرآن وحدیث وصحابہ کرامؓ سے ثابت طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ کچھ قرآن پڑھ کر یا فقیروں، غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو کھانا کھلا کر یا دے کر یا کپڑا دے کر یا کوئی نیک کام خدا اور رسول کی مرضی کا کر کے اس کا ثواب رسول اللہ ﷺ کو بخش کر جس جس کو اور چاہے سب کو بخش دے اور جہاں تک ہو لوگوں سے چھپا کر محض اللہ کے لیے کرے اور نیت اس طرح کرے کہ یا اللہ! یہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے یا صدقہ کیا ہے نیک کام کیا ہے ان سب کا ثواب حضور ﷺ کو پہنچا کر فلاں کو پہنچے، اس طریقہ کے سوا اور جتنے طریقے آج کل رواج پکڑ گئے ہیں، ان میں سے کوئی بھی حدیث اور قرآن سے ثابت نہیں ہے۔

(نظام الفتاویٰ: ج۱،ص ۱۵۱، واصلاح الرسوم: ص ۱۳۰)

بدعت کی تعریف

مسئلہ :۔ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور تصرفات اور اختیار میں کسی اور کو شریک سمجھنا شرک کہلاتا ہے، اور جو کام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ وتابعینؒ نے نہیں کیا، بلکہ دین کے نام پر بعد میں ایجاد ہوا، اسے عبادت سمجھ کر کرنا بدعت کہلاتا ہے، اس اصول کی روشنی میں مثالیں

آپ خود بھی متعین فرما سکتے ہیں۔

(الف) دین میں کوئی ایسا نظریہ، طریقہ اور عمل ایجاد کرنا بدعت ہے جو طریقۂ نبوی ﷺ کے خلاف ہو کہ آپ ﷺ سے نہ قولاً ثابت ہو، نہ فعلاً، نہ صراحتاً، نہ دلالۃً اور نہ اشارۃً۔

(ب) جسے اختیار کرنے والا مخالفت نبوی ﷺ کی غرض سے بطور ضد وعناد اختیار نہ کرے۔ بلکہ بزعم خود ایک اچھی بات اور ثواب کا کام سمجھ کر اختیار کرے۔

(ج) وہ چیز کسی دینی مقصد کا ذریعہ وسیلہ نہ ہو، بلکہ خود اسی کو دین کی بات سمجھ کر کیا جائے۔ (آپ کے مسائل: ج۱، ص۴۵، ونظام الفتاویٰ، ج۱، ص۱۲۱، وفتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۳۳۸)

مسئلہ:۔ کفر وشرک کے بعد بدعت بڑا گناہ ہے، اور بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن وحدیث میں ان کا ثبوت نہ ملے، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو، اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے۔

مسئلہ:۔ بدعت بہت ہی بُری چیز ہے، رسول اللہ ﷺ نے بدعت کو مردود فرمایا ہے اور جو شخص بدعت نکالے اس کو دین کا ڈھانے والا بتایا ہے اور فرمایا کہ ''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔'' (تعلیم الاسلام: ج۴، ص۲۲)

بدعت کی اقسام

سوال:۔ کوئی قسم بدعت کی حسنہ بھی ہے کیا؟

جواب:۔ بدعت کوئی حسنہ نہیں ہے اور جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے، مگر اصطلاح کا فرق ہے، مطلب سب کا ایک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص۱۴۶)

''سنت'' کے معنی لغت میں طریقے کے ہیں، خواہ اچھا ہو۔ ''بدعت'' کے معنی نئی چیز جو پہلے سے نہیں تھی، لغۃً ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں اور اس تعریف کے اعتبار سے بدعت ہمیشہ سیئہ اور ضالہ ہی ہوتی ہے، البتہ معنی لغوی کے اعتبار سے کبھی حسنہ بھی ہوتی ہے۔

(نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۲۱)

مسئلہ:۔ جس بدعت کی حدیث شریف میں مذمت آئی ہے وہ صرف ایک ہی قسم ہے اور وہ ہے:

((کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار))۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴، ص ۶۱)

مسئلہ :۔ ہرایسی نئی بات جس کی شریعت میں کچھ اصل نہ ہواور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑ جائے تو وہ بدعت اور ممنوع ہے۔ (حاشیہ امدادالفتاویٰ: ج ۱، ص ۱۵۶)

مسئلہ :۔ جس طرح شرک توحید کی ضد ہے، اسی طرح بدعت سنت کے مدمقابل ہے، سنت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے اور اس کو (سنت کو) نیست ونابود کر کے اس کی جگہ لے لیتی ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۳۳۷)

مسئلہ :۔ شامی میں بدعت کی قسمیں بیان کی ہیں کہ تراویح کی یکجائی جماعت کے متعلق حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: ''نعمت البدعۃ'' اس وجہ سے سیئہ اور حسنہ کی تقسیم کی گئی، ورنہ بدعتِ حسنہ درحقیقت معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہے، نہ کہ معنی شرعی کے اعتبار سے، اسے ((کل بدعۃ ضلالۃ)) میں بدعت شرعیہ اور بدعت سیئہ مراد ہے اور جس چیز کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے، وہ ضلالہ نہیں بلکہ مسلوکہ فی الدین ہے، اور معین فی الدین ہے یعنی وہ احداث فی الدین نہیں، بلکہ احداث للدین ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۲، ص ۱۸۵)

بدعت کی تفصیل دیکھیے، براہین قاطعہ، فتح الباری، ج ۴، ص ۲۸۷، الترغیب والترہیب، ص ۱۶۵ اختلاف امت اور صراط مستقیم: ص ۱۰۰، ترمذی شریف: ج ۱، ص ۳۳، ونسائی شریف: ج ۱، ص ۱۳۲، ومسلم شریف ج ۱، ص ۲۴۹، اور مشکوٰۃ شریف: ج ۱، ص ۲۳۸ باب حرم المدینہ۔

بدعت کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟

قرآن مجید کے چھٹے پارے میں سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع میں آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ:۔ ''آج میں نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا، اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں راضی ہوگیا۔''

اللہ تعالیٰ اپنی زبردست، بہترین، اعلیٰ اور افضل ترنعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل اور مکمل کر دیا، تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی ضرورت نہیں، نہ اس نبی ﷺ کے سوا اور نبی کی تمہارے لیے حاجت ہے، خدا نے تمہارے نبی ﷺ کو خاتم النبیین بنایا، انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے، حلال وہی ہے

جسے وہ حلال کہے، حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہے، دین وہی ہے جسے وہ مقرر کرے، دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو پورا کرنا ہے، کیوں کہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر راضی ہوں، اس لیے تم بھی اس پر راضی رہو، یہی دین خدا کا پسندیدہ ہے، اس کو دے کر اسی نے اپنے فضل سے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے، اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی۔

حوالہ:۔ تفسیر ابن کثیر پارہ ۶، ص ۴۸ سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کامل و مکمل کر دیا ہے، اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں، اسے خدا نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے کا، اس دین سے خدا خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔''

حوالہ:۔ تفسیر ابن کثیر پارہ ۶، ص ۴۸ سوۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں ابن ابی حاتم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''ایک شخص تھا، بڑا پابند دین خدا، ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے ہیں وہی تم بھی کر رہے ہو، اس میں کیا رکھا ہے، اس کی وجہ سے نہ عام لوگوں میں تمہاری قدر ہوگی اور نہ شہرت، تمہیں چاہئے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو، اسے لوگوں میں پھیلاؤ، پھر دیکھو کیسی شہرت ہوتی ہے اور کس طرح جگہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، اس کی وہ باتیں لوگوں میں پھیل گئیں، اور ایک زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا، اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی، اور اس نے وہ ملک چھوڑ دیا، اور تنہائی میں خدا کی عبادت میں مشغول ہو گیا، لیکن خدا کی طرف سے اسے جواب ملا کہ ''تیری خطا ہی صرف ہوتی تو میں معاف کر دیتا، لیکن تو نے عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے چھوڑا، انہیں غلط راہ پر لگا دیا، جس راہ پر چلتے چلتے وہ مر گئے، ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ہٹے گا؟ میں تو تیری توبہ قبول نہیں کرونگا۔''

حوالہ:۔ تفسیر ابن کثیر پارہ ۶، ص ۱۲۵ سورۂ مائدہ کے دسویں رکوع کی تفسیر میں۔

حدیث:۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس امر (یعنی دین) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

حوالہ:۔ (۱) صحیح مسلم شریف جلد ۲، ص ۲۵، حدیث ۱۸۱، باب ۱۵۹ اقضیہ کا بیان۔
(۲) مشکوٰۃ شریف جلد ۱، ص ۱۰۵، حدیث ۱۳۱ سنتوں کا بیان
(۳) مظاہر حق جلد ۱، ص ۶۸، سنتوں کا بیان۔

حدیث:۔ حضورﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص یہاں نئی بات (یعنی بدعت) پیدا کرے یا کسی نئی بات پیدا کرنے والے کو جگہ دے، اس پر خدا کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، نہ اس سے کوئی نفل عبادت قبول کی جائے گی نہ فرض۔ (مختصر)

حوالہ:۔ صحیح بخاری شریف جلد۲، پارہ۱۲، ص۱۱۵، حدیث ۴۱۳ جہاد کا بیان۔

میرے عزیز دوست! آج ہندوستان میں کثرت سے بدعتوں کا چلن ہو گیا ہے، اور اس پر تعجب تو یہ ہے کہ جو ان بدعتوں پر عمل نہ کرے اس کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے، بلکہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، اب آپ یہ سوچئے کہ ان بدعتوں کی محبت ہمارے اکثر نادان، ان پڑھ مسلمان بھائیوں کے دل میں کس قدر گھر کر گئی ہے، کسی بدعت کو چھوڑنا گویا مذہب چھوٹ جانے کے برابر سمجھتے ہیں، اور اگر کسی میں علم ہے بھی تو اس میں نفسانیت ہوتی ہے، اس لیے جاہلوں کی مرضی کے مطابق کچھ تاویلیں کر کے فتویٰ دے دیتے ہیں، اور وہ جاہل اسی کو مذہب سمجھتے ہیں، ان میں سے زیادہ تر لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی عمل کرتے ہیں، کیونکہ سب کریں اور ایک آدمی نہ کرے تو اس کے اوپر جماعت کی طرف سے دباؤ ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کو جماعت سے الگ کر دینے کی دھمکی بھی دی جاتی ہے، خود میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، مگر میرے مالک ومختار نے مجھے اپنے رحم وکرم سے بچالیا، جہالت تو دیکھئے، فرض، واجب اور سنتوں کے لیے کوئی کسی پر دباؤ نہیں ڈالتا، کسی کو دھاک دھمکی بھی نہیں دیتا، کوئی جماعت سے کسی کو الگ بھی نہیں کرتا اور ایک بدعت کے لیے جس پر شریعت میں سخت وعید آئی ہے، اس کے لیے شاید ہی کوئی ایسا دیہات یا قصبہ یا شہر ہوگا جہاں پر، جھگڑے نہ ہوتے ہیں۔

حدیث:۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ بدعتی کا نماز، روزہ، زکوٰۃ حج، عمرہ، جہاد، صدقہ، فدیہ کچھ بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اسلام سے ایسا باہر ہو جاتا ہے جیسے آٹے سے بال نکال لیا جائے۔

حوالہ:۔ ابن ماجہ شریف: ص۴۰، حدیث ۵۱، امور بدعت کا بیان۔

بدعت ہڑک کی طرح ہے

تحقیق نکلے گی بیچ امت میری کہ کئی قومیں، سرایت کرے گی بیچ میں ان کے

خواہش، یعنی بدعتیں عقائد میں اور اعمال میں، جیسے کہ سرایت کرتی ہے ہڑک ہڑک والے کو نہیں باقی رہتی اس سے کوئی رگ اور نہ کوئی جوڑ، مگر داخل ہوتی ہے اس میں۔

حوالہ:۔ مظاہر حق، جلد ا، ص ۹۷، کتاب الایمان۔

جب کوئی کتا باؤلا ہو جاتا ہے، اور ہڑک اس کی نس نس میں پیوست ہو جاتی ہے، تو وہ کتا پانی کو دیکھتا ہے اور بھاگتا ہے، پانی پیتا تو درکنار پانی کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا، اسی طرح جس انسان کی نس نس میں بدعت پیوست ہو جاتی ہے تو وہ انسان قرآن وحدیث سنتا ہے اور بھاگتا ہے، قرآن وحدیث پر عمل کرنا تو درکنار اس کو سننا بھی گوارا نہیں کرتا، جس طرح باؤلے کتے کو پانی نصیب نہیں ہوتا اور پیاسا ہی مر جاتا ہے اسی طرح بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی، اور وہ گمراہی کے جنگل ہی میں مر جاتا ہے۔

جو شریعت کی کسی دلیل سے ثابت نہ ہوں، ایسی باتوں کو دین میں داخل کرنے کو بدعت کہتے ہیں، اور بدعت بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے وہ گویا اللہ سے مقابلہ کرتا ہے، اس لیے کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے۔ اس میں کمی بیشی کا کسی کو حق نہیں ہے۔

پس جس نے شریعت میں کسی ایسی بات کو نکالا جو اس میں نہیں تھی، تو اس نے اس شریعت کو ناقص سمجھا اور اپنی طرف سے ایک نئی شریعت اس نے بنائی، پھر اس کا عامل بنا اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دے رہا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر رہا ہے، بظاہر تو وہ اپنے آپ کو فرمانبردار اور محبانِ رسول اللہ ﷺ سمجھ رہا ہے، لیکن ایسا انسان سخت گمراہ ہے اور اس پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی

جو انسان گناہ کرتا ہے اس کے لیے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ توبہ کر لے گا، کوئی مسلمان نماز نہیں پڑھتا، یا روزہ نہیں رکھتا، یا شراب پیتا ہے، یا جوا کھیلتا ہے یا چوری کرتا ہے، تو بہر حال وہ توبہ کر سکتا ہے، کیونکہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کر رہا ہے، اور بدعتی کو توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ وہ بدعت کو عبادت سمجھ کر رہا ہے اسے قربِ خداوندی سمجھتا ہے یا تعظیم رسول

اللہ علیہ وسلم سمجھتا ہے، یا عظمت اولیاء کرام سمجھتا ہے، پھر توبہ کا ہے کو کرے گا، بدعتی اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتا، ایسے انسان کو توبہ نصیب ہونا محال ہے۔ ((الاماشاء اللہ))

اکثر لوگ ایسے دیکھے جارہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم سمجھ کر بدعتیں کر رہے ہیں، اور بعض اولیاء کرامؒ کی عظمت سمجھ کر بدعتیں کررہے ہیں اور جب انہیں سمجھایا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور سچی باتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں، کیونکہ وہ باتیں ان بدعتوں کے خلاف ہیں۔

ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہئے کہ جو بھی کام کرے پہلے اس کو قرآن وحدیث یا صحابہ کرامؓ کی زندگی مبارک سے تحقیق کرلے، وہاں سے دلیل ملتی ہے تو کرے ورنہ چھوڑ دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے جو کام نہیں کیا وہ کام اگر ہم نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے قیامت کے دن نہیں پوچھے گا کہ ''تم نے کیوں نہیں کیا'' اور اگر ہم اس کو ثواب سمجھ کر کریں گے، اور اللہ تعالیٰ نے حشر کے میدان میں پوچھ لیا کہ ''تم نے کیوں کیا؟ تو جواب دینا بھاری پڑ جائے گا، میرے بھیا! سوچ لو۔

جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اور نہ کرنے کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرامؓ نے کیا، ایسا کام دین سمجھ کر کرنا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ میں نقص نکالنا ہے کہ ان باتوں کو معاذ اللہ! وہ سمجھ نہیں سکے جن کو ہم ادا کررہے ہیں، اللہ کی پناہ!

جن باتوں کی حشر کے میدان میں پوچھ ہونے والی ہی نہیں، ان باتوں میں نہ اُلجھے، بلکہ جن باتوں کی حشر کے میدان میں پوچھ ہونے والی ہے ان پر عمل کرے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہر مسلمان مرد وعورت کو ہر بدعت سے بچائے، آمین۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''جو بات صحابہؓ سے ثابت نہ ہو، ایسی نئی بات ہر ایک زمانہ کا اتفاق ہونا بھی تجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے، اور تو اسی طریقہ سلف پر مضبوطی اختیار کرلے، اللہ تیرا مددگار ہے۔''

حوالہ:۔ فتاویٰ عالمگیری، جلد ۱، ص ۱۰۷، مقدمہ میں۔

بدعت کس کو کہتے ہیں؟

میرے عزیز دوست! بدعت کس کو کہتے ہیں؟ یہ بات اکثر لوگ نہیں سمجھتے، اور ان کے دل میں شیطان یہ بات ڈال دیتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ، حدیث کی کتابیں، فقہاء کی کتابیں، مدرسوں اور مسجدوں میں نمازیوں کے لیے ہر طرح کا انتظام یہ سب بدعت ہے، یہ باتیں حضور ﷺ کے زمانے میں کہیں تھیں؟ تو پھر ان باتوں کو عمل میں کیوں لاتے ہو؟ یہ ہیں شیطانی وسوسے جو اکثر لوگوں کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، اب سنئے اس کی حقیقت، وہ تمام چیزیں دین کے انتظام کے لیے ہیں، عمل اور چیز ہے، انتظام اور چیز ہے، اگر عمل میں کوئی چیز بڑھائی جائے گی تو اس کو بدعت کہیں گے، اور اس پر عمل کرنا منع ہے، اور ایسی بدعتوں کے چھوڑ دینے کے لیے جب سمجھایا جاتا ہے تو جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں بُرا کیا ہے؟ آخر یہ بھی تو اچھی بات ہے، منع کہاں لکھا ہے؟

سنئے جواب: مثلاً کلمۂ طیبہ بہت اچھی چیز ہے، اور اس کو ہر کوئی پسند کرتا ہے، روئے زمین پر کوئی مسلمان ایسا نہ ملے گا جسے کلمۂ طیبہ سے پیار نہ ہو، اور دل وجان سے اس کو نہ چاہتا ہو، یہی کلمہ دین کی بنیاد ہے، یہی کلمہ جنت کی کنجی ہے، لیکن جب اذان ہوتی ہے تو اذان کا آخری کلمہ: ((لاالــه الاالـلـه)) آتا ہے، اب اگر کوئی پیار اور محبت کے ساتھ ((محمدرسول الله)) ملالے تو کیا حرج ہے؟ یا اس میں کوئی برائی ہے؟ یا کوئی گناہ ہے؟ پھر کیوں نہیں ملاتے؟ اگر کوئی ملالے تو پورا کلمۂ طیبہ ہو جائے گا۔ اور منع بھی نہیں لکھا ہے، پھر کیوں نہیں پڑھتے؟ اور کلمۂ طیبہ کی فضیلت کے بارے میں تو سبحان اللہ! کیا کہنا، اسلام کا نظام ہی اس کلمہ پر ہے، پھر کیوں نہیں پڑھتے؟ دراصل بات یہ ہے کہ وہ عمل ہے اور عمل میں زیادتی نہیں ہوسکتی۔

دین میں جھگڑا نہیں ہے، رسم ورواج اور بدعتوں میں جھگڑا ہوتا ہے، جو دین ہوگا وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی حکم رکھتا ہوگا اور جو رسم ورواج اور بدعتیں ہونگی وہ مختلف شکلوں میں ہونگی اور کبھی کبھی ان بدعتوں اور رسم ورواج کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، اور جو دین ہوگا وہ ساری دنیا کے لیے ایک ہی حکم رکھتا ہوگا اور قیامت تک بدل نہیں سکتا اور نہ

اس میں کوئی اختلاف پیدا ہوسکتا ہے، مثلاً ختنہ کرانا سنت ہے، تو ساری دنیا کے مسلمانوں پر ختنہ کرانا سنت ہے، اس میں کہیں بھی کسی ملک میں یا کسی مسلک میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی طرح نکاح پڑھانا سنت ہے، تو ساری دنیا کے مسلمانوں میں سنت ہے کہیں بھی کسی جگہ پر بھی اختلاف نہیں ہے، کسی ملک میں کوئی بھی صبح کی نماز بجائے دو رکعت کے تین رکعت نہیں پڑھتا، جمعہ کی نماز دو رکعت ہے تو ساری دنیا میں دو ہی پڑھی جاتی ہے، عید کی نماز دو رکعت ہے تو ساری دنیا میں دو ہی پڑھی جاتی ہے، فجر کی نماز، جماعت میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے، جمعہ کی نماز میں بھی بلند آواز سے عید کی نماز میں بھی بلند آواز سے، مغرب کی نماز میں بھی بلند آواز سے، عشاء کی نماز میں بھی بلند آواز سے، تراویح میں اور وتر کی جماعت میں بھی بلند آواز سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے، ظہر اور عصر کی نماز میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھے گا تو ادنیٰ مسلمان بھی اسے روک دے گا، مغرب کی تین رکعت نماز فرض ہے تو ساری دنیا میں تین ہی رکعت پڑھی جاتی ہے، کہیں بھی کسی جگہ پر اختلاف نہیں ہے، اگر کوئی مولوی مغرب کی چار رکعت نماز پڑھے گا تو جاہل سے جاہل آدمی بھی اس کو منع کرے گا، اور اگر کوئی مولوی جبراً مغرب کی چار رکعت نماز پڑھے گا تو اس کو مار کر مسجد سے بھی نکال دیں گے، کیونکہ یہ احکام ہیں اور احکام میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ ارکانوں میں اختلاف ہے جن کا بیان ہم سنت والجماعت میں کر چکے ہیں، اب آپ اللہ کے واسطے سوچیں کہ نماز جیسی چیز میں ایک رکعت بڑھانے سے وہ نماز ہی باطل ہو جاتی ہے تو پھر ہمارے دنیا بھر کے رسم ورواج کیسے قبول ہونگے؟

رمضان المبارک کا چاند دیکھا تو تراویح شروع ہوگئی اور عیدگاہ کا چاند دیکھا تو تراویح ختم ہوگئی، مغرب کی اذان ہوئی تو روزہ داروں نے روزہ کھول دیا، کوئی مسلمان، عشاء کی اذان کے وقت روزہ کھولے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ آپ کے پاس سمجھانے کے لیے یہی الفاظ ہونگے، بھائی صاحب ''شریعت کا حکم مغرب کی اذان کے وقت روزہ کھولنے کا ہے اور آپ عشاء کی اذان کے وقت روزہ کھولتے ہیں، یہ روزہ آپ کا نہیں ہوا، بلکہ آپ گنہگار

ہونگے"۔اس سمجھانے پر وہ مسلمان آپ کے اوپر غصہ ہو جائے اور کہنے لگے کہ واہ صاحب! ہمارا روزہ کیسے خراب ہو گیا ہے میرا تو عقیدہ ہے کہ عشاء کی اذان کے وقت روزہ کھولنے میں مجھے زیادہ ثواب ملے گا،تو ایسا عقیدہ حشر کے میدان میں نہیں چلے گا،کیونکہ یہ عقیدہ محمد ﷺ کی شریعت کے خلاف ہے اور جہالت میں شمار کیا جائے گا، بہرحال مذہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے، ہندوستان میں یا اور کسی جگہ پر مذہب کے نام سے جو جھگڑے ہو رہے ہیں وہ حقیقت میں مذہب نہیں ہے، بلکہ رسمیں ہیں یا بدعتیں ہیں۔

ایک انسان بدعت پر عمل کرتا ہے اور کرتے کرتے ایک عادت بن جاتی ہے تو عادت کو عبادت سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ عادت عبادت نہیں بن سکتی،کیونکہ عادت مختلف شکلوں میں ہوتی ہے اور وقتاً فوقتاً اس میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے اور ان کی شکلیں بھی بدلتی رہتی ہیں اور عبادت ساری دنیا کے لیے ایک ہی حکم رکھتی ہے،اس میں نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ اس کی شکل بدل سکتی ہے۔

حدیث:۔ حضرت براء بن عازب ؓ کو حضور ﷺ ایک دعا سکھاتے ہیں،اس میں ایک لفظ یہ تھا "ونبیّک" کچھ دنوں کے بعد حضرت براء ؓ حضور ﷺ کے سامنے وہی دعا پڑھتے ہیں، جب وہ "ونبیک" پر پہنچتے ہیں تو ونبیک کے بدلے "ورسولک" پڑھ دیتے ہیں،تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سینے پر ایک مکا مارتے ہیں، اور فرماتے ہیں،ونبیک پڑھو۔(مختصر)

حوالہ:۔ (۱) ترمذی شریف، ج ۲،ص ۲۹۰،حدیث (۱۱۲۴۶)، دعا کا بیان۔

حوالہ:۔ (۲) صحیح بخاری شریف: جلد۱، پارہ۱،ص ۷۰،حدیث ۲۴۷، وضو کا بیان۔

دیکھا میرے دوست! حضور ﷺ نے ورسولک کہنے سے بھی منع فرمادیا، حالانکہ نبی اس کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے دنیا میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہو اور اس پر کوئی آسمانی کتاب نازل نہ ہوئی ہو، اور رسول اس کو کہتے جو اللہ کی طرف سے نبی بھی بنایا گیا ہو اور اس پر آسمانی کتاب بھی نازل ہوئی ہو، آپ کی سمجھ میں بات آئی کہ نہیں؟ کہ نبی کے لفظ سے رسول کا لفظ مرتبہ کا لحاظ سے بڑھ کر ہے، حالانکہ حضور ﷺ نبی بھی تھے اور رسول بھی تھے، مگر پھر حضور ﷺ

نے منع فرمادیا، کیونکہ یہ عمل ہے اور عمل میں زیادتی کسی طرح بھی جائز نہیں، اس لیے روک دیا کہ آج تو تم نے اتنا بدلا اور کل شاید تم یا اور کوئی جس کے جو دل میں آئے بدل ڈالے گا یا بڑھا گھٹا دے گا، یہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ عمل وہی کرو اور اسی طرح کرو جس طرح ہم تمہیں بتا چکے ہیں۔

میرے عزیز دوست! ہر چیز کی حد ہوتی ہے، دیکھئے جب اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے تو اللہ عزوجل اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کہتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا مرتبہ آپ ﷺ کا ہے، اور پھر حضور ﷺ کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کا ہے، لیکن ہم ابوبکر ﷺ نہیں کہہ سکتے، بلکہ ابوبکرؓ ہی کہنا پڑے گا۔

اسی طرح ہر چیز کی حد ہوتی ہے، مگر اپنی بے علمی کی وجہ سے ہم جہالت کے پھندوں میں پھنستے چلے جا رہے ہیں، اور ہمارے جیب بھرو پیر، اور پیٹ بھرو مولوی ہم کو پھنسا رہے ہیں۔ اگر ہمارے پاس صحیح علم ہوتا تو یہ لوگ ہم کو بہکا نہ سکتے، ہماری بے علمی نے ایسے بے دین پیروں اور مولویوں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ (شریعت یا جہالت، ص ۵۱۶ تا ۵۷۰)

بدعتی متوازی حکومت بناتا ہے

بدعات میں جو گناہ ہوتا ہے اس کو ثواب سمجھا جاتا ہے اور جس گناہ کو انسان ثواب سمجھے گا اس سے توبہ کیا کرے گا؟ وہ گناہ جس کو گناہ سمجھا جائے اس سے اولاً تو کبھی توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور بالفرض توبہ کی توفیق نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے آپ کو گنہگار تو سمجھتا ہے، گناہ کا اعتراف ہو، اقرار ہو، ندامت ہو تو اسی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جائے، مگر جہاں گناہ کو ثواب سمجھا جائے تو ظاہر ہے اس سے کیا توبہ کریگا؟ اور کیا دل میں ندامت ہوگی؟ بلکہ اس طرح کے گناہ کر کے اور زیادہ انسان اس پر خوش ہوتا ہے کہ میں نے ثواب کا کام کر لیا، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ((کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار)) کہ ہر وہ کام جو میں نے بیان نہیں کیا اور میری طرف سے صحابہ کرامؓ نے بیان نہیں فرمایا، اور اس پر عمل نہیں فرمایا۔ "اگر لوگ اس کو اپنی طرف سے ثواب سمجھ کر کرنے لگیں تو وہ گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔"

اور عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو فیصلہ کے لیے عقل کافی ہے کہ کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا، اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اس کو ثواب نہیں بتایا، صحابہ کرامؓ نے اس کے مطابق عمل نہیں فرمایا، نہ اس کو ثواب بتایا، تابعینؒ نے اس پر عمل نہ کیا، نہ وہ مسئلہ بتایا، حضرات ائمہ دینؒ نے بھی نہ وہ مسئلہ بتایا اور نہ اس قسم کا کوئی عمل کیا، اس کے باوجود اگر ہم ایسا کچھ کام کرتے ہیں اور ہم اس کو ثواب سمجھتے ہیں تو سوچیں اور خوب سوچیں کہ وہ کام ثواب کیسے ہوگا؟ اور خدا کرے اس مسئلہ پر سوچنے کی توفیق مل جائے، تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ نہ کرے، پھر اللہ ورسول اللہ ﷺ کی نافرمانیوں اور مقابلہ کو ثواب سمجھ رہے ہیں، بڑے دکھ درد کی بات ہے، یہ سوچئے کہ جو مسئلہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا، اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں فرمایا، حضرات صحابہ کرامؓ نے نہیں بتایا اور نہ کیا، ائمہ کرامؒ نے نہ بتایا اور نہ کیا، تو آپ کو اتنے سال بعد اس کا علم کہاں سے ہو گیا ہے؟ یہی کہنا پڑے گا کہ دلوں پر شیطان وحی ڈالتا ہے، قرآن کریم میں ہے کہ شیطان بھی دلوں میں وحی کرتا ہے، تو ایک وحی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر اور دوسری وحی فاسق وفاجر لوگوں کے دلوں میں شیطانی ڈالتا ہے، ان کے دلوں میں برائی کے خیالات ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کیلئے، غیر دین کو دین سمجھانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے وہ مسئلہ نہیں بتایا اور بقول آپ کے وہ ثواب ہے تو کیا کہیں گے؟ یا تو معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کا علم ناقص، کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ اسمیں بھی ثواب ہے۔ مگر آپ کو پتہ چل گیا کہ اسمیں ثواب ہے، یا یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تو ہے کہ اس میں ثواب ہے، مگر جان بوجھ کر اپنی رضا کا طریقہ کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس چھپالیا، بتایا نہیں، اب اتنا زمانہ گزرنے کے بعد آپ کو اس کا پتہ چل گیا، تو اب سوال یہ ہے کہ اس کا پتہ آپ کو کیسے چلا؟ اللہ میاں نے چھپالیا تو اللہ میاں کے پاس کی بات کا آپ کو کیسے علم ہو گیا؟

یا یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ مسئلہ بتایا تھا، مگر معاذ اللہ! حضور ﷺ اس کو سمجھے نہیں، یا سمجھنے کے بعد بھول گئے، غرضیکہ معاذ اللہ! حضور ﷺ کو ان چیزوں کا علم نہیں تھا، معاذ اللہ! آپ ﷺ کا حکم ناقص تھا، آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ ان چیزوں میں بھی ثواب ہے، جن چیزوں کو ہم ثواب بنائے ہوئے ہیں، اگر علم تھا تو کیا دوسرے درجہ میں آپ یہ

کہیں گے کہ معاذ اللہ! خیانت کی ہے کہ دین پورا پہنچایا نہیں؟ یا یہ کہیں گے کہ صحابہ کرامؓ نے اس دین کو آگے نہیں پہنچایا اور نہ خود اس پر عمل کیا، ایک بات سوچئے آخر کار آپ کا ذہن کیا جواب دے گا؟ آیا اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا یا حضور اکرم ﷺ نے احکام الٰہیہ پہنچانے میں خیانت کی ہے؟ یا یہ کہ معاذ اللہ! حضرات صحابہ کرامؓ نے آگے دین پہنچانے میں خیانت کی، کس چیز کا آپ فیصلہ کریں گے؟

خدا کے لیے غور کر لیجئے، پھر غور کیجئے، بڑے سے بڑا فسق و فجور ہو، بڑے سے بڑا گناہ ہو، بڑے سے بڑا بدکردار انسان ہو، وہ کم ہے اس بدعت اور اس گناہ سے جو ہے گناہ، مگر اس کو ثواب سمجھ رہے ہیں۔

غیر دین کو دین سمجھ لینا اور جو بات اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان نہیں فرمائی، اس بات کو ان کی طرف منسوب کر دینا کہ یہ بھی ان ہی کی طرف سے بیان کی ہوئی ہے، اس پر جہنم کی وعید آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "جو بات میں نے نہیں کہی، اسے جو شخص میری طرف منسوب کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

سوچیں! جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ثواب نہیں بتایا اگر ان کو ثواب سمجھ گئے تو آپ متوازی حکومت بنا رہے ہیں کہ نہیں بنا رہے ہیں؟ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی حکومت کے مقابلہ میں آپ اپنی حکومت چلانا چاہتے ہیں، دین ان کا ہے حکومت ان کی ہے، انہوں نے کوئی قانون ایسا نہیں بنایا تو گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلے میں اپنا قانون بنا لیں، اس کو بغاوت کہا جاتا ہے، متوازی حکومت قائم کرنا کہا جاتا ہے، بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کیا جا سکتا ہے مگر جو مقابلہ کی حکومت بنائے اس کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔

سوچئے، اس مضمون کو پڑھنے کے بعد سوچئے اور کئی روز تک مسلسل سوچیں گے تو شاید جا کر کچھ بات دل میں اتر جائے، اور خدا کرے کہ بات دلوں میں اتر جائے، سمجھ میں آ جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔ (محمد رفعت قاسمی)

جس فعل کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو

لہٰذا سعادت مندی یہی ہے کہ سنت کے مطابق عمل کیا جائے اور بدعات سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے، بلکہ جس فعل کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو، ایسے فعل کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ اصولِ فقہ کا قاعدہ :

((وماتردد بين البدعة والسنة يترك، لان ترك البدعة لازم))

یعنی: جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اس لیے کہ بدعت چھوڑنا لازم اور ضروری ہے۔ (فتح القدیر ج۱، ص ۴۵۵، باب سجود السہو)

بحر الرائق میں ہے: ان الحكم اذا تردد بين سنة وبدعة كان ترك البدعة راجحاً على فعل السنة

یعنی: جب کسی حکم کے متعلق سنت اور بدعت ہونے میں تردد ہو تو بدعت کو چھوڑنا سنت پر عمل کرنے کی بہ نسبت بہتر اور راجح ہوگا۔ (البحر الرائق: ج۳، ص۳۰)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ((وماتردد بين البدعة والسنة يترك)) جس چیز کے متعلق تردد ہو کہ یہ سنت ہے یا بدعت؟ تو اسے چھوڑ دیا جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری: ج۱، ص۱۷۹)

شامی میں ہے: ((اذاتردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة)) جب کوئی سنت اور بدعت کے درمیان متردد ہو تو سنت کو چھوڑنا اس بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔ (شامی: ج۱، ص۶۰۰، مکروہات الصلوٰۃ)

یہاں تک ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی بات دل میں آئے اور اسے وہ بات اچھی معلوم ہو تو اس پر فوراً عمل شروع نہ کردے، تاآنکہ یہ تحقیق نہ ہوجائے کہ یہ بات سنت کے موافق ہے، حضرت سلیمان دارائیؒ فرماتے ہیں: ((لاينبغي لمن الهم شيئاً من الخيرات يعمل به حتى يسمع به في الاثر فيحمد لله تعالىٰ اذاوافق السنة))

یعنی: جس شخص کے دل میں کوئی امر خیر الہام کیا جائے تو اسے چاہیے کہ اس پر عمل نہ کرے، جب تک کہ اس کا آثار کے موافق ہونا معلوم نہ ہوجائے، اگر آثار میں اس کا وجود

ملے تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے جو بات اس کے دل میں آئی وہ آثار کے مطابق ہوئی۔

(احیاء العلوم: ج۱،ص۸۶/ مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم: ج۱،ص۹۳/ فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰،ص۳۷۷)

سنت کس کو کہتے ہیں؟

مسئلہ:۔ جب کسی چیز کو سنت کہتے ہیں تو اس کے معنی ہی ہیں کہ ہم اس کو آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے منسوب کرتے ہیں، کسی ایسی چیز کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں جو آپ ﷺ نے نہ کی ہو، اور نہ آپ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہو، نہ صحابہؓ کرامؓ اور نہ تابعینؒ نے جو کہ اتباع سنت کے سب سے بڑے عاشق تھے، اس پر عمل کیا ہو۔

(آپ کے مسائل: ج۱،ص۳۲۳)

مسئلہ:۔ سنت آنحضرت ﷺ کے طریقے کا نام ہے، آنحضرت ﷺ کی کسی چیز کا مذاق اڑانے والا کافر ہے، اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو مذاق اڑانے کے بعد وہ مرتد ہو گیا یعنی اسلام سے پھر گیا۔ (آپ کے مسائل: ج۱،ص۵۱)

فرائض، واجبات، مسنونات اور مستحبات کس کو کہتے ہیں؟

سوال:۔ فرض، واجب، مستحب، مکروہ مباح اور حرام ان کے معنی و مطلب کیا ہیں؟

جواب:۔ ۱۔ فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، یعنی اس کے ثبوت میں شک وشبہ نہ ہو، جیسے مثلاً قرآن شریف سے ثابت ہو، بلا عذر اس کا تارک (چھوڑنے والا) فاسق اور عذاب کا مستحق ہے اور فرضیت کا منکر کافر ہے۔

فرض دو طرح کے ہیں:

(الف) فرض عین: وہ ہے جس کی ادائیگی سب کے ذمہ ضروری ہو، جیسے نماز پنجگانہ وغیرہ۔

(ب) فرضِ کفایہ: وہ ہے جس کی ادائیگی تمام کے ذمہ نہیں، ایک دو کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہونگے، جیسا کہ نمازِ جنازہ وغیرہ۔ (درمختار)

۲۔ واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو، اس کا ترک (چھوڑنے والا) عذاب کا مستحق ہے، اس کا منکر فاسق ہے کافر نہیں۔

۳۔ سنت: وہ کام جس کو نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام ؓ نے کیا ہو اور اس کی تاکید کی ہو، پھر سنت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سنت مؤکدہ۔

(۲) سنت غیر مؤکدہ۔

سنت مؤکدہ: وہ ہے جس کو حضور ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے ہمیشہ کیا ہو، یا کرنے کی تاکید کی ہو اور بلا عذر کبھی ترک نہ کیا (چھوڑا) ہو، اس کا حکم بھی عملاً واجب کی طرح ہے، یعنی بلا عذر اس کا ترک گنہگار ہوگا اور ترک کا عادی سخت گنہگار اور فاسق ہے، یہ شفاعت نبی کریم ﷺ سے محروم رہے گا۔ (درمختار شامی: ج۵، ص۲۹۵)

اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں: سنت عین اور سنت کفایہ۔

ا۔ سنت عین: وہ ہے جس کی دائیگی ہر مکلف پر سنت ہے جیسا کہ نماز تراویح وغیرہ۔

۲۔ سنت کفایہ: وہ جس کی ادائیگی سب پر ضروری نہیں یعنی بعض کے ادا کرنے سے ادا ہو جائے گی اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہونگے جیسا کہ مسجد میں جماعت تراویح وغیرہ۔ (شامی: ج۱، ص۵۰۲)

(ب) سنت غیر مؤکدہ: وہ ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام ؓ نے اکثر مرتبہ کیا ہو، مگر کبھی کبھار بلا عذر ترک کیا ہو، اس کے کرنے میں بڑا ثواب ہے اور ترک کرنے میں گناہ نہیں، اس کو سنت زوائد اور سنت عادیہ بھی کہا جاتا ہے۔ (شامی: ج۱، ص۹۵)

۴۔ مستحب: وہ کام ہے جس کو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے کبھی کیا ہو اور اس کو سلف صالحین نے پسند کیا ہو۔ (شامی: ج۱، ص۱۵۵) اس کے کرنے میں ثواب ہے نہ کرنے میں گناہ بھی نہیں، اس کو نفل مندوب اور تطوع بھی کہتے ہیں۔ (شامی: ج۱، ص۹۵)

۵۔ حرام: وہ ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اس کا منکر کافر ہے اور بلا عذر اس کا مرتکب فاسق اور مستحق عذاب ہے۔

۶۔ مکروہ تحریمی: وہ ہے جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو، بلا عذر اس کا مرتکب گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے، اور اس کا منکر فاسق ہے۔ (شامی: ج۵، ص۲۹۴)

۷۔مکروہ تنزیہی: وہ ہے جس کوترک میں ثواب اورکرنے میں عذاب نہیں،مگرایک قسم کی قباحت ہے۔

۸۔مباح: وہ ہے جس کے کرنے میں ثواب نہیں اورترک کرنے میں گناہ اورعذاب بھی نہیں۔(شامی:ج۵،ص۲۹۴،فتاوی رحیمیہ:ج۲،ص۴۱۲)

۲۲رجب کے کونڈوں کی حقیقت کیا ہے؟

مسئلہ:۔کونڈوں کی مروجہ رسم محض بے اصل،خلافِ شرع اوربدعت ممنوعہ ہے،کیونکہ بائیسواں رجب کونہ حضرت امام جعفرصادق کی تاریخ پیدائش ہےاورنہ تاریخ وفات،آپ کی ولادت آٹھ رمضان ۸۰ھ یا۸۳ھ میں اوروفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔۲۲رجب کو حضرت امام معاویہؓ کی تاریخ وفات ہے۔

درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہؓ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے،کیونکہ جس وقت یہ رسم ایجادہوئی اس وقت اہل سنت والجماعت کاغلبہ تھا،اس لیے یہ اہتمام کیاگیاکہ شیرینی(مٹھائی وغیرہ)بطورحصہ علانیہ تقسیم نہ کی جائے،تاکہ رازفاش نہ ہو،بلکہ دشمنان حضرت معاویہؓ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے گھرجاکراسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کورکھاگیاہے،جب اس کارازکھلاتواس کوحضرت امام جعفرکی طرف منسوب کرکے یہ تہمت امام موصوف پرلگائی کہ انہوں نے خوداس تاریخ میں فاتحہ کاحکم فرمایا،حالانکہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں،لہٰذابرادرانِ اہل سنت کواس رسم سے بہت دوررہناچاہئے،نہ اس رسم کوبجالائیں،اورنہ اس میں شرکت کریں۔(فتاوی محمودیہ:ج۱،ص۲۲۱،احسن الفتاوی،ج۱،ص۳۶۸)

مسئلہ:۔ماہِ رجب کوعام لوگ''مریم روزہ کاچاند''بھی کہتے ہیں اوراس کی ستائیس تاریخ میں روزہ رکھنے کواچھاسمجھتے ہیں کہ ایک ہزارروزوں کاثواب ملتاہے،شرع میں اس کی کوئی قوی اصل نہیں،اگرنفل روزہ رکھنے کودل چاہےتواختیارہے،اللہ تعالی جتناچاہیں ثواب دیں،اپنی طرف سے ہزاریالاکھ مقررنہ سمجھے،بعض جگہ اس مہینے میں تبارک کی روٹیاں بھی پکتی ہیں،یہ بھی گھڑی ہوئی بات ہے،شرع میں اس کاکوئی حکم نہیں ہےاورنہ اس پرکوئی ثواب کاوعدہ ہے،اس لیے ایسے کاموں کودین کی بات سمجھناگناہ ہے۔(بہشتی زیور،ج۶،ص۶)

مسئلہ :۔ ماہِ صفر کو ”تیرہ تیز“ کہتے ہیں اور اس مہینے کو خاص کر عورتیں نامبارک جانتی ہیں اور بعض جگہ صفر کی تیرہویں تاریخ کو کچھ گھونگنیاں وغیرہ پکا کر بانٹتی ہیں کہ اس سے نحوست سے حفاظت رہے، یہ سارے اعتقاد شرع کے خلاف ہیں، توبہ کرنی چاہئے۔
(بہشتی زیور، ج۱، ص۵۹)

مسئلہ :۔ بعض عورتوں کی عادت ہے کہ وہ بی بی فاطمہؓ کی وفات کی تاریخ میں کھیر پکا کر کنڈے بھرتی ہیں اور بچوں کو کھلاتی ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لیے تاریخ متعین کرنا اور اس میں غیر ضروری چیزوں کو ضروری سمجھنا خلافِ شرع ہے، کنڈے بھرنے کا ثبوت شریعت میں کہیں نہیں ہے۔ (اغلاط العوام :ص ۲۱۸، ونظام الفتاویٰ: ج۱، ص ۱۴۷)

مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع

سوال :۔ عیدین، نصف شعبان، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ اور دیگر مبارک راتوں میں جو عام رواج بن گیا ہے کہ مساجد میں ذکر و تلاوت وغیرہ کے لیے جمع ہوتے ہیں اور بعض مساجد میں تقریر کا بھی اہتمام ہوتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب :۔ ان مبارک راتوں میں مساجد میں آ کر عبادت کرنے کے تین طریقے ہیں:

۱۔　مسجد میں آ کر عبادت کرنے کا اہتمام نہیں کیا، بلکہ اتفاقاً مسجد میں آ کر تلاوت و ذکر میں لگ گئے، یہ جائز ہے، لیکن یہ نوافل اور ذکر گھر میں کرتا تو زیادہ ثواب ملتا، بلکہ مسجد حرام و مسجد نبوی کی بہ نسبت بھی گھر میں نفل عبادت کا زیادہ ثواب ہے۔

۲۔　مسجد میں آنے کا اہتمام کیا گیا ہو، یہ بدعت ہے اس لیے کہ نوافل کے لیے مسجد کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نوافل پڑھنے کو زیادہ ثواب کا باعث سمجھتا ہے اور یہ شریعت مطہرہ پر زیادتی ہے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ ہے، اس لیے کہ احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

۳۔　مبارک راتوں میں مسجد میں عبادت کرنے کا اہتمام اجتماعیہ کے ساتھ کیا جائے مثلاً نوافل کی جماعت کی جائے یا تقاریر کا اہتمام کیا جائے، یہ صورت بھی بدعت ہے، صورت دوم سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس میں ایک تو وہی خرابی ہے، جو نمبر ۲ میں مذکور ہوئی، دوسری خرابی

یہ ہے کہ نفلی عبادت کے لیے ہیئت اجتماعیہ پیدا کرلی جو شرعاً ممنوع ہے۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ''گھروں میں شور ہوتا ہے، بچے روتے ہیں، جس کی وجہ سے دلجمعی اور خشوع باقی نہیں رہتا'' یہی شیطان کا فریب (دھوکہ) ہے، دراصل خشوع وخضوع بھی حاصل ہے، اور اگر خلافِ سنت لاکھ آہ وبکار اور ہیئت خشوع اختیار کریں تو بھی شریعت کی نظر میں اس کو خشوع نہیں کہا جاتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو انتہائی سخت مجبوری کے باوجود تہجد وغیرہ میں نوافل گھر میں پڑھیں اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہوں اور آج ہم یہ کہنے لگیں کہ ہمیں تو گھر میں خشوع حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اپنے حجرہ مبارکہ میں نفل پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہؓ سامنے پاؤں پھیلائے ہوئے لیٹی ہوئی ہوتیں، جب آپ سجدہ کرنے لگتے، ہاتھ سے ان کے پاؤں کو چھوتے تب وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں، اور جب حضور ﷺ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہؓ پھر اپنے پاؤں پھیلا دیتی تھیں، رات اندھیری، گھر میں انتظام نہیں، گھر میں اتنی وسعت نہیں کہ ایک آدمی لیٹ جائے تو دوسرا سجدہ کر سکے اور مسجد نبوی اتنی قریب کہ حجرہ سے قدم نکلا تو مسجد نبوی میں پہنچ گئے، پھر مسجد بھی مسجد نبوی ہے، جس کا فضل ظاہر ہے، اس کے باوجود محسن اعظم ﷺ کا عمل مبارک یہ تھا کہ حجرہ میں نوافل پڑھتے تھے۔ مسجد میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔

نیز بعض حضرات یہ کہا کرتے ہیں کہ گھر میں اکیلے پڑھنے سے نیند جلد آجاتی ہے اور اگر مسجد میں ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ذکر و نوافل میں لگ جائیں، کچھ تقاریر ہوں اور کچھ نوافل کی جماعت وغیرہ ہو تو نیند ختم ہو جاتی ہے، اس طرح بہت زیادہ عبادت کی توفیق ہو جاتی ہے، اگر گھر میں نوافل وغیرہ پڑھتے تو اس کا آدھا نہ کر پاتے۔

خوب سمجھ لیں تکثیر عبادت یا اس کی کمیت مقصود ہی نہیں، بلکہ عبادت کی کیفیت پر سارے ثواب کا دار و مدار ہے، اگر تھوڑی عبادت کرلی تو یہ اس عبادت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے جو سنت کے خلاف ہو، سنت یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں نشاط ہو، نوافل وغیرہ

میں مشغول رہے اور جب نیند کا غلبہ ہو اور طبیعت اُکتا جائے تو آرام کرلے۔ حدیث شریف سے یہ ثابت ہے۔ (احسن الفتاویٰ، ج۱،ص۳۷۳، بحوالہ شامی، ج۱،ص۶۴۲، اغلاط العوام،ص۱۱۷)

متبرک راتوں میں بیداری کے لیے جمع ہونا

مسئلہ:۔ شب برأت اور شب قدر کی تلاش اور عبادت کے لیے مساجد میں جمع ہونا مکروہ اور بدعت ہے، جو شخص رات بھر نماز پڑھے، مگر ثواب کی نیت نہ ہو یا گناہوں سے نہ بچتا ہو تو اس کو بیداری کا تکان کے علاوہ کوئی ثمرہ اور ثواب حاصل نہیں ہوگا، یہی حال ہر عبادت کا ہے، یعنی وہ عبادت جو دکھلاوے کے لیے ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص۱۷)

مسئلہ:۔ شب برأت کو حلوہ پکانا، گھروں کی صفائی کا اہتمام کرنا اور اس شب میں گھر و قبرستان میں چراغاں کرنا، عود اور اگربتی سے معطر کرنا اور ان امور کو سنت کہنا بے دلیل ہے، اور اس رات میں بزرگوں کی ارواح کے گھر پر آنے کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص۱۸۳)

مسئلہ:۔ شب برأت میں قبروں پر روشنی کرنا اور اگربتی جلانا رسم جہالت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص۳۲۳)

مسئلہ:۔ شب برأت کی رات میں نفلی عبادت کرنا، پھر دن میں روزہ رکھنا، موقع مل جائے تو چپکے سے قبرستان جاکر مردوں کے لیے دعاء خیر کرنا، یہ کام تو کرنے کے ہیں، مگر باقی آتشبازی کرنا، نفل کی جماعت کرنا، قبرستان میں جمع ہوکر تقریب کی صورت بنانا، حلوہ کا التزام کرنا وغیرہ اور جو غیر ثابت امور رائج ہوں، وہ سب ترک کرنے کے ہیں۔

مسئلہ:۔ شب برأت میں حلوہ پر حضرت اویس قرنیؒ کے نام کی فاتحہ کا التزام کسی دلیل سے ثابت نہیں، اگر یہ چیزیں ثواب کی ہوتیں تو ضرور کتاب وسنت، اجماع، قیاس اور مجتہدین سے ثابت ہوتیں، اور جب ثابت نہیں تو پھر ان کو دین کا کام سمجھنا بدعت اور قابل رد ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۵،ص۴۰۵)

مسئلہ:۔ شب برأت میں تہجد کی نماز باجماعت اعلان کرکے اس مقصد سے پڑھنا کہ جو بے نمازی ہیں، ان میں شریک ہوکر ثواب کے مستحق ہوجائیں گے ایسا کرنا مکروہ وممنوع ہے،

بے نمازیوں کو تبلیغ وتاکید کی جائے کہ وہ نماز کی پابندی کریں۔ترک فرض کو برداشت کیا جائے اور مکروہ کے ارتکاب کی دعوت دی جائے نہ دانشمندی کی بات ہے نہ شرع کی طرف سے اس کی اجازت، اس رات میں عبادت کے لیے جمع ہونا بھی منع ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵،ص ۴۳۱)

مسئلہ :۔ مذکورہ شب میں چراغاں اور مٹی کے دیے چاق وغیرہ میں رکھنے کی جو رسم ہے، وہ بالکل ناجائز اور بدعت ہے۔اور دیوالی کی پوری نقل ہے، مساجد میں بھی نمازیوں کی ضرورت سے زیادہ رسماً ورواجاً روشنی کرنا اسراف وحرام ہے، اگر متولی مسجد کے مال میں سے کرے گا تو اس کو تاوان دینا ہوگا، شب برأت وغیرہ راتوں کا بھی یہی حکم ہے (فتاویٰ محمودیہ: ج ۲،ص ۲۸۸)

بارہ ربیع الاول کی شب میں چراغاں کرنا

مسئلہ :۔ خاتم الانبیا ﷺ کی عزت اور توقیر آپ ﷺ سے محبت وعقیدت اصل ایمان ہے، جس بدنصیب کے دل میں رسول مقبول ﷺ سے عقیدت ومحبت نہیں، وہ درحقیقت ایمان ہی سے نا آشنا ہے۔قرآن وحدیث نے جہاں ہم کو بتلایا ہے کہ آپ ﷺ سے محبت وعقیدت رکھنا ایمان کی جڑ ہے، وہیں ہم کو محبت وعقیدت کا طریقہ بھی بتلایا ہے اور رسول کریم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے صحابہ کرامؓ نے کر کے دکھلا بھی دیا ہے۔

بارہ ربیع الاول کو چراغاں کرنا اگر خیر وبرکت کی چیز ہوتی، تو رسول مقبول ﷺ ضرور اس کو بیان فرما دیتے اور صحابہ کرامؓ دل کھول کر چراغاں کرتے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا اور نہ اس کا حکم فرمایا، نہ کسی صحابیؓ وتابعیؒ نے چراغاں کیا، ائمہ مجتہدین نے بھی نہیں کیا، اولیاء کرام مثلاً خواجہ معین الدین چشتی، غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ میں سے کسی بزرگ نے بھی چراغاں نہیں کیا اور نہ اس کی اجازت دی۔

اگر چراغاں کرنا واقعی ثواب اور ذریعہ خیر وبرکت ہوتا تو یہ سب حضرات جو ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت ومحبت رکھنے والے تھے، ضرور بالضرور چراغاں کرتے، خیر القرون میں چراغاں کا نہ کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس رات میں چراغاں کرنا ثواب کی چیز نہیں ہے، لہٰذا اس عمل کو ذریعہ قرب وثواب سمجھنا بدعت ومعصیت ہے، یہی وجہ

ہے کہ فقہاء کرامؒ نے متبرک راتوں میں چراغاں کرنے کو بدعت وحرام اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت قرار دیا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص۲۲۴، تفصیل دیکھئے، آپ کے مسائل: ج۸،ص۱۴۳)

☆ ربیع الاول کی رسمیں ☆

کیا محبت نبوی ﷺ کے تقاضے یہی ہیں؟

ربیع الاول کے مہینہ میں بہت جگہ میلاد (جشن، جلسہ، جلوس کا) اہتمام ہوتا ہے، بعض مقامات میں (جشن) عید میلاد النبی ﷺ منانے (جلسے جلوس نکالنے اور سجاوٹ) کے لیے اور مٹھائی تقسیم کرنے کے واسطے چندہ ہوتا ہے، مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں، مسجدوں کو سجایا جاتا ہے، اور ہندوؤں کے طرز پر سجایا جاتا ہے کہ اس میں ایک چھپر بنایا جاتا ہے، جھالر لٹکائے جاتے ہیں، مسجدوں کو ایسا بنایا جاتا ہے جیسے معلوم ہوتا ہے کسی ہندو نے (شادی میں) اپنے گھر کو سجایا ہے (اور آب تو سڑکوں کو سجایا جاتا ہے، روشنی کا اسراف ہوتا ہے اور جو کچھ بھی ہوتا ہے سب جانتے ہیں) کیا اس کو محبت کہیں گے؟ ہاں محبت تو ہے، مگر اپنے نفس کی محبت ہے۔

ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے اپنے حظ (نفس کے مزے) کو تو محفوظ رکھا، لیکن حضور ﷺ کے اسلام پر جو سخت مصیبت آرہی ہے اور ڈانواڈول ہورہا ہے، اس کی تم نے کیا مدد کی؟ اس کو کیا سہارا پہنچایا؟ ایک وہ مسلمان (جو بیچارے مظلوم ہیں) اسلام کے لیے اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں، اور ایک یہ ہیں کہ ان کو (سجاوٹ اور) مٹھائی کھانے کی سوجھ رہی ہے، ان سے قسم دے کر پوچھا جائے کہ اگر اس وقت حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے اور آپ ﷺ سے دریافت کیا جاتا کہ یہ چندہ کا روپیہ ہم سجاوٹ اور مٹھائی میں صرف کردیں یا آپ ﷺ کے جانبازوں (مجاہدین اور مظلوم مسلمانوں) پر لگادیں؟ تو کیا حضور ﷺ یہ رائے دیتے کہ مٹھائی میں صرف کرو؟

صاحبو! کیا کسی دردمند کو ایسے وقت میں مٹھائی کا کھانا بھلا معلوم ہوسکتا ہے؟ ہائے! کس منہ سے ایسی حالت میں بھی لوگوں سے مٹھائی کھائی جاتی ہوگی؟ کیسی بے حسی ہے، کتنا بڑا ظلم ہے اور پھر غضب یہ ہے کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں محبت کا، کیوں صاحب! آپ

نے (جشن) عید میلا د النبی ﷺ کرلیا اور ترکوں نے (مجاہدین نے) اپنی جان لڑائی، تو کون شخص محبّ رسول ﷺ ہوا؟

عید میلا د النبی ﷺ میں جدت پسندی اور اس کا سیاسی رنگ

عید میلا د النبی ﷺ پہلے لوگوں میں رائج تھی کہ اس میں کپڑوں کا بدلنا اور مکان سجانا، احباب کو جمع کرنا، رسم کے طور پر ذکر شریف کا اہتمام کرنا، شیرینی کا انتظام کرنا (مٹھائیاں تقسیم کرنا) یہ سب کچھ ہوتا تھا، مگر اب لوگوں نے اس میں ایک اور سیاسی رنگ چڑھا دیا ہے، وہ یہ کہ بارہ ربیع الاول کو اہتمام کے ساتھ سب لوگ جمع ہوں اور جمع ہو کر (قرآن پاک کی تلاوت اور) دعا کریں۔ بے شک مسلمانوں کی فلاح کے واسطے دعا بہت اچھی چیز ہے، مگر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ دین میں ایک چیز کا بڑھانا، وہ یہ کہ جمع ہونے کے لیے یہ تاریخ متعین کی جائے، یہ کیسے جائز ہو گیا؟

اور کہتے ہیں کہ اس میں دین کی شوکت ہے، مجھ سے ایک مولوی صاحب نے کہا تھا کہ تعزیوں کو منع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس میں کرتب دکھانے سے مشق ہو جاتی ہے، شجاعت (بہادری) کی تحریک ہوتی ہے، اسی طرح ایک صاحب نے فرمایا کہ شب برأت میں آتش بازی سے منع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے بہادری کا اسپرٹ محفوظ رہتا ہے۔

اللہ اکبر! کس قدر بے حسی غالب ہو گئی ہے، اور لوگوں کی کو عقلیں کیسی ماؤف ہو گئی ہیں، اگر ان کے قبضہ میں دین ہوتا تو یہ حضرات خدا جانے اس میں کیا کچھ کتر بیونت کرتے۔

صاحبو! تمہارے اوپر ایک شرعی قانون حاکم ہے، تم کو اس کا ہرگز اختیار نہیں کہ تم خود کوئی قانون بنالو، جو قانون تمہارے پاس (اللہ کا دیا ہوا ہے) اس پر عمل کرنے کا تم کو حکم ہے، دیکھو! بہت سے قانون ایسے ہیں کہ وہ حکام کے حق میں مفید ہو سکتے ہیں (حکام کی اس میں عظمت ہو گی) لیکن اگر کوئی شخص تعزیرات ہند چھپنے کے وقت اخیر میں مثلاً یہ ایک دفعہ بڑھادے کہ جو شخص حکام کے نام کے ساتھ "جناب" کا لفظ نہ کہے گا اس پر پچاس روپے جرمانہ ہو گا، تو تصحیح قانون کے وقت جب اس زیادتی کی اطلاع ہو گی فوراً اس شخص کے نام وارنٹ جاری ہو جائے گا۔ اور اس کے جرم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قانون کا بنانا صاحب

سلطنت کا کام ہے، تو جب کسی شخص نے کوئی قانون بنایا تو اگر چہ وہ قانون سراسر حکام کے لیے مفید ہی کیوں نہ ہو، لیکن در پردہ اس قانون بنانے والے نے اپنے صاحب سلطنت ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بدعت سراسر مسلمانوں کے لیے موجد (بدعتی) کے گمان کے مطابق نافع ہو، لیکن دین سے زائد ہو، تو وہ ایسی ہی ہے جیسے کہ یہ قانون بڑھانا، تو اس کی بھی وہی سزا ہوگی، یہ جواب ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ فلاں بدعت میں یہ مصلحت ہے۔

صاحبو! اس میں تو خدا اور رسول ﷺ پر سخت اعتراض لازم آتا ہے کہ فلاں امر نافع تھا، لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو دین میں نہیں رکھا، نعوذ باللہ من ذالک، غرض عید میلاد النبی ﷺ پر آج کل یہ رنگ چڑھایا گیا ہے، اور مقصود اس سے وہی قومی شوکت کا اظہار ہے، رہی دعا تو وہ نمازوں کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور صرف دعا کے لیے جو جلسے کیے جاتے ہیں (عموماً) ان میں زیادہ تو ایسے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ بس محض اس واسطے کہ اپنا نام ہو۔ یہ انگریزی خوانوں کا حال تھا، بے چارے اپنی اس ایجاد کا اس سے زیادہ جواب نہیں دے سکتے کہ اس میں قومی مصلحت ہے، مگر کوئی شرعی دلیل بیان نہیں کرتے۔

ربیع الاول کے منکرات اور علماء اہل سنت والجماعت

بارہ ربیع الاول کے موقع پر جو خرافات و منکرات لوگوں سے اختیار کر رکھے ہیں، کیا وہ منع کے قابل نہیں ہیں؟ آپ تو اس کی ممانعت سے وحشت کرتے ہیں، جس کی کوئی اصل بھی قرآن وحدیث میں نہیں؟ اور حضرت عمرؓ نے تو اس درخت کو کہ جس کی ایک درجہ میں فضیلت قرآن مجید میں خود موجود ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

محض اس لئے جڑ سے کٹوا دیا تھا کہ لوگ اس کی زیارت کا زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے۔

صاحبو! جو اساطین امت (علماء حق اہل سنت والجماعت) ہیں وہ دین کی خرابی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے، وہ محض اپنی بدنامی کے خوف سے ہرگز خاموش نہیں ہو سکتے، اگر چہ ان سے کوئی ناراض ہو، اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ حق سن کر کوئی ناراض نہیں ہوتا اگر سمجھا کر کہا

جائے، زیادہ تر تو جو لوگ ناراض ہوتے ہیں، اس کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ناصح (سمجھانے والے) ادھوری بات کہتے ہیں جس سے عوام سمجھتے ہیں کہ یہ بالکل اصل ہی کے منکر ہیں، پوری بات کہنے والے سے کوئی نہیں بگڑتا، اور اگر کوئی پوری بات کہنے پر بھی بگڑے تو اس میں خود زیغ (کجی اور گمراہی) ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کی رسم

اب ایک ترقی اور ہوتی ہے کہ "۱۲ ربیع الاول" کو لوگ عید منانے لگے ہیں، اور اس کا نام رکھا ہے "عید میلاد النبی ﷺ" میلاد کے متعلق تو علماء نے مستقل رسالے لکھے ہیں جیسے "براہین قاطعہ" وغیرہ اور احقر نے بھی اصلاح الرسوم میں مفصل بحث لکھی ہے، لیکن اس نئی رسم کے متعلق جس کا نام "عید میلا النبی ﷺ" رکھا گیا ہے، اب تک کوئی رسالہ نظر سے نہیں گزرا، مفصل بحث اس کے متعلق (دلائل شرعیہ کی روشنی میں کہیں) نہیں کی گئی، آج اس کے متعلق بیان کرنے کا ارادہ ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کی ایجاد

ایک بہت بڑی غلطی (اس ماہ میں) عید میلاد النبی ﷺ کی ایجاد ہے اور یہ ایک مسلمان بادشاہ کی ایجاد ہے، اس نے عیسائیوں کے مقابلے میں اس کو ایجاد کیا تھا کہ جیسے ان کے یہاں بڑے دن میں خوشی ہوتی ہے، رونق ہوتی ہے، اسی طرح ہم بھی کرینگے۔ اور اس بادشاہ کی یہ رائے غلط تھی اور اس کا عمل گو سنت (اور شریعت) کے خلاف تھا، مگر اسکے اہتمام سے غرض حاصل تھی اور اب تو وہ بھی نہیں کیا مٹھائی تقسیم کر دینے سے یا لوگوں کے جمع ہونے سے (غیر قوموں کا مقابلہ اور) انکا توڑ ہو سکتا ہے؟

حضرات! اسلام کو ان عارضی شوکتوں کی ضرورت نہیں، اسلام کی تو وہ شوکت ہے کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام میں تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں نے نیا لباس بدلنے کے لیے غرض کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ((نحن قوم اعزنا الله بالاسلام))۔ (کہ ہم مسلمان ایسی قوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ عزت بخشی ہے)۔

صاحبو! اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہماری عزت سب کے نزدیک ہے، ہماری عزت سامان سے نہیں ہے، اگر ہے تو بے سروسامانی سے ہماری عزت ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ شرعی دلائل کی روشنی میں

کسی زمانہ میں جس قدر فضیلت زیادہ ہوتی اسی زمانہ میں حدود شرع سے تجاوز کرنا اللہ اور رسول کو اسی قدر زیادہ ناپسندیدہ ہوتا ہے اور حدود شرع سے تجاوز کرنے کا معیار صرف شرعی دلائل یعنی کتاب وسنت اور اجماع وقیاس مجتہد ہے۔

اور ان سب دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں جو اعمال بعض لوگوں میں رائج اور شائع ہو گئے ہیں، مثلاً عید میلاد (یعنی عید کی طرح خوشی منانا، جلوس نکالنا، خوب روشنی کرنا، جھنڈے نصب کرنا وغیرہ ذٰلک) یہ سب حدود سے تجاوز کے افراد ہیں (ان سب کی تفصیل آگے آرہی ہے) پس لامحالہ یہ سب اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہونگے۔

بدعت کی پہچان

بدعت کی ایک پہچان بتلاتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ جو بات قرآن وحدیث، اجماع اور قیاس، چاروں میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے، وہ بدعت ہے، اس کی پہچان کے بعد دیکھ لیجئے کہ ہمارے بھائیوں کے جو اعمال ہیں (مثلاً یہی بارہ ربیع الاول کی رسمی، عید میلاد النبی اور عرس وغیرہ) جتنے اعمال ہیں کسی اصل سے ثابت نہیں ہیں، اور ان کو دین سمجھ کر کیا جاتا ہے، یا نہیں؟ بدعت کی قباحت کا راز یہ ہے۔

اس میں اگر غور کیا جائے تو پھر بدعت کے منع ہونے میں تعجب نہ ہو، روزمرہ میں اس کی مثال دیکھئے، اگر کوئی صاحب جو گورنمنٹ کے اطاعت گذار بھی ہوں وہ گورنمنٹ کے قانون کو طبع کریں اور اخیر میں ایک دفعہ (قانون) کا اضافہ کردیں، اور (وہ قانون اضافہ شدہ) ملک وسلطنت کے لیے بے حد مفید بھی ہو، تب بھی اس کو جرم سمجھا جائے گا اور یہ شخص سزا کا مستحق ہوگا، پس جب دنیا کے قانون میں ایک قانون کا اضافہ جرم ہے، تو قانون

شریعت میں ایک دفعہ (قانون) کا اضافہ جس کو شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں، کیوں جرم نہ ہوگا؟

سنت و بدعت کا شرعی فیصلہ کن ضابطہ

ایک قاعدہ بیان کرتا ہوں اس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ جتنی چیزیں خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئی ہیں، ان میں سے کون سی بدعت ہے اور کون سی مندوب و مستحب اور شریعت سے ثابت ہیں، اور اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اس خوشی کے ظاہر کرنے کا کوئی مقبول (پسندیدہ) طریقہ ہے یا نہیں، اور یہ مروجہ طریقہ بدعت ہے یا نہیں۔

ایجاد کردہ چیزوں کی پہلی قسم

پس جاننا چاہئے کہ خیر القرون کے بعد جو چیزیں ایجاد کی گئیں، انکی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ کہ ان کا سبب داعی بھی جدید ہے۔ (یعنی خیر القرون میں اس کی ضرورت کے اسباب نہیں پائے گئے) اور وہ کسی مامور بہ کی موقوف علیہ ہیں (یعنی کوئی شرعی حکم اس پر موقوف ہے) کہ ان کے بغیر اس شرعی حکم پر عمل نہیں ہو سکتا، جیسے دینی کتابوں کی تصنیف اور مدرسوں اور خانقاہوں کی تعمیر کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ان میں سے اس انداز کی کوئی شی نہ تھی اور ان کا سبب داعی بھی جدید ہے اور نیز یہ چیزیں ایسی ہیں کہ شرعی حکم ان پر موقوف ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے، اس کے بعد سمجھئے کہ خیر القرون میں دین کی حفاظت کے لیے جدید واسطوں میں سے کسی شی کی ضرورت نہ تھی، قوت حافظہ اس قدر قوی تھا کہ جو کچھ سنتے تھے وہ سب نقش کالحجر ہو جاتا تھا، فہم ایسی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریر کریں، تدین وتقویٰ بھی غالب تھا۔

اس کے بعد دوسرا زمانہ آیا، غفلتیں بڑھ گئیں، قویٰ کمزور ہو گئے، ادھر اہل ہواء (یعنی خواہش پرستوں) اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا، تدین مغلوب ہونے لگا، پس علماء امت کو دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا۔ پس اس کی ضرورت زیادہ واقع ہوئی کہ دین کے تمام اجزاء کی

تدوین کی جائے، چنانچہ دینی کتابیں، حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول فقہ، عقائد میں کتابیں تصنیف ہوئیں اور انکی تدریس کے لیے مدارس تعمیر کیے گئے، اس لیے کہ اس کے بغیر دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی، پس یہ وہ چیزیں ہوئیں کہ ان کا سبب جدید ہے کہ خیرالقرون میں (یعنی صحابہؓ وتابعینؒ کے عہد میں) نہ تھا، اور دین کی حفاظت اس پر موقوف ہے۔ پس یہ اعمال گو صورۃً بدعت ہیں، لیکن حقیقت میں بدعت نہیں، بلکہ اس قاعدے سے ((مقدمة الواجب واجب))۔ (یعنی واجب کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے، اس قاعدہ سے یہ چیزیں) واجب ہیں۔

ایجاد کردہ چیزوں کی دوسری قسم

دوسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے (یعنی خیرالقرون عہد نبوی ﷺ، عہد صحابہؓ وتابعینؒ میں بھی وہ سبب موجود تھا) مثلاً مروجہ میلاد کی مجلسیں، تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ بدعات کہ ان کا سبب قدیم ہے، مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب نبی کریم ﷺ کی ولادتِ شریفہ پر خوشی ہے اور یہ سبب حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی موجود تھا، لیکن حضور ﷺ نے یا صحابہؓ نے مجلس منعقد نہیں کیں، کیا نعوذ باللہ! صحابہؓ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا تھا؟ اگر اس کا سبب اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ان کا منشاء موجود نہ تھا، لیکن جب اس کا باعث اور اس کی بنیاد موجود تھی، پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی میلاد کی مجلس منعقد کی، نہ صحابہؓ نے، ایسی شئ کا حکم یہ ہے کہ وہ صورۃً بھی بدعت ہیں اور معنیً بھی۔

یہ قاعدہ ہے سنت اور بدعت کے پہنچان کا، اس سے تمام جزئیات (اور اختلافی مسائل) کا حکم مستنبط ہوسکتا ہے اور دونوں قسموں میں ایک عجیب فرق ہے، وہ یہ کہ پہلی قسم کی تجویز کرنے والے خواص علماء ہوتے ہیں، اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے، اور دوسری قسم کی تجویز کرنے والے عوام ہوتے ہیں، اور وہی اس میں ہمیشہ تصرف کرتے ہیں، چنانچہ میلاد شریف کی مجلس کو ایک بادشاہ نے ایجاد کیا ہے، اس کا شمار بھی عوام ہی میں سے ہے، اور عوام ہی اب تک اس میں تصرف کرر ہے ہیں۔

عید منانا ایک شرعی حکم

عید ایک ایسا زمانہ ہے، جس میں ہم کو بشاشت (یعنی خوشی ظاہر کرنے) کا حکم ہے اور چونکہ یہ دینی خوشی ہے اس لیے اس کے ظاہر کرنے کا طریقہ بھی دین ہی سے معلوم کرنا چاہئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خوشی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک دنیا کی خوشی، ایک دین کی خوشی، سو دین کی خوشی پر کسی خاص ہیئت (یعنی کسی خاص طریقے سے) خوشی منانا، یہ وحی کا محتاج ہے، یعنی اگر ہم کسی مذہبی خوشی میں کسی خاص طریقہ سے خوشی منانا چاہیں تو ہم کو دیکھنا چاہئے کہ شریعت نے اس موقع پر عید کرنے اور خوشی منانے کی ہم کو اجازت دی ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں اپنی رائے اختراع کرنا (یعنی گھڑ لینا) ایک بڑے مفسدہ (اور خرابی) کو متضمن ہوگا یعنی چونکہ اس کی اصل بناء دین ہے، اس لیے عوام اس گھڑے ہوئے طریقہ کو بھی دین سمجھیں گے اور یہ بہت بڑا مفسدہ ہے، البتہ دنیا کی خوشی جب کہ اس میں کسی اور خرابی کا اندیشہ نہ ہو، خود اپنی تجویز سے بھی ہو سکتی ہے۔

آج کل ہندوستان میں ہمارے بھائیوں نے جناب نبی کریم ﷺ کی یوم ولادت (یعنی ۱۲/ ربیع الاول) کو یوم عید منانے کی تجویز کی ہے، اور یہ خیال ان کے ذہن میں دوسری قوموں کے طرزِ عمل کو دیکھ کر جو اپنے مذہب کے اکابر (مقتداء وپیشوا) کے ساتھ کرتے ہیں، پیدا ہوا ہے، لیکن اس قاعدہ مذکورہ کی بناء پر لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ یوم ولادت (یعنی آپ ﷺ کی پیدائش کے دن) کی خوشی دنیوی خوشی نہیں ہے، بلکہ یہ مذہبی خوشی ہے پس اس کے طریقہ کے متعین کرنے کے لیے وحی الٰہی کی اجازت ضروری ہے۔

حضور ﷺ کی پیدائش کا دن مذہبی خوشی ہے

اب اس کی دلیل سنئے کہ یوم ولادت (یعنی حضور ﷺ کی پیدائش کا دن) مذہبی خوشی ہے، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا اطلاق اس خطہ زمین پر یا زیادہ سے زیادہ چند فرسخ (چند میل، کلو میٹر) اوپر ہوا پر ہوتا ہے بس اگر کوئی دنیوی خوشی ہوگی تو اس کا اثر اسی خطۂ زمین تک محدود رہے گا، اس سے آگے نہ بڑھے گا، اور حضور پُر نور ﷺ کی ولادت کے دن نہ صرف

زمین کی موجودات، بلکہ ملائکہ، عرش، کرسی اور باشندگاہ عالمِ بالا سب کے سب مسرور اور شادماں (یعنی خوش) تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کفر و ضلالت کو ختم کرنے والی اور توحید حق کی حامی تھی، جس کی بدولت عالم کا قیام ہے، آپ ﷺ کا ظہور چونکہ تمام عالم کے بقاء کا سبب تھا، اس لیے تمام عالم میں یہ خوشی ہوئی، جب اس (خوشی) کا اثر دنیا سے آگے بڑھ گیا تو اس خوشی کو دنیوی خوشی نہیں کہہ سکتے، جب یہ دنیوی خوشی نہیں ہے، بلکہ مذہبی خوشی ہے تو اس میں ضرور ہر طرح سے وحی (یعنی حکم الٰہی) کی ضرورت ہوگی، یعنی اس کے وجود میں بھی اور اس کی کیفیت (اور طریقہ) میں بھی، اب مجوزین (یعنی عید میلاد النبی ﷺ کے قائلین) اہم کو دکھلائیں کہ کسی وحی سے یوم ولادت کے یوم العید (یعنی آپ ﷺ کی پیدائش کے دن کو عید منانے کا) حکم معلوم ہے؟ اور اس کی کیا صورت بتلائی گئی ہے؟

شریعت میں صرف دو عیدیں ہیں تیسری کوئی عید نہیں

لوگوں نے عید میلاد النبی ﷺ کو اپنی طرف سے مخترع (گھڑ) لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالی نے دو عیدیں دی ہیں، عید الفطر، عید الاضحیٰ، اور لوگوں نے تیسری عید اور ایجاد کرلی، یہ تو جنابِ رسول مقبول ﷺ سے اچھا خاصا معارضہ (اور مقابلہ) ہوگیا، اس کی ایسی مثال ہے جیسے انگریزی قانون کے موافق تعطیلیں (سرکاری چھٹیاں) مقرر رہوں اور کاتب یا ٹائپ پریس والوں نے ایک تعطیل اور بڑھادی کہ جس روز کلکٹر صاحب کا تقرر رہوا تھا اس روز بھی تعطیل کردی جائے، کیونکہ بڑے حاکم ہیں، اس لیے ان کے تقرر کی خوشی میں مناسب ہے کہ تعطیل کردی جائے، تو اب اہل قانون سے جا کر پوچھ کرلو، وہ بتلائیں گے (کہ یہ شخص مجرم ہے یا نہیں) اس پر سخت مقدمہ قائم ہوگا، سو اچھی خوشی منائی کہ جن کے تقرر کے لیے یہ کارروائی کی، وہی مقدمہ قائم کرتے ہیں، خوشی کرنا بری بات نہیں سمجھی گئی، لیکن اس میں ایک دوسرا جز و مذموم (یعنی بہت برا) ہے اور گورنمنٹ کے مقرر کردہ احکام میں رعایا کا تبدیلی (کمی بیشی) کرنا ہے، جس کی وجہ سے مجموعہ فاسد ہوگیا اور یہ مقدمہ قائم ہوگیا۔

اسی طرح "بارہ ربیع الاول" میں عمدہ کھانا پکانا، کپڑے بدلنا، خوشی منانا، ان امور پر

اپنی ذات کے اعتبار سے عتاب ہیں، مگر اس امر پر ہے کہ اس میں شریعت کے حکم کو اور قانونِ خداوندی کو بدلنا ہے، کیونکہ رسول مقبول ﷺ نے صرف دو تیوہار تجویز فرمائے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اب اس کے سوا تیسرا تیوہار تجویز کرنا شریعت کا مقابلہ اور شرع میں تبدیلی کرنا ہے۔ (از افادات: مولانا تھانویؒ۔ بشکریہ ندائے شاہی، مئی ۲۰۰۳)

سوال:۔ ربیع الاول میں کونڈا اور عشرہ محرم میں کھچڑا وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ یہ تعینات بدعت ضلالہ ہیں اور کھانے میں نیت اگر ایصالِ ثواب کی ہے تو کھانا مباح اور صدقہ ہے، اور اگر ان اکابر کے نام پر ہے تو داخل ((**وما اهل لغير الله**)) ہیں (یعنی ایصالِ ثواب کی نیت نہیں تو اولیاء اللہ کے نام پر ہونے کی وجہ سے) حرام ہے اور ایسے عقائد فاسد، موجب کفر کے ہیں اور ان افعال کو کفر ہی کہنا چاہئے، مگر مسلم کے فعل کی تاویل بھی لازم ہے۔

مسئلہ:۔ ایصالِ ثواب بلا قید دن دکھانے کے، مندوب ہے اور بہ قید و تخصیص دن کی اور تخصیص کھانے کی بدعت ہے، اگر تخصیص کے ساتھ ایصالِ ثواب ہو تو کھانا حرام نہیں ہوتا، گو اس تخصیص کے ساتھ معصیت ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۳۸، فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۴۲۹)

مولود کا شرعی حکم کیا ہے؟

سوال:۔ مولود شریف پڑھنے کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ آنحضرت ﷺ کی ولادتِ شریفہ کا ذکر، اور آپ ﷺ کے موئے مبارک، لباس، نعلین شریفین اور آپ ﷺ کی نشست و برخاست، خورد و نوش، سونے و جاگنے وغیرہ کا بیان کرنا اور سننا مستحب اور نزولِ رحمت و برکت کا موجب ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے ساتھ جس چیز کو بھی تھوڑی بہت مناسبت ہو، اس کا ذکر ثواب سے خالی نہیں، مگر جبکہ احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے ثابت ہو اور طریقۂ ذکر بھی سنت کے مطابق ہو۔

ولادت شریفہ کا ذکر بھی ایک عمل ہے، اس کا صحیح اور درست طریقہ یہ ہے کہ بلا پابندئ رواج اور ماہ و تاریخ کی تعیین کے بغیر، کسی ماہ میں، کسی بھی تاریخ میں، مجلس وعظ میں

یاپڑھنے پڑھانے کے طور پر یا اپنی مجلس میں یا خود بخود آیاتِ قرآنی اور روایاتِ صحیحہ سمیت آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ اور آپ ﷺ کے صفات وکمالات اور معجزات وغیرہ کو بیان کیا جائے، اور واعظ ومقرر بھی باعمل اور متبع سنت اور سچا عاشق رسول ﷺ ہونا چاہئے، آج کل رسمی مجالس میلاد میں لوگ جمع ہوکر جاہل شعراء کے قصائد اور مصنوعی اور من گھڑت روایات کو بہ رعایت نغمہ وترنم پڑھتے ہیں، اور اس مذکورہ طریقہ کو ضروری سمجھتے ہیں، یہ خلافِ سنت اور بدعت ہے، صحابۂ کرامؓ وتابعین اور تبع تابعینؒ اور ائمہ کرامؒ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۸۲، واحسن الفتاویٰ، ج ۱، ص ۲۷۰، امداد الاحکام: ج ۱، ص ۱۸۷)

مسئلہ:۔ مجلس میلاد میں ذکر وتلاوت کے وقت قیام کیا جاتا ہے، یہ بھی بے اصل ہے، آنحضرت ﷺ کے ارشاد اور تابعین وتبع تابعین کے قول وفعل سے قیام ثابت نہیں ہے، یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے، قیام کا التزام بدعت ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۰۴، بحوالہ ترمذی شریف: واحسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۳۸۳)

مسئلہ:۔ مروجہ میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے اور نہ خلفاء راشدین ودیگر صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، بلکہ چھ صدی اس امت پر اس طرح بیت گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا، سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا اور اس پر بہت روپیہ خرچ کیا، پھر اس کی حرص واتباع میں وزراء اور امراء نے اپنے اپنے انتظام میں مجالس منعقد کیں۔

اسی وقت سے علماء حق نے اس کی تردید ہر زبان میں لکھی اور آج تک تردید کی جارہی ہے۔

جواب:۔ آنحضرت ﷺ کا محفل میلاد میں تشریف لانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ بلا دلیل ہے، اور بلا دلیل شرعی کے آنحضرت ﷺ کی طرف یہ منسوب کرنا (کہ آپ ﷺ تشریف لاتے ہیں میلاد میں) نہایت خطرناک ہے، اس کی سزا جہنم ہے۔

جاں نثار صحابۂ کرامؓ کے قلوب میں آپ ﷺ کی جس قدر عظمت ومحبت تھی وہ کسی کو نصیب نہیں، ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب وہ آنحضرت ﷺ کو دیکھتے تھے قیام نہیں فرماتے تھے، کیونکہ یہ قیام آپ ﷺ کو ناگوار خاطر تھا، اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قیام کی ممانعت کردی تھی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۱۸۲، بحوالہ مشکوٰۃ: ص ۴۰۳، واحسن الفتاویٰ، ج ۱، ۳۴۸)

محرم و ربیع الاول وغیرہ میں وعظ کا حکم

سوال:۔ یہاں پر مساجد میں محرم کی پہلی تاریخ سے دس محرم تک، ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے گیارہویں تک، ستائیسویں رجب کی اور پندرہویں شعبان کی، ستائیسویں رمضان کی اورنویں ذی الحجہ کی، سال بھران ایام کی راتوں میں عشاء کے بعد وعظ ہوتا ہے، ان کے علاوہ نہ کسی کو توفیق ہوتی ہے وعظ کرانے کی اور نہ وعظ کرنے والوں کو توفیق ہوتی ہے کہ وہ خود وعظ کہیں، کیا یہ تعیین بدعت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایام مذکورہ کی تعیین دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں اور نہ اس کا وجود خیر القرون میں تھا، لہٰذا اگر ان ایام میں وعظ کو ضروری سمجھتا ہے یعنی اگر کوئی وعظ میں شریک نہ ہو تو اس کو ملامت کی جاتی ہے اور وعظ کہنے اور سننے کے ثواب کو انہیں دنوں کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے تو یہ بدعت سیئہ ہے۔

آج کل عام طور سے ایام مذکورہ کی تعیین کو ضروری، باعث ثواب سمجھا جاتا ہے، اس لیے بلاشبہ بدعت ہے، فی نفسہ وعظ کہنا بلا کسی التزام کے یا کسی وقتی ضرورت کے لیے جائز ہے، مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ صرف ان ہی اوقات میں وعظ وغیرہ کو ضروری نہ سمجھیں، بلکہ احکام الٰہیہ کے سیکھنے کے لیے خاص طور سے اہتمام کریں اور ان دنوں سے اس تعیین کو ختم کردیں اور مستقل طور سے تبلیغ و تعلیم کا انتظار کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۶، ص ۱۳۵)

ماہِ محرم کو سوگ کا مہینہ کہنا

مسئلہ:۔ ماہِ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حرام ہے، اور محرم کے مہینہ میں شادی وغیرہ کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا، سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج۳، ص ۱۹۱، بحوالہ بخاری شریف: ج۲، ص ۸۰۳، و مسلم شریف ج۱، ص ۴۸۶، و مشکوٰۃ ص ۲۸۸)

محرم کا شربت

مسئلہ :۔دس محرم کوذکرشہادت کا بیان کرنا،اگر چہ بروایاتِ صحیحہ ہو یاسبیل لگا کرشربت پلانا، یاچندہ سبیل شربت میں دینا،یادودھ پلانا یہ سب صحیح نہیں ہے اورروافض سے تشبہ کی وجہ سے حرام ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ:ص ۱۳۹)

مسئلہ :۔یہ پابندی بھی غلط اورغیر ثابت ہے کہ اگرسردی کا موسم ہوتب بھی شربت ہی پلایا جائے ،ایک غلط عقیدہ کوبھی اس میں دخل ہے،وہ یہ کہ حضرت امام حسینؓ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پیاس سے شہید کیے گئے ،لہٰذا یہ شربت ان کے پاس پہنچ کران کی پیاس بجھائے گا،اس عقیدہ کی اصلاح ضروری ہے، یہ شربت وہاں نہیں پہنچتا،اورنہ ان کواس شربت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں عطا کررکھی ہیں،جن کے مقابلے میں یہاں کاشربت کوئی حیثیت نہیں رکھتاہے۔(فتاویٰ محمودیہ:ج ۱۵،ص ۴۲۸)

مسئلہ :۔ایام محرم میں سرالشہادتین کا پڑھنا منع ہے،حسب مشابہت مجلس روافض کے۔

(فتاویٰ رشیدیہ:ص ۱۳۹)

مسئلہ :۔شریعت کی طرف سے دس محرم اوربارہ ربیع الاول دونوں میں کاروبار بند کرنے کا حکم نہیں ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:ج ۵،ص ۳۹۱)

تعزیہ سازی جائز نہ ہونے کی دلیل

مسئلہ :۔تعزیہ سازی کا ناجائز ہونااوراس کا خلافِ دین وایمان ہونااظہرمن الشمس ہے، قرآن مجید میں ہے ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ﴾ کیاتم ایسی چیزوں کوعبادت کرتے ہوجس کوخودہی تم نے تراشااور بنایا ہے؟ ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے تراش کربناتاہے، اورپھرمنت مانی جاتی ہے اوراس سے مرادیں مانگی جاتی ہیں،اس کے سامنے اولادوصحت کی دعائیں کی جاتی ہیں،سجدہ کیا جاتا ہے،اس کی زیارت کوزیارتِ امام حسینؒ سمجھا جاتاہے،کیا یہ سب باتیں روح ایمان اورتعلیم اسلام کے خلاف نہیں ہیں؟ یہ سب باتیں بدعت اورناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ:ج ۲،ص ۲۷۵،فتاویٰ رشیدیہ:ص ۵۷۶)

مسئلہ:۔ محرم میں تعزیہ کے سامنے جو کھیلتے ہیں، شرعاً یہ بے اصل اور ناجائز ہے، یہ روافض کا طریقہ ہے حضرت علیؓ سے ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۶، ص۱۲۹)

غیر ذی روح کا تعزیہ بنانا

مسئلہ:۔ بے جان کی تصاویر ونقشہ جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی عبادت اور خلافِ شریعت تعظیم نہ کی جاتی ہو، مگر تعزیہ داری اور تعزیہ سازی اعتقادی اور اصل خرابیوں سے پاک نہیں ہیں، تعزیہ کو سجدہ کیا جاتا ہے، اس کا طواف کیا جاتا ہے، اس پر نذر و نیاز چڑھائے جاتے ہیں۔ اور اس کے پاس مرادیں مانگی جاتی ہیں، اسپر عرضیاں چپکائی جاتی ہیں، اس لیے اس کا بنانا اور گھر میں لٹکانا ناجائز ہے، اگر خانۂ کعبہ وغیرہ کی تصاویر اور نقشوں کے ساتھ حرکات مذکورہ کی جائیں گی تو وہ بھی ناجائز ٹھہرے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۲۷۷، بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ج۲، ص۷۶)

مسئلہ:۔ تعزیہ داری اور مجالس مرثیہ خوانی وغیرہ ہر جگہ اور ہر وقت حرام اور گناہ کبیرہ ہیں، بالخصوص مساجد میں یہ کام کرنا سخت ظلم اور معصیت ہے، اور موجب عتابِ الٰہی ہے، مسلمانوں کو ایسی حرکات سے توبہ کرنی چاہئے اور یہ امور حرام اور گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں ہیں، ان امور پر اصرار کرنے والا فاسق ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ج۴، ص۱۵)

مسئلہ:۔ یوم عاشورہ کے دن کے متعلق شریعت نے خاص دو چیزیں بتلائیں ہیں:

(۱) روزہ رکھنا۔ (۲) اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت کرنا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے یومِ عاشورہ کے دن اپنے بال بچوں پر کھانے پینے کی وسعت کی تو اللہ تعالیٰ پورے سال روزی میں اضافہ کریں گے، اس کے علاوہ اُس دن کے لیے اور کوئی حکم نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۳۸۰)

مسئلہ:۔ دس محرم کے ساتھ نویں محرم کا بھی روزہ رکھنا چاہئے، نویں کا روزہ نہ رکھ سکے تو گیارہویں کا رکھ لے، ورنہ صرف دسویں کا روزہ مکروہ ہو جائے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۲، ص۳۷۹، بحوالہ شامی، ص۱۱۴، مراقی الفلاح، ص۱۲۴)

مسئلہ:۔ دسویں محرم (عاشورہ کے دن) اعلان اور مظاہرہ کے ساتھ مسجد میں نوافل پڑھنے کا

اہتمام والتزام کرنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، لائق ترک ہے، یہ نئی ایجاد اور خلافِ سنت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۶، ص ۱۹۱، وکفایت المفتی: ج ۱، ص ۲۲۵)

کیا یومِ عاشورہ کا روزہ شہادت کی وجہ سے ہے؟

مسئلہ:۔ دسویں محرم (یوم عاشورہ) کو اسلام سے پہلے گذشتہ اُمتوں میں بڑی عزت ووقار کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا، اس دن موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ظالم فرعون سے نجات دی اور وہ ظالم اور اس کے رفقاء بحر قلزم میں غرق کیے گئے، تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکریہ کا روزہ رکھا تھا، پھر آنحضرت ﷺ نے بھی روزہ رکھا۔

یومِ عاشورہ قبل از واقعۂ کربلا ہی معظم ومکرم نظروں سے نوازا گیا تھا، یہ بالکل غلط ہے کہ سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد یوم عاشورہ محترم ہوا، اور واقعۂ شہادت کی وجہ سے روزہ رکھا جاتا ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے لیے ایسا مبارک اور معظم دن پسند فرمایا جس کی وجہ سے آپ کی شہادت کے درجات اور فضائل میں زیادتی فرمائی۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۸۱، فتاویٰ محمودیہ: ج ۶، ص ۱۳۲)

مسئلہ:۔ عشرہ محرم (دس محرم) میں حدیث شریف سے صرف دو باتیں ثابت ہیں، دسویں محرم کا روزہ اور دسویں تاریخ کو اپنے گھر والوں کے خرچہ میں کچھ وسعت کرنا، جس کی نسبت آیا ہے کہ اس عمل سے سال بھر تک روزی میں وسعت رہتی ہے، باقی امور حرام ہیں۔

(اصلاح الرسوم: ص ۱۳۶)

دس محرم کو مجلس شہادت کرنا

مسئلہ:۔ ذکر شہادت کا ایام عشرۂ (دس) محرم میں کرنا روافض کی مشابہت کی وجہ سے منع ہے، اور ماتم، نوحہ (رونا پیٹنا) کرنا حرام ہے، حدیث شریف میں آپ ﷺ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے اور خلافِ روایات بیان کرنا سب ایام میں حرام ہیں، خاص دنوں میں صدقات تقسیم کرنا، اگر یہ جانتا ہے کہ آج ہی زیادہ ثواب ہے تو بدعت ضلالہ ہے۔ کسی دن کو خاص کر کے کھانا تقسیم کرنا لغو ہے، اور صدقہ کا کھانا مالدار کیلئے مکروہ اور سید کے لیے حرام ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۳۹)

مسئلہ:۔ حضرت امام حسینؓ کی رسم ماتم سخت مکروہ اور ممنوع ہے، علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ عاشورہ (دس محرم) کے دن روافض کی بدعتوں میں مبتلا نہ ہو جانا، مرثیہ خوانی، آہ وبکا اور رنج والم کے، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو اس کا زیادہ مستحق آپ ﷺ کا یوم وفات ہو سکتا تھا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۷۴، بحوالہ سفر السعادۃ: ص ۵۴۳)

مسئلہ:۔ محرم کے دس ایام میں شہادت کے بیان کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پوچھا گیا، انہوں نے تشبہ بہ روافض کی بنا پر ناجائز لکھا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''جس نے جس قوم کا تشبہ اختیار کیا وہ اس قوم میں سے ہے'' اس لیے بزرگانِ دین محرم شریف کی شہادت کے بیان وغیرہ کرنے کو منع کرتے آئے ہیں، کیونکہ اس میں بھی تشبہ روافض لازم آتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۹۲)

مسئلہ:۔ دس محرم کو مسجد و گھر میں مٹھائی تقسیم کرنا کوئی شرعی چیز اور قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے البتہ بعض روایات سے دس محرم کو روزہ رکھنا، بہت ثواب آیا ہے، اور اس دن کھانے میں کچھ وسعت کر لینا باعث برکت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۴۱۳)

محرم کی رسومات کا حکم

سوال:۔ حضرت حسینؓ کی شہادت پر رسم تعزیہ داری، سیاہ کپڑے پہننا، ننگے سر ہونا، سر میں خاک ڈالنا، سر کو پیٹنا، ماتم کرنا، مرثیے گانا، علم نکالنا، بچوں کو قیدی فقیر بنانا، تعزیہ گاہ میں تلاوت کلام پاک کرنا اور منتیں ماننا وغیرہ وغیرہ، اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس کی اصل کیا ہے؟

جواب:۔ حضرت سیدنا حسینؓ کی شہادت یقیناً ایک دردناک حادثہ ہے اور خاندان نبوت سے عقیدت ومودّت کا تعلق رکھنے والوں کے لیے روح فرسا واقعہ ہے، سب کو اس سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے، کہ حق پر کس طرح قائم رہنا چاہئے، کسی جابر طاقت کے سامنے جھکنے سے جام شہادت نوش کرنے کا مقام بہت بلند ہے، لیکن یہ انتہائی بدقسمتی اور حرماں نصیبی ہے کہ جرأت اور حق گوئی کا سبق حاصل کرنے کی جگہ، ان جاہلانہ اور زنانہ

مراسم نے قبضہ کرلیا ہے اوراب اُن ہی کے ذریعہ حق وفاداری ادا کیا جاتا ہے، مذکورہ سوال میں بعض چیزیں مکروہ ہیں، بعض بدعت سیئہ ہیں، بعض حرام ہیں، اور بعض درجہ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں، اہل سنت والجماعت کے مسلک سے اُن کا کوئی ربط نہیں ہے، یہ روافض کا شعار ہے، ان کی صحبت کا اثر بے علم یا بے عمل اہل سنت والجماعت میں بھی پھیل گیا ہے، ان کا بند کرنا ضروری ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۲، ص۲۰۱)

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھے، کیونکہ یزید کی والدہ نے روزہ رکھا تھا، یہ غلط ہے، نیز بعض عوام محرم میں قبروں پر مٹی ڈالنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔ غلط ہے۔

مسئلہ:۔ بعض عوام اس بچے کو جو محرم میں پیدا ہو، منحوس سمجھتے ہیں، یہ بھی غلط ہے، نیز بعض اسی ماہ میں نکاح وغیرہ کو بھی ناجائز جانتے ہیں، یہ بھی بالکل غلط ہے۔(اغلاط العوام: ص۱۸۴)

مسئلہ:۔ عشرۂ محرم میں زینت چھوڑنا، گوشت وغیرہ نہ کھانا، سینہ پیٹنا مرثیہ خوانی، تعزیہ پر ناریل وغیرہ توڑنا، اس کے سامنے کھانا وغیرہ رکھ کر تبرک کے طور پر کھانا، تعزیہ لے کر گشت کرنا باجہ وغیرہ کے ساتھ اور اس کو دفن کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب امور بدعت سیئہ ہیں اور بعض ان میں سے علاوہ بدعت ہونے کے خود بھی حرام ہیں اور بعض میں شرک کا بھی احتمال ہے، اس لیے ان تمام امور کا ترک کرنا ضروری ہے، اور تعزیہ کا جلوس نکالنا اور ان کے ساتھ ان تمام ناجائز کاموں کا کرنا، علاوہ بدعت ہونے کے کفار وہنود کے طرزِ عمل کے مشابہ بھی ہے، اس لیے بھی حرام ہے، نیز یہ جلوس شان وشوکت کے ساتھ نکالنا، اور باجہ گاجہ وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے تو علامت اظہار مسرت کی ہے، نوحہ وسینہ کوبی (سینہ پیٹنا) خود شرعاً حرام ہے۔

(امداد المفتین، ج۱، ص۱۰)

مسئلہ:۔ بعض جہلا کا اعتقاد ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ! تعزیہ میں حضرت حسینؓ رونق افروز ہیں اور اسی وجہ سے اس کے آگے نذر ونیاز رکھتے ہیں، جس کا ((ماأھل بہ لغیر اللہ)) میں داخل ہوکر کھانا، حرام ہے۔(اغلاط العوام: ص۱۸۴)

☆☆

تعزیہ بنا کر مسجد میں رکھنا

مسئلہ :۔تعزیہ بنانا اور اس کو اپنے مکان میں رکھنا بدعت ضلالہ اور بہت بڑا گناہ ہے، اور اس کی تعظیم وتکریم کرنا شرک ہے، اسی طرح اس پر منت اور چڑھاوا چڑھانا حرام اور شرک ہے، اور مسجد میں تعزیہ رکھنا ہرگز جائز نہیں، اور جس مسجد میں تعزیہ رکھا ہو، اس میں تعزیہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اہل مسجد کے ذمہ تعزیہ کا مسجد سے نکال دینا واجب ہے، اور جو لوگ تعزیہ کو مسجد میں رکھنا چاہتے ہیں اور جو ان کے معاوِن ہیں وہ عند اللہ سخت گناہ گار ہیں، ان سے ملنا جلنا، سلام وکلام کرنا ترک کر دینا چاہئے، جب تک وہ اس گناہ سے خالص توبہ نہ کریں۔ (امداد الاحکام: ج۱ص۱۸۱، ونظام الفتاویٰ، ج۱ص۱۷۰)

مسئلہ :۔بے جان کی شبیہ (شکل) بنانا اس وقت جائز ہے، جبکہ اس پر کوئی خرابی مرتب نہ ہو، ورنہ حرام ہے، اور تعزیہ کے ساتھ جو معاملات کیے جاتے ہیں ان کا معصیت وبدعت، بلکہ بعض کا قریب بکفر وشرک ہونا ظاہر ہے، اس لیے اس میں چندہ دینا اور اس میں شرکت وغیرہ کرنا سب ناجائز ہوگا، اور بنانے والا اور اعانت کرنے والا دونوں گناہ گار ہونگے۔

(اغلاط العوام :ص۱۸۶)

مسئلہ :۔لوگ تعزیہ کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی طرف پشت بھی نہیں کرتے، اس پر عرضیاں لٹکاتے ہیں، اس کے دیکھنے کو زیارت کہتے ہیں اور اس قسم کا معاملہ کرتے ہیں جو کھلم کھلا شرک ہے۔

(اغلاط العوام :ص۱۸۴، واصلاح الرسوم :ص۱۳۷، وشرح سفر السعادت :ص۵۴۳)

گیارہویں منانے کا کیا حکم ہے؟

سوال :۔ ہر سال ماہِ ربیع الثانی میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی گیارہویں کے نام سے ''یوم وفات'' بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ بیشک غوث الاعظمؒ ایک بڑے بزرگ ہیں، جن کی عظمت ومحبت ایمان کی علامت ہے اور بے ادبی وگستاخی کرنا گمراہی کی دلیل ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق میں انبیاء علیہم السلام کا مرتب سب سے بڑا ہے اور انبیاء میں سب سے افضل آنحضرت ﷺ ہیں، پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ہے اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ بدرجہ رتبہ ہے، بغور سوچئے! کہ انبیاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم جیسی مقدم ہستیوں کا ''یوم وفات'' منانے کی شریعت نے کوئی تاکید نہیں کی تو غوث الاعظم کا یوم وفات منانے کا کیا مطلب ہے؟

خلاصہ یہ کہ یہ رواج جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے اور اس کے بدعت ہونے میں ذرّہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۲۸۶، بحوالہ فتاویٰ حدیثیہ: ج ۱ ۲۶ ۲، فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۳۹)

گیارہویں کے کھانے کا حکم

سوال:۔ اگر رشتہ دار و احباب گیارہویں کا کھانا یا محرم کا کھچڑا یا شب برأت کا حلوہ وغیرہ گھر بھیج دیں تو لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اس قسم کا کھانا پکانے والا غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے تو اس کا یہ فعل شرک ہے اور یہ کھانا حرام ہے اور اس کا قبول کسی صورت میں بھی جائز نہیں، اور اگر نفع و نقصان کا مالک نہیں سمجھتا تو کھانا حرام نہیں، مگر یہ فعل بدعت ہے ایسا کھانا لینے سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے، تاکہ بدعت کی اشاعت اور تائید کا گناہ نہ ہو (احسن الفتاویٰ، ج ۱، ص ۳۸۲)

شش عید کے روزوں کا صحیح طریقہ

مسئلہ:۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر شش عید کے روزوں کو عید کے اگلے ہی دن سے شروع کردے تب تو ثواب وہ ملتا ہے ورنہ نہیں ملتا، یہ خیال غلط ہے، بلکہ مہینہ بھر میں کبھی بھی انکو پورا کرلیا تو ثواب مل گیا، خواہ عید کے اگلے ہی دن سے شروع کرے یا بعد میں (شوال ہی میں) شروع کرے، خواہ لگاتار رکھے یا متفرق طور پر رکھے، ہر طرح ثواب ملے گا۔

(زوال السنۃ: ص ۲۰)

مسئلہ:۔ بعض حضرات ان چھ روزوں میں اپنے پچھلے قضاء کے روزوں کو محسوب (شمار)

کر لیتے ہیں کہ شش عید کے روزے بھی ہوں گے اور قضاء بھی ادا ہو گی، تو خوب یاد رکھو! ان میں قضاء کی نیت کرنے سے وہ فضیلت شش عید کی حاصل نہیں ہو گی۔ (اغلاط العوام: ص ۱۲۶)

شب برأت میں حلوہ بنانا

مسئلہ:۔ شریعت میں شب برأت کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرہواں دن، اس مہینے کا بہت بزرگی اور برکت والا ہے، ہمارے پیغمبر آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جا کر مُردوں کے لیے بخشش کی دعا مانگی ہے، تو اگر اس تاریخ میں مردوں کو کچھ بخش دیا کریں، چاہے تو قرآن شریف پڑھ کر، چاہے کھانا کھلا کر، چاہے نقد (صدقہ وخیرات) دے کر، چاہے ویسے ہی دعا بخشش کر دیں تو یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے، اس سے زیادہ جتنے بکھیڑے لوگ کر رہے ہیں، اس میں حلوے کی قید لگا رکھی ہے، اور اسی طریقے سے فاتحہ دلاتے ہیں اور خوب پابندی سے یہ کام کرتے ہیں، یہ سب واہیات ہیں، جو چیز شرع میں ضروری نہ ہو اس کو ضروری سمجھنا یا اس کا حد سے زیادہ پابند ہو جانا بری بات ہے، شرعی چیز نہیں ہے۔ (بہشتی زیور، ج ۶ ص ۶۱، ونظام الفتاویٰ، ج ۱، ص ۱۷۴)

مسئلہ:۔ حدیث شریف سے اس زمانہ (شب برأت) میں تین باتیں ثابت ہیں، ان کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات ہے۔

اول: پندرہویں شب کو قبرستان میں جا کر اموات کے لیے دعا و استغفار کرنا اور کچھ صدقہ وخیرات دے کر بھی مردوں کو اس کا ثواب پہنچا دیا جائے تو وہ ہی دعا استغفار اس کے لیے اصل نکل سکتی ہے، کہ مقصد دونوں سے مردوں کو نفع پہنچانا ہے، مگر اس میں کسی بات کا پابند نہ ہو، اگر وقت پر میسر ہو خفیہ طور سے کچھ دے دلا دے، باقی حدود شرعی سے تجاوز نہ کرے۔

دوم: اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا خواہ خلوت (تنہائی) میں ہو یا دو چار آدمیوں کے ساتھ جن کے جمع کرنے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

سوم: پندرہویں تاریخ کو روزہ نفل رکھنا، ان عبادتوں کو مسنون طریقہ پر ادا کرنا نہایت احسن ہے۔ (اصلاح الرسوم: ص ۱۳۴)

مسئلہ:۔ شب برأت میں حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ امور ناجائز اور

بدعت ہیں، اگر محض رسم کے طور پر حلوہ پکایا جائے ثواب کا عقیدہ نہ ہوتو بھی اس میں بدعت کی تائید وترویج ہوتی ہے، معہذا یہ حرام نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۱،ص ۳۸۵)

مسئلہ:۔ اسی طرح یہ مشہور ہے کہ شب برأت کے حلوہ سے اگر رمضان کا پہلا روزہ افطار کرلیا جائے تو بہت ثواب ہے، یہ بالکل غلط بات مشہور ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

(اغلاط العوام: ص۱۲۴، اور تفصیل کے لیے دیکھئے احقر کی مرتب کردہ: ''مسائل شب برأت وشبِ قدر'')

مخصوص راتوں میں چراغاں کرنا

سوال:۔ کیا ستائیس رمضان کی شب اور بارہ ربیع الاول کی شب کو روشنیوں اور جنڈیوں کا انتظام کرنا باعث ثواب ہے؟

جواب:۔ خاص راتوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کے انتظام کو فقہاء نے بدعت اور اسراف (فضول خرچی) کہا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۸، ص۱۲۹)

مسئلہ:۔ شب معراج یا کسی خاص رات میں قبرستان میں چراغاں کرنا یا قبروں کو سجانا، صاف کرنا یا پانی چھڑکنا، یہ سب امور بدعت اور ناجائز ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱، ص۱۷۲)

صفر کے آخری چہار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا

سوال:۔ ہمارے یہاں یہ روایت مشہور کر رکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غسل صحت کیا تھا، کارخانہ کے ملازموں کو مٹھائی تقسیم کرنی پڑتی ہے، ورنہ ملازم نقصان پہنچاتے ہیں، کام چھوڑ دیتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشی کی تقریب منانا، مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً بے دلیل ہے، اس تاریخ میں غسل صحت آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے، البتہ شدتِ مرض کی روایت مدارج نبوت میں ہے۔

یہود کا آنحضرت ﷺ کے شدتِ مرض سے خوش ہونا بالکل ظاہر اور ان کی عداوت اور شقاوت کا تقاضہ ہے (آپ ﷺ کے شدتِ مرض کی خوشی میں دشمنان اسلام یہودیوں نے خوشی منائی تھی) مسلمانوں کا اس دن مٹھائی تقسیم کرنا نہ شدتِ مرض کی خوشی میں ہے اور نہ

یہود کی موافقت کی خاطر ہے، اور نہ ان کو اس روایت کی خبر ہے، نہ یہ فی نفسہٖ کفر وشرک ہے، اس لیے ان حالات میں کفر وشرک کا حکم نہ ہوگا، ہاں! یہ کہا جائے گا کہ یہ غلط طریقہ ہے، اس سے بچنا لازم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس روز غسل صحت ثابت نہیں ہے، کوئی غلط بات منسوب کرنا سخت معصیت ہے، بغیر نیت موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، نہایت نرمی وشفقت سے کارخانہ دار اپنے کاریگروں کو بہت پہلے سے تبلیغ وفہمائش کرتا رہے اور اصل حقیقت مسئلہ کی ان کے ذہن میں اتار دے، اور ان کی مٹھائی کا مطالبہ کسی دوسری تاریخ میں حسنِ اسلوب سے پورا کردے، مثلاً عید وغیرہ پر، جس سے ان کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ بخل کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۵، ص ۴۱۲)

مسئلہ:۔ ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشی کے دن کے طور پر منانا بالکل بے اصل اور بلا دلیل ہے، مسلمانوں کو خوشی کے طور پر منانا جائز نہیں ہے، خلافِ شرع اور ناجائز ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱، ص ۱۲۰، فتاویٰ رشیدیہ: ج ۱، ص ۱۶۳، اغلاط العوام: ص ۳۷، وآپ کے مسائل: ج ۸، ص ۱۴۷، واحسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۳۶۰)

ماہِ ذی قعدہ کو منحوس سمجھنا کیسا ہے؟

سوال:۔ ذی قعدہ کے مہینہ کو ''خالی کا ماہ'' کہا جاتا ہے، اور اس کو منحوس سمجھ کر لوگ (اس میں) رشتہ ونکاح نہیں کرتے تو اس طرح سے اس کو منحوس سمجھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ ماہِ ذی قعدہ بڑا ہی مبارک مہینہ ہے، یہ مہینہ ''اشہر حرم'' یعنی حرمت والا اور عدل کا ایک مشہور مہینہ ہے، قرآن شریف میں اس کا بیان ہے ﴿منها اربعة حرم﴾ یعنی (بارہ ماہ میں) چار ماہ عدل وعزت کے ہیں (سورۃ التوبہ) نیز یہ مہینہ ''اشہر حج'' میں شامل ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے اور وہ سب ذی قعدہ میں کیے بجز اُس عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا تھا۔ (مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۲۲۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس میں تین عمرے فرمائے ہوں ایسا مہینہ منحوس کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کو منحوس سمجھنا اور اس میں رشتہ اور نکاح وغیرہ اور خوشی کے کاموں کو نامبارک ماننا جہالت اور مشرکانہ ذہنیت ہے اور اپنی طرف سے ایک جدید شریعت کی ایجاد ہے، ایسے

ناپاک خیالات اور غیر اسلامی عقائد سے توبہ کرنا ضروری ہے اور اس ماہ کو ذی قعدہ کہنا چاہئے، خالی کا مہینہ نہیں کہنا چاہئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۳۸۳، بحوالہ مرقات۔
(ج ۱، ص ۳۹۹، واحسن الفتاویٰ، ج ۱، ص ۴۸، وبہشتی زیور، ج ۶، ص ۵۹)

شدید بارش یا وباء کے وقت اذان دینا

مسئلہ:۔ علیٰ سبیل التداعی نہ ہو تو اپنے طور پر (ایسے موقعوں پر) تلاوت کرتے رہیں، تو جائز ہے، تداعی کی صورت جائز نہیں، فقہاء کرامؒ نے نماز کے علاوہ جتنے مواقع اذان کے بیان فرمائے ہیں ان میں یہ نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ ان مواقع پر اذانیں دینا شرعاً ثابت نہیں، لہٰذا یہ بدعت ہے، اس کے علاوہ دو گناہ مزید ہیں، ایک یہ کہ لوگوں کو نماز کے اوقات میں اشتباہ ہوگا کہ فجر کی سنتیں رات ہی میں پڑھ لیں گے، یا صبح ہونے کے گمان میں فجر کی نماز ادا کریں گے، دوسرا گناہ یہ کہ رات میں لوگوں کے آرام میں خلل پڑتا ہے اور رات میں سونے نہ دینا گناہ ہے۔

ارتکاب بدعت، لوگوں کی نمازیں برباد کرنے اور مریض وضعیفوں کو پریشان کرنے اور عام مسلمانوں کو ایذا پہنچانے جیسے موجب عذاب عمل سے نزول رحمت کی امید رکھنا انتہائی حماقت ہے، اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ معاصی (گناہ) چھوڑی جائیں، مالک کی نافرمائی سے توبہ واستغفار کر کے اس کو راضی کیا جائے۔

آج کل جتنے شدید اور کثیر گناہوں اور موجب عذاب ووبال بداعمالیوں کا کھلی مجلس میں رات دن مشغلہ جاری ہے، اسکا اندازہ کیا جائے، تو آج کل کے ایک دن کی سیاہ کاریاں عام زمانہ میں کئی سالوں کی بداعمالیوں سے بھی کہیں زیادہ ہیں، پھر اس کے ساتھ اذانوں کا سلسلہ شروع کر کے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے، اللہ ترکِ سیئات اور نافرمانی سے توبہ واستغفار کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

مسئلہ:۔ اذان کے کلمات ((لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ)) کا جواب بعینہ وہی ہونا چاہئے، ((محمد رسول اللہ)) کا اضافہ کرنا زیادتی فی الدین اور بدعت ہے۔

اگر مؤذن ((لا الٰہ الا اللہ)) کے بعد اسی طرح بلند آواز سے ((محمد رسول

اللہ)) کہے تو اس کو ہر شخص اذان پر زیادتی سمجھ کرنا جائز کہے گا، اسی طرح اذان سننے والے کا ((محمدرسول اللہ)) کہنا اذان کے جواب پر اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ، ج۱،ص ۳۷۸، ونظام الفتاویٰ، ج۱،ص۱۹۲، واغلاط العوام:ص۵۲)

مسئلہ :۔ مشہور ہے کہ اذان نماز کیلئے مسجد میں بائیں طرف ہو اور اقامت یعنی تکبیر داہنی طرف ہو، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے (یعنی یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ جس جگہ بھی اور جہاں بھی مناسب خیال کریں کہ یہاں سے آواز دور تک پہنچے گی وہیں اذان واقامت کہہ دیں)۔ (رفعت قاسمی)

مسئلہ :۔ بعض لوگ اذان کے سامنے سے یعنی اذان دینے والے یا دعا کرنے والے کے سامنے سے جانا، گزرنا ناجائز سمجھتے ہیں، اس کی بھی کچھ اصل نہیں ہے۔ (اغلاط العوام:ص۵۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے وقت انگوٹھے چومنا

مسئلہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر یا لے کر انگوٹھے چومنا بالکل ناجائز ہے، درود شریف پڑھنے کی فضیلت اور تاکید احادیث صحیحہ میں آئی ہے، مگر صحیح حدیث شریف میں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۲،ص۳۰۴، تفصیل دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ ج۱،ص۵۸، بخاری شریف: ج۱،ص۳۷۱، درمختار،ص۴۸۱، محمودیہ، ج۱،ص۱۸۶، واحسن الفتاویٰ، ج۱،ص۳۷۸، وامدادالاحکام، ج۱،ص۱۸۸، وکفایت المفتی: ج۱،ص۱۰۴)

مسئلہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر ہاتھ چومنا اور آنکھوں پر لگانا بدعت ہے، اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں، بجز اس کے کہ محض مشائخ نے آشوبِ چشم (آنکھ دکھنے) کا علاج بتایا ہے کہ اذان میں اس کلمہ کو سن کر آنکھوں کو لگالے تو آنکھ کا آشوب ٹھیک ہوجاتا ہے، اس کو ہر وقت کرنا انہوں نے بھی نہیں فرمایا، اس کو حدیث کہنا یا حدیث سے ثابت سمجھنا یا ضروری قرار دینا، سب ناجائز اور بدعت ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۱۹۲، وعین الہدایہ: ج۱،ص۳۹۹، وعالمگیری، ج۴،ص۲۶۲، کراہت کا بیان)



حضور ﷺ کے بال مبارک کی زیارت کرنا

مسئلہ :۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بال مبارک صحابہ کرامؓ کو تقسیم فرمائے تھے، اگر کسی کے پاس بال مبارک ہو تو تعجب کی بات نہیں، اگر صحیح اور قابل اعتماد سند ہو تو اس کی تعظیم کی جائے، اور اگر سند نہ ہو اور مصنوعی ہونے کا یقین نہیں تو خاموشی اختیار کی جائے، نہ اس کی تصدیق کرے اور نہ جھٹلائے، نہ تعظیم کرے اور نہ اہانت کرے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲،ص ۲۷۷، بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۱،ص ۴۳، بخاری شریف: ج ۱،ص ۸۷۵، وج ۱،ص ۱۶۸)

مسئلہ :۔ بال مبارک کی زیارت آنکھوں سے دیکھ کر کر لی جائے درود شریف پڑھتے ہوئے، زیارت کے وقت جو نذرانہ دیکھنے والوں سے لیا جاتا ہے، وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دینے والے بطور منت ونذر کے نہ دیتے ہوں، بلکہ خدامِ موئے مبارک کا دل خوش کرنے کے لیے ہدیہ دیتے ہوں۔ (امداد الاحکام، ج ۱،ص ۱۹۹)

اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنا

سوال :۔ بعدِ نماز جمعہ اجتماعی طور پر کچھ لوگ بیٹھ کر آہستہ آہستہ آواز سے درود شریف پڑھیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب :۔ کبھی کبھی بلا اہتمام ایسا کرنا اگر چہ ناجائز ہے، مگر آئندہ چل کر ایسی چیزیں بدعت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، ان کا اہتمام والتزام ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کی قیود کا اضافہ ہونے لگتا ہے، جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ شریعت پر زیادتی ہے جس کا کسی کو حق نہیں، اس لیے ایسے امور سے اجتناب ضروری ہے، اپنے اپنے طور پر ہر شخص جتنا چاہے درود شریف پڑھے باعثِ برکت ہے۔ (احسن الفتاویٰ، ج ۱،ص ۳۸۰)

مسئلہ :۔ جب خطبہ میں حضور ﷺ کا نام مبارک آئے یا خطیب یہ آیت پڑھے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ تو سننے والوں کے لیے درود شریف زبان سے پڑھنا جائز نہیں، چونکہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے، اس لیے اس حالت میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں، دل میں پڑھ سکتے ہیں۔ (احسن الفتاویٰ، ج ۱،ص ۳۸۰)

نماز جمعہ کے بعد اجتماعی صلوٰۃ وسلام

سوال:۔ بعض جگہ مسجد میں نماز کے بعد خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد قیام کر کے لوگ اجتماعی طور پر ایک خاص طرز سے جھوم جھوم کر، زور زور سے التزاماً درود وسلام پڑھتے ہیں اوراس طریقہ کو''اہل سنت''(سنی) ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے، جولوگ ان کے ساتھ اس فعل میں شرکت نہیں کرتے ان کو اہل سنت والجماعت سے خارج کہتے ہیں، بدعقیدہ سمجھتے ہیں، درود اور معاذاللہ! حضورﷺ کا مخالف اور گستاخ کہتے ہیں اور بعض متشدد تمام حدود سے تجاوز کرتے ہوئے کفر کا فتویٰ بھی لگا دیتے ہیں۔((ان اللہ، معاذاللہ!))۔

جواب:۔ یقیناً درود وسلام بہت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور بہت عظیم عمل ہے، قرآن مجید میں بڑے اہتمام کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا ہے، احادیث میں اس کے بے شمار فضائل اور فوائد بیان کئے گئے ہیں، اس عظیم عبادت کے لیے بھی دیگر عبادات کے مانند کچھ اصول اور آداب ہیں ان کی رعایت کرنا اور انکی پابندی کرنا بہت ضروری ہے اور انکو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشات اور اپنے من گھڑت اور خودساختہ طریقے کے مطابق عمل کرنا بجائے ثواب کے گناہ اور بجائے قرب کے بعد کا سبب بن سکتا ہے۔

غور کیجئے! اگر کوئی شخص نماز کی ابتداء تکبیر تحریمہ کے بجائے درود شریف سے کرے، سورۂ فاتحہ کی جگہ درود پاک پڑھے، سورت ملانے کے بجائے درود شریف پڑھتا رہے، تکبیرات انتقالات کے موقع پر درود پاک کا ورد کرتا رہے، رکوع اور سجدہ میں بھی درود پڑھتا رہے، تشہد چھوڑ کر درود پاک کا شغل رکھے تو آپ خود بتلایئے کہ ان مقامات پر درود پاک پڑھنے کی اجازت ہے؟ اور کیا اسے صحیح طریقہ کہا جاسکتا ہے؟ نماز صحیح ہو جائے گی؟ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھ لے تو سجدۂ سہولازم آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بے موقع اور بے محل درود شریف پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

صلوٰۃ وسلام انفرادی طور پر (تنہا تنہا) پڑھا جاتا ہے، صلوٰۃ وسلام کے لیے اجتماع، اہتمام اور التزام ثابت نہیں ہے، حضور اقدس ﷺ کے قول وعمل، صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین، اولیاء عظام، مشائخ کرام، حضرت غوث الاعظم، خواجہ معین

الدین چشتی اجمیری، خواجہ نظام الدین اولیاء وغیرہ سے نماز کے بعد مسجد میں اجتماعی طور پر کھڑے ہوکر، زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا ایک نمونہ اور ایک مثال بھی پیش نہیں کرسکتے، لہٰذا یہ طریقہ یقیناً بدعت ہے، اسے ایجاد کرنے والے اور اس پر عمل کرنے اور اس پر اصرار کرنے والے اور اسے دین سمجھنے والے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور لعنت کے مستحق ہیں، اور بدعت کے سلسلے میں جو وعیدیں ہیں آپ اسے تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰،ص۴۳۰)

جس عبادت میں اجتماع ثابت نہ ہو اس میں اجتماع سے روکا جائے گا

جس عبادت کے لیے اجتماع ثابت نہ ہو، اگر اہتمام والتزام کے ساتھ اجتماعی طریقہ سے اس کو ادا کیا جائے گا تو وہ مناسب طریقہ نہ ہوگا اور اس سے روکا جائے گا اسلاف عظام سے اس کا ثبوت بھی ہے، اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱۔ چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے، مگر اس کے لیے مساجد میں اجتماع اور اہتمام ثابت نہیں، حضرت ابن عمرؓ نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوکر پڑھتے ہیں تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے بدعت قرار دیا۔ ((**عن مجاهد قال: دخلت انا وعروة بن الزبير المسجد، فاذا عبدالله بن عمر جالس الى حجرة عائشة واذا اناس يصلون في المسجد صلوٰة الضحى، قال: فسالناه عن صلوتهم، فقال: بدعة،**))۔ (بخاری شریف: ج۱،ص۲۳۸)

عیدگاہ جاتے آتے راستہ میں تکبیر: ((**الله اكبر الله اكبر، لااله الاالله والله اكبر، الله اكبر، ولله الحمد**)) پڑھنا مستحب ہے، لیکن سب مجتمع ہوکر آواز سے راگ کی رعایت کرتے ہوئے نہ پڑھیں کہ یہ حرام ہے، بلکہ ہر ایک اپنے اپنے طور پر تکبیر پڑھے۔ (مجالس الابرار: ص۲۱۳م۳۲)

۲۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی راتوں میں، شب برأت میں، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کی راتوں میں، ذی الحجہ کے دس دن اور ان کی دس راتوں میں عبادت کی بڑی فضیلت

آئی ہے۔ لیکن فقہائے کرام تحریر فرماتے ہیں: کہ ان راتوں میں عبادت کرنے، نوافل وغیرہ پڑھنے کے لیے مساجد میں جمع ہونا مکروہ ہے۔

۳۔ علامہ ابن الحاج ''کتاب المدخل'' میں فرماتے ہیں: ((**انما اجتماعهم لذلک فبدعة کما تقدم**)) یعنی جمعہ کے دن سورۂ کہف مسجد میں اجتماعی طور پر پڑھنا بدعت ہے۔ (انفرادی طور پر پڑھنا بہت عظیم ثواب کا کام ہے) (کتاب المدخل: ج ۲، ص ۸۱)

۴۔ امام نافعؒ فرماتے ہیں، کہ حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی، اس نے ((**الحمدلله و السلام علیٰ رسول الله**)) کہا، حضرت ابن عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا، میں بھی یہ کلمات پڑھ سکتا ہوں، مگر اس موقع پر یہ کلمات پڑھنے کی رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تعلیم نہیں دی، اس موقع پر ہمیں یہ تعلیم فرمائی کہ یہ کلمات کہیں ((**الحمدلله علیٰ کل حال**))

((**عن نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمرؓ فقال الحمدلله والسلام علیٰ رسول الله ولیس هٰکذا علمنا رسول الله ﷺ علمنا ان نقول الحمدلله علیٰ کل حال**))۔ (ترمذی: ج ۲، ص ۹۸۔ مشکوٰۃ شریف: ص ۴۰۶)

ان کلمات میں یہ زائد کلمہ: ((**و السلام علیٰ رسول الله**)) اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے، لیکن اس موقع پر حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کی تعلیم نہیں دی، حضرت ابن عمرؓ کو یہی چیز نئی معلوم ہوئی اس لیے فوراً آپ نے اس پر نکیر فرمائی۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں: عبادت میں مخصوص کیفیات اور مخصوص طریقے اور اوقات مقرر کر لینا جو شریعت میں وارد نہیں ہیں، بدعت اور ناجائز ہیں۔ (الاعتصام: ج ۱، ص ۲۴)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ ہر وہ کام جس کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ترغیب نہ ہو اس کی ترغیب دینا اور جس کا وقت مقرر نہ ہو اس کا وقت مقرر کر لینا سنت سید الانام ﷺ کے خلاف ہے اور سنت کی مخالفت حرام ہے۔

(مجموعہ فتاویٰ عزیزیہ: ج ۱، ص ۹۹)

بحر الرائق میں ہے: ((**ولان ذکر الله تعالیٰ اذا قصد به التخصیص بوقتٍ دون وقتٍ او بشئی دون شئ لم یکن مشروعاً حیث لم یرو به الشرح لانه خلاف المشروع**))۔ (البحر الرائق: ج ۲، ص ۱۵۹)

ایک اشکال کا جواب

کچھ لوگ بڑی سادگی سے کہتے ہیں کہ اس میں گناہ کی کون سی بات ہے؟ درود ہی تو پڑھا جارہا ہے: لیکن اگر مذکورہ بالا گذارشات پر غور کریں گے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگی کہ جو عمل بے موقوع اور بے محل کیا جاتا ہے وہ قابل ملامت اور قابل مواخذہ ہوسکتا ہے۔

دیکھیۓ! روایت میں ہے: امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو عید گاہ میں عید کے دن دیکھا کہ وہ عید کی نماز سے پہلے نماز پڑھ رہا ہے تو حضرت علیؓ نے اسے روک دیا، اس نے عرض کیا: امیر المؤمنین! مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب نہیں دے گا، حضرت علیؓ نے فرمایا: مجھے بھی یقین ہے کہ آنحضورﷺ نے جو کام نہیں کیا یا جس کے کام کے کرنے کی ترغیب نہیں دی اس پر اللہ تعالیٰ ثواب نہیں دے گا، اس لیے وہ کام عبث ہوگا اور عبث کام بے کار و بے فائدہ ہے، پس ڈر ہے کہ رسول اللہﷺ کے طریقہ سے مخالف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب دے۔ (مجالس الابرار: ص ۱۲۹، م ۱۸)

ایک شخص عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھتا تھا، حضرت سعید بن المسیبؒ نے اسے روکا تو اس نے سعید بن مسیّب سے دریافت کیا: ((یاابامحمد! یعذبنی الله علی الصلوٰة)) اے ابومحمد! کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا دیں گے؟ آپ نے فرمایا: ((لکن یعذبک الله بخلاف السنة)) (عبادت موجب سزا وعتاب نہیں) لیکن خدا تعالیٰ سنت کی مخالفت پر تجھے سزا دیں گے۔ (مسند دارمی)

غور کیجیۓ! نماز عبادت ہے، حضور اقدسﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، گر عید کی نماز سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا، چونکہ خلافِ سنت ہے، اس لیے موجب عتاب قرار پایا اور شدت سے منع کیا گیا۔

لہٰذا صلوٰۃ وسلام کا جو طریقہ ایجاد کیا گیا ہے، اسے بدعت ہی کہا جائے گا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے زمانہ میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ لوگ مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں تو آپ نے ان کو بدعتی قرار دیا اور مسجد سے نکال دیا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۲۹ تا ۴۳۳)

دعا ثانی

بعض مسجدوں میں یہ طریقہ ہے کہ فرض نماز کے بعد فقط ((اللھم انت السلام)) والی دعا مانگی جاتی ہے، پھر سنن وغیرہ مسجد میں پڑھ کر امام اور مقتدی اکٹھے ہو کر ''الفاتحہ'' کہہ کر اجتماعی دعا کرتے ہیں، اور اس کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے، امام کے ساتھ شرط کی جاتی ہے کہ اس طرح فاتحہ پڑھنا ہوگا، جو لوگ اس طرح دعا ثانی نہیں کرتے، ان کو تارک فاتحہ، منکر دعا، بدعقیدہ کہتے ہیں، حتیٰ کہ اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھتے ہیں۔

مسنون یہ ہے کہ فرض نماز جماعت سے پڑھی ہے تو نماز کے بعد عا بھی جماعت کے ساتھ کی جائے، یعنی امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھی ہیں تو دعا بھی الگ الگ مانگیں، سنن اور نوافل کے بعد فاتحہ اور دعا ثانی کا طریقہ خلاف سنت، بے اصل، من گھڑت اور بلا دلیل ہے، الگ الگ سنتیں اور نفل پڑھنے کے بعد سب کا اکٹھا ہونا اور اکٹھے ہو کر دعا مانگنا نہ آنحضرت ﷺ کے کسی عمل اور فرمان سے، نہ صحابہ و تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی کے قول و عمل سے ثابت ہے، آنحضرت ﷺ، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز جماعت سے ادا فرما کر دعا بھی جماعت کیساتھ (امام اور مقتدی سب مل کر) مانگا کرتے تھے، اور پھر سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھا کرتے تو دعا بھی الگ الگ مانگا کرتے تھے، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سنن گھر جا کر پڑھتے تھے اور صحابہؓ کو بھی یہی ہدایت فرماتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسجد بنی اشہل میں نمازِ مغرب ادا فرمائی، نماز کے بعد دیکھا کہ جماعت میں شریک ہونے والے مسجد میں سنتیں اور نفلیں پڑھ رہے ہیں، فرمایا: ''یہ نمازیں تو گھر میں پڑھنے کی ہیں۔'' (ابوداؤد، ترمذی، نسائی،، مشکوۃ شریف: ص ۱۰۵)

بہر حال جب یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ اکثر و بیشتر سنتیں گھر جا کر ادا فرماتے تھے تو امام و مقتدی کا مل کر با جماعت دعا مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیا سنتیں گھر میں پڑھ کر دوبارہ مسجد میں جمع ہوتے تھے؟ اور جماعت کے ساتھ دعا مانگا کرتے تھے؟ دعا مانگنے کے لیے دولت خانہ سے مسجد میں آنا تو در کنار، واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی

مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو مسجد میں سنتیں پڑھنے کا اتفاق ہوا، تب بھی آپ ﷺ نے مقتدیوں کیساتھ مل کر دعا نہیں فرمائی۔ بلکہ آنحضرت ﷺ سنتوں میں مشغول رہتے اور مقتدی اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ کی فراغت کا انتظار کیے بغیر ایک ایک کر کے چلے جاتے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "آنحضرت ﷺ بعد نمازِ مغرب سنتوں میں اتنی طویل قرأت فرماتے تھے کہ مصلی مسجد سے چلے جاتے تھے۔

(ابوداؤد شریف: ج۱، ص۱۹۱)

((كان رسول الله ﷺ يطيل القراءة في الركعتين بعد المغرب حتى يتفرق اهل المسجد))

اور حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا، آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر نماز میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ مسجد میں سوائے آپ ﷺ کے کوئی باقی نہ رہا۔ (شرح معانی الآثار: ج۱، ص۲۰۱)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ سنن کے بعد امام و مقتدی کے مل کر دعا مانگنے کا دستور تھا ہی نہیں: لہٰذا یہ دستور اور طریقہ خلافِ سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰، ص۴۴۳، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول، ص۲۱۵ تا ۲۱۷)

مسئلہ:۔ حسب تصریح فقہاء حنفیہ یہی ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان میں فرض کا سلام پھیرتے ہی مختصر دعا کر کے سنن رواتب میں مشغول ہو جائیں اور سنتیں پڑھنے کے بعد ہر شخص اپنے کام میں لگے، اور جن فرضوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں، انمیں سلام پھیر کر امام دائیں یا بائیں جانب منحرف ہو کر (پھر) اذکارِ ماثورہ پڑھے، پھر سب نمازی دعا کریں اور دعا میں "الفاتحہ" کہہ کر (فاتحہ وغیرہ) پڑھنا یہ بدعت ہے، اس کی کچھ اصل نہیں، بالخصوص التزام و اصرار کی وجہ سے یہ بدعت سیئہ میں داخل ہے۔

متولیانِ مسجد کو اس طریقۂ بدعت پر ہرگز امام کو مجبور کرنا جائز نہیں، اور یہ جبر بالکل خلافِ شریعت و اشاعت بدعت ہے، جس کا کرنے والا شرعاً بوجہ ابتداع کے مستحق گناہِ عظیم ہے۔ (امداد الاحکام: ج۱، ص۱۷۸)

مسئلہ:۔ احادیث شریفہ میں سونے وجاگنے کے وقت کی دعا منقول ہے، مسجد میں داخل ہونے و نکلنے کے وقت کی دعا مذکور ہے، ہمبستری سے پہلے اور بعد کی دعا بھی موجود ہے، بیت الخلاء میں جانے و نکلنے کی دعا بھی ثابت اور منقول ہے تو سنن و نوافل کے بعد کی دعا کیوں منقول نہیں؟ اگر ثابت ہوتی تو منقول ہوتی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنتوں کے بعد امام و مقتدی کے مل کر دعا کرنے کا دستور تھا ہی نہیں، لہٰذا اس طریقہ کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، عمل وہی مقبول ہے جو خالص ہونے کے ساتھ ساتھ سنت کے مطابق بھی ہو۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ٦، ص ١٨٨، ج ١٠، ص ۴۴۴، اغلاط العوام: ص ۹۷)

ہمیشہ نماز کے بعد زور سے کلمہ پڑھنا

سوال:۔ ہر نماز فرض کے بعد زور سے کلمہ پڑھنا، جبکہ مسبوق کی نماز میں خطرہ واقع ہوتا ہے، کیسا ہے؟

جواب:۔ ہر فرض نماز کے بعد التزام اس کا بدعت و مکروہ ہے، درمختار میں مسجد کے مکروہات میں بلند آواز سے ذکر کو بھی مکروہات میں شمار کیا ہے اور ہر چند کہ ذکر بالجہر یعنی بلند آواز سے ذکر جائز اور مستحب ہے، لیکن اس ہیئت خاص اور التزام خاص کے ساتھ خصوصاً جبکہ نمازیوں کے تشویش کا بھی اندیشہ ہے تو مکروہ و بدعت ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم قدیم: ج ۴، ص ۱۴)

مسئلہ:۔ اکثر عوام کی عادت ہے کہ دعا کے ختم کرنے کے بعد جب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں۔ بہر حال کلمہ طیبہ فی نفسہ بہت اونچا درجہ رکھتا ہے، مگر چونکہ اس موقع پر اس کا پڑھنا احادیث سے ثابت نہیں، اس لیے اس کو ترک کرنا چاہئے، دعا کے ختم پر درود شریف پڑھنا چاہئے۔ (اغلاط العوام: ص ۹۷)

(یعنی اس کو دعا کا جزء نہ بنایا جائے، تاکہ عوام یہ نہ جانیں کہ یہ ضروری ہے)۔

نماز کے بعد مصافحہ کرنا

مسئلہ:۔ ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا طریقہ بدعت ہے، نبی کریم ﷺ سے اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے اور ان کے بعد ائمہ دین اور اسلافِ امت سے کہیں اس کا

ثبوت نہیں ہے۔ (امداد المفتیین: ج۱ص ۲۲)

مسئلہ:۔ عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کا رواج بدعت ہے، دوسرے اوقات کی طرح کسی شخص سے اس وقت نئی ملاقات ہو تو مصافحہ کر لے ورنہ نہیں۔

(امداد الاحکام: ج۱،ص ۱۸۸، ونظام الفتاویٰ: ج۱،ص ۱۲۸)

مسئلہ:۔ لوگ پنجگانہ نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں، وہ بدعت مکروہہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

امام کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں نے نماز فجر اور جمعہ اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کا جو نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، بلکہ بعض نے پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ کا طریقہ ایجاد کیا ہے، اس سے ان کو منع کرے کہ یہ بدعت ہے، شریعت میں مصافحہ کسی مسلم سے ملاقات کرتے وقت ہے نہ کہ نمازوں کے بعد، لہٰذا شریعت نے جو محل مقرر کیا ہے، اسی جگہ اس کو بجا لائے اور سنت کے خلاف کرنے والے کو روکے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۳،ص ۲۷، تفصیل کے لیے دیکھئے: ''مسائل آداب وملاقات'')

مسئلہ:۔ بعض جگہ عید کا مصافحہ کرنے کا جو رواج ہے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ بدعت اور مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱،ص ۲۱۶، وعین الہدایہ: ج۴،ص ۲۹۴، ومظاہر حق: ج۴،ص ۵۹، ودر مختار، ج۱، ص ۳۸۵ باب العید)

مصافحہ حدیث سے ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت وارد ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ((**مامن مسلمين يلتقيان فيتصافحان الاغفر لهما قبل ان يتفرقا**)) جب دو مسلمان مل کر باہم مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے قبل ہی ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (ترمذی شریف: ج۲،ص ۹۷)

اس سے ثابت ہوا کہ مصافحہ مسلمانوں کی باہم ملاقات کے وقت بعد سلام کے مسنون اور مشروع ہے اور چونکہ مصافحہ تکلمۂ سلام ہے تو بعد سلام کے ہونا چاہئے۔

مجالس الابرار میں ہے: ((**واما المصافحة فسنة عند التلاقى**)) اور مصافحہ ملاقات کے وقت مسنون ہے، کیونکہ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دو مسلمان جب ملیں اور مصافحہ کریں تو دونوں کے جدا ہونے سے قبل ہی

ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (ص ۴۹۲، مجلس ۸۴)

ملاقات کے شروع میں یعنی جیسے ہی ملاقات اور سلام وجواب ہو، اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت جو مصافحے کیے جاتے ہیں مثلاً نماز فجر، نماز عصر نماز جمعہ یا نماز عیدین وغیرہ کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے، یہ غلط ہے، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰، ص ۴۴۵)

میت کے گھر قرآن کے لیے اجتماع

مسئلہ:۔ خیر القرون میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ خاص خاص دنوں اور متعینہ تاریخوں میں میت کے گھر قرآن پڑھتے ہوں اور ختم قرآن کے لیے حفاظ وغیرہ کو دعوت دے کر جمع کیے جاتے ہیں اور رقم یا مٹھائی تقسیم کی جاتی ہو، قرآن پاک پڑھنے پر نقد لینے دینے اور شیرینی وغیرہ کھلانے کا التزام اور عادت بھی منع اور مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳، ص ۱۹۵، شامی، ج ۱، ص ۸۴۲)

مسئلہ:۔ جو بدعات ہیں مثلاً تیجہ وغیرہ اُن کا کرنا کسی وجہ سے بھی درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۵۷)

مسئلہ:۔ تیجہ، دسواں، چالیسواں، وغیرہ سب بدعت ضلالہ ہیں، کہیں اس کی اصل نہیں ہے، ایصالِ ثواب کرنا چاہئے، بغیر قید کے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۵۴، فتاویٰ محمودیہ: ج ۱، ص ۲۲۸)

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

مسئلہ:۔ جنازہ کے ساتھ ذکر خفی کی (ہلکی آواز سے) اجازت ہے، زور سے پڑھنے کی اجازت نہیں مکروہ ہے، لہٰذا جنازہ کے آگے چند آدمیوں کا آواز ملا کر بلند آواز سے کلمہ پڑھنے کا طریقہ خلافِ سنت اور مکروہ تحریمی ہے، جنازہ کے ساتھ دل دل میں اللہ کا ذکر کیا جائے، جہراً (بلند آواز سے) مکروہِ تحریمی ہے۔

مسئلہ:۔ جنازہ کی نماز خود اعلیٰ درجہ کی دعاء ہے، اس کے بعد دوسری دعا اجتماعی ثابت نہیں ہے، چلتے چلتے تنہا تنہا دل دل میں دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جنازہ روک کر اجتماعی دعا کا رواج خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ تدفین کے بعد چند قدم چل کر دعا کرنے کا رواج اور میت کے گھر دعا کرنے کے لیے جمع ہونے کا دستور خلافِ سنت ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۶،ص۱۹۴، بحوالہ شامی: ج۱،ص۸۳۸، بحر: ج۵،ص۷۶)

بدعتیوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا

مسئلہ:۔ تعزیہ داروں اور مرثیہ خوانوں اور بے نمازوں کی جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ یہ لوگ فاسق ہیں اور فاسق کے جنازہ کی نماز واجب ہے، پس ضرور پڑھنی چاہیئے۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص۲۷۰)

مسئلہ:۔ بدعتی کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جس سے بدعتی ہونے کی حیثیت سے اس کی عزت افزائی ہو اور جس سے بدعت کو تقویت اور فروغ ہو، جائز نہیں ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ج۱،ص۱۲۳)



اللھم اجعلہ خالصاً لوجھک الکریم
وتقبل منی انک انت السمیع العلیم
رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی
ربّنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی
وللمؤمنین یوم یقوم الحساب

ایک التجاء

حسب سابق خوشی کے ساتھ کتاب کا آغاز کیا گیا،لیکن کتاب کے اختتام پر حزن وملال اور رنج والم کی ایک عجیب سی کرب انگیز کیفیت طاری ہے، ذہن میں زندگی کی بے ثباتی سے متعلق مختلف طرح طرح کے خیالات آنے لگے اور بڑے بھائی محمد اسعد صدیقی مرحوم کی یاد تازہ ہوگئی کہ عرصہ قبل (جون ۲۰۰۰ء میں) ہی تو اپنے اس قریب ترین خون کو کھویا، گویا اس سانحہ کو ابھی صرف دوسال ہی گزرے تھے کہ ایک اور چھوٹے بھائی محمد ثروت صدیقی (۱۵/ جولائی ۲۰۰۲ء مطابق ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ میں) اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے، جدائی بھی اچانک طریقہ پر ہوئی۔جس نے سب پر سکتہ سا طاری کردیا،لیکن ہمارا ایمان ویقین ہے کہ جب وقت موعود آجاتا ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

((اناللہ و انا الیہ راجعون))

اس لیے ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ مرحومین کے لیے کم سے کم تین مرتبہ سورۂ ''اخلاص'' پڑھ کر ایصالِ ثواب فرمادیں، نہ معلوم کس کی دعا مغفرت اور درجات کی بلندی کا سبب ہوجائے۔

رب اغفرلی ولاخی وادخلنا
فی رحمتک وانت ارحم الراحمین

محمد رفعت قاسمی
خادم التدریس دارالعلوم دیوبند
۱۰/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ، یوم جمعہ
مطابق: ۱۶/ مارچ ۲۰۰۳ء۔

مآخذ ومراجع کتابیں

معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	بانی بک ڈپو، دیوبند
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ	الفرقان بک ڈپو، لکھنؤ
فتاویٰ دار العلوم	مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سابق مفتی اعظم ہند	مکتبہ دار العلوم دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	مولانا سید عبد الرحیم صاحبؒ	مکتبہ مفتی اسٹیٹ راندیر
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود صاحبؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند	مکتبہ محمودیہ شہر میرٹھ
فتاویٰ عالمگیری	علماء وقت عہد اورنگ زیب	شمس پبلشرز دیوبند
کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
علم الفقہ	مولانا عبد الشکور صاحبؒ لکھنوی	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
عزیز الفتاویٰ	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
امداد المفتین	مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند
فتاویٰ رشیدیہ کامل	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
کتاب الفقہ علی المذاہب اربعہ	علامہ عبد الرحیم الجزریؒ	اوقاف پنجاب، پاکستان
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	عارف کمپنی دیوبند
درمختار	علامہ ابن عابدینؒ	پاکستانی
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ	مکتبہ تھانوی دیوبند
امداد الاحکام		پاکستانی
الترغیب والترہیب	مولانا ذکی الدین عبد العظیم المنذری	ندوۃ المصنفین دہلی
براہین قاطعہ	مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	دار الکتاب دیوبند

المہند علی المفند یعنی عقائد علماء دیوبند	مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
الشہاب الثاقب	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
سبیل السداد فی مسئلۃ الامداد	مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
السحاب المدرار	مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
توضیح البیان فی حفظ الایمان	مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
طریقۂ مولود شریف	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
حفظ البیان	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	
المبتدعین آنکھوں کی ٹھنڈک		مکتبہ دینیہ دیوبند
(مسئلہ حاضر وناظر)	مولانا سرفراز خان صاحب صفدر	مکتبہ دارالاشاعت دیوبند
ازالۃ الریب عن عقیدۃ الغیب	مولانا سرفراز خان صاحب صفدر	مکتبہ مدنیہ دیوبند
راہِ سنت	مولانا سرفراز خان صاحب صفدر	
نور وبشر	مولانا سرفراز خان صاحب صفدر	مکتبہ عکاظ دیوبند
دل کا سرور	مولانا سرفراز خان صاحب صفدر	مکتبہ عکاظ دیوبند
حق پر کون ہے؟	مولانا امام علی دانش	عظیم بک ڈپو دیوبند
زلزلہ درزلزلہ	مولانا امام علی دانش	عظیم بک ڈپو دیوبند
کلمۃ الایمان اور سنت وبدعت	مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ
بریلوی فتنے کا نیا روپ	مولانا محمد عارف سنبھلی	دارالکتاب دیوبند
علم غیب	قاری محمد طیب صاحب قاسمی	دارالکتاب دیوبند
بریلوی قرآن پاک کا علمی تجزیہ	مولانا اخلاق حسین قاسمی	
اشرف الجواب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	
بوارق الغیب	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ

فتح بریلوی کا دلکش نظارہ	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ
صاعقۂ آسمانی بر فرقۂ رضاخانی	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	
امعان النظر فی اذان القبر	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	
بریلویت کا شیش محل	مولانا محمد طاہر حسین گیاوی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
رضاخانیت کے علامتی مسائل	مولانا محمد طاہر حسن گیاوی	کتب خانہ نعیمیہ
انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک	مولانا محمد طاہر حسن گیاوی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
شمع توحید	مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
الجنۃ لاھل السنۃ	مولانا عبدالغنی پٹیالویؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
بریلوی مذہب پر ایک نظر	مولانا عبداللہ قاسمی غازی پوری	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
مختار کل	مولانا سرفراز خان صفدر	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
سماع موتی	مولانا سرفراز خان صفدر	
چراغ کی روشنی	مولانا سرفراز خان صفدر	
گلدستہ توحید	مولانا سرفراز خان صفدر	مکتب مدنیہ دیوبند
تاریخ میلاد	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	الفرقان بک ڈپو لکھنؤ
سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس	حکیم محمد طارق محمود چغتائی	مکتبہ امدادیہ سہارنپور

ارشادِ باری تعالیٰ

وہ کون ہے جو بے قرار کی پکار کا جواب دے۔ (نمل)

اللہ تعالیٰ مہربان ہے اور رحم کرنے والا ہے، اس نے اپنے بندہ سے فرمایا ہے کہ رحمتوں سے ناامید ہونا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کا اظہار ہی اس کی صفات اور رحمتوں کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر ہم اس کی رحمتوں کا شکر نہیں بجالاتے تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ حقیقتاً ہم اس کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں، اگرچہ لوگ زبان سے توحید کا اقرار کرتے ہیں، مگر عمل سے اس اقرار کا

اظہار نہیں ہوتا تو دراصل یہ بھی انکار کا ہی ایک پہلو ہے، ہمیں چاہئے کہ اگر ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو زبان اور دل سے اقرار کریں اور اپنے عمل سے اس اقرار کا اظہار کریں اگر ہم اسے مہربان تسلیم کرتے ہیں تو اس امر پہ یقین کرنا ہوگا کہ سچے دل سے کی ہوئی توبہ اور بے قراری سے مانگی ہوئی دعا وہ ہر صورت میں قبول فرماتا ہے۔ البتہ یہ حقیقت ذہن میں رہنی چاہئے کہ قبول کی ہوئی دعا پر عمل درآمد اللہ تعالیٰ بندہ کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض اوقات فوری کرتا ہے، بعض اوقات کچھ عرصہ بعد کرتا ہے اور بعض اوقات اس دعا کا صلہ آخرت کے لیے محفوظ رکھتے ہوئے بعض اوقات فوری کرتا ہے، بعض اوقات کچھ عرصہ بعد کرتا ہے اور بعض اوقات اس دعا کا صلہ آخرت کے لیے محفوظ کر لیتا ہے، اگر ہمارے مسائل حل نہیں ہو پاتے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی، بلکہ بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو آزماتا ہے کہ اس کا بندہ کتنا صابر اور شاکر ہے نیز اس کا ایمان تقویٰ کتنا پختہ ہے۔ (شوریٰ)

جب ہم بیمار پڑتے ہیں یا کسی پریشانی ونقصان سے دوچار ہوتے ہیں، اس کی وجہ کسی طبعی، اخلاقی یا روحانی قانون واصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "نافرمانوں پر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت ہمیشہ ٹوٹتی رہتی ہے"۔ مگر اپنے نیک بندوں کے متعلق قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "ہم نے انسان کے آگے اور پیچھے محافظ مقرر کر رکھے ہیں جو اسے ہمارا اشارہ پا کر ہر مصیبت سے بچاتے ہیں (رعد:۱۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے" ۔طلوع آفتاب سے پہلے، غروب آفتاب کے بعد، دورانِ شب اور دن کے دونوں کناروں پر اللہ کو یاد کیا کرو تا کہ تمہیں مسرت حاصل ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے، جو ایسی کتاب ہے کہ ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی جاتی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو اللہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ ہدایت کرتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔ (الزمر:۲۳)